

فوائد نافعہ

جلد اول

تالیف

حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ

محمدی شریف ضلع جھنگ پنجاب

باسمہ تعالیٰ جل شانہ
والزمہم کلمہ التقویٰ وکانوا حق بہا
واہلہا الخ (افتح: پ ۲۶)
و ثابت کرد بر ایشان سخن پرہیزگاری
و بودند سزاوار باں و اہل آں
(فتح الرحمن)

فوائد نافعہ (حصہ اول)

مولانا محمد نافع مدظلہ

کتاب ہذا میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دفاع کے لیے مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے چند فصل قائم کر دیے ہیں جن میں بعض اہم اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور فصل اول کے ابتداء میں قارئین کے فائدہ کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مختصر احوال شامل کر دیے ہیں۔ امید ہے قارئین کرام کتاب ملاحظہ فرما کر اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

دارالکتاب

کتاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور
کراچی
ہیڈ آفس: 34973024
0330-2223528
ہرم سیکر آف اسلام آباد، اردو بازار لاہور، لاہور
مطریات، پر نیوم انٹرنیٹ، شیخ، احترام، تحائف، جائے نماز، نوٹس
CDs اور ویسٹ بار عایت حاصل کریں۔

ضابطہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب :	فوائد نافع حصہ اول
مصنف :	حضرت مولانا محمد نافع دامت برکاتہم
ناشر :	دارالکتاب، کتاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
طابع :	زاہد بشیر
اشاعت :	فروری 2008ء
قیمت :	—/—



قانونی مشیر _____ باہتمام

حافظ محمد عدیم

مہر عطاء الرحمن، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، لاہور

فون: 7241866، 0300-4356144

فہرست

فوائد نافعہ (حصہ اول)

فصلِ اول

- سوانح صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۱
- ولادت و نام و نسب ۲۲
- قبل از اسلام قوم میں صدیقؑ کا مقام ۲۳
- اسلام قبول کرنا ۲۳
- اشاعت دین ۲۴
- مکی زندگی اور ماحول کی مشکلات ۲۵
- ہجرت کا قصد ۲۶
- صدیقی اخلاق کفار کی زبانی ۲۷
- صدیقؑ کی عبادت میں قدرتی تاثیر ۲۸
- سفر ہجرت مدینہ ۳۰
- غار ثور کی صحبت ۳۱
- معیت صدیقی کا قرآن میں ذکر ۳۲
- قیام غار کے اوقات میں اہل بیت صدیقؑ کی خدمت گزاری ۳۲
- غار سے رخصت ہونا اور راستہ میں صدیق اکبرؑ کی خدمات ۳۳
- مدینہ میں آمد اور معیت صدیقی ۳۴
- مسجد نبوی کی بنیاد اور صدیق اکبرؑ کی قربانی ۳۵
- صدیق اکبرؑ کی مدنی زندگی ۳۶

- ۳۶ غزوہ بدر —————
- ۳۸ غزوہ احد —————
- ۴۱ واقعہ حدیبیہ —————
- ۴۲ فتح مکہ —————
- ۴۳ غزوہ حنین —————
- ۴۳ غزوہ تبوک —————
- ۴۴ حج کی امارت ۹ ہجری میں —————
- ۴۶ صدیقیؒ کا امام مقرر ہونا بحکم رسول خدا —————
- ۴۷ صدیقی خلافت کے شواہد —————
- ۵۲ صدیقی خلافت کا ابتدائی خطبہ —————
- ۵۳ حضرت علیؓ اور دیگر اکابرین کا خلافت صدیقی کے ساتھ اتفاق و اتحاد —————
- ۵۸ صدیقی دور خلافت کا ایک مسئلہ اور اس کا تصفیہ —————
- ۶۲ صدیقی معیشت آخری ایام میں —————
- ۶۴ اولیات صدیقی —————
- ۶۵ خصوصیات صدیقی —————

سیرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا —————

- ۶۸ اسم شریف، ولادت باسعادت —————
- ۶۹ اہل بیت نبوت ہونے کا شرف —————
- ۶۹ فضائل صدیقہؒ —————
- ۷۰ نو خصال —————
- ۷۱ حضرت صدیقہؒ اور علمی فضیلت —————
- ۷۳ حضرت صدیقہؒ کے تلامذہ —————
- ۷۴ تعداد مرویات صدیقہؒ —————
- ۷۵ حضرت صدیقہؒ کی سخاوت اور زہد —————

- وفات صدیقہؑ _____ ۷۶
- شعب ابی طالب کے متعلق اعتراض _____ ۷۸
- الجواب _____ ۷۸
- تائید از شیعہ علماء _____ ۸۰
- آیہ غار اور صدیق اکبرؑ کے خصوصی فضائل _____ ۸۱
- ثانی اشہین کا لقب صحابہ کرامؓ کی نظروں میں _____ ۸۴
- حضرت عمرؓ کا کلام _____ ۸۵
- حضرت ابو عبیدہؓ کا قول _____ ۸۶
- حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ دونوں کا قول _____ ۸۶
- شیعہ کی طرف سے تائید _____ ۸۷
- حضرت عثمانؓ کا قول _____ ۸۷
- حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کا قول _____ ۸۸
- حضرت ربیعہ بن کعبؓ کا قول _____ ۸۸
- حضرت حسان بن ثابتؓ کا قول _____ ۸۹
- ایک نحوی ضابطہ _____ ۹۰
- لفظ ”ثانی“ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ _____ ۹۱
- سفر ہجرت اور آیہ غار کے متعلق شیعہ اکابر کے بیانات _____ ۹۲
- آخر کلام _____ ۹۸
- عدم شرکت جہاد کا اعتراض _____ ۹۹
- الجواب _____ ۹۹
- حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے متعلقات _____ ۹۹
- شیعہ کی طرف سے اس مسئلہ کی تائید _____ ۱۰۲
- حضرت سیدنا عمرؓ کے متعلقات _____ ۱۰۳

۱۰۵ ————— تائید مسئلہ از شیعہ

۱۰۷ ————— محاذ جنگ سے فرار کا جواب

۱۰۷ ————— غزوہ احد

۱۰۸ ————— غزوہ خنین

۱۱۱ ————— خلیفہ رسولؐ ہونے سے انکار کا طعن

۱۱۱ ————— الجواب

۱۱۴ ————— الزامی جواب

۱۱۶ ————— جنازہ نبویؐ میں شیخینؓ کی عدم شمولیت

۱۱۶ ————— غسل و کفن دفن کے موقع پر غیر حاضری کا طعن

۱۱۷ ————— الجواب

۱۱۸ ————— وجہ انقطاع --- وجہ شذوذ

۱۱۹ ————— حدیث کی روایات

۱۲۳ ————— حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی روایت

۱۲۴ ————— ابن عباسؓ سے مروی روایت

۱۲۴ ————— کیفیت صلوٰۃ جنازہ

۱۲۵ ————— تائیدات --- امام مالکؒ کی روایت

۱۲۷ ————— اہل سیرت و طبقات اور اہل تراجم و تاریخ کی روایات

۱۲۷ ————— ابن ہشام اور ابن جریر الطبری کی روایت

۱۲۸ ————— ابن سعد اور بلاذری وغیرہما کی روایت کیفیت جنازہ کے متعلق

۱۳۰ ————— خلاصہ روایات

۱۳۱ ————— تائید مزید

۱۳۲ ————— قابل غور

۱۳۲ ————— ایک ضابطہ

۱۳۳ _____ دیگر ضابطہ

۱۳۴ _____ آخر بحث میں ایک تجزیہ

۱۳۶ _____ قابل غور

۱۳۸ _____ آخری بات

۱۳۹ _____ کانت بیعة ابی بکر فلتة کا طعن

۱۳۹ _____ الجواب

۱۴۲ _____ فائدہ

۱۴۳ _____ خلاصۃ الکلام

۱۴۴ _____ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کا طعن

۱۴۴ _____ الجواب

۱۴۸ _____ جیش اسامہ بن زیدؓ کے متعلق طعن

۱۴۹ _____ الجواب

۱۵۲ _____ مالک بن نویرہ کے قتل کا اعتراض اور اس کی وضاحت

۱۵۸ _____ مسئلہ کی ایک تمثیل

۱۵۹ _____ اعتراض کا آخری مرحلہ

۱۶۱ _____ اعتراف خطاء و ذنوب کا طعن

۱۶۲ _____ الجواب

فصلِ دوم

۱۶۶ _____ واقعہ قرطاس اور اس کا پس منظر

۱۶۷ _____ ایام مرض الوفات واقعہ قرطاس کا اختصار

۱۷۰ _____ ابن کثیرؒ کی تحقیق

- روایت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ ۱۷۱
- روایت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ۱۷۲
- علامہ بیہقیؒ کی تحقیق ۱۷۳
- توجیہات ۱۷۴
- تائید من جانب شیعہ ۱۷۵
- ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۱۷۶
- دیگر گزارش ۱۷۸
- امامت صلوٰۃ ۱۷۹
- تائید من جانب شیعہ ۱۸۰
- شیخ الاشعریؒ کا کلام ۱۸۱
- حضرت ابوسعود الانصاریؒ کی روایت ۱۸۳
- حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق ۱۸۳
- ازالہ شبہات الجواب ۱۸۵
- حاصل کلام ۱۹۲
- آخر کلام ۱۹۶
- اختتام بحث بصورت جائزہ ۱۹۷
- تصدیق ایمانی میں شک کا طعن ۲۰۰
- الجواب ۲۰۱
- قرائن و شواہد ۲۰۲
- روایت کا جواب ۲۰۳
- قابل اعتراض روایت کا جواب ۲۰۶
- الجواب ۲۰۷
- شواہد و قرائن ۲۰۸

۲۱۲ _____ لولا علیؑ لہلک عمرؑ

۲۱۲ _____ الجواب

۲۱۵ _____ ایک دیگر واقعہ

۲۱۷ _____ خلاصہ کلام

۲۱۹ _____ مسئلہ تراویح

۲۱۹ _____ مسئلہ ہذا کے اہم عنوانات

۲۲۰ _____ ابتدائیہ

۲۲۱ _____ عہد نبوت

۲۲۱ _____ پہلی صورت

۲۲۷ _____ دوسری صورت

۲۳۰ _____ تیسری صورت

۲۳۱ _____ قرائن

۲۳۳ _____ ایک وہم کا ازالہ

۲۳۳ _____ خلافت راشدہ کا دور

۲۳۴ _____ عہد صدیقی و عہد فاروقی

۲۳۵ _____ ایک شبہ کا ازالہ

۲۳۴ _____ ایک دیگر شبہ کا ازالہ

۲۴۶ _____ عہد عثمانی میں تراویح کا اہتمام

۲۴۷ _____ خواتین کا شمول

۲۴۸ _____ عہد مرتضوی میں تراویح کا انتظام

۲۵۲ _____ فرمان رسالت خلفاء راشدین کی اتباع کی تاکید

۲۵۵ _____ مشاہیر صحابہؓ کا تعامل















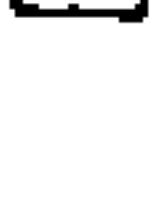










۲۵۷ _____ ابن عباسؓ کا شرعی مسائل میں طریق کار

۲۵۹ _____ امہات المومنینؓ کا طرز عمل

- ۲۶۱ _____ اجماع سکوتی
- ۲۶۱ _____ تابعین و تبع تابعین کے فرمودات
- ۲۶۴ _____ اکابر علمائے امت کے بیانات
- ۲۷۰ _____ تراویح آٹھ رکعات -- ایک سوال پھر اس کا جواب
- ۲۷۳ _____ تطبیق بین الروایات
- ۲۷۷ _____ الزامیات
- ۲۷۹ _____ خلاصہ بحث

متعہ النساء کا مسئلہ (اسلامی ہدایات کی روشنی میں) ۲۸۱

- ۲۸۲ _____ متعہ النساء کا مفہوم
- ۲۸۳ _____ اہل سنت کے نزدیک
- ۲۸۴ _____ متعہ کے احکام و اوصاف شیعہ کے نزدیک
- ۲۸۶ _____ نکاح کے احکام و اوصاف اہل سنت کے نزدیک
- ۲۸۷ _____ ایک موازنہ
- ۲۸۸ _____ شیعہوں کے نزدیک متعہ
- ۲۸۹ _____ شیعہ کا جواز متعہ کے لیے استدلال
- ۲۹۱ _____ اہل سنت کا عدم جواز متعہ پر استدلال
- ۲۹۶ _____ عدم جواز متعہ پر احادیث و آثار سے استدلال
- ۳۰۰ _____ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ
- ۳۰۴ _____ الزامیات
- ۳۰۶ _____ افادہ برائے ناظرین کرام
- ۳۰۷ _____ ایک قاعدہ
- ۳۰۹ _____ ازالہ شبہات
- ۳۱۱ _____ ابن جریج کی روایات
- ۳۱۴ _____ ابن جریج کا رجوع

- ۳۱۵ _____ دیگر تنبیہ (ابن جریج کے متعلق) 
- ۳۱۶ _____ آخر بحث اصولی ضابطہ 
- ۳۱۷ _____ حضرت عمرؓ کا ایک خطبہ 
- ۳۲۲ _____ شاہ ولی اللہؒ کا تائیدی بیان 
- ۳۲۳ _____ ایک شبہ اور اس کا ازالہ 
- ۳۲۷ _____ عبد اللہ بن عمرؓ 
- ۳۲۹ _____ عبد اللہ بن عباسؓ 
- ۳۳۲ _____ آیت و روایت کی مزید تشریح 
- ۳۳۳ _____ آیت فما استمتعتم کی تشریح بقول ابن عباسؓ 
- ۳۳۴ _____ قراۃ الی اجل مسمی کا حکم 
- ۳۳۷ _____ مسئلہ متعہ میں ابن عباسؓ کا موقف 
- ۳۴۰ _____ ازالہ شبہات (ابن جریج کی کارروائی) 
- ۳۴۳ _____ ابن جریج کا رجوع 
- ۳۴۴ _____ شیخینؒ اور حضرت علیؓ کے قول پر ابن عباسؓ کا اعتماد 
- ۳۴۶ _____ جواز متعہ کی روایات کے عدم قبول پر قرآن 
- ۳۴۸ _____ ابن مسعودؓ کا قول اور اس کا جواب 
- ۳۵۱ _____ الحازمی کی تحقیق 
- ۳۵۳ _____ قراۃ الی اجل مسمی کا جواب 
- ۳۵۶ _____ جابر بن عبد اللہؓ اور سلمہ بن اکوعؓ کی روایت کا جواب 
- ۳۶۱ _____ عمران بن الحصینؓ کی روایت کا جواب 
- ۳۶۴ _____ الاغتباہ (تفسیر نیشاپوری کے قول پر نقد) 
- ۳۶۵ _____ اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت کا جواب 
- ۳۶۶ _____ ابوسعید الخدریؓ کی روایت کا جواب 
- ۳۶۸ _____ امام جعفر صادقؒ کا فرمان 
- ۳۶۹ _____ فقہائے امت کا موقف (متعہ کے مسئلہ میں) 

- ۱۴۰۰ _____ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل
- ۳۷۰ _____ کا موقف
- ۳۷۶ _____ اہل الظواہر کا موقف
- ۳۷۷ _____ تحریم متعہ کے متعلق ایک اہم واقعہ (خلیفہ مامون الرشید کے دور میں)
- ۳۸۱ _____ طلاق ثلاثہ کا مسئلہ (اسلامی روایات کی روشنی میں)
- _____ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کی وضاحت (جمہور صحابہ اور کبار علماء کے فرمودات کی روشنی میں)
- ۳۸۲ _____
- ۳۸۳ _____ عبداللہ بن عمرؓ کا قول
- ۳۸۵ _____ عمران بن الحصینؓ
- ۳۸۵ _____ عبادہ بن الصامتؓ
- ۳۸۶ _____ عبداللہ بن مسعودؓ
- ۳۸۸ _____ ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ
- ۳۹۰ _____ ابن عباسؓ کا فرمان اور ان کا فتویٰ
- ۳۹۷ _____ حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمودات
- ۳۹۹ _____ حضرت عثمانؓ کا فرمان
- ۴۰۰ _____ حضرت حسن بن علیؓ کا فرمان اور فیصلہ
- ۴۰۱ _____ جمہور صحابہ کرامؓ کے مسلک کی تائید
- ۴۰۳ _____ ازالہ شبہات (ابن عباسؓ کے شاگردوں کی روایات کا تجزیہ)
- ۴۰۷ _____ طاؤسؓ کی روایت کا شدوذ
- ۴۰۹ _____ صاحب روایت کا اپنی مروی کے خلاف قول و عمل
- ۴۱۱ _____ ایک عجیب انکشاف (طاؤسؓ کے متعلق)
- ۴۱۲ _____ روایات رکائتہ پر بحث
- ۴۱۶ _____ ابن حجر عسقلانیؒ کی تحقیق
- ۴۱۷ _____ حضرت عمرؓ پر الزام کا جواب

۴۲۰ _____ تائید

۴۲۰ _____ مزید تائید

۴۲۲ _____ مغیرہ بن شعبہ پر الزام کا دفاع

۴۳۱ _____ عمرو بن العاصؓ اسلام کی نظروں میں

۴۳۲ _____ نام و نسب، قبل از اسلام کردار

۴۳۵ _____ قبول اسلام

۴۳۶ _____ ایمان کی شہادت

۴۳۷ _____ ایک دیگر شہادت

۴۳۸ _____ صلاح و نیکی کی شہادت

۴۳۹ _____ بعض دیگر خصائل

۴۳۹ _____ روایت حدیث

۴۴۰ _____ حربی امور میں صلاحیت

۴۴۱ _____ غزوہ ذات السلاسل

۴۴۲ _____ اخلاص فی الدین اور محبت نبویؐ

۴۴۴ _____ طبعی صلاحیت اور دینی اعتماد

۴۴۵ _____ مکتوب نبویؐ اور عمان کی امارت

۴۴۷ _____ صدیقی اور فاروقی عہد خلافت میں ملی خدمات

۴۵۰ _____ علاقہ مصر میں ملی خدمات

۴۵۱ _____ الانتخاب

۴۵۲ _____ واقعہ تحکیم

۴۵۳ _____ قاتلانہ حملہ

۴۵۵ _____ آخری احوال

۴۵۷ _____ تاریخ وفات

۴۵۸ _____ ایک اشتباہ

۴۵۸ _____ رفع اشتباہ

۴۶۱ _____ اختتامی کلمات

فصل سوم

۴۶۳ _____ عثمانی مطاعن کے جوابات

۴۶۳ _____ تمہیدی کلمات

۴۶۴ _____ اسم گرامی قرب قرابت داری فضائل و مناقب اور ملی خدمات

۴۷۱ _____ غزوہ بدر میں عدم شرکت کے اعتراض کا جواب

۴۷۳ _____ ایک فہمائش

۴۷۴ _____ غزوہ احد سے فرار کا جواب

۴۷۶ _____ بیعت رضوان میں عدم شمولیت کے اعتراض کا جواب

۴۷۹ _____ منیٰ میں چار رکعت نماز کے اعتراض کا جواب

۴۸۱ _____ جمعہ میں اذان ثانی کے ایزا دکا جواب

۴۸۴ _____ مدینہ کی چراگاہیں مخصوص کر لینے کا جواب

۴۸۷ _____ حکم بن العاصؓ کی جلاوطنی کے اعتراض کا جواب


























۴۸۹ _____ احراق مصاحف کے طعن کا جواب

۴۵۹ _____ ابن مسعودؓ کا رجوع

۴۹۶ _____ مصحف عثمانی پر صحابہ کرام کا اجماع






















۵۰۱ _____ صحابہؓ سے بدسلوکی و مظالم کے اعتراضات کا جواب

۵۰۱ _____ عبداللہ بن مسعودؓ

- ۵۰۸ _____ ابن مسعودؓ کے آخری اوقات 
- ۵۱۰ _____ ابوذر غفاریؓ 
- ۵۱۱ _____ ایک واقعہ 
- ۵۱۲ _____ ایک دیگر واقعہ 
- ۵۱۶ _____ ابوذر غفاریؓ کے آخری اوقات 
- ۵۱۷ _____ عمار بن یاسرؓ 
- ۵۲۰ _____ محمد بن ابی بکرؓ 
- ۵۲۳ _____ اجرائے حدود میں کوتاہی کا الزام 
- ۵۳۰ _____ ”فجوة“ کے اعتراض کا جواب 
- ۵۳۲ _____ آیات قرآنی 
- ۵۳۶ _____ احادیث نبویؐ 
- ۵۴۲ _____ عہد عثمانی کے چند تاریخی واقعات 
- ۵۴۲ _____ عمال کے نام ایک مکتوب 
- ۵۴۳ _____ عوام سے خطاب 
- ۵۴۴ _____ عمال کے نام ایک دیگر مکتوب 
- ۵۴۵ _____ فوجی افسروں کے نام مکتوب 
- ۵۴۷ _____ اکابرین امت کی طرف سے عہد عثمانی کے حق میں صفائی کے بیانات 
- ۵۵۰ _____ سالم بن عبد اللہ کا بیان 
- ۵۵۲ _____ امام بخاریؒ کا بیان 
- ۵۵۲ _____ ابن العربی المالکیؒ کا قول 
- ۵۵۳ _____ شیخ المشائخ جناب عبدالقادر جیلانیؒ کا بیان 
- ۵۵۵ _____ وفات سیدنا عثمانؓ 
- ۵۵۹ _____ تاریخ شہادت 
- ۵۵۹ _____ رفع اشتباہ 
- ۵۶۱ _____ اختتامی گزارش 

فصل چہارم

(مختلف مطاعن کے جوابات)

- ۵۶۲ _____ صحابہ کرام معیارِ حق اور مدارِ دین ہیں 
- ۵۶۸ _____ حدیث حوض کے متعلق طعن 
- ۵۶۹ _____ الجواب 
- ۵۷۵ _____ شیعہ کا عجیب استدلال 
- ۵۷۸ _____ تاریخ طبری میں منقول معتضد باللہ کے رسالہ کا جواب 
- ۵۷۸ _____ رسالہ کا تعارف 
- ۵۸۰ _____ الطبری کی حکمت عملی 
- ۵۸۱ _____ آیات پہلی آیت 
- ۵۸۶ _____ دوسری آیت 
- ۵۸۷ _____ الطبری کے بیانات 
- ۵۸۹ _____ روایات کا درجہ 
- ۵۹۱ _____ تیسری آیت 
- ۵۹۵ _____ روایات 
- ۵۹۶ _____ دور جاہلیت میں ابوسفیانؑ کی اسلام دشمنی 
- ۵۹۸ _____ سوار اور سواری ہانکنے و چلانے والے پر لعنت 
- ۵۹۹ _____ ابوسفیانؑ کا آخرت سے انکار 
- ۶۰۰ _____ ابوسفیانؑ کے گستاخانہ کلمات 
- ۶۰۱ _____ آخر بحث 
- ۶۰۲ _____ عہد نبویؐ میں حضرت ابوسفیانؑ کے متعلق چند اہم واقعات 
- ۶۰۵ _____ خلاصہ کلام 
- ۶۰۶ _____ الحکم بن ابی العاصؓ کے متعلق طعن کا ازالہ 

- ۶۰۷ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے متعلق موجبات لعن و طعن —————
- ۶۰۷ لا اشبع اللہ کا طعن —————
- ۶۱۰ غیر ملت پر محشور ہونے کا طعن —————
- ۶۱۱ حضرت معاویہؓ کے قتل کا فرمان —————
- ۶۱۳ درایت کے اعتبار سے —————
- ۶۱۳ حضرت معاویہؓ کے لیے دوزخ میں تابوت —————
- ۶۱۳ باعتبار درایت کے —————
- ۶۱۵ حضرت معاویہؓ کا علی المرتضیٰؓ سے نزاع —————
- ۶۱۷ حاصل کلام —————
- ۶۱۸ معاہدہ جنگ بندی —————
- ۶۱۹ حضرت معاویہؓ پر قتل کا الزام —————
- ۶۲۰ حجر بن عدی الکندی متوفی ۵۱ھ —————
- ۶۲۲ عمرو بن الحمق الخزاعی متوفی ۵۰/۵۱ھ —————
- ۶۲۳ استلحاق زیاد کا طعن —————
- ۶۲۵ استخلاف یزید کا اعتراض —————
- ۶۲۸ بیعت بالا کراہ کا اعتراض —————
- ۶۲۹ عہد نبوی ﷺ میں حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں اہم واقعات اور ان کی ملی خدمات —————
- ۶۳۲ مندرجات ”رسالہ“ کا تجزیہ —————
- ۶۳۲ ارشادات خداوندی سے متعارض ہونا —————
- ۶۳۴ قابل غور —————
- ۶۳۵ فرمودات نبوی سے متعارض ہونا —————
- ۶۳۹ فن روایت کے ضوابط کے منافی ہونا —————
- ۶۴۲ علمائے امت کے بیانات —————
- ۶۴۲ اختتامی تجزیہ —————
- ۶۴۴ آخر کلام —————

فصل پنجم

(شیعہ..... اہل اکیڈمی کراچی کے اشتہار کا جواب) ۶۳۵

حضرت ابوبکرؓ میں شرک چیونٹی کی چال چلتا تھا ۶۳۶

الجواب ۶۳۶

حضرت عمرؓ کا اقرار کہ خدا کی قسم میں منافقین میں سے ہوں ۶۳۹

الجواب ۶۳۹

مسئلہ ہذا کی تائید من جانب شیعہ ۶۵۳

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فتویٰ دیا کہ عثمانؓ کافر ہو گیا ہے اس

کو قتل کرو ۶۵۵

الجواب ۶۵۵

کبار علماء کی طرف سے مسئلہ ہذا کی تائید ۶۶۳

درایا بحث ۶۶۳

اختتام بحث ۶۶۳

طلحہ و زبیرؓ عثمانؓ کے قاتل ہیں اور اس کا خون بہایا ہے ۶۶۶

الجواب ۶۶۶

جائزہ ۶۶۷

درایا بحث ۶۶۸

عبداللہ بن مسعودؓ قرآن کی بعض سورتوں کا منکر تھا ۶۷۲

الجواب ۶۷۲

مراجع کتب ۶۷۵

فوائد نافعہ

(حصہ اول)

..... قالیف

مولانا محمد نافع مدظلہ

(محمدی شریف، ضلع جھنگ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على سيد الوری وعلى
اله الشرفاء واصحابه النجباء واتباعه الصالحاء صلوه دائمه
بدوام السماء والدنیا اما بعد!

جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے
سوانح فضائل و کمالات اور بعض مطاعن کے جوابات قبل ازیں ہماری طرف سے
متعدد تالیفات کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

اب اس کے بعد مزید ایک سلسلہ ”فوائد نافعہ“ کے نام سے مرتب کیا ہے۔
اس میں مختلف مضامین فراہم کیے ہیں اور کئی ضروری سوالات اور اہم اعتراضات
کے جوابات ذکر کیے ہیں جن کا پیش کرنا دورِ حاضر کی ضرورت ہے اور ان کا ازالہ ملی
تقاضوں کے مطابق ہے۔

کتاب ہذا میں مضامین کی نوعیت سے چند فصل قائم کر دیئے ہیں، ان میں صحابہ
کرام سے دفاع کرنا مقصود ہے، کوئی بحث و مباحثہ کا آغاز کرنا منظور نہیں۔
اس طریقہ سے ناظرین کرام کے بہت سے شکوک و شبہات کا ارتقاع ہو سکے
گا۔ (بتوفیقہ تعالیٰ)

اہلِ ذوق احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ مالکِ کریم ان مساعی کو قبول
فرما کر خاتمہ بالا ایمان نصیب فرمائے، آمین۔



فصل اول

باسمہ تعالیٰ عزوجل شانہ

سوانح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دین کے احیاء و ابقاء کے لیے ایک مخصوص جماعت کو منتخب فرمایا جن کی ساری زندگی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں وقف تھی۔ اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنا مقصودِ حیات سمجھتے تھے۔ نفسانی اغراض یا ذاتی مفاد کو مذہب اسلام کے سامنے ختم کیے ہوئے تھے۔ زندگی کا نصب العین صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں دنیا میں رائج کر کے آخرت کو سنوارنا تھا۔ اس محبوب مقصد کی خاطر اللہ والوں کی اس مختصر جماعت نے اپنی جان و مال، قرابت و اقتدار تک سب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دیا، دین اسلام کی کامیابی

کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کر کے آخرت کی سرخروئی حاصل کی۔

اصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ دینی ایثار اور یہ جذبہ اسلامی فطرت کے طور پر قدرت نے ان میں ودیعت کر دیا۔ یہ انتخاب ازلی تھا جو ان فدایانِ اسلام کے لیے مخصوص ہوا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو ان میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لیے ان کو چن لیا اور آپ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا، پھر آپ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپ کے اصحاب کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لیے ان کو آپ کا وزیر بنایا اور ان کو ان کے دین کا مددگار و معاون بنایا جو آپ کے دین کے لیے جنگ کرتے ہیں۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۱، طبع اول)

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے

دیتا ہے۔

یشاء۔

فی الحال اللہ تعالیٰ کی اس منتخب شدہ جماعت کی افضل ترین شخصیت کے چند مختصر سے حالات و فضائل پیش کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سعید روحوں کی برکت سے ہماری آخرت بھی درست فرمائے۔ (آمین)

ولادت و نام و نسب

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ، لقب صدیق و عتیق دونوں ہیں۔ باپ کا نام عثمان جن کی کنیت ابو قحافہ بن عامر ہے اور آٹھویں پشت مرہ بن کعب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ والدہ کا نام سلمہ اور ان کی کنیت ام الخیر ہے۔

سیدنا صدیق کی بیوی کو ام رومان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سیدنا ابوبکر کی ولادت عام فیل سے تین سال بعد ۵۷۳ء میں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ دو سال چند ماہ چھوٹے ہیں۔

قبل از اسلام قوم میں صدیق کا مقام

سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے پہلے قبائل و اقارب میں راست گوئی، امانت و دیانت میں مشہور تھے۔ اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسنِ خلق کے باعث معزز و محترم سمجھتے تھے خصوصاً علم الانساب اور اخبارِ عرب (اس زمانہ کی یہ علمی فوقیت مسلم تھی) کے ماہر تھے۔ قوم میں آپ پر صداقت و حقانیت کی بناء پر بڑا اعتماد تھا۔ قبیلہ بنو تیم میں خون بہا اور تاوان کا فیصلہ صدیق کے ہاتھوں تسلیم کیا جاتا تھا۔ جس چیز پر ابوبکر صدیق اتفاق کر لیتے اس کو تمام قریش مان جاتے، ان کے بغیر کوئی دوسرا اقرار کرتا تو کوئی بھی اس کا ساتھ نہ دیتا۔ آپ طبعاً برائیوں اور کمینہ خصلتوں سے محترز رہتے تھے۔ آپ نے جاہلیت ہی میں شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی اور شراب نوشی میں انسانی آبرو کا نقصان کہتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ کبھی آپ نے شراب بھی پی ہے؟ آپ نے فرمایا: نعوذ باللہ کبھی نہیں پی۔ اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بدن سے بو آئے اور مروت زائل ہو۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچی تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا کہ ابوبکر سچ کہتے ہیں۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۳)

اسلام قبول کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ابتداء ہی سے خاص انس و خلوص تھا اور آپ کے حلقہ احباب میں داخل تھے، چنانچہ تجارت کے سفر میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سلیم الطبع، حق پسند اور حق پرست انسان تھے، یہی وجہ تھی کہ جب ان کو آنحضور ﷺ نے دعوتِ اسلام دی تو آپ نے کچھ پس و پیش نہ کیا فوراً قبول کر کے حلقہ بگوشانِ اسلام میں شامل ہو گئے اور اپنی طرف سے امداد و نصرت کا وعدہ کیا جس کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کیا۔ جس روز ایمان لائے

اس روز ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، آپ نے وہ سب کے سب آنحضرت ﷺ پر صرف کر دیئے۔ اس حسن صداقت کی تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے اس طرح ظاہر ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ بجز ابوبکر کے جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کیا۔ ”اللہ اکبر“ صدیق اکبر ہی وہ شخصیت ہے جس کو سب سے پہلے آنحضرت سے مل کر نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

گو تقدم فی الاسلام میں محدثین و مورخین کو کلام ہے مگر رائج قول اس طرح ذکر کیا جاتا ہے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں اور سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آزاد بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۳۰ تحت اسلام ابی بکر)

اشاعتِ دین

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام لاتے ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کی جدوجہد شروع کر دی۔ ان کی کوششوں سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ، ابوسلمہ، خالد بن سعید، ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اکابر قوم اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ آسمان اسلام کے نجومِ تاباں ہیں، ان تمام درخشندہ ستاروں کا مرکز شمسی صدیق اکبر کی ذاتِ گرامی ہے۔

ادھر کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو نورِ اسلام سے منور ہو چکی تھی لیکن اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ استبداد میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان تمام بندگانِ توحید کو ان کے جفاکار مالکوں سے خرید

کر آزاد کرایا، چنانچہ بلال ابن رباح حبشی، عامر بن فہیرہ، نہدیہ، وغیرہ نے صدیقی جود و کرم سے نجات پائی۔

مکی زندگی اور ماحول کی مشکلات

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں دینی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس مشکل ترین اوقات میں جان، مال، رائے، مشورہ، غرض ہر حیثیت سے پورے معاون اور کامل دست و بازو رہے۔ چنانچہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ولم یمر علینا یوم الا یتینا	حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز صبح و
فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	شام ہمارے گھر تشریف لایا کرتے، ایک
وسلم طرفی النہار بکرہ	دوسرے سے حالات لیے دیئے جاتے، دیر
وعشیہ۔	تک یہ ہمدردانہ مجلس راز قائم رہتی۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۵۲)

جب قبائل عرب اور عام جمعوں میں حضور ﷺ تبلیغ و ہدایت کے لیے تشریف لے جاتے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہمرکاب ہوتے اور اپنی نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے۔

(کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۹، طبع اول)

کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طرح طرح کی دست درازی اور تعدی کرتے تو یہ مخلص جل نثار ہر موقع پر خود خطرے میں پڑ کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری مدافعت کرتے، چنانچہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے حضور انور کے گلے مبارک میں چادر سے پھندا ڈال دیا۔ ”فخنقه خنقا شدید“ یعنی زور سے گلا گھونٹ دیا،

ادھر سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے، انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر دفع کیا اور کہا کہ

اقتتلون رجلا ان يقول ربی
یعنی کیا تم ایسے ذات گرامی کو قتل کرنا
اللہ۔ چاہتے ہو جس کا فرمان ہے کہ میرا رب
(بخاری شریف جلد اول ص ۵۴۴) صرف اللہ ہے۔

ہجرت کا قصد

غرض جب مشرکین مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور ان کی سختیوں، چہرہ دستیوں کی انتہا نہ رہی تو موحدین کو ہجرت کی اجازت ہوئی۔ سب سے پہلے چند مسلمانوں نے حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق حبشہ کی طرف ہجرت کی، اسی سلسلہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان مصائب و آلام سے تنگ آکر ملک حبشہ کی طرف ترک وطن کا ارادہ کر کے نکل پڑے۔ برک الغماد کے مقام پر پہنچتے ہیں تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنه سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنه نے کہا کہ کہاں کا قصد ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے قوم نے جلاوطن کر دیا ہے، اب کسی دوسری جگہ کا ارادہ ہے کہ آزادی سے وہاں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کر سکوں۔ ابن الدغنه نے یہ ماجرا سن کر کہا کہ

فان مثلك يا ابا بکر لا
يخرج ولا يخرج انك تكسب
المعدوم۔ تاصل الرحم
وتحمل الكل وتقرى
الضيف، تعين على نوائب
الحق فانالك جارار جمع۔
ابن الدغنه کہتا ہے کہ اے ابوبکر! آپ
جیسی بزرگ ترین، برگزیدہ اخلاق ہستی
اس قابل نہیں کہ اس کو ترک وطن پر
مجبور کیا جائے۔ آپ کی بلند اخلاقی کا تو یہ
عالم ہے کہ جس کے پاس خرچ نہ ہو اس کو
کما کر دیتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں سے
صلہ رحمی کرتے ہیں اور لوگوں کے بوجھ

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۵۳)

(بوقتِ ضرورت) آپ اٹھاتے ہیں،
مہمانوں کو آپ مہمانی دیتے ہیں، صحیح
معاملات میں آپ لوگوں کی معاونت اور مدد
کرتے ہیں لہذا میں آپ کو لوگوں کے شر
سے پناہ اور امان میں لیتا ہوں، آپ واپس
مکہ تشریف لے چلے۔

صدیقی اخلاق کفار کی زبانی

ابن الدغنه اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واپس مکہ پہنچے۔ ابن الدغنه نے رات کو
اشرافِ قوم اور سردارانِ قریش سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں بات چیت کی
کہ ایسا آدمی جلاوطنی کے ہرگز قابل نہیں ہے، کیا تم ایک ایسے شخص کو ملک بدر کرنا
چاہتے ہو جس کے ایسے عمدہ عادات و اطوار ہیں کہ یکسب المعدوم و یصل
الرحم و یحمل الكل و یقری الضیف یعین علی نوائب الحق۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۵۲)

صدیقی اخلاق کا یہ نمونہ کافر شخص، مخالفِ اسلام کا بیان کردہ ہے، جو شخص
صدیق رضی اللہ عنہ سے نہ اسلامی رشتہ رکھنے والا ہے نہ نسبی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بلند
کرداری کی یہ مختصر سی تصویر دیکھ کر اہل انصاف اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے۔ انہوں سے رابطہ کی خوش اسلوبی، غیروں سے انس و موافقت کا
سلسلہ، غریبوں اور بے نواؤں کی دل داری اور خدمت گزاری، مہمانوں کی مہمان
نوازی، ہر حق کے معاملہ میں صاحبِ حق کی حمایت اور دادرسی، غرض تمدن و
معاشرت کا کونسا پہلو ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھوٹا ہوا نظر آئے۔

اس کے بعد قریش ابن الدغنه کی امان اور سفارش کو رد نہ کر سکے اور کہنے
لگے: ”ابوبکر کو کہہ دو کہ وہ اپنے رب کی عبادت بے شک کرے مگر اتنی بات ضروری

ہے کہ اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر اندر ہی نماز اور قرآن مجید پڑھنا ہوگا اور ساتھ یہ ہے کہ ”لا یستعلن“ یعنی عبادت کے وقت آواز بلند نہیں کرنی ہوگی اس لیے کہ فانما ان ثفتن نساءنا وابناءنا یعنی اپنی عورتوں اور بیٹوں کے متعلق خوف ہے کہ کہیں ان کی نماز دیکھ کر اور قرآن سن کر اثر نہ قبول کر لیں۔“

(بخاری شریف جلد اول ص ۵۵۲)

سابقہ گفت و شنید کے بعد ابن الدغنه نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جا کر کہا کہ ان شرائط و ضوابط کے ماتحت آپ صرف اپنے گھر میں عبادت کر سکتے ہیں۔ یہ مشروط سی اجازت ملنے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد تیار کر لی، اس میں اپنے اوقات معینہ میں عبادت و تلاوت کرنے لگے۔

صدیق رضی اللہ عنہ کی عبادت میں قدرتی تاثیر

كان رجلا بكاء لا يملك بعينه۔ یعنی صدیق اکبر بہت رو رو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے شخص تھے، اس وقت ان کے آنسو تھم نہیں سکتے تھے۔

(بخاری شریف جلد اول ص ۵۵۳)

حسب دستور جب گھر کی مسجد میں عبادت و تلاوت کرنے لگے تو کفار، مشرکین کی عورتیں اور اولادیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس عجیب و غریب روحانی آواز پر جمع ہو جاتیں، اس پر تاثیر اجتماع اور پُر کیف مجمع کو دیکھ کر سردارانِ قریش سے نہ رہا گیا، گھبرا کر فوراً ابن الدغنه کو اطلاع دی کہ یہ معاملہ تو ہم سے برداشت نہیں ہو سکتا، ابو بکر کو اس تلاوتِ قرآن اور نماز سے بالکل منع کر دو۔ یہ سب کچھ ترک کر دیں اور خاموش ہو جائیں۔ اے ابن الدغنه! ہم نے تیرے عہد کو توڑنا ناپسند جانا ہے اس لیے تجھے اس کی اطلاع پہلے کر دی ہے، اس کا انتظام کیا جائے۔

اس معاملہ کو طے کرنے کے لیے ابن الدغنه ابو بکر صدیق کے پاس پھر پہنچے اور

کہا کہ ہماری قوم آپ کی عبادت اور قرآن خوانی سے سخت خائف ہے لہذا آپ یہ ذکر، یہ عبادت چھوڑ دیجئے یا میں اپنی امان اور پناہ جو میں نے آپ کو قوم سے حفاظت کے لیے دے رکھی ہے واپس لیتا ہوں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

انی ارد الیک جوارک
اے ابن الدغنه! میں تیری پناہ و امان کو
وارضی بجوار اللہ۔
تجھے واپس کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی پناہ

(بخاری شریف، جلد اول، ص ۵۵۳) پسند کرتا ہوں اور اسی کی امان لیتا ہوں۔

سبحان اللہ! صدیق کی خشوع اور خضوع سے ہر نماز اثر مقناطیسی رکھتی تھی اور پھر اس میں قرآن مجید کی تلاوت اور زیادہ جادو کی تاثیر پیدا کر دیتی تھی اس لیے ان کو اس قسم کی کڑی شرائط ثابت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کفار مکہ کے یہ اقوال کہ ”لا يستعلن به وانان نحشی ان یفتن نساءنا وابناءنا“ جہاں ان کے خوف و ہراس کو ظاہر کر رہے ہیں وہاں دراصل یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حقانی عبادت ہونے کی بین دلیل ہے اور مقبول خداوندی ہونے کی ظاہر نشانیاں ہیں۔ کفار اپنے خیال میں تو اپنے مخالف سے بغض و عناد کی بناء پر غیر متاثر ہونے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی روحانیت اور نورانیت کے برق تاثیر ہونے کا پورا پورا ثبوت دے رہے ہیں۔

فللہ در صداقتہ اس موقع پر ناظرین یاد رکھیں کہ یہ پہلی مسجد زمانہ اسلام میں ہے جس کی بنیاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں ان ہزاروں مشکلات و مصائب کے ہوتے ہوئے ڈالی اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کا مرکز بنایا۔ اس پر کفار مکہ بیچارے بہت نالاں تھے۔ بڑے اختلاف و نزاع کھڑے کیے مگر خدا کے رسول کے اس جاں نثار ساتھی اور اس صداقت کے پہاڑ نے بڑے استقلال کے ساتھ یہ کارِ خیر تہجرت علی رغم انف قریش جاری رکھا۔ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ و جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

سفر ہجرت مدینہ

اسی اثناء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فرمایا کہ مجھے مقام ہجرت دکھایا گیا ہے، وہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ تھا۔ مسلمان حضور ﷺ کے ارشاد کے موافق مکہ سے ہجرت کر کے جانا شروع ہوئے اور جو حبشہ وغیرہ میں گئے ہوئے تھے وہ بھی اسی مدینہ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاری کی۔ حضور نبی کریم نے ان کو فرمایا:

علی رسلک فانی ارجوان آپ ٹھہر جائیے عجلت نہ کیجئے، امید ہے
یوذن لی۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بھی حکم ہوگا۔

تو صدیق اکبر نے نہایت تعجب سے عرض کیا:

هل ترجوا ذالك بابی انت۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا
آپ کو بھی حکم ہجرت ہوگا۔

تو حضور ﷺ نے جواباً فرمایا کہ ”ہاں۔“ عرض کی کہ مجھے بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں تم ساتھ چلو گے۔“ اس بشارت کے بعد صدیق اکبر نے ارادہ ملتوی کر دیا اور چار ماہ تک منتظر رہے۔ اس انتظارِ حکم کے زمانہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹ سواری کے لیے مہیا کیے اور ان کی خاص نگرانی سے پرورش کرتے رہے تاکہ وقتِ ضرورت کام آئیں۔

ایک دن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ دن ڈھلے نہایت گرمی کے وقت آنحضرت ﷺ خلاف معمول تشریف لائے اور فرمایا کہ ہجرت کا اذن ہو چکا ہے، تیار ہو جائیے چلنے کی صورت کی جائے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: دو سواریاں اسی سفر کی خاطر پہلے سے موجود ہیں، لہذا ہماری طرف سے بالکل تیاری ہے۔

عائشہ صدیقہ اور اسماء (دونوں صدیق اکبر کی بیٹیاں ہیں۔ اسماء عمر میں صدیقہ سے دس سال بڑی تھیں) نے جلدی سے رختِ سفر درست کیا۔ زادِ راہ جو کچھ میسر ہو سکا اسے تھیلے میں ڈالا، اس جلدی کے موقع میں اسبابِ سفر کے باندھنے کے لیے رسی نہ مل سکی، فوراً اسماء نے ڈوپٹا کو پھاڑ کر رسی کی جگہ پٹکا کو کام میں لائیں۔ اسماء کے اس کمالِ اخلاص اور چستی کو دیکھ کر آنحضور ﷺ نے ان کو ذاتِ انطاہلین کا لقب عطا فرمایا اور اس پر اسماء تمام عمر فخر کرتی تھیں۔

غارِ ثور کی صحبت

اس مختصر سے قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی۔ ابوبکر صدیق پہلے غار کے اندر داخل ہوئے اور تمام جگہ درست کی۔ سوراخ وغیرہ بند کیے۔ جب اندر بیٹھنے کی تمام جگہ صفائی کر لی اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: آپ اندر تشریف لائیے۔ آپ غار میں داخل ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمانے لگے۔

اوجھر کفارِ مکہ کی طرف سے بڑی شدت سے تلاش شروع تھی۔ اس قافلہ کی گرفتاری کے صلہ میں بڑے انعام مقرر ہو چکے تھے۔ جستجو اور تلاش کرنے والے چکر لگا رہے تھے کہ کسی طرح کوئی سراغ مل سکے۔

ایک دفعہ کفار کے چند آدمی بالکل غار کے سر پر پہنچے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت گھبرائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر یہ لوگ پاؤں کی طرف نظر کریں تو ہم صاف نظر آسکتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ غمزہ ہونے کی کوئی بات نہیں، ہم صرف دو ہی نہیں بلکہ ایک تیسرا (خداوندِ عالم) ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان حضور کے قلبِ اطہر پر اور آپ کی برکت سے صدیق رفیق کے قلبِ مبارک پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت و تائید فرمائی۔ یہ اسی تائیدِ غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے اوہن

البيوت كما جاتا ہے، بڑے بڑے مضبوط و محکم قلعوں سے بڑھ کر موجب تحفظ ہوا اور بچاؤ کا ذریعہ ٹھہرا۔

معیت صدیقی کا قرآن میں ذکر

اس اہم واقعہ کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

اذا اخرجہ الذین کفروا ثانی
اثنین اذہما فی الغار اذ یقول
لصاحبہ لا تحزن ان اللہ
معنا۔ (التوبہ : ۶)

جس وقت اس رسول کو کافروں نے
نکالا تھا کہ وہ دو میں سے دو سرا تھا جب وہ
دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے رفیق سے
کہہ رہا تھا کہ غم نہ کھا، بے شک اللہ تعالیٰ
ہمارے ساتھ ہے۔

قریباً تین روز یہاں آنحضور ﷺ نے قیام فرمایا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، خود ہر
ساعت حاضر خدمت تھے اور صدیق کے گھر والوں نے بھی اس اہم موقع پر اپنے
ذمے جو کام مقرر کر رکھے تھے انہیں بطریق احسن سرانجام دیا۔

قیام غار کے اوقات میں اہل بیت صدیق کی خدمت گزاری

اسماء تو گھر میں جو کھانا میسر ہو سکتا اس کو تیار کرتی تھیں، عبد اللہ (صدیق کے
بیٹے) تیار شدہ کھانا رات کو چھپ کر غار میں پہنچایا کرتے تھے اور مکہ والوں کی دن بھر
کی کارکردگی کی پوری تفصیلات جا کر ذکر کرتے، رات وہیں حضور انور اور صدیق کی
معیت میں گزار کر صبح سویرے واپس ہوتے تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔

اور عامر بن فہیرہ (یہ صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) صبح و شام بکریاں غار کے پاس
لے جاتے جن کا دودھ حسب ضرورت استعمال میں لایا جاتا، نیز ریوڑ کے آنے جانے
سے عبد اللہ کے آنے جانے کے نشانات قدم مٹ جایا کرتے تاکہ کسی قسم کا شبہ
آمدورفت کا نہ ہو سکے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سارے گھر والے اس طرح آنحضور

ﷺ کی خدمت میں مصروف رہے۔

غار سے رخصت ہونا اور راستہ میں صدیق اکبر کی قدم قدم پر غلامانہ خدمات

آخر سہ روزہ قیام کے بعد چوتھے دن آنحضور ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کا غلام عامر بن فہیرہ اور ایک دلیل راہ (راستہ بتلانے والا) عبد بن اریقط یہ چاروں اللہ کے توکل پر مدینہ کی طرف چل پڑے، چونکہ صدیق اکبر کثیر الاحباب تھے راستہ میں ایسے شناسا ملتے جو آنحضرت ﷺ سے واقف نہ تھے اور وہ پوچھتے کہ یہ حضرت کون ہیں تو صدیق اکبر کہہ دیتے کہ

هَذَا رَجُلٌ يَهْدِينِي الطَّرِيقَ - یعنی یہ ہمیں راہ بتلانے والے ہیں۔

(بخاری جلد اول ص ۵۵۶)

واقعی حضور ﷺ ہادی عالم ہیں تو اس طرح سے گول مول جواب پر اکتفا فرماتے۔ اس طرح سفر طے ہو رہا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ایک دن بڑی شدت کی گرمی تھی، دوپہر کے قریب میں نے ایک بڑی چٹان سایہ دار تلاش کی اور اس کے پہلو میں سایہ پر آرام کرنے کے لیے میں نے جگہ ہموار کر کے کھال کا بستر بچھایا اور آنحضور ﷺ وہاں استراحت فرمانے لگے۔ میں ادھر ادھر دیکھ بھال کر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ناگہاں ایک گڈریا بکریوں کا ریوڑ لے کر ہماری قیام گاہ کی طرف آ رہا ہے۔ میں نے دودھ طلب کیا تو اس نے میری بات کی تعمیل کرتے ہوئے دودھ دوہ کر پیش کیا۔ میں نے دودھ لے کر کچھ پانی ملایا تاکہ اچھی طرح ٹھنڈا ہو جائے اور آنحضور پُر نور ﷺ کی خدمت میں پینے کے لیے حاضر کیا۔

یعنی آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا اور

فَشَرِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

میں اس استراحت پر بہت خوش ہوا، پھر ہم

علیہ وسلم حتی رضیت ثم

چل دیئے۔

ارتحلنا۔

(بخاری جلد اول ص ۵۵۷)

آگے چلتے ہوئے راستے میں زبیر بن عوام ملتے ہیں، یہ شام کی تجارت سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں کو سفید پوشاکیں ہدینا پیش کیں۔ ہر دو حضرات نے قبول فرما کر وہ سفید پوشاک پہن لی۔ یہ سفر عام شاہی راستہ (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) سے چونکہ طے نہیں ہو رہا تھا، بلکہ عام راستہ سے بچ کر سمندری طریق سے پھر پھرا کر آپ آ رہے تھے مدینہ تک قریباً آٹھ دن صرف ہوئے۔

مدینہ میں آمد اور معیت صدیقی

مدینہ میں بڑی شد و مد سے انتظار ہو رہا تھا، کئی دن سے لوگ چشمِ براہ تھے۔ مدینہ سے دو میل باہر بنی عمر بن عوف کی مشہور بستی قبا میں چند دن قیام فرمایا، اسی قبا ہی کے دورانِ قیام میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ مکہ سے اپنا مفوضہ کام پورا کر کے آ ملتے ہیں۔ دس دن سے زائد یہاں قبا میں قیام کر کے پھر مدینہ طیبہ کو روانگی ہوئی۔ سیدنا صدیق و سیدنا علی اور دیگر صحابہ کا ہجوم ساتھ ہے۔ آگے آگے آنجناب ﷺ کی سواری چل رہی تھی، مشتاقانِ نبوت ساتھ ساتھ تھے، استقبال کے لیے سارا مدینہ نکل پڑا۔ ہر انصاری کی خواہش تھی کہ آپ اس کے گھر تشریف لاویں۔ اونٹنی کی مہار تھانے جو آگے بڑھتا تو آپ فرما دیتے:

دعوہا فانہا مامورہ۔
دیکھو اسے چھوڑ دو، جہاں اسے حکم ہو گا وہاں خود ٹھہرے گی۔

چلتے چلتے حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر کے سامنے آ کر ٹھہر گئی۔ (جہاں اب مسجد نبوی ہے) یہیں آپ کا قیام ہوا۔ یہ آس پاس کی جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ اس جگہ مسجد بنانے کا ارادہ ہوا۔ انہوں نے اور ان کے ورثاء نے عرض کیا کہ ہم اس اہم ضرورت کے لیے مفت ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں، اس کا معاوضہ اور قیمت ادا کیے بغیر ہم نہیں قبول کر سکتے۔“

مسجد نبوی اور صدیق اکبر کی قربانی

علامہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر ابابکر ان يعطيهما ثمنه۔
یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین والوں کو قیمت ادا کرو۔

سبحان اللہ! مدینہ کی پہلی مسجد میں سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو مال و زر صرف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور پھر صرف چند ہی نہیں پیش کیا بلکہ اس کے تعمیری سلسلہ میں رضاکارانہ طور پر ہاتھوں کی امداد میں بھی پورا حصہ لیا۔

یہ پڑانوار مسافت، یہ بابرکت سفر جو کہ تاریخ اسلام کے لیے اصل اصول قرار دیا جاتا ہے، اس میں اول سے آخر تک تمام تر معیت صدیق اکبر ہی کے بخت بلند کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخصوص کر دی تھی اور رسول کریم ﷺ نے بھی صدیق ہی کو رفیق منتخب فرمایا۔ یہ وہ فضل صدیقی ہے جس کی دوسری نظیر نہیں۔

ابن عساکر، امام شعبی سے ذکر کرتے ہیں کہ

فان خص الله تبارك و تعالیٰ بارع خصال، لم يخص هذا من الناس، سماه الصديق، ولم يسم الصديق احدا غيره، وهو صاحب الغار مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، ورفيقه في الهجرة، وامر رسول الله بالصلوة
یعنی صدیق اکبر کو چار ایسی خاص فضیلتیں عطا فرمائیں جو کسی دوسرے کو ان میں شریک نہیں کیا: (۱) اللہ تعالیٰ نے ان کا نام صدیق رکھا پھر کسی دوسرے کو صدیق کا لقب عطا نہیں فرمایا۔ (۲) رسول مقبول ﷺ کے ساتھ غار میں رہے (لہذا ان کو صاحب الغار کہا جاتا ہے) (۳) آپ کے ساتھ ہجرت کے سفر میں شریک ہوئے (لہذا

والمسلمون شهود۔ ان کو رفیق الہجرت کہا جاتا ہے) (۴) باقی

(تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۵۶) تمام مسلمانوں کے ہوتے ہوئے امامت نماز

کے متعلق ان کو ارشاد فرمایا (لہذا تمام

مسلمانوں کے لیے امام المسلمین ہوئے)

”وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء“

صدق اکبر کی مدنی زندگی

اہل اسلام کے لیے مدنی زندگی کا دور ایک آزادی کا دور تھا۔ مکی مجبوریاں ختم ہو چکی تھیں۔ کافرا قوام کے جبر و قہر کو سطح ارض سے مٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو اجازت ہو چکی تھی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب غزوات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ایک مشیر و وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف ہمرکابی سے مشرف رہے۔

امام سیوطی نے لکھا ہے: قال العلماء صاحب ابوبکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حین اسلم الی حین توفی لم یفارقه سفرا ولا حضرا الا فما اذن له صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج فیہ من حج وغزو وشہد مع الشاہد کلہا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸)

غزوہ بدر

یہ کفر و اسلام کی فیصلہ کن جنگ تھی۔ صحابہ کرام کی ایک قلیل جماعت اپنے آقائے نامدار کی قیادت میں کفار کے جم غفیر کے مقابلہ میں میدان کارزار میں نکلی۔ حق و باطل کا زبردست مقابلہ تھا۔ آنحضرت ﷺ دربار خداوندی میں سر بسجود ہو کر گڑگڑا کر دعائیں فرمانے لگے:

”اے خداوندِ کریم! اگر یہ مختصر سی تیرے نام لیاؤں کی جماعت ہلاک ہوگئی تو بسیط ارض پر تیری عبادت نہیں ہوگی۔ اے اللہ! مجھے اکیلا مت چھوڑ، میں تیرے عہد میں وعدے کی ایفاء طلب کرتا ہوں۔“

اس خاص کیفیت میں آنحضرت ﷺ کی چادر مبارک شانہ اقدس سے گر گئی تو فوراً صدیق اکبر نے پہنچ کر وہ کملی تھام لی۔ صاحب فتح الباری یہاں لکھتے ہیں:

فاتاہ ابوبکر فاخذ ردائہ
علی منکبه فقال یا نبی اللہ
کفاک منا شدتک۔ ربک
سینجز لک ما وعدک فانزل
اللہ اذ تستغیثون ربکم
فاستجاب لکم الایہ فامده
اللہ بالملائکہ۔

یعنی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں
پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر
مبارک جو گر گئی تھی اسے آپ نے
درست کیا، تسلی کے کلمات عرض کیے کہ
یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی استدعا درگاہ
رب العزت میں کافی ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۱) اپنا کیا ہوا وعدہ آپ سے ابھی پورا فرمائے گا۔

چنانچہ اذ تستغیثون الخ، آیت اسی وقت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی فرشتوں کی فوج سے امداد فرمائی۔

اسی بدر کے موقع پر صحابہ کرام نے آنحضور ﷺ کی خاطر سایہ حاصل کرنے کے لیے ایک عریش بنایا (جس کا ترجمہ جھونپڑا یا چھاتہ کر سکتے ہیں) تاکہ آپ اس میں آرام فرماویں۔

دشمن کی طرف سے سخت خوف کی بناء پر یہاں پہرے کی ضرورت تھی۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس مشکل وقت میں یہ ضرورت صرف صدیق ہی نے پوری کی اور آنحضرت کی خدمت کا پورا حق ادا کیا۔ چنانچہ مفصل روایت اس طرح ہے۔۔۔

اخرج البزار فی مسنده من
 علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال
 اخبرونی من اشجع الناس
 فقالوا انت۔ فقال انما انی ما
 یارزت احدا الا انتقم منہ
 ولكن اخبرونی باشجع
 الناس قالوا لا نعلم قال انہ
 ابابکر انہ لما کان یوم بدر
 فجعلنا لرسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم عریشا فقلنا من
 یکون مع رسول اللہ لئلا
 یهدی الیہ احد من
 المشرکین۔ فواللہ ما دانی
 احدا الا ابابکر، شاہرا
 بالسیف۔ الخ،

(تاریخ الخلفاء ص ۲۹ فصل فی شجاعتہ)

یعنی سیدنا علی المرتضیٰ نے فرمایا کہ میری
 تو اتنی بات ہے جس مرد کے مقابلہ میں
 میدان میں نکلوں تو اس سے انتقام لے سکتا
 ہوں۔ مجھے بتاؤ سب سے زیادہ کون آدمی
 دلیر ہے تو مخاطبین نے عرض کیا: ہمیں
 معلوم نہیں آپ بیان فرمائیے۔ آپ نے
 فرمایا کہ وہ ابو بکر ہیں۔ بات یہ ہے کہ بدر
 کے دن ہم نے نبی کریم ﷺ کیلئے آرام
 گاہ بنائی اور پھر ہم نے کہا کہ ”حضور پر نور“
 کی نگرانی اور خدمت کیلئے کون اس آڑے
 وقت میں تیار ہے تاکہ دشمنوں سے کوئی
 بھی آپ کی جانب ارادہ نہ کر سکے“ پس
 اللہ کی قسم! ہم میں سے کوئی بھی اس
 خدمت کی طرف سبقت نہیں کر سکا مگر
 ابو بکر تنگی تلوار لے کر حضور کے سر کے
 محافظ کھڑے ہو گئے۔ جو دشمن آپ کا قصد
 کرنا چاہتا اسی پر ابو بکر فوراً ٹوٹ پڑتے، پس
 یہ سب لوگوں سے زیادہ بہادر ہوئے۔

غزوہ احد

یہ غزوہ ۳ھ میں پیش آیا۔ بدر میں جو کفار کو شکستِ فاش ہوئی تھی اس کا بدلہ
 لینے کے لیے قریش مکہ بڑی آب و تاب کے ساتھ تیاری کر کے آئے تھے۔ لشکرِ کفار
 تین ہزار سے زائد بہادروں پر مشتمل تھا اور ابوسفیان ان کا رئیس لشکر تھا۔

ادھر حضور نبی کریم ﷺ نے فدایانِ اسلام کا ایک لشکر مرتب فرما کر پہاڑ احد پس پشت لے کر میدانِ جنگ میں قیام فرمایا۔ اس پہاڑ مذکور میں ایک درہ خالی تھا جو پشت کی طرف واقع تھا۔ اس درہ پر ایک فوجی دستہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں متعین فرمایا تاکہ پس پشت خالی پا کر دشمن حملہ نہ کر سکے۔ مجاہدین اور کفار کی جنگ شروع ہوئی، مجاہدین اسلام نے اللہ تعالیٰ کی امداد سے لشکرِ کفار کو تھوڑی دیر میں درہم برہم کر ڈالا۔ دشمن بھاگنے لگا، مسلمان غنائم جمع کرنے لگے تو اوپر درہ والے محافظ دستہ نے دیکھا کہ دشمن شکست خوردہ ہو کر پسپا ہو رہا ہے، اب درہ کی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں رہی، غنائم جمع کرنے میں حصہ لیا جائے۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے درہ خالی چھوڑ دینے سے روکا مگر انہوں نے فتح کے فرط شوق میں پروا نہ کی، درہ سے اتر کر میدان میں آگئے، صرف چند آدمی وہاں باقی تھے جو حملہ آوروں کو نہ روک سکے۔ اچانک دشمن نے پلٹ کر پہاڑ کی پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اس زبردست اچانک حملہ نے مسلمانوں کے قدم ثبات اکھیر ڈالے۔ ایک قسم کا ہیجان و اضطراب تمام فوج میں پڑ گیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس پریشانی کے عالم میں ساتھ ہی دشمن نے یہ مشہور کر دیا کہ خود رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کی فوج بکھر گئی اور بڑا ہراس اور خوف پھیل گیا۔ اس انتہائی نازک مرحلہ میں بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ سے جدا نہیں ہوئے اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کے مقابلہ اور مدافعت میں مصروف رہے۔ اس واقعہ کو مورخین اور مفسرین نے تفصیلاً لکھا ہے۔

ابن سعد طبقات جز ثالث میں ذکر کرتے ہیں کہ

کان فی من ثبت مع رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم
احد حین ولی الناس -
(قسم اول ص ۱۲۴)

یعنی احد کے دن جب لوگ میدانِ جنگ میں پریشانی کی حالت میں منتشر ہوئے ہیں تو حضرت صدیق نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے، حضور کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

اسی ابن سعد نے دوسری جگہ اپنے طبقات جلد ثانی (قسم اول) میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ

و ثبت معہ عصابہ من اصحابہ اربعہ عشر رجلا سبعة من الانصار الخ، (ص ۲۹ ج ۲)

یعنی آنحضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کا ایک دستہ چودہ آدمیوں پر مشتمل اس افراتفری کی حالت میں بھی ثابت قدم رہا۔ سات آدمی مہاجرین میں سے تھے، ان میں ایک ابوبکر صدیق ہیں اور سات آدمی انصار میں سے تھے۔

اور معالم التنزیل امام بغوی مشہور محدث و مفسر نے اور صاحب خازن نے اپنی تفسیر خازن میں مزید وضاحت سے اس مسئلہ کو ان الذین تولوا منکم يوم التقى الجمعان کے تحت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ درج کیا ہے:

كان قد انهزم اكثر المسلمين لم يبق مع النبي صلى الله عليه وسلم الا ثلثه عشر رجلا وقيل الاربعه عشر رجلا من المهاجرين سبعة ومن الانصار سبعة في المهاجرين ابوبكر، عمر، علي، طلحه، والزبير، وسعد بن ابى وقاص رضى الله عنهم۔

مطلب یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں کو احد کے موقع پر شکست ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۳ یا ۱۴ آدمی رہ گئے، سات مہاجر تھے اور سات انصاری تھے۔ سات مہاجر بزرگ یہ تھے: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمن، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(تفسیر خازن جلد اول ص ۳۲۶ پارہ ۳)

غزوہ احد کے بعد یہود مدینہ منورہ کی جلاوطنی اور دوسرے غزوات خندق

وغیرہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ برابر شریک جہاد رہے۔ پھر غزوہ ۶ھ میں پیش آیا، اس میں سیدنا ابو بکر صدیق کی شرکت مشہور و مسلم ہے۔

(باب المشروعا فی الجہاد والمصالحہ)

واقعہ حدیبیہ

بعد ازاں اسی سال ۶ھ میں واقعہ حدیبیہ پیش آیا۔ اس طرح کہ پوشیدہ اطلاع رساں کے ذریعے معلوم ہوا کہ قریش مکہ اہل اسلام کے ساتھ مقاتلہ و مقابلہ کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ بیت اللہ کی زیارت کرنے سے یقیناً مانع ہوں گے، احکام زیارت ادا نہیں کرنے دیں گے۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر مشورہ کیا جس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کی:

یا رسول اللہ خرجت عامدا	یعنی آپ بیت اللہ کی زیارت کا مقصد
لهذا البیت لا ترید قتل احد	لے کر مکہ میں جانا چاہتے ہیں، کسی کو قتل
ولا حرب فتوجه له فمن صدنا	کرنے اور جنگ کرنے کا آپ کا ارادہ نہیں
قاتلناہ قال صلی اللہ علیہ	ہے، بے شک آپ اس مبارک ارادہ پر
وسلم امضوا علی اسم اللہ۔	مکہ تشریف لے چلے۔ جو شخص بھی اس
(بخاری شریف ص ۶۰۰ ج ۲)	میں مانع ہو گا اس کے ساتھ ہم جنگ کریں
	گے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جرات مندانہ
	جواب سن کر فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر چلو،
	دیکھا جائے گا۔

حدیبیہ کے مقام میں مسلمان بچے تو کفار پیش قدمی کر کے حرم میں ہونے سے مانع ہوئے۔ حضور ﷺ کی طرف سے گو مقصد سفر واضح کیا گیا کہ ”بیت اللہ کی زیارت ہے اور متعلقہ احکام کی ادائیگی، اور کچھ مقصد نہیں۔ نہ حرم ہے نہ جنگ کا ارادہ ہے“ مگر کفار کے ساتھ جب اصرار سے بات چیت ہوئی تو

ٹھہرا کہ ایک معاہدہ یا صلح نامہ لکھا جائے، اس کو جانبین تسلیم کر لیں۔ صلح نامہ جب لکھا گیا اس میں چند ایسے دفعات مان لیے گئے جو بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف معلوم ہوتے تھے اور ان میں ایک قسم کی مغلوبیت کا پہلو نمایاں نظر آتا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق اور دیگر اصحاب نہایت برہم ہوئے کہ باوجودیکہ ہم حق پر ہیں اور دشمن باطل پر، پھر ایسی کڑی شرائط کیسے تسلیم کر رہے ہیں۔ اسی پریشانی کی حالت میں فاروق اعظم حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ ”یہ شرائط بظاہر بڑی دشوار اور مسلمانوں کے حق میں مشکلات بڑھانے والی ہوں گی، اس کے متعلق کیا خیال ہے؟“

تو حضرت صدیق محرم رازِ نبوت نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بڑی تسلی دلائی، فرمایا

کہ

یعنی آنحضور چونکہ اللہ کے رسول ہیں،
خداوندِ قدوس کے حکم کے ماتحت یہ سب
کچھ کر رہے ہیں، یہ خدا کی نافرمانی نہیں کر
سکتے۔ خداوندِ تعالیٰ ہی اس کا مددگار ہے۔
حق ہماری طرف ہی ہے کچھ فکر کرنے کی
ضرورت نہیں، اس میں ہی مصلحت
خداوندی ہے۔

انہ لرسول اللہ ولیس
یعصی ربہ وهو ناصرہ
فاستمسک بغرزہ فواللہ انہ
علی الحق۔

(بخاری شریف ص ۳۸۰، جلد

اول، باب شروط فی الجہاد)

فتح مکہ

بعد ازاں واقعہ خیبر پیش آیا۔ اس میں صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ فتح خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ پھر ۸ھ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بوڑھے والد ابو قحافہ (عثمان بن عامر) کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے

مشرف بہ اسلام کرایا۔ ابو قحافہ پیرانہ سالی کی وجہ سے نابینا ہو چکے تھے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے والد کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لا رہے تھے تو آنحضور ﷺ نے ازراہ نوازش فرمایا کہ

هلا تركت الشيخ في بيته
يعني ادھر تكليف دینے کی ضرورت نہیں
حتیٰ آتیہ۔
تھی، یہ شیخ وہیں ٹھہرے ہوتے میں خود ان
کے پاس چلا جاتا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ کی طرف اس کا چل کر آنا اس سے بہتر ہے کہ آپ بہ نفس نفیس اس کی طرف تشریف لے جانے کی تکلیف کریں۔ پھر آپ نے ابو قحافہ کے سینہ پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر کر نور اسلام سے منور فرمایا اور ساتھ ارشاد ہوا کہ اس کے سفید بالوں کو ذرا متغیر کر دو مگر سیاہ نہ کر دینا۔

(اصابہ فی معرفۃ الصحابہ و بہامشہ الاستیعاب ص ۳۵۳، ۳۵۴)

غزوہ حنین

فتح مکہ سے واپسی پر بنو ہوازن سے جنگ کی نوبت پیش آئی جس کو غزوہ حنین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس غزوہ میں بھی صدیق رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور ان ثابت قدم رہنے والے اصحاب میں ہیں جنہوں نے دشمن کے حملہ کے وقت پورا پورا مقابلہ کر کے دشمن کو پسپا کر دیا۔

غزوہ تبوک

۹ ہجری میں رومیوں کے متعلق مشہور ہوا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ان دنوں مسلمانوں کی نہایت تنگ حالت تھی، مسلسل جنگوں کی بناء پر کافی مشقت اٹھائے ہوئے تھے۔ خرچ اخراجات کی شدید کمی تھی۔ مصارف جہاد کے لیے چندہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آنحضور ﷺ نے فراہمی مال کے متعلق ارشاد فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ”اس موقع پر اتفاقاً مجھے کچھ مال ہاتھ لگا تھا“ میں نے دل میں کہا کہ آن آنحضور ﷺ کی خدمت میں چندہ پیش کر کے ابو بکر صدیق سے سبقت لے جاؤں گا۔“ تمام مال میں سے نصف مال گھر چھوڑ کر آئے اور نصف باقی ساتھ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا کچھ چھوڑ آئے ہو بال بچوں کے لیے؟ تو میں نے عرض کی: کل اثاثہ میں سے نصف مال یہاں حاضر کر دیا ہے اور نصف اہل و عیال کے لیے باقی چھوڑا ہے۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا مال ماحضر حاضر کر دیا۔ ارشاد ہوا: قال ما ابقیت لاهلک قال ابقیت لہم اللہ ورسولہ۔ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: ”اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟“ صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ”یا رسول اللہ! اللہ اور اس کا رسول ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔“

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اخلاص کا یہ عالم دیکھ کر کہا کہ ”صدیق پر میں کبھی سبقت نہیں لے جاسکتا۔“

(ابوداؤد شریف، کتاب الزکوٰۃ، مجتبیٰ، جلد اول، ص ۲۴۳)

حج کی امارت ۹ ہجری میں

اسی سال ۹ ہجری میں آنحضور ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ادائے حج کے لیے امیر حج بنا کر روانہ کیا۔ قریباً تین سو صحابہ ساتھ تھے اور بعد میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چند ضروری اطلاعات کی تشیرو و تلقین کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی سیادت و قیادت کے ماتحت روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف اعلانات ہی حج کے موقع پر کیے ہیں، باقی خطبات حج (جو خاص امیر حج کا کام ہوتا ہے) موقعہ بموقعہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھے ہیں۔ محقق ابن کثیر عماد الدین نے اپنی تفسیر اور اپنی مشہور و مسلم تاریخ البدایہ والنہایہ میں اس مسئلہ کو واضح کر کے تحریر کیا ہے۔ البدایہ کے چند الفاظ درج ذیل ہیں:

یعنی حضور ﷺ کی اونٹنی عصباء نامی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سوار ہو کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے آئے۔ جب صدیق نے دیکھا کہ حضرت علی آپنچے تو دریافت کیا کہ امیر حج تجویز ہو کر آپ تشریف لائے ہیں؟ یا آپ کسی خاص کام کے لیے مامور ہوئے ہیں؟ تو حضرت علی نے کہا کہ میں ایک خاص کام کے لیے مامور ہو کر پہنچا ہوں۔ پھر دونوں حضرات مل کر مکہ تشریف لے گئے اور ابو بکر کی قیادت میں لوگوں نے حج ادا کیا۔

فخرج علی ابن ابی طالب علی ناقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العصباء حتی ادرك ابابکر الصديق فلما راه ابوبکر قال امیر او مامور؟ فقال بل مامور مضیا فاقام ابوبکر للناس الحج۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ خاس ص ۳۷)

حجۃ الوداع ۱۰ ہجری میں ہوا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرکاب تھے اور تمام سفر میں، جلوت و خلوت میں، شریک حال رہے۔ حضور ﷺ کے اس آخری حج کے بعد ماہ محرم سالم گزرا اور صفر ۱۱ ہجری کے اواخر میں آنحضرت ﷺ کی طبیعت ناساز ہوئی اور یہی مرض آخر انتقال کا سبب بنا۔ اس مرض کو مرض الوفات سے تعبیر کرتے ہیں۔ مرض الوفات سے کچھ پہلے آنحضرت ﷺ نے صحابہ میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا و آخرت میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے پھر اس بندے نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دے دی ہے۔ اس ارشاد کے سننے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فوراً رونے لگے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رونے پر تعجب کیا کہ نبی کریم نے ایک بندے کی آخرت کو پسند کرنے کی خوشخبری دی ہے اور یہ رو رہے ہیں۔ دراصل بندہ سے مراد خود نبی کریم ﷺ تھے اور ابو بکر نے ہی سب سے پہلے اپنے کمال علم کی وجہ سے اس سفر آخرت کی وجہ کو معلوم کیا۔

(بخاری شریف جلد اول)

صدقہ کا امام مقرر ہونا بحکم رسول خدا ﷺ

اس خطبہ کے بعد (جس میں لطیف و باریک اشارات آنحضرت کے وصال مبارک کی طرف تھے) جناب رسول خدا جلد ہی بیمار ہوئے اور مرض دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ آخری ایام میں حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ سے مسجد میں تشریف نہ لے جاسکتے تھے، تو نماز کی امامت کے لیے آنحضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام میں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ جب بلال نے آکر نماز کی اطلاع کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مروا ابابکر فليصل
یعنی ابوبکر کو کما جائے کہ لوگوں کو نماز
بالناس۔ پڑھائیں۔

روایات میں ہے کہ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اتفاقاً موجود نہیں تھے۔ بعض اصحاب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہہ دیا کہ اس وقت آپ نماز پڑھائیں۔ حضرت عمر نماز پڑھانے لگے۔ چونکہ حضرت عمر زوردار آواز والے تھے جناب نبی کریم کو آواز پہنچی تو دریافت فرمایا کہ ابوبکر کہاں ہیں؟

یابی اللہ ذالک
والمسلمون یابی اللہ ذالک
والمسلمون۔
یعنی اللہ تعالیٰ اور مسلمان صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ کے بغیر کسی کی امامت پر راضی
نہیں۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق کو آدمی بھیج کر بلوایا گیا اور آپ نے آکر نماز پڑھائی۔

(البدایہ والنہایہ ص ۲۳۲، ج ۵)

آنحضور ﷺ کی زندگی مبارک میں دورانِ مرض الوفا میں آنحضور ﷺ کے فرمان کے مطابق صدیق اکبر نے بالاختلاف بیس نمازیں اور بالاتفاق علماء محدثین (مورخین) سترہ نمازوں میں تمام مسلمانوں کی امامت فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص ۲۳۵-۵۲۰، ج ۵) یہ امامت صغریٰ فضیلت صدیق کا زبردست نشان ہے جس نے

امامت کبریٰ (خلافت) کا راستہ صاف کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ موجود تھے جو امامت کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے، حضرت عباسؓ سگے چچا موجود تھے۔ عالم، فاضل اور معمر بھی تھے۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرامؓ گوناگوں صلاحیتوں کے مالک موجود تھے، بایں ہمہ اسلام کے اس اہم ترین فریضہ کے لیے قرعہ انتخاب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہونا خداوند تعالیٰ کے حکم سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی واضح نشان کو خلافت صدیقی کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پیش کیا ہے جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر آ رہا ہے۔

صدیقی خلافت کے شواہد

معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے ساتھ ساتھ ہی دوسرے شواہد بھی صدیقی خلافت کی حقانیت کے لیے روایات صحیحہ میں موجود ہیں، ان میں سے چند ایک یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت انس فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی مصطلق نے مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس لیے بھیجا کہ آنحضور ﷺ سے دریافت کیا جائے کہ آپ کے بعد صدقات مال ہم کس کے ہاں پیش کریں؟ تو میں نے حضور کی خدمت میں پیش ہو کر اس امر کو دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ”ابوبکر کے ہاں۔“

(تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ حاکم)

(۲) اسی طرح دوسرا واقعہ احادیث میں مذکور ہے کہ ایک عورت حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں آپ کے ہاں حاضر خدمت ہوئی۔ کوئی چیز طلب کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ”پھر کسی وقت آنا۔“ تو عورت کہنے لگی: ”یا حضرت! اگر میں حاضر ہوں اور آپ موجود نہ ہوں تو؟“ (اس کا اشارہ آنحضور ﷺ کے وصال کی طرف تھا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر تو

آئے اور مجھ کو نہ پائے تو ابوبکر صدیق کے پاس جانا، میرے بعد وہ خلیفہ ہیں۔“ (تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت ابن عساکر)

(۳) ایک دفعہ قبیلہ عمر بن عوف کے درمیان جھگڑا ہو گیا، حضور نبی کریم ﷺ کو اطلاع ہوئی۔ آپ اس قبیلہ کے درمیان صلح کرانے کی خاطر ظہر کے بعد تشریف لے گئے۔ جاتے وقت بلال موزن کو فرمانے لگے: ”اگر نماز کا وقت ہو جائے اور ہم مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں تو ابوبکر کو کہنا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ جب نماز عصر کا وقت ہوا تو بلال نے حسب دستور اذان کہی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کے ارشاد کے مطابق نماز پڑھائی۔

(سیوطی بحوالہ ابوداؤد)

(۴) اسی مرض الوفات میں (نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ) ابوبکر کو بلاؤ، ان کے لیے ایک مکتوب لکھ دیا جائے تاکہ کوئی بعد میں ابوبکر کے معاملہ میں اختلاف پیدا نہ کرے اور ہماری تمنا کے خلاف کوئی دوسری خواہش نہ پیدا کر سکے۔ پھر خود ہی یہ کہہ کر ارادہ ملتوی فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے بغیر دوسرے کسی کو نہیں منظور کریں گے اور نہ ہی کسی پر راضی ہوں گے۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی بحوالہ امام احمد و مسلم، البدایہ والنہایہ ص ۲۲۸، ج ۵)

(۵) آنحضور ﷺ نے اپنی وفات سے صرف پانچ روز پہلے آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور شرافت صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمائی:

یعنی تمام لوگوں میں سے مجھ پر ابوبکر نے

ان امن الناس علی فی

بہت احسان کیا ہے۔ تمام عمر میری صحبت و

صحابہ و مالہ ابوبکر۔

شجاعت میں گزاری ہے اور اپنا سارا مال اس

نے میرے لیے قربان کر ڈالا ہے۔

پھر فرمایا کہ مسجد نبوی میں اندر آنے کے لیے جو جو درتپے تم لوگوں نے رکھے ہوئے ہیں وہ سب کے سب بند کر دیئے جائیں مگر صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دریچہ جو مسجد کی جانب ہے وہ کھلا رہے۔ (بخاری شریف و دیگر کتب احادیث)

فیہ اشارہ الی الخلافہ لیخرج منها الی الصلوہ بالمسلمین۔
(البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰ ج ۵) یعنی اس حدیث میں خلافت صدیق کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لیے اس دروازہ سے مسجد نبوی میں تشریف لایا کریں گے۔ یہاں علامہ ابن کثیر صاحب البدایہ نے ایک باریک بات ذکر کی ہے جو نہایت قرین قیاس ہے، وہ یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ابو بکر صدیق کے لیے ایک مکتوب تحریر فرمانے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن اس کو ملتوی کر دیا اور مذکورہ الفاظ فرما دینے کے بعد میں یہ آخری خطبہ یوم النہیس کو ارشاد فرمایا جس میں فضیلت صدیقی کا نہایت واضح بیان ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ

لعلت خطبہ هذه كانت
عوضاً عما اراد ان يكتبه في
الكتاب۔
آنحضور ﷺ ایک مکتوب صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ کے حق میں تحریر فرمانا چاہتے تھے،
اس کے قائم مقام یہی خطبہ ارشاد فرمایا۔

گویا یہ علی رؤس الاشهاد حقیقت واضح کر دی گئی کہ نیابت نبوت کی اولین مستحق یہی کامل ترین ہستی ہے۔

پھر آخری دو شنبہ کے روز جس دن حضور ﷺ کی وفات ہوتی ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھا کر حضور کی عیادت کے لیے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں گئے۔ اس دن شدت مرض اور درد سے حضرت نبی کریم ﷺ کو کچھ افادہ تھا اور اسی روز آپ نے صبح کی نماز کے وقت اپنے حجرہ مبارک کے دریچہ کا پردہ اٹھا کر جو اس وقت جماعت ہو رہی تھی اس کو ملاحظہ فرمایا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ حضور شاید مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ ابو بکر صدیق امام تھے، وہ بھی اپنی جگہ سے پیچھے سرکنے لگے مگر سب کو رسول کریم نے اشارہ سے اپنی

ہی جگہ رہنے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اس عیادت کے بعد مدینہ کے باہر سخ کے مقام میں، جہاں ان کی ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ رہتی تھیں اور اس دن ان کی باری تھی، سواری پر سوار ہو کر چلے گئے۔ ان کے بعد نبی کریم کا صحنی کے وقت وصال ہو گیا۔ ایک قیامت برپا ہو گئی۔ حیرانی و دہشت کا عالم سب پر طاری تھا۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ حضور کا وصال ہو گیا ہے اور بعض لوگوں کو وفات کا یقین نہیں آیا۔ اس پریشانی کے عالم میں ایک شخص سالم بن حبیبہ کو سخ کے مقام میں حضرت صدیق کی طرف دوڑایا گیا تاکہ اس حادثہ کی اطلاع کرے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، اس ہو شربا خبر ملنے پر فوراً وہاں سے مسجد نبوی پہنچے۔ دیکھتے ہیں کہ تمام لوگ مضطرب و متحیر ہیں اور حضرت عمر فرط حیرت و دہشت کی وجہ سے حضور کی وفات کی خبر سننا برداشت ہی نہیں کر رہے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بڑے تحمل سے آگے بڑھ کر پہلے حجرہ شریف میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ پر چادر ڈال کر ڈھانپ دیا گیا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رُخ انور سے چادر الگ کر کے چہرہ کا مشاہدہ کرتے ہیں، حضور ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔ رو پڑے اور جبین مبارک پر بوسہ دیا۔

واسفاه یا رسول اللہ..... پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حجرہ سے باہر مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے استقلال و ثبات کے ساتھ لوگوں کو افہام و تفہیم شروع کی۔ پہلے حمد و ثناء کی پھر فرمایا:

وما محمد الا رسول قد
خلت من قبلہ الرسل، الخ۔
کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان
سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے
ہیں۔ اگر یہ رسول فوت ہو جائیں یا قتل
کیے جائیں کیا تم لوگ دین سے پھر جاؤ گے۔

اور فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے اس پر موت نہیں آ
سکتی اور جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا پس وہ بے شک فوت ہو چکے ہیں۔ اسی
طرح حضرت صدیق کی افہام و تفہیم پر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت کا وصال ہو گیا

ہے۔ اس کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کی طرف سے مجمع ہوا۔ خلیفہ کون ہونا چاہیے؟ اس پر بحث بڑی طول پکڑ گئی۔ حضرت صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس کا علم ہوا کہ مسئلہ بڑی اہمیت پکڑ رہا ہے، اس کا فیصلہ بہر کیف ہونا چاہیے ورنہ مسلمانوں کے مابین افتراق و انتشار کا سخت اندیشہ ہے۔ دونوں حضرات مصلحت وقت اور اہمیت مسئلہ کو دیکھتے ہوئے فوراً مسئلہ خلافت طے کرنے کی خاطر اس مجمع انصار میں بر موقع تشریف لے گئے۔ مہاجرین و انصار کی اس مسئلہ پر بڑی زوردار بحث ہوئی، آخر کار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تمام راضی ہو گئے۔ سب سے فضیلت والے معمر بزرگ یہی ہیں۔ حضور کے آخری برتاؤ اور سلوک، ان سب کا تقاضا یہی ہے کہ اس اہم کام کے یہی اہل ہیں۔ مہاجرین و انصار نے ایک دوسرے سے سبقت کر کے موقع ہی پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر دی۔ تقاضائے وقت کے نازک ترین مسئلہ کو طے کرنے کے بعد پھر صحابہ کرام آنحضور ﷺ کی تجئیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ یہاں یہ بھی ساتھ ساتھ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ مسئلہ عمومی امامت اور خلافت کا سب چیزوں سے پہلے طے نہ کیا جاتا تو رسول خدا ﷺ کی تجئیز و تکفین جیسے عظیم الشان کام کا بغیر کسی خلیفہ کی سرکردگی کے انجام پانا ہزاروں خرابیوں کا موجب بنتا۔ مثلاً آنحضور ﷺ کے غسل کے متعلق رائے مختلف ہو جاتی کہ کہاں نہلایا جائے اور کس طرح نہلایا جائے۔ پھر نماز جنازہ کے متعلق اختلاف ہوتا، کچھ لوگ حجرہ شریف سے باہر لا کر جنازہ پڑھنا چاہتے، بعض کہتے کہ وہیں ہو اور کون جنازہ پڑھائے وغیرہ وغیرہ۔ نیز مقام دفن کہاں ہو؟ یا جنت البقیع میں ہو؟ جو عام مومنین کی جائے دفن ہے۔ یہ تمام مراحل اختلاف کی گنجائش رکھتے تھے اور اس وقت کسی قول فیصل کے بغیر ان کا سرانجام دینا نہایت ہی مشکل تھا۔ جب ایک امیر اسلام اور امام وقت طے کر لیا گیا، اب اس کے ارشاد کو آخری فیصلہ قرار دے کر تمام امور مذکورہ باحسن الوجوہ اور سہل طریقہ سے طے ہوتے گئے۔ جہاں کچھ مسلمانوں کو کسی بات میں اشکال پیش آیا، خلیفہ وقت نے اس کو بہت

عمدہ طریقہ سے سلجھا دیا۔ اس طرح تمام تجہیز و تکفین، جنازہ اور دفن وغیرہ میں کوئی قابل ذکر اختلاف واقع نہیں ہوا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

صدیقی خلافت کا ابتدائی خطبہ

اس اہم فریضہ یعنی تجہیز و تدفین سے فارغ ہونے کے دوسرے روز مسجد نبوی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت عام ہوئی۔ یہ سب لوگ شریک بیعت ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے امیر وقت ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے ایک شاندار خطبہ ارشاد فرمایا جو کہ اپنی جگہ نہایت عظیم الشان ہے۔

”فحمد الله واثنى عليه بما هو اهل له ثم قال اما بعد ايها الناس فاني قد وليت عليكم ولست بخيركم فان احسنت فعينوني وان اسات فقوموني - الصدق امانت والكذب خيانه والضعيف منكم قوى عندى..... الخ“

(ترجمہ:) حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو! آپ لوگوں پر میں ولی منتخب کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں۔ اگر میں اچھی بات کروں تو آپ میری اس میں امداد کریں۔ اگر خطا کروں تو میری غلطی درست کروادیں۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمہارا ضعیف میرے نزدیک قوی ہے انشاء اللہ حتیٰ کہ میں اس کے لیے اس کا حق اس پر واپس کرا دوں اور تم میں سے قوی میرے ہاں کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق پورا کر لوں۔ جو قوم بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ترک کر دیتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ ذلت اور رسوائی ڈالتا ہے اور جو قوم بھی علی الاعلان برائی پھیلانے لگ جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے مصائب اور بُرائیاں عام کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع داری کروں تو تم بھی میری تابع داری کرو اور جب میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت آپ لوگوں کے لیے کوئی واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں نماز کا وقت ہو گیا ہے اب نماز کے لیے اٹھو۔

(البدایہ والنہایہ للابن کثیر ص ۲۳۸ ج ۵، طبقات لابن سعد ص ۹۲۹ ج ۳ ق ۱)
کتنا پُر مغز اور پُر معنی خطبہ ہے۔ ایک ایک جملہ میں صداقت و امانت کے دریا بہا دیئے ہیں۔

حضرت علی اور دیگر اکابرین کا خلافت صدیقی کے ساتھ اتفاق و اتحاد

اس مقام پر ایک مستقل بحث اسلامی تاریخ میں پیدا ہو گئی ہے جس میں لوگوں کی طرف سے نہایت بے احتیاطی سے افراط و تفریط کر دی گئی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حضرات بنو ہاشم حضرت علی و حضرت عباس وغیرہا نے دوسرے مسلمانوں کے منتخب خلیفہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو کس نوعیت کا تھا۔ اور پھر کس طرح اس اختلاف کو ختم کر کے جمہور اہل اسلام کے موافق متفقہ خلیفہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا؟؟

بے شک اس مقام پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مختلف روایات مذکور ہیں۔ بعض میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر چھ ماہ کے بعد بیعت کی ہے اور پھر اس تاخیر کی مستقل وجوہ ذکر کی جاتی ہیں اور بعض روایات میں تین دن کے اندر اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا ذکر کیا گیا ہے اور محققین علماء نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ بہترین تحقیق و تطبیق ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور وہ حقیقت کے اعتبار سے بشرط انصاف قابل قبول ہے۔

پہلی روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔

(۱) جزء ثالث قسم اول میں فرماتے ہیں:

قال علی لما قبض النبی
صلی اللہ علیہ وسلم نظرنا
فی امرنا فوجدنا النبی صلی
اللہ علیہ وسلم قد قدم
ابابکر فی الصلوہ فرضینا
لدنیا نامن رضی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم لدیننا فقد
منا ابابکر۔

(طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۱۳۰، ق ۱)

(۲) عن قیس بن عبادہ قال
قال لی علی بن ابی طالب ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم مرض لیالی وایاما
ینادی بالصلوہ فیقول۔ مروا
ابابکر یصلی بالناس فلما
قبض رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نظرت فانا
الصلوہ علم الاسلام وقوام
الدین فرضینا لدنیانا من
رضہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فبايعنا ابابکر۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب نبی
کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو ہم نے اس
معاملہ میں (نیابت رسول یا خلافت میں) غور
و فکر کیا۔ ہم نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے
ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا پیش نماز بنایا ہے۔ پس
ہم دنیاوی معاملے میں بھی اس شخص پر
راضی ہو گئے جس کو نبی کریم ﷺ نے
ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا۔ تو ابو بکر
رضی اللہ عنہ کو ہم نے مقدم کر دیا۔

قیس بن عبادہ کہتے ہیں: مجھے حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ
چند دن بیمار رہے۔ جب آپ کو نماز کی
تیاری کی اطلاع کی جاتی تو آپ فرمادیتے کہ
ابو بکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ جب
نبی کریم کا انتقال ہو گیا تو میں نے سوچا کہ
نماز شعار اسلام ہے اور اس پر دین کا
دارومدار ہے، جب اصل دین کے لیے
جس ذات کو نبی کریم نے ہمارے لیے پسند
فرمایا ہے تو ہم دنیاوی امور کے لیے اسی
ذات کو قبول کریں۔ پس ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ
سے بیعت کر لی۔

(الاستیعاب لابن عبد البر جز ثانی ص ۲۴۲، علی ہاشم الاصابہ، مصری)

پس طبقات والاستیعاب کی ہر دو روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے اس آخری فرمان کو جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بار بار ہوتا ہے، قابل استدلال و لائق استشہاد قرار دیا ہے۔ اسی کے موافق جمہور اہل اسلام کے ساتھ موافقت فرما کر برضا و رغبت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اسلام تسلیم کیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی ایک خلیفہ کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت مسئلہ خلافت پر اختلاف ہوا ہے۔ انصار کا خیال تھا کہ استحقاق میں ہم فائق ہیں، مہاجرین نے ان سے بحث میں دوسری رائے دی ہے۔ حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام نے جو اظہار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس انتخاب کو ہم منظور کرتے ہیں۔ یہ خلافت کے قابل ہیں (مگر ہمیں اس معاملے میں اولین مشورے کے لیے نہیں بلایا گیا، اس وجہ سے ہم کو افسوس ہوا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس بحث کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

قال علی وزبیر ما غضبنا الا
انا اخرنا عن المشوره وانا نرى
ان ابابكر احق الناس بها انه
لصاحب الغار وانا لنعرف
شرفه وخيره ولقد امره رسول
الله صلى الله عليه وسلم ان
يصلى بالناس وهو حي -

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ناراض نہیں ہوئے مگر اس وجہ سے کہ مشورہ کے وقت ہم پیچھے رہ گئے تھے۔ اس معاملہ کے متعلق ابو بکر کو ہم زیادہ حق دار سمجھتے ہیں۔ وہ صاحب غار ہیں، ہم آپ کی شرافت اور خیر و برکت کی قدر کرتے ہیں اور حضور ﷺ نے اپنی زندگی

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۵۰) میں ان کو لوگوں کا امام بنایا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ان بزرگوں نے اپنی شکر رنجی اور شکایت کا اظہار بر موقع کیا مگر ایک شریفانہ طریقہ سے کیا ہے جو ان بزرگوں کے شایان شان تھا۔ تمام اہل اسلام کے مفاد اور بہتری کو ہر قیمت پر انہوں نے مقدم رکھا اور نبی کریم ﷺ کے اشارات وارشادات کو صحیح طور پر انہوں نے عملی جامہ پہنایا ہے۔

البتہ یہاں ایک چیز باقی رہ گئی ہے، وہ یہ کہ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد جا کر ابو بکر سے بیعت کی ہے جو حضور ﷺ کے چھ ماہ (علیٰ اختلاف الروایات) گزرنے کے بعد ہوئی۔ اس کے متعلق جو کچھ محققین علماء نے ذکر کیا ہے ان سے یہاں صرف دو حوالے ذکر کیے جاتے ہیں جس سے اصل مسئلہ کی بالکل وضاحت ہو جاتی ہے اور ایک انصاف پسند طبیعت کے لیے یقیناً تسلی و تسکین ہو سکتی ہے۔

(۱) علامہ ابن کثیر محقق نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے:

فہذہ البیعہ الی وقعت
من علی لابن بکر الصدیق
بعد وفات فاطمہ بیعہ
موکدہ للصلح الذی وقع
بینہما وہی ثانیاً للبیعہ
التي ذکرناہا اولاً یوم اسقیفہ
کما رواہ ابن خزیمہ وصححہ
مسلم بن الحجاج ولم یکن
علی بجانب ابی بکر ہذہ
الستہ الاشہر هل کان یصلی
وراءہ ویحضرہ عندہ
للمشورہ وركب معہ الی ذی
القصدہ۔

(البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۶، جلد خامس)

حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد علی المرتضیٰ کا صدیق اکبر کے ساتھ اس بیعت کرنے کا جو ذکر آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیعت جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوئی تھی اس کو مزید پختہ کرنے کی خاطر ہوئی تھی اور یہ بیعت ثانیہ یعنی دوسری بیعت ہے۔ پہلی وہ تھی جو سقیفہ کے دن ہوئی۔ محدث ابن خزیمہ نے اس کو ذکر کیا ہے اور مسلم بن حجاج نے صحیح قرار دیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان چھ ماہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بالکل علیحدہ نہیں ہوئے بلکہ ان کے پیچھے ہمیشہ نمازیں پڑھتے رہتے اور صلاح و مشورہ کی خاطر صدیق اکبر کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور جمیش و فوج میں ضرورت کے وقت ساتھ جایا کرتے تھے۔

(۲) دوسری تحقیق اس کے موافق علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ذکر کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

وقد صحح ابن حبان وغيره
من سعيد الخدري وغيره ان
عليه بايع ابا بكر بانه بايعه
بيعه ثانيه موكد - (فتح الباري
لابن حجر العسقلاني ج ۷، ص ۳۹۹)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ
کے ساتھ ابتداء میں بیعت کر لی تھی اور جو
بعد کچھ مدت کے بیعت کا ذکر آتا ہے اس
کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے
صدیق اکبر کے ساتھ دوسری بیعت پہلی
بیعت کو اور پختہ کرنے کے لیے اور شبہات
زائل کرنے کی خاطر کی تھی۔

اور امام قرطبی نے جو بات اس موقع پر ذکر کی ہے وہ لائقِ صد توجہ ہے۔
فرماتے ہیں:

”حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو
شکر رنجی اور پھر ایک دوسرے سے عذر معذرت ہوئی ہے اگر اس کو
منصفانہ نظر سے دیکھا جائے تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہر ایک بزرگ
دوسرے کی بزرگی کا مقرر اور تسلیم کرنے والا تھا اور ان کے قلوب آپس
میں احترام و محبت پر متفق تھے۔ اگرچہ طبیعت بشری بعض اوقات انسان پر
غالب آتی ہے لیکن ان کی دین داری اس کو رد کر دیتی ہے۔“

(تفسیر القرطبی ج ۷ ص ۲۵۹)

ان بزرگوں کے درمیان اس موقع پر جو کچھ بھی کم و بیش اختلاف ہوا ہے وہ
للہیت کی بناء پر تھا اور انہوں نے اس کو خود ہی اپنے عمل سے ختم کر ڈالا تاکہ آئندہ
امت میں تفریق کی کوئی راہ پیدا نہ ہو سکے۔ ان حضرات کے علوشان کے یہ عین
موافق تھا۔ یہ پاک ہستیاں کینہ پرور نہ تھیں، طماع اور لالچی نہ تھے۔ ان تمام کم
اخلاقیوں اور اندرونی عداوتوں سے ان کا مقام دیانت بالکل بلند تھا۔ اسی وجہ سے یہ

زمانہ خلافتِ راشدہ کے نام سے اسلام میں موسوم ہے یعنی رُشد و ہدایت کا زمانہ۔
واقعی پچھلی امت کے لیے ان لوگوں کی صداقت و دیانت نے مشعلِ راہ کا کام دیا۔

صدیقی دورِ خلافت کا ایک مسئلہ اور اس کا تصفیہ

اس خلافت اور بیعتِ خلافت کی بحث کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے جہاں اور اہم مسائل اصلاحِ امت کے متعلق وقتاً فوقتاً پیش آئے ان میں سے ایک مسئلہ قرابت دارانِ نبی کریم ﷺ کی وراثتِ نبوی کا معاملہ ہے یعنی حضرت فاطمہ الزہراءؑ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ یا بلاواسطہ حق وراثت طلب کیا۔ خلیفہ اول کے سامنے اس بات کا پورا خیال تھا کہ حضور سرورِ دو عالم ﷺ کی نیابتِ حتی الامکان پوری طرح ادا ہو، اس میں کسی قسم کی ناجائز کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ ادھر حضور ﷺ کی قرابت داری کا لحاظ اور جائز رعایت صحیح طور پر کی جائے گو اس مطالبہ وراثت کے موقع پر بھی بعض حلقوں نے بلاوجہ بڑی شد و مد سے حضرت فاطمہ الزہراء کی لمبی کشیدگی اور فطری انقباض کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے گویا دنیائے اسلام میں اس سے بڑھ کر کوئی قابلِ اختلاف چیز ہی نہیں اور مابہ الاتحاد اور مابہ الاتفاق کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی حالانکہ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے متعلق یہ باتیں ہیں کہ

اولاً: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زہراءؑ کے مطالبہ کے جواب میں جو رویہ اختیار کیا، کیا وہ جواب معاندانہ ہے جو صدیق نے عرض کیا؟ یا ایسا جواب ذکر کیا جس کو جمہورِ مسلمین یعنی جمہورِ صحابہ کرام بمع بنو ہاشم نے قبول کیا ہو یا ذاتی اغراض و مقاصد کے تحت انہیں ٹال دیا گیا یا کونسی راہ انہوں نے اختیار کی جس کی وجہ سے وہ موردِ الزام قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

اول چیز کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت زہراءؑ کے مطالبہ کے جواب میں صدیق اکبر نے یہ ذکر کیا کہ جناب کے والد ماجد کا فرمانِ عالی شان اس طرح سے

ہے کہ

لا نورث ما ترکناہ صدقہ۔
ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو
مال متاع چھوڑ جائیں فی سبیل اللہ صدقہ
ہوتا ہے۔

اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ساتھ ساتھ ذکر کیا، مودت قربی کی پاس خاطر
بہر حال منظور ہے۔ فرمایا کہ

والذی نفسی بیدہ القرابہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم احب ان اصل من
قرباتی۔ (البدایہ ص ۲۸۶، ج ۵)
یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ
قدرت میں میری جان ہے کہ حضور ﷺ
کی رشتہ داری اور قرابت میرے نزدیک
اپنی برادری و قرابت سے بہت زیادہ محبوب
ہے۔

لیکن ساتھ ہی اپنی ذمہ داری (نائب رسول ہونے کی عہدہ داری کے پیش نظر
اور اپنے منصب قائم مقام نبوت) کے اعتبار سے صاف طور پر عرض کر دیا کہ

لم اترک امرا صنعہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا
صنعتہ۔
یعنی جو جو کام خود نبی کریم ﷺ جس
طرح ادا فرماتے تھے، وہ اسی طرح سرانجام
دیا کروں گا۔

انما یاکل آل محمد صلی
اللہ علیہ وسلم من هذا
المال۔ (البدایہ ص ۲۸۶، ج ۵)
یعنی حضور کی آل و اولاد اس مال (فی،
خمس و فذک وغیرہ) سے بے شک حسب
دستور سابق کھاتی رہے گی اور منتفع ہوتی
رہے گی۔

نیز یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ذکر کی
ہے، یہ صرف صدیق کا قول ہی نہیں بلکہ اس کے قول نبوی ﷺ ہونے پر دس
صحابہ کرام حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عمر،

حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یہ سب حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مؤید (تصدیق کنندہ) ہیں۔ ایسے مشہور فرمانِ حضور ﷺ کو کیسے ترک کیا جاسکتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر اس فرمان پر عملدرآمد کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں اور صدیق اکبر کی اس صداقت و دیانت داری پر بعد کے خلفاء نے ہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان امور یعنی فدک وغیرہ و اموالِ بنی نضیر وغیرہ میں وہی دستور جاری رکھا جو کہ خلیفہ اول نے روا رکھا تھا۔ اس صدیقی طرزِ طریق کے خلاف سب اختلاف نہیں کیا حالانکہ حق داروں کے حقوق ہمارے عقیدے کے موافق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زمانہ خلافت میں صحیح طور پر دلوائے ہیں اور پورا پورا انصاف، انصاف خواہوں کے حق میں کیا ہے۔ مرتضوی خلافت میں ہمارے نزدیک ہر ایک کے ساتھ برابر انصاف و عدل ہوتا رہا ہے، تو اہل بیت نبوی اور آلِ محمد ﷺ کے ساتھ عدل و انصاف تو یقیناً ہونا لازمی تھا اور ہوا اور ضرور ہوا۔

پھر دوسری تائید کہ خلافت صدیقی کا فیصلہ رشتہ دارانِ نبی کریم ﷺ کے حق میں عین انصاف تھا، یہ ہے کہ سیدنا امام حسن نے اپنی ششماہی خلافت میں بھی قربت دارانِ نبی کریم ﷺ سے وہی سلوک روا رکھا جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روا رکھا تھا اور اجتماعی فریقین کی شہادتیں جن کو کبھی بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا خود بنو ہاشمی خلفاء کا عمل صدیق کے فیصلہ کے حرفِ حرف کی تصدیق کر رہا ہے تو خلیفہ اول کیوں موردِ مطاعن ٹھہرے۔ ع درخانہ کس است ہمیں گفتہ بس ست۔

دوسری چیز زہراءؑ کی ناراضگی کا معاملہ ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ بے شک روایات میں حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا ذکر آیا ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب کوئی بات خلافِ امید و توقع پیش آجاتی ہے تو ضرور انسان فطرتاً پریشان ہوتا ہے، جائے توقع پر ناراض ہوتا ہے۔ کئی دفعہ فریقین کی کتابوں میں

حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی کشیدگی کا ذکر آیا ہے مگر یہی کہا جاتا ہے بعد میں صلح و رضامندی ہر دو کے درمیان ہو گئی۔ یہاں بھی صدیق اکبرؓ اور حضرت زہراؓ کی صلح و رضامندی کا ذکر احادیث کی کتب میں موجود ہے، ملاحظہ فرمایا جائے تاکہ آپ کو تسلی ہو جائے۔ ان دو حضرات کے درمیان کشیدگی ختم ہو گئی تھی۔ وہ بزرگ تو آپس میں راضی ہو گئے، ہم آپس میں بلا وجہ ناراض ہیں۔ الٹی ذہنیت کا کیا علاج ہو؟

ذیل میں محقق علمائے اہل سنت کی تحقیق درج کی جاتی ہے۔ ایک منصف مزاج آدمی کے لیے یہ کافی ہے۔ بات یہ ہے کہ جہاں روایات میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت زہراءؓ کی کشیدگی کا ذکر آیا ہے وہاں اس کے بعد صلح و رضامندی کا ذکر بھی موجود ہے۔

○ اول: یعنی جب حضرت فاطمہ بیمار ہوئیں، ابوبکر صدیق ان کے پاس آئے۔ اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علی نے کہا: یہ ابوبکر ہیں اجازت مانگتے ہیں۔ زہرا نے کہا کہ اے علی! آپ کو منظور ہو تو اندر آ جائیں۔ حضرت علی نے کہا: ہاں! ابوبکر آئے اور حضرت فاطمہ کو راضی کرنے لگے اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے اپنی اولاد، مال، قبیلہ سب کے سب کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لیے اور آپ لوگوں کی خوشنودی کی خاطر ترک کر دیا..... حضرت صدیق اکبر راضی کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت زہرا راضی و خوش ہو گئیں۔

اول... عن الشعبي قال لما مرضت فاطمه اتاها ابوبكر الصديق فاذن عليها فقال علي يا فاطمه هذا ابوبكر يستاذن عليك فقالت اتحب ان اذن له قال نعم فاذنت له فدخل عليها فیرضاها... فقال والله ما تركت الدار والمال والاهل والعشيره الا ابتغاء مرضاه الله مرضاه رسولہ ومرضاتكم اهل البيت ثم ترضاها حتى رضيت۔

(البدایہ ص ۲۸۹، جلد پنجم، طبع اول)

○ دوم: یہی روایت علامہ بدر الدین العینی شارح بخاری نے ص ۲۳۰ جلد ۱۵ شرح عینی بخاری میں ذکر کی ہے۔

○ سوم: علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری ص ۱۵۱ ج ۶ میں ذکر کیا ہے کہ ان ابابکر عباد فاطمہ فقال علی هذا ابوبکر يستاذن عليك فان اتحب ان اذن له قال نعم فاذنت له ودخل عليها فترضاها۔

(فتح الباری ص ۱۵۱ ج ۶)

صدقی معیشت آخری ایام میں

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدائے خلافت میں سچے کے مقام سے مدینہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ کبھی سوار ہو کر اور کبھی کبھی پیدل بھی مسجد نبوی پہنچتے، لوگوں کو نماز پڑھاتے۔ جب عشاء پڑھ لیتے اپنے اہل و عیال میں سچ واپس چلے جاتے۔ بعض اوقات اگر خود نہ پہنچ سکتے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے قائم مقام مسلمانوں کو نماز پڑھاتے۔ قریباً چھ ماہ کے بعد جناب نے مدینہ میں ہی اقامت اختیار کر لی۔ جناب کی معیشت (گزران) تجارت کے ذریعہ پوری ہوتی۔ صبح کو خود بازار میں چلے جاتے اور حسبِ دستور ضرورت کے موافق تجارت کر لیتے۔ آپ کی چند بکریاں بھی تھیں، گاہے بگاہے ان کو چرانے کے لیے خود چلے جاتے، خود دودھ دوہ لیتے، اپنے پڑوس والوں کو دودھ کر دیتے۔ جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو پاس والے قبیلہ کی عورتوں نے عرض کیا کہ اب آپ ہماری بکریاں دوہنے کی تکلیف نہ کیا کریں۔ تو آپ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ میں اب بھی دوہا کروں گا، جو کام میں پہلے سرانجام دیتا تھا میں امید کرتا ہوں اس میں فرق نہیں آئے گا۔ جب آپ کا قیام صرف مدینہ میں ہو گیا اور ادھر امورِ خلافت میں مشغولیت بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا: اب تجارت کرنا مشکل ہو گیا ہے، اب صرف مسلمانوں کے معاملات میں ہی وقت لے جو مدینہ سے باہر تھا اور وہاں ان کی بیوی حبیبہ بنت خارجہ رہتی تھیں۔

صرف ہوگا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اخراجات کے لیے اڑھائی ہزار درہم سالانہ مقرر کیا۔ بعض روایات میں اس سے کچھ زائد ذکر کیا ہے، بہر حال خالی خرچہ خوراک اہل و عیال بیت المال سے لیا کرتے اور خرچہ سے زائد واپس فرما دیتے۔ چنانچہ اس کے بعد جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا زمانہ قریب ہوا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا جو کچھ ہمارے پاس اس وقت بچا ہوا موجود ہے اس کو بیت المال میں واپس کر دو اور میں اپنی فلاں فلاں زمین بیت المال کے لیے وقف کرتا ہوں۔ ان کا بچا ہوا مال (جو بیت المال کے ذریعہ ان کو حاصل تھا) ایک اونٹنی، ایک غلام اور ایک چادر جو پانچ درہم کے برابر تھی، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی کے حوالہ کی گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے نائب کے لیے بڑا مشکل نمونہ چھوڑا۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۳۲، ج ۳، ق ۱)

(۲) جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ وفات کے قریب پہنچے تو آپ پر بیت المال کی طرف سے جو خرچ ہوا تھا وہ چھ ہزار درہم کے قریب پہنچ چکا تھا۔ فرمانے لگے: اچھا اس خرچ کو پورا کرنے کے لیے میرا فلاں باغ فروخت کر کے بیت المال کی رقم ادا کر دی جائے مگر بعد از وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب میں والی ہوں لہذا میں تم کو یہ رقم واپس کرتا ہوں۔ (صدیق رضی اللہ عنہ کے وارثوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خرچہ واپس نہ لیا ورنہ وہ حسب ہدایت ادا کرنا چاہتے تھے) (طبقات ص ۱۳۷، ج ۳)

(۳) آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم بیت المال کی دیکھ بھال کے لیے تشریف لے گئے۔ بیت المال میں کوئی درہم و دینار موجود نہیں تھا۔ تھیلیاں جھاڑی گئیں صرف ایک درہم اتفاق سے نکلا۔

(۴) حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو برس تین ماہ نو دن رہی۔ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی سترہ تاریخ کو رات کے وقت جناب کی وفات ہوئی اور حضور نبی کریم ﷺ کے جوارِ رحمت روضہ مقدسہ میں دفن ہوئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی مزار حضور

ﷺ کی مزار سے پیچھے ہٹ کر بنی ہوئی ہے، تاقیامت انوارِ رحمت میں شریک ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے دو لڑکے عبدالرحمن و محمد اور دو لڑکیاں حضرت صدیقہ اور اسماء (عبداللہ بن زبیر کی والدہ) تیسری لڑکی صدیق کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں ان کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ رضی اللہ عنہم۔

اولیاتِ صدیقی

وہ امور جن میں اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام میں سب سے اول درجہ پر فضیلت نصیب فرمائی ہے:

(۱) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آزاد مردوں میں سب سے اول مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں اور کسی دوست کے ساتھ بغیر مشورہ اور صلاح کے ایمان لائے ہیں۔

(۲) پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دار (حویلی) کے صحن میں مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی ابتداء کی۔

(۳) نبی کریم ﷺ کے ساتھ مل کر جماعت کی صورت میں سب صحابہ سے پہلے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے والے صدیق اکبر ہیں۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۱، طبع لاہور)

(۴) صدیق اکبر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد نبوی کی بنیاد سب سے پہلے رقم خرچ کر کے ڈالی اور اپنی طرف سے رقم خرچ کر کے سب اصحاب سے سبقت حاصل کی۔ (یہ سب حضور ﷺ کے ارشاد سے ہوا)

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا۔

۱۔ بخاری شریف جلد اول کی شرح میں عینی کے حوالہ سے درج ہے کہ یہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی۔

- (۶) پہلا حج جو اسلام میں ہوا ہے اس میں حضور نبی کریم ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہلا امیر حج بنا کر روانہ فرمایا پھر آئندہ سال حضور ﷺ حج کو خود تشریف لے گئے۔ (طبقات ابن سعد ص ۹۳۵ ج ۳، ق اول)
- (۷) آنحضور ﷺ کے اس عالم سے رخصت ہونے کے اختیار کی اطلاع پانے پر سب سے اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آنسو جاری ہوئے حالانکہ باقی سب صحابہ ان کی اس حالت پر متعجب تھے کہ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقال کے اختیار ملنے کی اطلاع دے رہے ہیں اور صدیق رو رہے ہیں۔ (بخاری شریف ص ۵۱۶، جلد اول)
- (۸) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا (فنا کے بعد قیامت میں) جو زمین سے اٹھوں گا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اٹھیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶ بحوالہ ترمذی)
- (۹) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ضرور تو وہ پہلا شخص ہوگا جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶ بحوالہ ابی داؤد)
- (۱۰) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ پہلی عظیم شخصیت ہیں کہ اسلام میں خلیفہ رسول اور خلیفۃ المسلمین کے نام سے موسوم ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۳)

خصوصیات صدیقی

یعنی وہ امور فضیلت جو خصوصی طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل

ہیں:

- (۱) تمام صحابہ کرام میں سے صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں: ابو عتیق محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (ازالۃ الخفاء فارسی، مقصد دوم، ص ۱۶)

- (۲) واقعہ ہجرت جو اسلام میں بہت بڑی فضیلت اور اہمیت رکھتا ہے اس میں

ابتدائے ہجرت سے آخری اوقات تک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کی معیت اور رفاقت میں رہے ہیں۔

(الاصابہ ص ۳۳۵، ج ۲، استیعاب ص ۲۳۴، ج ۲)

(۳) قیام غارِ ثور کا شرفِ معیت اور حاضری صدیق کو ہی حاصل ہوئی ہے جس کا ذکر قرآن مجید نے ثانی اثنین اذہما فی الغار میں فرمایا ہے۔

(۴) وافقہ فی المشاہد کلہا الی ان مات (اصابہ مع استیعاب ص ۳۳۳)

یعنی صدیق اکبر سردارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ حاضری کے تمام ضروری مواقع میں سب جگہ حاضر رہے ہیں۔ (سفر میں حضر میں) سبحان اللہ علی حسن رفاقتہ۔

(۵) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صحبت اور شگت کے اعتبار سے اور مال و دولت صرف کرنے کے اعتبار سے تمام لوگوں میں مجھ پر زیادہ احسان کرنے والے ابو بکر ہیں۔ یعنی حضور ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محسن ابو بکر ہیں۔

(بخاری ص ۵۱۶، ج ۱)

(۶) ”عتیق“ (آگ سے آزاد شدہ) کا لقب خصوصی حضرت صدیق کو ہی حاصل ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جس شخص کو پسند ہے کہ آگ سے آزاد شدہ انسان کو دیکھے وہ ابو بکر کی طرف نظر کرے۔“

(اصابہ ص ۳۳۴، ج ۲، استیعاب ص ۲۳۵، ج ۲)

(۷) آنحضور ﷺ کی مرض الوفات کے دوران میں آپ نے مسلمانوں کی نماز کے لیے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی امام بنایا۔ حضور کے حکم سے حضور کے مصلیٰ پر حضور کی حیات میں صدیق ہی امام قرار دیئے گئے ہیں۔

(طبقات ابن سعد ص ۱۲۶، جلد ۳، ق اول)

(۸) حضور ﷺ کی وفات جیسے ہوش رُبا حادثہ اور قیامت خیز واقعہ کے وقت بھی باہوش اور باستقلال رہنے والے صرف صدیق اکبر ہیں جنہوں نے سب کو

صبر کی تلقین کر کے سنبھالا۔

(۹) حضور اکرم ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لینا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی نصیب

ہوا ہے۔ (یعنی بعد از وفات نبوی)

(۱۰) حضور نبی کریم ﷺ کی آخری آرام گاہ (قبر شریف) کے بالکل متصل آرام گاہ

تاقیامت صدیق اکبر کو ہی حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ صدیق کا جتنا قرب حضور

ﷺ کے ساتھ اس عالم میں تھا اتنا ہی عالم برزخ میں ہے، اتنا ہی قیامت میں

ہوگا، اتنا ہی بہشت میں بھی۔ (سبحان اللہ)



سیرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسم شریف

اسم گرامی عائشہ ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لخت جگر ہیں۔ والدہ محترمہ کا نام نامی ام رومان بنت عامر بن عویمر الکنانیہ ہے۔ لقب ”صدیقہ“ ہے اور کنیت ام عبد اللہ۔ یہ کنیت خود حضور نبی کریم ﷺ کے اذن سے اپنے خواہر زادہ عبد اللہ بن زبیر کی جانب منسوب ہے۔

(الاستیعاب لابن عبد البر ص ۳۴۸ مع اصابہ لابن حجر، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۹۱، ج ۵)

ولادت باسعادت

جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ ولادت ذکر کرنے سے معتبر تواریخ خاموش ہیں البتہ یہ چیز عام تذکرہ نویس ذکر کرتے ہیں اور خود حضرت صدیقہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ ہجرت سے تین سال قبل چھ برس کی عمر میں ان کی تزویج حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوئی ہے اور ان کی رخصتی نو برس کی عمر میں کی گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال جس وقت ہوا اس وقت ان کی زندگی کا اٹھارہواں سال تمام ہو رہا تھا۔

(طبقات ابن سعد ص ۴۰-۴۱، جلد ہشتم و استیعاب ص ۲۴۸-۲۴۷، کتاب الحجر لابن جعفر

بغدادی طبع دکن ص ۸۰-۸۱)

ساتھ یہ بھی مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام کی بعد از بعثت تیرہ سال کی زندگی

ہے اور تیرہویں سال ہجرت ہوئی، پھر مدنی زندگی دس سال ہے۔ ان مسلمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندازہ یہی ہے کہ حضرت صدیقہ کی ولادت بعثت نبوی کے بعد پانچویں سال ہوئی ہے۔

اہل بیت نبوت ہونے کا شرف

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے وصال کے قریباً تین سال بعد حضرت عائشہ کونبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرف زوجیت حاصل ہوا ہے۔ ہجرت مدینہ سے تین سال قبل خدیجۃ الکبریٰ فوت ہو چکی تھیں۔ ان کے بعد اس مبارک رشتہ کی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سلسلہ جنسانی کی گئی۔ حضرت صدیقہ کا اپنا بیان ہے فرماتی ہیں کہ میری تقریب نکاح بھی مکہ میں ماہ شوال میں عمل میں لائی گئی اور میری رخصتی بھی جو ہجرت کے ایک سال بعد ہوئی تھی وہ بھی مہینہ شوال میں ہوئی، اسی وجہ سے حضرت عائشہ شوال کے مہینہ کو تقریبات نکاح کے لیے پسند فرماتی تھیں۔ (طبقات ابن سعد ص ۳۱، ج ۸ و استیعاب لابن عبد البر ص ۷۳۴ ج ۴)

فضائل صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ کم سن اور بکرو کنواری بیوی یہی ہیں۔ کل مدۃ العمر سڑٹھ سال میں صرف ۹ سال آنحضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں شرف بازیابی حاصل ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو فطری طور پر وہ عقل و کمال عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ ان کی فضیلت پر رشک کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ عائشہ کو فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی حاصل ہے جیسے باقی خوردنی چیزوں پر ثرید کو فضیلت ہے۔

(بخاری شریف ص ۵۳۲، ج ۱ و مسلم شریف ص ۲۸۷ ج ۲)

(۲) ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضل و شرف کے واقعات بے شمار

ہیں، ان میں سے چند ایک تحریر کیے جاتے ہیں:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

ہذا جبرئیل یقرئک السلام فقلت وعلیہ السلام ورحمہ اللہ وبرکاتہ تری ما لا اری۔

اے عائشہ! یہ جبرئیل موجود ہیں، تم پر سلام کہتے ہیں۔ میں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ یا رسول اللہ! آپ تو ان کو دیکھ رہے ہیں مجھے نظر نہیں آرہے ہیں۔

(بخاری شریف ص ۵۳۲، ج ۱ و مسلم شریف ص ۲۸۷، ج ۲ و حلیۃ الاولیاء اصفہانی

ص ۳۶، ج ۲ و طبقات ابن سعد ص ۳۶، ج ۸)

نوخصال

حضرت صدیقہ چند خصائل حمیدہ میں منفرد ہیں، چنانچہ خود بیان فرماتی ہیں:

ولم ینکح بکرا غیری ولا امراہ ابواہا مہاجران غیری وانزل اللہ براتی من السماء وکان ینزل علیہ الوحی وهو معی وکنت اغتسل انا وهو من اناء واحد وکان یصلی وانا معترضہ بین یدیه وقبض بین سحری ونحری وفی لیلتی ودفن فی بیتی۔ (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۳۵۰، ج ۲ و طبقات ابن سعد ص ۳۳، ج ۸، طبع لیڈن)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کے نکاح میں کوئی باکرہ (کنواری) عورت میرے بغیر نہیں آئی اور ایسی بھی کوئی عورت میرے بغیر حضور ﷺ نکاح میں نہیں لائے جس کے ماں باپ مہاجر ہوں اور جب بعض لوگوں یعنی منافقین نے میرے متعلق بہتان تراشی کی تو اللہ تعالیٰ نے میری برأت اور پاک دامنی کا ثبوت آسمان سے نازل فرمایا اور حضور ﷺ پر میرے ساتھ ہونے کی حالت میں بھی وحی آسمانی نازل ہوتی تھی۔ میں اور نبی کریم ﷺ پانی

کے ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔
 میں حضور ﷺ کی نماز ادا فرمانے کی حالت
 میں بستر پر سامنے قد دراز رہتی اور آنحضور
 ﷺ کا اس عالم سے انتقال اس حالت میں
 ہوا ہے کہ میرے پہلو اور صدر کے درمیان
 تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ
 کا انتقال بھی میری ہی باری کے اوقات میں
 واقع ہوا ہے اور میرے ہی گھر میں حضور علیہ
 السلام مدفون ہیں۔

اہل علم حضرات خوب جانتے ہیں کہ مذکورہ خصائل ایک ایک کی تائید دوسری
 متعدد روایات سے ہو سکتی ہے خصوصاً واقعہ اقلک میں بڑی تفصیلات ہیں۔ حضرت ام
 المومنین کی خاطر اللہ کریم نے پوری دس آیات قرآن مجید پارہ اٹھارہ سورہ نور میں
 عرش سے فرش پر نازل فرما کر اس منزہ و مطہرہ خاتون کی عزت افزائی فرمائی ہے تاکہ
 اس کی عفت اور پاکیزگی کے تذکرے صبح و شام، روز و شب تمام عالم میں تاقیامت
 جاری رہیں۔

نیک طینت انسان کے لیے ایک ہی حمیدہ خصلت ام المومنین کی ان کے
 ساتھ حسن عقیدت قائم رکھنے کے لیے کافی دانی ہے اور کج فطرت افراد کے لیے نہ
 روایات نبوی مفید ہو سکتی ہیں اور نہ آیات قرآنی فائدہ بخش سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر
 مسلمان کو اہل بیت نبوی ﷺ کے ساتھ صحیح عقیدت نصیب فرمائے۔

حضرت صدیقہ اور علمی فضیلت

مسروق ایک مشہور تابعی ہیں، حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کرتے
 ہوئے حدیث بیان کرتے تو یوں کہا کرتے کہ

یعنی مجھے صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے، جو حبیبِ خدا کی حبیبہ ہے اور اس کی برأت کتاب اللہ میں بیان کی گئی ہے روایت بیان کی ہے۔

حدثنی الصدیقہ بنت
الصدیق حبیبہ حبیب اللہ
المبرات فی کتاب اللہ۔

(علیہ الاولیاء اصفہانی ص ۴۴، ج ۲ و اصابہ ص ۳۴۸، ج ۴ و طبقات ابن سعد ص ۴۵، ج ۸)
اور یہی مسروق بیان کرتے ہیں: میں نے بڑے بڑے اکابر صحابہ رسول خدا کو دیکھا ہے کہ میراث و فرائض کے مسائل میں حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے اور ان سے دریافت کرتے تھے۔

(ہدایہ للابن کثیر ص ۹۲، ج ۸ و طبقات ابن سعد ص ۴۵، ج ۵)
علامہ ابن کثیر ام المومنین کے فضائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خصائص میں یہ شمار کیا جاتا ہے کہ آپ ازواج النبی رضی اللہ تعالیٰ عنہن بلکہ تمام عورتوں سے زیادہ علمِ دین رکھتی تھیں۔ زہری کہتے ہیں کہ تمام ازواجِ مطہرات اور تمام عورتوں کے علم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم کا توازن کیا جائے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم بڑھ جائے گا۔

ومن خصائصہا انہا اعلم
نساء النبی صلی اللہ علیہ
وسلم بل ہی اعلم النساء
علی الاطلاق قال الزہری لو
جمع علم عائشہ الی علم
جميع ازواجه وعلم جميع
النساء لکان علم عائشہ
افضل وقال عطاء بن ابی رباح
کانت عائشہ افقہ الناس
واعلم الناس واحسن الناس
رایا۔

عطاء بن ابی رباح لکھتے ہیں کہ حضرت صدیقہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ فقیہ

قال عروہ ما رایت احدا
اعلم بفقہ ولا بطب ولا بشعر

من عائشہ - اور سمجھ دار تھیں اور سب لوگوں سے عمدہ

(البدایہ والنہایہ، ص ۹۲، ج ۸)

رائے رکھتی تھیں اور عروہ (جو ان کا خواہر زادہ ہے) وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے بڑھ کر علم دین اور طب اور فن شعر سے زیادہ واقف میں نے نہیں دیکھا۔

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ

ما اشکل علینا اصحاب محمد حدیث قط

فسالناہ عائشہ الا وجدنا عندها منہ علما

”ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو جب کسی

مسئلہ حدیث کے متعلق اشکل پیش آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے سوال کرنے پر اس کا حل ضرور نکل آیا۔“

ابو نعیم اصفہانی نے حضرت عائشہ صدیقہ کے علمی فضائل و کمال بیان کرتے

ہوئے ان کے خواہر زادہ عروہ بن زبیر کا قول بسند ذکر کیا ہے۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے زیادہ عالم کوئی ایک میں نے نہیں دیکھا

جو قرآن مجید، فریضہ، حلال، حرام اور شعرو

عرب کی روایات اور انسان میں زیادہ ماہر

ہو۔

ما رایت احدا من الناس

اعلم بالقرآن ولا بفریضہ ولا

بحلال ولا بحرام ولا بشعر ولا

بحدیث العرب ولا بنسب من

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا۔

(حلیۃ الاولیاء اصفہانی، ص ۴۹، ج ۲)

حضرت صدیقہ کے تلامذہ

حضرت عائشہ صدیقہ کے علمی تبحر کا اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ

صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد احادیث کو ان سے روایت کرتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن

حجر عسقلانی اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ذکر کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل صحابہ نے ان سے حدیث نقل کی ہے:

(۱) عمر (۲) عبداللہ بن عمر (۳) ابو ہریرہ (۴) ابو موسیٰ (۵) زید بن خالد (۶) عبداللہ بن عباس (۷) ربیعہ بن عمرو الجرشی (۸) السائب بن یزید (۹) صفیہ بنت شیبہ (۱۰) عبداللہ بن عامر بن ربیعہ (۱۱) عبداللہ بن الحارث بن نوفل وغیرہم۔
پھر حافظ ابن حجر موصوف نے ان حضرات کی فہرست دی ہے جو حضرت صدیقہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں اور ان سے حدیث روایت کی ہے:

(۱) ان کی بہن ام کلثوم (۲) ان کا رضاعی بھائی عوف بن الحارث (۳) ان کا برادر زادہ قاسم (۴) عبداللہ بن محمد بن ابی بکر (۵-۶) ان کی بھتیجی حفصہ و اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر (۷) عبدالرحمن کا پوتا عبداللہ بن ابی عقیق محمد بن عبدالرحمن (۸-۹) بھانجے عبداللہ و عروۃ ابن الزبیر بن العوام (۱۰-۱۱) ان کی خواہر اسماء کے پوتے عباد و حبیب ابناء عبداللہ بن الزبیر (۱۲) عبداللہ بن زبیر کے پوتے عباد بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر (۱۳) ان کی خواہر ام کلثوم کی لڑکی عائشہ بنت طلحہ۔

(الاصابہ ص ۳۵۰ جلد ۴)

اس کے بعد حضرت صدیقہ کے موالیٰؓ کے اسماء ذکر کیے گئے ہیں جو ان سے روایت حدیث کرتے ہیں، پھر بہت سے تابعین کو شمار کیا ہے جو ان سے روایت کرنے والے ہیں۔ غرضیکہ ان تصریحات کے بعد موافق و مخالف ان کی فضیلت علم تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

(اصابہ مذکورہ ص ۳۵۰ ج ۴ و زرقانی ص ۲۳۴ ج ۳، شرح مواہب)

تعداد مرویات صدیقہ رضی اللہ عنہا

تلاذہ کا یہ طویل سلسلہ خود بتلا رہا ہے کہ حضرت ام المومنین کے ہاں کلام

۱۔ غلام، آزاد شدہ ہوں یا مملوک ہوں۔

نبوت کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا جس کے حصول کی خاطر یہ مشن علم اہل بیت نبوت کے دولت کدہ پر جمع رہتے تھے، چنانچہ محدثین نے جہاں اعداد و شمار روایات کے لگائے ہیں وہاں بتلایا ہے کہ حضرت صدیقہ سے مرویات کی تعداد ہزاروں سے اوپر چلی گئی ہے۔ دو ہزار دو صد دس حدیثیں انہوں نے سینہ نبوت سے حاصل کر کے امت مسلمہ کو پہنچائی ہیں۔ جزاها الله تعالى احسن الجزاء ورضى الله تعالى عنهما رضا دائما۔ (زر قانی ص ۲۳۴، جلد ۳، علی موہب اللہ نیہ)

حضرت صدیقہ کی سخاوت اور زہد

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فیض نبوت سے پورا پورا استفادہ کیے ہوئے تھیں۔ ان پر شان فقر و رویشی غالب تھی۔ جو کچھ مولا کریم کی جانب سے میسر ہو جاتا اس کو فی سبیل اللہ تقسیم کر دینا مقصود زندگی تصور کرتی تھیں۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے جمع کر رکھنا بالکل گوارا نہ تھا۔ چنانچہ ذیل میں چند ایک واقعات زہد ذکر کیے جاتے ہیں جو عبرت آموزی کے لیے فائدہ مند ہیں۔

(۱) طبقات ابن سعد و علیہ میں عروۃ سے منقول ہے کہ

لقد رایت عائشہ تقسم
سبعین الفا وانھا لترقع
حبیب درعھا۔
حضرت صدیقہ نے ایک دفعہ ستر ہزار
درہم تقسیم کر دیا حالانکہ اپنے قمیص کے
گریبان میں پیوند لگائے ہوئے تھیں۔

(ملیۃ الاولیاء ص ۴۷، ج ۲ و طبقات ابن سعد ص ۴۵، ج ۸)

(۲) ایک موقع پر حضرت امیر معاویہ نے ایک صد ہزار درہم صدیقہ کی خدمت میں ارسال کیے تو انہوں نے غروب شمس سے پہلے پہلے سب کا سب ہی تقسیم کر ڈالا۔ اس روز آپ روزہ دار تھیں مگر شام کو افطاری کے لیے کچھ بچانے کا فکر ہی نہیں دامن گیر ہوا۔ خادمہ نے عرض کیا: آج ایک درہم کا گوشت ہی منگالیا جاتا تو کیا اچھا ہوتا۔ حضرت صدیقہ نے فرمایا: اگر تقسیم کے وقت یاد دلا دیتی تو ایسا کر ہی لیا

جاتا۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۷۷، ج ۲ و طبقات ابن سعد ص ۳۶، ج ۸)

(۳) عبدالرحمن بن الزبیر نے ایک مرتبہ ایک کثیر اور خطیر رقم حضرت صدیقہ کی خدمت میں ارسال کی جس کے دو گون بھرے ہوئے تھے، اس کو بھی آپ نے فوراً اللہ کی راہ میں بانٹ ڈالا، ذرہ برابر توقف نہیں فرمایا۔ (حلیہ و طبقات)

(۴) نیز فرمایا کرتی تھیں کہ

ما شبع بعد النبی صلی
اللہ علیہ وسلم من طعام الا
ولو شئت ان ابکی لبکیت ما
شبع آل محمد صلی اللہ
علیہ وسلم حتی قبض۔ (حلیۃ
الاولیاء صفحہ ۳۶، جلد ۲، طبع مصر)

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد جب بھی میں نے سیر ہو کر کھانا کھایا
ہے کہ حضور ﷺ کی نگلی معیشت یاد کر
کے رونا آ جاتا ہے۔ اگر اس طرف دھیان
لگاؤں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تاحین
وفات حضور ﷺ کبھی ہم نے سیر ہو کر
نہیں کھایا تھا۔

غرضیکہ حضرت صدیقہ کی پاکیزہ زندگی گونا گوں اوصاف سے مملو ہے۔ علم و
زہد و تقویٰ، جود و سخا ہر پہلو سے جناب کی داستانِ حیات مکمل و اکمل ہے۔ ان چند
واقعات کے بعد حضرت صدیقہ کی آخری ساعات کا کچھ ذکرِ خیر کر کے ان معروضات
کو ختم کیا جاتا ہے۔

وفات صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت امیر معاویہ کی خلافت کا آخری زمانہ ہے۔ حضرت صدیقہ کے سفر
آخرت کی تیاری رمضان شریف کے مبارک ماہ میں ہوئی ہے۔ چند ایام بیمار رہی
ہیں، ان ایام میں جو لوگ عیادت کے لیے حاضر ہو کر مزاج پڑی کرتے تو آپ
فرماتیں: صالحہ الحمد للہ۔

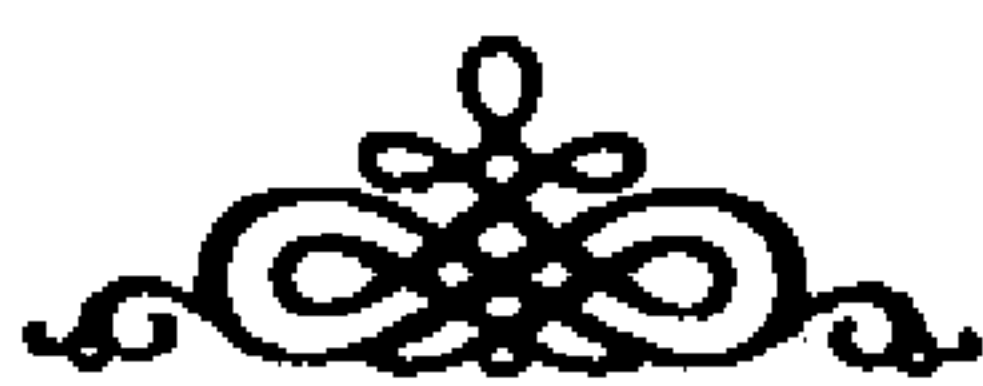
اسی دوران میں عیادت کی خاطر عبداللہ بن عباس نے اجازت طلب کی۔ آپ

نے اجازت دے دی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کسی کی مدح و ثناء کی ضرورت بالکل نہیں ہے۔ ابن عباس نے مزاج پڑسی کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ کے مناقب مختصراً ذکر فرمائے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ اور دوسرے اقرباء کے ساتھ آپ کی عنقریب ملاقات ہونے والی ہے۔ حضور ﷺ کے ازواج میں سے حضور کو محبوب ترین زوجہ آپ تھیں۔ حضور پسندیدہ چیز کو ہی پسند فرمایا کرتے تھے۔ لیلۃ الابداء میں آپ کا ہار گم ہوا اس کی وجہ سے رکنا پڑا۔ لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے تمیم کا حکم نازل فرما کر آسانی فرمادی اور آپ کی برأت سات آسمانوں کے اوپر سے جبرئیل امین لے کر نازل ہوئے جو مساجد اللہ میں دن رات صبح شام تلاوت کی جاتی ہے۔ حضرت صدیقہ پر سفر آخرت کا فکر غالب آچکا تھا اس عالم سے دلبرداشتہ ہو چکی تھیں، انہوں نے فرمایا: یا ابن عباس! یہ چیزیں چھوڑیے، اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے لوددت کنت نسیا منسیا یعنی اب تو جی چاہتا ہے بالکل نسیا منسیا ہو جاؤں۔

(طبقات ابن سعد ص ۵۲، ج ۸، طبع یورپ)

(نوٹ :) اور بعض دوسری مرویات میں بھی اس قسم کے الفاظ تواضع و انکساری جناب صدیقہ سے مذکور ہیں۔ جناب صدیقہ ۱۷ رمضان شریف ۵۸ھ کو بعد از نماز وتر و عشاء اس دارِ فانی سے رخصت ہوتی ہیں۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ نے پڑھائی اور ان کی وصیت کے موافق اسی شب ان کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون ○



شعب ابی طالب کے متعلق اعتراض

صحابہ کرام پر طعن کرنے والے لوگ ایک یہ اعتراض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق تجویز کرتے ہیں کہ

○ عہد نبوی کے مکی دور میں مصائب جب شدید تر ہو گئے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مع دیگر بنی ہاشم کے شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔

○ قوم قریش کی طرف سے ان شدید مصائب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک حال رہے مگر جناب ابوبکر ان مشکل اوقات میں ساتھ نہ تھے اور رفاقت نبوی ﷺ کے معاملہ سے قاصر رہے۔

الجواب

مندرجہ بالا اعتراض حقیقت کے برخلاف ہے اور اس موقع کے حالات اس کے موافق نہیں پائے جاتے۔

چنانچہ علماء نے شعب ابی طالب کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی پر قریش مجتمع ہو گئے اور انہوں نے ایک صحیفہ (عہد نامہ) لکھا اور جناب صدیق اس صعب تروقت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک حال تھے اسی بنا پر اس وقت جناب ابوطالب نے اس واقعہ

کو بصورتِ شعر ذکر کیا ہے، اس میں ابوبکر صدیق کا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:
..... و ازاں جملہ آنست کہ چوں قریش بر ایذاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمع شدند و صحیفہ نوشتند۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، دریں مضیق شریک آنحضرت بود۔ لہذا دریں واقعہ ابوطالب گفتہ است۔

و ہم رجعوا سہل بن بیضاء راضیا

فسر ابوبکر بہا و محمد

(ازالہ الخفاء ص ۹۰ ج ۲، تحت ماثر صدیق، طبع قدیم، بریلی)

یعنی ابوطالب کہتے ہیں کہ قبیلہ قریش نے سہل بن بیضاء کو راضی کر کے واپس کیا۔ ایک جماعت قریش کی صحیفہ کے نقص اور توڑنے کے لیے کھڑی ہو گئی تھی، ان میں سہل بن بیضاء بھی تھا جو اس وقت مسلمان نہ تھا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ پس اس بات پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی راضی ہوئے اور ابوبکر صدیق بھی مسرور ہوئے۔

..... مضمون ہذا کو متعدد علماء اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے

مثلاً:

(۱) ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ”حدیث نقص صحیفہ“ کے تحت جناب ابوطالب کے وہ اشعار ذکر کیے ہیں جن میں ان لوگوں کی مدح ہے۔ جو اشخاص صحیفہ توڑنے میں پیش پیش تھے ان میں سہل بن بیضاء بھی تھا۔ وہاں یہ شعر مذکور درج ہے۔

(سیرت ابن ہشام ص ۳۷۹، جلد اول، تحت حدیث نقص صحیفہ، طبع ثانی، مصر)

(۲) البدایہ لابن کثیر ص ۹۸، جلد ثالث، تحت ذکر نقص الصحیفہ، طبع اول، مصر۔

(۳) الاستیعاب لابن عبدالبر ص ۹۲، جلد ثانی (مع الاصابہ) تحت ذکر سہل بن

بیضاء۔

تائید از شیعہ علماء

شیعہ کے مشاہیر علماء نے بھی واقعہ ہذا کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سر دست ہم ایک حوالہ شیعہ کی مشہور تاریخ سے نقل کرتے ہیں:

مرزا محمد تقی لسان الملک (الشیعی) در ناسخ التواریخ گفتہ کہ یکم محرم ۷ بعثت نبوی در شعب ابی طالب رفتہ بودند و سہ (۳) سال در و ماندند۔ ابو طالب اشعار گفتہ کو در آخر او گوید ۔

و ہم رجعوا سہل بن بیضاء راضیا

فسر ابوبکر بہا و محمد

(ناسخ التواریخ ص ۶۲۲ ج ۵، تحت حالات شعب ابی طالب، طبع قدیم، ایران)

مطلب یہ کہ مرزا تقی لسان الملک اپنی تاریخ میں تحریر کرتے ہیں کہ یکم محرم سات بعثت نبوی میں (جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمع اپنے ساتھیوں کے) شعب ابی طالب میں گئے اور تین سال تک اس گھاٹی میں محبوس رہے۔ اس موقع پر ابو طالب نے اشعار کہے جن کا آخری یہ شعر ہے ۔

و ہم رجعوا سہل بن بیضاء راضیا

فسر ابوبکر بہا و محمد

حاصل کلام یہ ہے کہ واقعہ شعب ابی طالب میں جہاں بنی ہاشم حضرت شامل و شریک رہے وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ از خود اس مصیبت میں شریک ہوئے اور شعب ابی طالب میں چلے گئے اور وہیں رہے اور اس واقعہ کے مصائب برداشت کرنے میں ہرگز قاصر نہیں رہے۔

معارض لوگوں نے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق عدم شرکت واقعہ کا طعن قائم کیا ہے وہ سراسر واقعات کے برخلاف ہے اور سنی و شیعہ علماء دونوں کے بیانات اس اعتراض کی تردید کرتے ہیں۔

لہ الحمد وعلیہ الصلوہ والسلام

آیت غار اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

خصوصی فضائل

سورۃ توبہ پارہ دہم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں ”خصوصی نصرت“ کا ذکر فرمایا ہے اور یہ وہ موقع ہے جب کفارِ مکہ کی طرف سے مخالفانہ حالات شدید تر ہو گئے تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کرنے کی اجازت ملی تھی۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا:

الاتنصروہ O فقد نصرہ اللہ	اگر تم پیغمبر ﷺ کی مدد نہیں کرو گے
اذ اخرجہ الذین کفروا O ثانی	(تو کیا حرج ہے، پیغمبر کا کامیاب ہونا تم پر کچھ
اثنین اذ ہما فی الغار O اذ	موقوف نہیں) ایک وقت پہلے ایسا گزر چکا
یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ	ہے کہ جب کفار نے ان کو ایک دوسرے
معنا O فانزل اللہ سکینتہ	ساتھی سمیت نکال دیا تھا۔ جب یہ دونوں
علیہ وایدہ بجنود لم تروہا O	حضرات غار میں تھے اور پیغمبر اپنے ساتھی کو

وجعل كلمه الذين كفروا
السفلى وكلمه الله هى
العليا ۝ والله عزيز حكيم ۝
(التوبه : پ ۱۰)

فرما رہے تھے کہ تو غم نہ کھا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص اطمینان اس پر اتارا اور اس کو ایسے لشکروں کے ساتھ مدد دی جن کو تم لوگ دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کی بات کو اللہ تعالیٰ نے فرو کر دیا اور خدا کا سخن ہمیشہ بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ زبردست غالب و حکمت والا ہے۔

اس واقعہ کو ”واقعہ ہجرت“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی تفصیلات تفاسیر احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں۔ ہم یہاں اختصاراً آیت ہذا کے متعلق خلاصہ ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد ہم آیت ہذا کی تشریح کے لیے ذیل میں چند ایک فوائد ذکر کرتے ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات کا ثبوت ہے اور یہاں ان کی نشاندہی کرنا مقصود ہے۔

آیت غار سے متعدد فوائد مستنبط ہوتے ہیں، پہلے ان کو ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد دیگر چیزوں کا بیان ہوگا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ثانی درجہ میں ہیں اور ثانی اثنین کے لقب سے سرفراز ہیں۔۔۔۔۔ یہ چیز اولین نیابت اور پہلی خلافت نبوی ﷺ کی اہلیت کی طرف مشیر ہے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زندگی کے سخت ترین مراحل اور نازک ترین لمحات میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اور مصاحب رہے ہیں۔ یہ چیز آں موصوف رضی اللہ عنہ کے خلوص اور اخلاص کے نشانات میں سے ہے اور ان کی ذات پر اعتمادِ نبوی ﷺ کی علامت ہے کیونکہ اعتماد کے بغیر ایسے وقت میں کسی کو رفیق سفر نہیں بنایا جاسکتا۔

(۳) قرآن مجید کی اس نص میں جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے

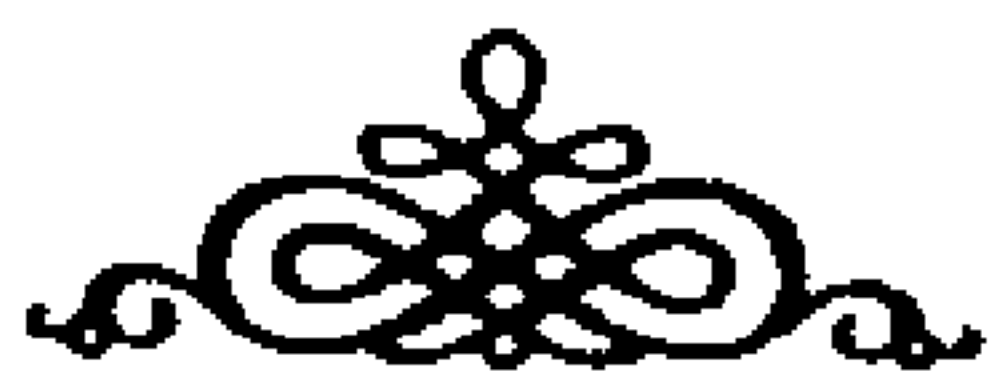
پیغمبر کا صاحب فرمایا ہے جبکہ کسی دیگر شخص کو صاحب نبی نہیں فرمایا اور اس مقام میں ”صاحب“ کا معنی ہم نشین ہے، پس اس چیز سے آں موصوف رضی اللہ عنہ کی کمال فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے۔

(۴) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تسکین خاطر کے لیے لا تحزن کے کلمات فرمائے۔ چونکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حزن و ملال اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اس سے آں موصوف رضی اللہ عنہ کی آنجناب ﷺ کے ساتھ کمال محبت و اُلفت کا ثبوت پایا جاتا ہے۔

(۵) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر الصديق کو فرمایا: ان الله معنا یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت (بصورت نصرت و حفاظت) ہمارے ساتھ ہے۔

اس میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی معیت (بصورت نصرت و حفاظت) میں اپنے ساتھ شریک کرنا آں موصوف رضی اللہ عنہ کے کمال ایمان کی دلیل ہے کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس طرح کی معیت (بصورت نصرت و حفاظت) حاصل ہوئی بالکل وہی معیت جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہوئی۔

مختصر یہ کہ مندرجہ تمام امور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں امور فضیلت ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے تاکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذکر مبارک کے ساتھ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے ذکر خیر کی بھی یاد ہمیشہ تازہ رہے۔



”ثانی اشنین“ کا لقب صحابہ کرام کی نظروں میں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں ”ثانی اشنین“ کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے اور یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصی فضیلت اور لقب ہے۔

مفسرین حضرات یہاں ”ثانی“ کے لفظ سے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات مراد لیتے ہیں۔ یہ اس کلمہ کا ایک مفہوم ہے لیکن ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ”ثانی اشنین“ میں ثانی کا لفظ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے یعنی دو شخصوں میں سے دوسرے شخص سمیت کافروں نے نکال دیا..... الخ

اس صورت میں ”ثانی“ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لینا درست ہے۔ ذیل میں اس پر قرائن پیش کیے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے کلام اور تکلم میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ”ثانی اشنین“ کے لقب سے ذکر کرتے تھے۔ اس کی چند ایک مثالیں پیش کرتے ہیں، ان مقامات سے ظاہر ہوگا کہ ”ثانی اشنین“ کا لقب صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح تصور کرتے تھے اور آل موصوف رضی اللہ عنہ کو اسی صفت کے ساتھ یاد کرتے اور ان کے لیے اس شرف کا اعتراف کرتے اور اس میں

ان کی نیابت و خلافت کی طرف اشارہ پاتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا کلام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے موقع پر ایک کلام کیا تھا، اس میں آں موصوف رضی اللہ عنہ کے صفات شمار کیے اور کہا:

ان ابابکر صاحب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
ثانی اثنین وانہ اولی
المسلمین بامورکم فقوموا
فبايعوه... الخ۔
یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے صاحب اور ہم نشین ہیں اور ثانی
اثنین ہیں اور تم مسلمانوں کے معاملات
کے متعلق سب سے اولیٰ ہیں۔ پس اٹھو
اور ان کے ساتھ بیعت کرو... الخ۔

درج ذیل مقامات میں محدثین اور اہل سیرت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ
ہذا کو ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) المصنف لعبد الرزاق ص ۴۳۷-۴۳۸، ج ۵، باب بدء مرض رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم۔

(۲) بخاری شریف ص ۹۷۰۲ ج ۲، کتاب الاحکام باب الاستخلاف، طبع نور محمد،
دہلی۔

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۶۶، ج ۴، باب ما جاء فی خلافتہ ابی بکر رضی اللہ عنہ، طبع
کراچی۔

(۴) سیرۃ ابن ہشام ص ۶۱۱-۶۰۰، جلد ثانی تحت خطبہ عمر رضی اللہ عنہ، قبل ابی بکر رضی اللہ عنہ،
عند الیعت العامہ۔

(۵) الاعتقاد علی مذہب السلف الیہتی ص ۹۷۷، طبع مصر، تحت بحث ہذا۔

(۶) کتاب الثقات لابن حبان ص ۹۵۷ ج ۲، تحت استخلاف ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بیعت کے معاملہ میں ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بیعت خلاف قبول کرنے پر آمادہ کرنا چاہا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

... اتبا یعنی وفیکم
یعنی تم میرے ساتھ بیعت کرنا چاہتے
ہو؟ حالانکہ تم میں الصدیق اور ”ثانی
اثنین“ موجود ہیں۔

(طبقات ابن سعد ص ۱۲۸ ج ۳، قسم اول تحت تذکرۃ الصدیق، طبع لیڈن، کنز العمال لعلی متقی
الہندی ص ۱۴۰ ج ۳، تحت کتاب الخلافۃ مع الامارۃ، طبع اول دکن، بحوالہ ابن سعد وابن جریر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دونوں کا قول

فقالا (عمر و ابو عبیدہ)
والله لا نتولى هذا الامر
عليك فانك افضل
المهاجرين و ثانی اثنین
انهم افي الغار و خليفه رسول
الله على الصلوه - والصلوه
افضل دين المسلمين فمن
ذاينبغي له ان يتقدمك، الخ -
(تاریخ ابن جریر الطبری، ص ۲۰۹، ج ۳،
باب ذکر الخبر عما جرى بين المهاجرين
والانصار في امر الامارة في سقيفة بني ساعدة)

یعنی جس وقت مهاجرین اور انصار میں
خلافت کے معاملہ میں گفتگو ہوئی تھی اور
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں اپنی
معذرت کرنا چاہی تو اس وقت حضرت عمر
رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دونوں
نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس معاملے کا آپ کو
چھوڑ کر ہم (کسی دوسرے کو) والی نہیں بنانا
چاہیے کیونکہ آپ افضل المهاجرین ہیں
اور ثانی اثنین ہیں جبکہ دونوں حضرات غار
میں تھے اور نماز پر بھی آپ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام ہیں حالانکہ

نماز مسلمانوں کے دین کی افضل چیز ہے،
پس کس کے لیے مناسب ہے جو آپ سے
مقدم ہو سکے؟؟ یعنی آپ سے مقدم ہونا
کسی کے لیے لائق نہیں۔

شیعہ کی طرف سے تائید

اور شیعہ علماء میں سے ابن ابی الحدید نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ جلد اول،
ص ۲۸۵، جلد ششم، طبع قدیم، بحث ہذا میں لکھا ہے کہ

یعنی حضرت عمر اور ابو عبیدہ نے ابو بکر
صدیق کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس
وقت کوئی شخص آپ پر فائق نہیں۔ آپ
صاحبِ غار ہیں اور ثانی اثین (دو میں سے
دو سرے درجہ میں) ہیں اور خدا کے رسول
نے تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ پس
آپ خلافت کے معاملہ میں سب لوگوں
سے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں۔

... فقال عمر و ابو عبیدہ ما
ينبغي لاحد من الناس ان
يكون فوقك انت صاحب
الغار ثانی اثین و امرک رسول
الله بالصلوہ۔ فانت احق
الناس بهذا الامر۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول

کنز العمال میں بحوالہ خیشمہ بن سلیمان روایت ہے کہ

یعنی حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ تحقیق
ابو بکر صدیق خلافت کے معاملہ میں زیادہ
حقدار ہیں۔ وہ صدیق ہیں، ثانی اثین ہیں
اور صاحبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

... عن حمران قال عثمان
ابن عفان ان ابابکر الصديق
احق الناس بها یعنی
الخلافة۔ انه صديق و ثانی

اثنین و صاحب رسول اللہ - (ہم نشین) ہیں۔

(کنز العمال لعلی متقی الہندی، ص ۹۴۰ ج ۳، بحوالہ خیشمہ فی فضائل الصحابہ روایت نمبر ۲۳۳۱، کتاب الخلافہ، باب الاول (خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) طبع اول، دکن)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، بن العوام کا قول

جب خلافت و نیابت کے معاملہ میں گفتگو ہوئی تو ان دونوں حضرات نے فرمایا:

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مسئلہ خلافت کی بحث میں فرماتے ہیں کہ ہم تمام لوگوں میں سے خلافت کا زیادہ حقدار ابو بکر صدیق کو جانتے ہیں کیونکہ وہ صاحب غار اور ثانی اثنین ہیں۔

... انا نری ان ابابکر احق

الناس بها۔ انہ لصاحب الغار

و ثانی اثنین۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی

ص ۱۵۳، ج ۸، الاعتقاد علی مذہب السلف

للبیہقی ص ۱۷۹، طبع مصر)

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ، کا قول

مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک بار ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کا ایک نخلہ (کھجور) کے متعلق وقتی طور پر تنازع پیش آیا تھا۔ ربیعہ کے قبیلہ کے لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ شکوہ شکایت کرنے لگے تو ربیعہ نے ان کو فہمائش کرتے ہوئے کہا کہ

یعنی ربیعہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ

ان کا کیا مقام ہے؟ یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ،

ہیں، یہ ثانی اثنین (ثانی درجہ میں) ہیں اور

یہ مسلمانوں کے شیخ اور بزرگ ہیں... الخ۔

... اتدرون ما هذا؟ هذا

ابوبکر الصديق هذا ثانی

اثنین هذا ذو شیبہ

المسلمین... الخ۔

(مسند امام احمد ص ۵۸-۵۹، جلد رابع، تحت مسندات ربیعہ بن کعب الاسلمی)

حضرت ربیعہ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایک اعلیٰ و ارفع

مقام و مرتبہ پر فائز ہیں، ان کی شکایت کرنا درست نہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول

روایات کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تو نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کچھ اشعار کہے ہیں تو کہو تاکہ ہم بھی سن لیں۔ تو حسان رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

و ثانی اثنین فی الغار المنیف

وقد طاف العدو به اذ صعد الجبل

وکان حب رسول اللہ قد علموا

من البریہ لم یعدل بہ رجلا

(دیوان حسان ص ۲۴۰، طبع مصر، ازالہ الخفا لشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، ص ۹۹،

جلد اول، تحت مسند حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ بلند غار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دو شخصیتوں میں سے دوسرے شخص تھے اور جب یہ پہاڑ پر چڑھے تو دشمن نے اس غار کا چکر لگایا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور لوگوں نے یقین کر لیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ان کے برابر نہیں قرار دیا۔

مختصر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی گفتگو اور کلام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”ثانی اثنین“ کے لقب سے ذکر کرتے ہیں یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ثانی درجہ میں ہیں اور کلمہ ثانی اثنین میں ”ثانی“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ باب تفسیر میں اقوال صحابہ کرام حجت شرعی قرار دیئے جاتے ہیں۔
 فلذا ”ثانی اثنین“ کے مفہوم کی وضاحت میں صحابہ کرام کے مندرجہ بالا

اقوال حجت شرعی کے درجہ میں ہیں۔

اس لیے یہ بات بالکل درست ہے کہ اس مقام میں ”ثانی“ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ ان کا لقب درست ہے اور یہ ان کی صفت صحیح ہے اور صحابہ کرام اس چیز کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”ثانی اثنین“ کے لقب سے پکارتے تھے اور اس میں صدیقی خلافت کی طرف اشارہ پاتے تھے۔

ایک نحوی ضابطہ

آیت ہذا کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بات ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ آیت میں ثانی اثنین کی نصب کس بنا پر ہے؟

عام طور پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ نصب ثانی اثنین کو حال بنانے کے طور پر ہے لیکن حال بنانے کی توجیہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثانی اثنین نہیں بنتے بلکہ ثانی حضرت نبی کریم ﷺ بنتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام کے متعدد ارشادات ہم نے پیش کر دیئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ”ثانی اثنین“ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

فہمذا

یہاں بہتر توجیہ یہ ہے کہ ثانی اثنین میں ”ثانی“ منصوب بہ نزع الخافض ہے۔ یعنی جر دینے والے حرف کو یہاں گرا دیا گیا ہے، اس کے گرا دینے کے بعد ثانی منصوب ہے۔

عبارت اس طرح ہوئی:

اذا اخرجہ الذین کفروا بثنائی اثنین اور با بمعنی مع مستعمل ہے۔

اس با کے گرا دینے کے بعد ثانی منصوب بہ نزع خافض ہے اور اس کا ترجمہ یوں ہوگا

”جس وقت کہ آپ ﷺ کو کافروں نے ثانی شخص سمیت شہر سے نکال دیا۔“

نوٹ

منسوب بہ نزع الحافض کی مثالیں قرآن مجید میں متعدد مقامات میں پائی جاتی ہیں مثلاً:

(۱) واختار موسى قومه سبعين رجلا لميقاتنا... (النح) (پ ۹)
اس مقام میں اصل میں من قومه ہے اور من کو گرا کر قومه کو منسوب پڑھا جاتا ہے۔

(۲) واقعدوا لهم كل مرصد۔ (سورة توبہ)
یہاں کل مرصد منسوب بہ نزع الحافض ہے۔ اصل میں فی کل مرصد ہے۔ یہاں فی کو گرا کر کل کو منسوب پڑھا جاتا ہے۔
مقصد یہ ہے کہ اسی طریقہ سے ”ثانی اثنین“ میں ثانی منسوب بہ نزع الحافض ہے اور نحوی ترکیب کے اعتبار سے صحیح ہے، اس میں کوئی سقم نہیں۔

لفظ ”ثانی“ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

گزشتہ سطور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ”ثانی فی الغار“ کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے، اب ہم اس چیز کی مزید وضاحت پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ثانویت (ثانی ہونے کی) خصوصیت قدرتِ کاملہ کی طرف سے بہت سے دیگر مقامات میں بھی حاصل ہوئی۔ مثلاً:

(۱) ثانی فی الاسلام قبولِ اسلام میں آں موصوف رضی اللہ عنہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد دوسرے شخص ہیں۔

(۲) ثانی فی الہجرہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہجرت کرنے میں آپ رضی اللہ عنہ دوسرے درجہ میں ہیں۔

(۳) ثانی فی عربش بدر مقامِ بدر میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے تیار کیے جانے والے عریش میں آنجناب ﷺ کی معیت میں بیٹھنے والے دوسرے شخص ہیں اور عریش چھاتہ کو کہتے ہیں۔

(۴) ثانی فی الامامہ بالصلوہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آنجناب ﷺ کی موجودگی میں نماز کی امامت کرنے والے آں موصوف رضی اللہ عنہ، دوسرے درجہ میں ہیں۔

(۵) ثانی فی مقبرہ النبی ﷺ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر میں دفن ہونے میں آں موصوف رضی اللہ عنہ کا دوسرا درجہ ہے۔

(۶) ثانی فی دخول الجنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق جنت میں داخل ہونے والے آپ رضی اللہ عنہ، دوسرے شخص ہوں گے، وغیرہ وغیرہ۔

سفر ہجرت اور آیت غار کے متعلق شیعہ اکابر کے بیانات

سابقہ سطور میں ہم نے آیت غار کے متعلق چند چیزیں ذکر کی ہیں جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل اور کمالات کا ثبوت پایا جاتا ہے۔

اس کے بعد ہم اسی سفر ہجرت اور آیت غار کے متعلق شیعہ اکابر کے بیانات ذکر کرتے ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مبارک سفر میں معیت اور مصاحبت پائی جاتی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک سفر ہونا ثابت ہوتا ہے اور اسلام میں یہ مبارک سفر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس سلسلہ میں ہم چند ایک حوالہ جات شیعہ کتب سے پیش کرتے ہیں تاکہ اصل واقعہ کی صحت کے ثبوت میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور فریقین کے بیانات کے ذریعہ صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کا مسئلہ از روئے قرآن مجید پختہ ہو جائے۔

شیعہ کے مشہور قدیم مفسر شیخ ابو علی الفضل بن حسن الطبری اپنی تفسیر مجمع

البيان میں آیت غار کی تفسیر کے تحت بیان کرتے ہیں کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے قتال پر اگر تم لوگ نبی اقدس ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد کر دی جبکہ پیغمبر ﷺ کو کفار نے مکہ سے نکالا اور آپ مدینے کا ارادہ کر کے نکل پڑے۔ ثانی اثنین یعنی پیغمبر (ﷺ) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) تھے جبکہ یہ دونوں غار میں تھے اور ان دونوں کے ساتھ تیسرا شخص نہیں تھا۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد کی در آن حالیکہ وہ سوائے ابو بکر کے سب سے منفرد تھے اور ”جبل“ میں ایک بڑا شگاف تھا اس سے مراد ”غار ثور“ ہے جو مکہ کے پہاڑ میں ہے جبکہ پیغمبر (ﷺ) اپنے ساتھی ابو بکر سے کہتے تھے کہ نہ غم کھانہ خوف کر، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے مطلع ہے اور ہمارے حال کا عالم ہے، وہ ہماری حفاظت کرے گا اور ہماری مدد کرے گا۔

الا تنصروه فقد نصره الله۔
معناه ان لم تنصروا النبي على القتال قتال العدو فقد فعل الله به النصر اذ اخرج الذين كفروا من مكة فخرج يريد المدينة ثانی اثنین یعنی انه كان هو وابوبكر اذ هما في الغار وليس معهما ثالث اى وهو احد اثنین ومعناه فقد نصره الله منفردا من كل شئى الامن ابى بكر والغار الثقب العظيم فى الجبل واراد به هنا غار ثور وهو جبل بمكة اذ يقول لصاحبه اى يقول الرسول لابی بكر لا تحزن اى لا تخف ان الله معنا يريد ان مطلع علينا عالم بحالنا وهو يحفظنا وينصرنا۔

(تفسیر مجمع البیان الطبرسی الشیعہ ص ۵۰۴، تحت آیت غار، پ ۱۰، طبع قدیم ایران)

بیانِ بالا سے معلوم ہوا کہ

(الف) اللہ تعالیٰ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے وقت اپنے پیغمبر ﷺ

اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خاص مدد اور نصرت فرمائی ہے۔

(ب) غارِ ثور میں جناب نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہیں تھا اور آنجناب ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ غم نہ کھا اور خوف نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، وہ ہمارے حال سے مطلع ہے اور وہی ہماری حفاظت اور مدد فرمائے گا۔

(۱) مختصر یہ ہے کہ اس سفرِ ہجرت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے پیغمبر ﷺ کی خصوصی معیت اور غار میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا جو کسی دیگر شخص کو نصیب نہیں ہوا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آں موصوف رضی اللہ عنہ کو ”صاحبِ رسول“ کے لقب سے سرفراز فرمایا، یعنی ابو بکر جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھی اور ہم نشین ہیں۔

نیز ”ثانی“ اور ”صاحب“ کے الفاظ اس طرف مشیر ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جناب نبی اقدس ﷺ کی نیابت اور قائم مقامی کی صلاحیت اور ان کی جانشینی کی اہلیت رکھتے ہیں۔

شیعہ کے شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی اپنی تصنیف ”امالی“ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ

قال لما توجه رسول الله ﷺ الى الغار ومعه ابوبكر - امر النبي ﷺ عليا عليه السلام ان ينام على فراشه ويتوشح ببردته - (الخ)

یعنی انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ (ﷺ) غار (ثور) کی طرف متوجہ ہوئے تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ان کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر نبی (ﷺ) نے علی علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ان کے بستر پر سو جائیں اور آپ کی چادر کو اوڑھ لیں۔

(امالی للشیخ الطوسی ص ۶۱ ج ۲، تحت الجزء السادس، ص ۹۶، عشر، طبع نجف اشرف)

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم ﷺ نے

اپنے بستر پر سونے کا حکم فرمایا اور سفر غار کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں شریک تھے۔
اسی مسئلہ میں شیخ طوسی واقعہ ہجرت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

ومضی حتی اتی الی ہند و
ابی بکر فانہما فتھضا
معه حتی وصلوا الی الغار۔ ثم
رجع ہند الی مکہ لما امر بہ
رسول اللہ (ﷺ) ودخل رسول
اللہ (ﷺ) وابوبکر الغار۔
یعنی (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر
سے باہر تشریف لے گئے) تو ہند اور ابو بکر
کے پاس جا پہنچے اور انہیں اٹھایا اور وہ
دونوں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ ہر سہ
حضرات غار تک جا پہنچے۔

(امالی الشیخ الطوسی ص ۸۱، ج ۲، تحت جزء السدس عشر، طبع نجف اشرف)

اس کے بعد ہند (ابن ابی ہالہ) مکہ کی طرف واپس آگیا اس لیے کہ آنجناب
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپسی کا حکم فرما دیا اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (دونوں) غار میں داخل ہوئے، الخ۔
امام حسن عسکری کے شاگرد اور کلینی کے استاد شیعہ کے مشہور مفسر شیخ علی
بن ابراہیم القمی نے اپنی تفسیر قمی میں آیت غار کے تحت امام جعفر صادق کی ایک
روایت ذکر کی ہے کہ

قال (ابو عبد اللہ علیہ السلام) لما کان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی
لہ ہند ابن ابی ہالہ، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے
سابق شوہر کے فرزند تھے۔
یعنی جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار
میں تشریف فرما تھے تو جناب نے ابو بکر
رضی اللہ عنہ کو فرمایا گویا کہ میں جعفر بن ابی طالب

الغار قال لابی بکر کانی انظر
الی سفینه جعفر واصحابه
تقوم فی البحر وانظر الی
الانصار مخبئين فی افنیتهم
فقال ابوبکر تراهم یارسول
الله! قال: نعم۔ قال فارنیهم
فمسح علی عینیہ فراهم
فقال له رسول الله صلی الله
علیه وآله وسلم انت
الصدیق... الخ۔ (تفسیر قتی تحت
آیت غار (پ ۱۰، سورۃ توبہ) طبع قدیم
ایران)

اور اس کے ساتھیوں کی کشتی کو سمندر میں
کھڑے دیکھ رہا ہوں اور انصار کی طرف نظر
کر رہا ہوں جو اپنے مکانوں کے صحنوں میں
چھپے بیٹھے ہیں۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:
یا رسول اللہ! آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ تو
آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! دیکھ رہا
ہوں۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے
بھی یہ منظر آپ دکھائیں، پس آنجناب ﷺ
نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، پس
ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ لیا۔ تو اس وقت
جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے
ابو بکر! تم صدیق ہو۔ (تم نبوت کے معجزات
کی تصدیق کرنے والے ہو)

روایت ہذا سے مندرجہ ذیل چیزیں معلوم ہوئیں کہ

- (۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غارِ ثور میں معیت نبوی ﷺ حاصل ہوئی۔
- (۲) معجزہ نبوی ﷺ کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی۔
- (۳) اس موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ”صدیق“ کا لقب زبانِ نبوت سے حاصل ہوا۔

تنبیہ

- (۱) ایک بات یہاں قابلِ ذکر ہے کہ تفسیر قتی کی مندرجہ بالا روایت کو تفسیر قتی کی
حالیہ طبع (طبع جدید ایران) سے طابعین اور ناشرین نے خارج کر دیا ہے۔ اس
کی وجہ اور کوئی نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ اس میں فضیلت صدیق
بطریق اتم ثابت ہوتی تھی اور وہ ان لوگوں کو ناگوار ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ سفینہ والی روایت جو آیت غار کے تحت ان کے ائمہ سے مروی ہے وہ شیعہ کے متعدد مصنفین نے ذکر کی ہے۔ ان میں یہاں صرف دو حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں:

(الف) روضہ کافی ص ۱۲۳، طبع قدیم نو کشور لکھنؤ۔

(ب) تفسیر صافی لمحمد بن مرتضیٰ مطہر بہ فیض کاشانی سورۃ توبہ تحت آیت غار ص ۷۰۲۔ ان مقامات میں حضرت جعفر کی سفینہ والی روایت ان کے ائمہ سے مفصل منقول ہے، جو حضرات تسلی کرنا چاہیں ان مقامات کی طرف رجوع کر لیں۔

فائدہ

ناظرین کے افادہ کے لیے یہ بات ذکر کر دینا مفید ہے کہ اس روایت میں بعد والے شیعہ لوگوں نے پوری روایت ذکر کرنے کے بعد آخر میں ایک جملہ بڑھا دیا ہے کہ

فاضمر تلک الساعہ انہ
یعنی ابو بکر نے اس وقت دل میں یہ بات
چھپا رکھی کہ یہ نبی جادوگر ہے، اس نے اپنی
جادوگری سے یہ منظر دیکھا اور دکھایا ہے۔
ساحر۔

تاکہ تمام روایت بے کار اور بے اعتبار ہو جائے کیونکہ اس روایت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور خلافت کی حقانیت نمایاں طور پر ثابت ہوتی تھی اور یہ بات ان لوگوں کو کسی طرح منظور نہیں تھی۔

ایک غیر جانبدار دانش مند آدمی مذکورہ بالا تمام روایت پر نظر کرنے سے خوب سمجھتا ہے کہ یہ جملہ اپنی طرف سے روایت کو بے کار کرنے کے لیے اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت بخشے۔

غور فرمائیے!!

کہ معاذ اللہ اگر نبی جادوگر تھا تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اس نبی کے ساتھ اس قدر شدائد و مصائب برداشت کر کے شریک سفر کیوں ہوئے؟؟ آرام سے گھر بیٹھے رہتے، قوم قریش کی مخالفت و عداوت نہ مول لیتے۔

دیگر یہ چیز قابلِ توجہ ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے شخص کو رفاقت و مصاحبت کے لیے منتخب کر کے کیوں ساتھ لیا جو ان کو ساحر اور جادوگر خیال کرتا ہے۔

نیز اللہ نے اپنے پیغمبر کو اطلاع نہ کر دی کہ یہ آپ کا صاحب (ساتھی) تو آپ کو ساحر قرار دیتا ہے، ایسے بد باطن اور بد اندیش شخص کو رفاقت میں نہ لیں۔

آخر کلام

مذکورہ آیت غار کے مفہوم اور معنی کو اہل سنت و شیعہ صاحبان کے بیانات کی روشنی میں ہم نے مختصراً بیان کیا ہے۔

اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال فضیلت پائی جاتی ہے اور ان کی دینی عظمت کا عمدہ ثبوت ہے اور ان کی حقانیت خلافت کی طرف نشاندہی ہوتی ہے۔

جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سفر ہذا کی تمام خدمات اخلاص کے ساتھ سرانجام دیں اور حق رفاقت بطریق احسن ادا کیا۔

اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر خیر اپنے کلام مجید میں نازل فرمایا جو ہمیشہ ہمیشہ سے تلاوت کیا جاتا ہے اور تلاوت کیا جاتا رہے گا۔



عدم شرکت جہاد کا اعتراض

بعض لوگوں کی طرف سے حضرات شیعین رضی اللہ عنہما پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ دور نبوت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کسی جیش کے امیر نہیں بنائے گئے اور نہ ہی انہوں نے کوئی قتال کیا اور نہ ہی جہاد میں مجروح و مضروب ہو کر اجر و ثواب کے مستحق ہوئے اور غزوات میں ان کو امیر جیش کے منصب پر فائز نہ کرنا ان کی نااہلی اور عدم لیاقت کی دلیل ہے۔

الجواب

اعتراض کرنے والوں نے مذکورہ بالا جو اعتراض قائم کیے ہیں یہ محض عناد اور عداوت کی بناء پر تجویز کیے ہیں اور خلاف واقعہ ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس میں متعدد بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلامی جیوش اور لشکروں کے امیر بنائے گئے اور جہاد کیا اور بعض مواقع پر مجروح و مضروب بھی ہوئے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن میں یہ مسئلہ واضح طور پر منقول ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلقات

ایک مشہور صحابی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ بنی فزارہ

کی طرف جہاد کیا اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ جب ہم ایک تالاب پر پہنچے تو جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں رات کے قیام کا حکم دیا۔ ہم رات کو ٹھہر گئے۔ اس کے بعد صبح کو ہم نے مختلف اطراف سے اس قبیلہ پر حملہ کر دیا۔ وہاں تالاب کے نزدیک جو لوگ تھے انہیں قتل کیا اور کچھ افراد کو قید کر لیا۔۔۔۔۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم اس واقعہ میں جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور آں موصوف رضی اللہ عنہ کے زیر کمان جہاد میں مصروف تھے۔

مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ

قال (سلمہ بن اکوع) بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر الی فزارہ وخرجت معہ حتی اذا دنونا من الماء عرس ابوبکر حتی اذا صلینا الصبح امرنا فشنا الغارہ۔ فوردنا الماء فقتل ابوبکر من قتل ونحن معہ الخ۔

(۱) مسند امام احمد ص ۵۱، ج ۳، تحت بقیۃ حدیث ابن الاکوع، ص ۴۶، ج ۴، تحت

(۲) مسلم شریف ص ۸۹، جلد ثانی، کتاب الجہاد، باب التفتیل وفداء المسلمین بالاساری، طبع نور محمدی، دہلی۔

روایت ہذا سے یہ بات واضح ہوئی کہ

- جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا امیر جیش مقرر فرمایا گیا۔
- نیز یہ بات بھی یہاں واضح طور پر مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود بھی بعض کفار کو قتل کیا اور ان کے حکم سے کئی کفار مقتول ہوئے اور قیدی بنائے گئے۔

نیز سلمہ بن اکوع کی ایک روایت محدثین نے اس طرح بھی ذکر کی ہے کہ

”سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سات سو غزوات میں جہاد کیا اور ان کے علاوہ جو اسلامی لشکر سرایا کے لیے روانہ کیے جاتے تھے ان میں سے نو سو سرایا میں شمولیت کی۔ ان میں سے بعض غزوات و سرایا میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ہم پر امیر جیش تھے اور بعض دیگر غزوات میں اسامہ بن زید امیر تھے۔“

چنانچہ اس چیز کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ دونوں محدثین حضرات نے ذکر کیا ہے:

يقول (سلمه بن اكوع) غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سبع غزوات - وخرجت فيما يبعث من البعث تسع غزوات مره علينا ابوبكر و مره علينا اسامه بن زيد -

(۱) مسلم شریف ص ۹۱۸ ج ۲ کتاب الجہاد، باب عدد غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، طبع نور محمدی، دہلی۔

(۲) صحیح بخاری ص ۶۱۲ ج ۲ کتاب المغازی، باب بعثت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ بن زید الی الحرقات من بحینہ۔

اور مشہور مورخ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ غزوہ دومۃ الجندل میں جو اسلامی لشکر پہنچا اس میں مہاجرین کے حصہ پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، امیر جیش تھے اور جو اعراب (بادیہ نشین) شامل جہاد ہوئے تھے ان پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، امیر لشکر تھے۔

ان ابابکر الصديق كان على المهاجرين في غزوه دومه الجندل وخالد بن وليد على الاعراب في غزوه دومه الجندل -

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۹۸ ج ۵، تحت عنوان بعثت علیہ السلام خالد بن ولید)

ابی اکیدر دومتہ الجندل، تحت حالات غزوہ تبوک، طبع مصر

شیعہ کی طرف سے اس مسئلہ کی تائید

ابن ابی الحدید الشیعہ نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں مندرجہ ذیل چیز ذکر کی ہے کہ

ماہ شعبان ۷ ہجری میں جناب نبی کریم ﷺ نے ابو بکر صدیق کو ایک سریہ (حصہ لشکر) پر امیر بنایا اور انہیں نجد کی طرف بھیجا پس یہ لوگ قبیلہ ہوازن کے پاس گئے اور رات کو ان پر حملہ کیا۔ ایاس اپنے والد سلمہ سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے تھے کہ میں اس جیش میں موجود تھا پس میں نے کفار کے سات آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور ہم نے اپنا نشان اس وقت یہ الفاظ بنائے ہوئے تھے: امت امت، مار ڈالو، مار ڈالو۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک قوم مقتول (شہید) ہوئی اور خود ابو بکر صدیق اس قتال میں مجروح ہوئے اور انہوں نے وہاں چند ایام آرام کیا اور کچھ بہتر حالت ہونے کے بعد وہ مدینہ شریف کی طرف لوٹے۔

انہ امر ابابکر فی شعبان من سنہ سبع علی سریہ بعثھا الی نجد فلقوا جمیعا من ہوازن فبیتوہم فروی بیاس بن سلمہ من ابیہ قال کنت فی ذاک البعث فقتلت بیدی سبعہ منہم وکان شعارنا امت امت وقتل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم و جرح ابوبکر وارث و عاد الی المدینہ۔ (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید الشیعہ، ص ۲۵۰، ج ۴، تحت طعن خامس (صدیقی) طبع قدیم، بیروت)

نیز شیعہ مورخین میں سے المسعودی الشیعہ نے اپنی تصنیف ”التشیب والاشراف“ میں بعض سرایا (اسلامی جیوش) کا ذکر کیا ہے۔

وہاں لکھا ہے کہ شعبان ۷ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق ایک اسلامی لشکر لے کر قبیلہ بنی کلاب بن ربیعہ کی طرف گئے تھے۔ (اور اس کو سریہ ابو بکر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے)

ثم سریہ ابی بکر فی هذا الشهر (شعبان ۷ ہجری) الی بنی کلاب بن ربیعہ بن عامر... بناحیہ ضریہ۔

(التبیہ والاشراف للمعتمدی الشیخ المتوفی ۳۴۵ھ، ص ۴۲۲، طبع جدید، مصر)

مندرجہ بالا (سنی و شیعہ) حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ

- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے متعدد بار جہاد فی سبیل اللہ کیا۔
- اور کئی مرتبہ اسلامی لشکر کے امیر جیش کے منصب پر فائز ہوئے۔
- اور جہاد میں مجروح و مضروب ہو کر اجر و ثواب کے مستحق ہوئے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلقات

اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اہل سیر و التراجم اور مورخین نے مفصل طور پر ذکر کیا ہے کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جہاد فی سبیل اللہ میں متعدد بار شریک ہوئے اور اہم غزوات میں ان کے کارنامے واضح طور پر ثابت ہیں جن کی تفصیلات پیش کرنا باعث تطویل ہے تاہم ذیل میں چند ایک حوالہ جات اثبات مسئلہ کے لیے پیش کیے جاتے ہیں، ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

علمائے تراجم ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں دیگر غزوات میں بھی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت عمر فاروق شریک رہے اور متعدد سرایا میں ان کو امیر جیش بنایا گیا۔

قالوا شهد عمر بن الخطاب بدرا واحدا والخنندق

والمشاهد کلها مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وخرج فی عدہ سرا یا وکان امیرا بعضہا۔

(طبقات لابن سعد ص ۹۵ ج ۳، تحت ذکر ہجرت عمر بن الخطاب، طبع لیڈن)

اور اہل تراجم نے لکھا ہے کہ

مشہور صحابی بريدہ الاسلمی ذکر کرتے
ہیں کہ جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
خیبر کے مقام میں فروکش ہوئے تو اس
موقع میں ایک دفعہ آنجناب صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ
عنه کو اسلامی پرچم عنایت فرمایا... الخ۔

عن عبد اللہ بن بريدہ عن
ابیہ بريدہ الاسلمی قال لما
کان حیث نزل رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بحضرہ
اہل الخیبر اعطی رسول اللہ
اللواء عمر بن الخطاب...
الخ۔

(طبقات لابن سعد ص ۹۵ ج ۳، تحت ذکر ہجرت عمر بن الخطاب، طبع لیڈن)

حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں الیہتی کے حوالہ سے درج کیا ہے کہ جناب نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب کو تمیں سواروں کے
ساتھ بنی ہوازن سے قتال کے لیے روانہ فرمایا اور ایک دلیل جو قبیلہ بنی ہلال سے تھا
بطور رہنما ساتھ تھا۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کے وقت پوشیدہ رہتے
تھے۔ جب یہ حضرات دشمن کے شہروں کے قریب پہنچے تو وہ لوگ وہاں سے فرار
ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف واپس ہوئے۔ بعض
حضرات نے قبیلہ بنی شعم سے قتال کا مشورہ دیا تو آپ نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے مجھے بنی ہوازن سے قتال کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ (دوسرے قبائل
کے ساتھ قتال کے لیے فرمان نہیں دیا)

اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ واقعہ شعبان ۷ ہجری میں پیش آیا تھا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ فی ثلاثین راكبا ومعه دليل من بنی هلال وكانوا يسیرون اللیل ویكتمون النهار فلما انتهوا الى بلادهم هربوا منهم وكر عمر راجعا الى المدينه فقيل له هل لك في قتل خثعم؟ فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يامرني الا بقتال هوازن في ارضهم-

(۱) البدایہ والنہایہ للابن کثیر ص ۹۲۱ ج ۳، تحت سریہ عمر بن الخطاب، طبع اول، مصری-

(۲) طبقات للابن سعد ص ۹۹۵ ج ۳، تحت ہجرة عمر بن الخطاب، طبع لیڈن-

تائید مسئلہ از شیعہ

مشہور مورخ المسعودی الشیعی نے اپنی تصنیف ”التشیہ والاشراف“ میں حضرت عمر بن الخطاب کا یہ سریہ شعبان ۵۷ھ میں ذکر کیا ہے۔ واقعہ ہذا ذیل عبارت میں مذکور ہے:

ثم سریہ عمر بن الخطاب فی شعبان (۵۷) الى الموضع المعروف بتربه وتربه ناجیه العباء علی اربع لیال من مکہ وقيل خمس طریق صنعاً ونجران الیمن-

(التشیہ والاشراف للمسعودی الشیعی ص ۲۲۷، طبع جدید مصر القاہرہ، للعلامہ

المورخ ابی الحسن علی بن الحسین الشیعی المتوفی ۳۴۵ھ)

مندرجہ بالا (سنی و شیعہ کے حوالہ جات) سے واضح ہوا کہ

○ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام کے مشاہیر غزوات میں شریک و شامل

ہوئے۔

○ آں موصوف رضی اللہ عنہ کئی سرایا اور غزوات میں امیر جیش بھی مقرر کیے گئے۔

فلذا مخالفین حضرات کا یہ طعن بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسلامی جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کسی جیش کے امیر بنائے گئے۔



محاذِ جنگ سے فرار کا جواب

غزوہ احد

صحابہ کرام پر طعن کرنے والے لوگوں نے یہ ایک مستقل اعتراض قائم کیا ہے کہ اکابر صحابہ جنگِ احد میں ثابت قدم نہ رہے اور جنگ سے فرار ہو گئے۔ اس کے جواب کے لیے چند ایک چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے اس طعن کا ازالہ پوری طرح ہو جاتا ہے۔

○ پہلی بات تو یہ ہے کہ غزوہ احد میں جن حضرات سے لغزش ہوئی وہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کی تعمیل میں فروگزاشت ہو جانے کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی اس لغزش کو معاف فرما دیا اور قرآن مجید میں اس معافی کا فرمان نازل فرمایا:

ان الذین تولوا منکم یوم
التقی الجمعان انما
استزلہم الشیطن ببعض ما
کسبوا ولقد عفا اللہ عنہم
ان اللہ غفور حلیم۔
یعنی تم میں سے جو لوگ رُوگرداں
ہوئے جس دن لڑیں دو فوجیں، سو ان کو
بہکا دیا شیطان نے ان کے گناہ کی شامت
سے اور ان کو بخش چکا اللہ۔ اللہ بخشنے والا
تحل کرنے والا ہے۔

(آل عمران: ۱۵۵، پارہ ۴)

○ نیز علماء مفسرین و محدثین نے اس مقام میں تشریح کی ہے کہ اس موقع پر جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ تقریباً چودہ آدمی ثابت قدم رہے تھے جن میں سات

عدد مہاجرین اور سات عدد انصار میں سے تھے اور مہاجرین میں سے جو حضرات ثابت قدم رہے ان کے اسماء تصریحاً ذکر کیے ہیں وہ حضرات جناب ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، عبید اللہ، عبدالرحمن بن عوف، الزبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں مذکور ہے کہ

ولم يبق مع النبي صلى الله عليه وسلم الا ثلاثة او اربعة عشر رجلا من المهاجرين ومن الانصار سبعة۔
فمن المهاجرين ابوبكر وعمر وعلي وطلحه بن عبید
الله و عبدالرحمان بن عوف الزبیر وسعد بن ابی وقاص
رضی اللہ عنہم۔

(تفسیر خازن ص ۳۳۷، ج ۱، تحت آیہ مذکور مع معالم التنزیل)

یہی مضمون معمولی تغیر الفاظ کے ساتھ بخاری شریف کی مشہور شرح فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری شرح بخاری ص ۲۸۹، ج ۷، تحت حدیث غزوہ احد)

مختصر یہ ہے کہ دیگر علمائے سیرت و تاریخ نے بھی اس چیز کو وضاحت سے ذکر کیا ہے کہ غزوہ احد میں شیخین حضرات بمع دیگر اکابر کے آنجناب کی رفاقت میں ثابت قدم رہنے والوں میں شامل ہیں اور فرار کی لغزش کے مرتکب حضرات میں ان کا شمار نہیں۔

لہذا شیخین حضرات پر فرار کا طعن وارد کرنا ہرگز صحیح نہیں اور جن دیگر حضرات سے فرار کی لغزش سرزد ہوئی ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔ بنا بریں وہ حضرات بھی مورد طعن نہیں۔

غزوہ حنین

اس کے بعد صحابہ کرام پر غزوہ حنین میں فرار ہونے کا اعتراض قائم کیا جاتا

ہے، اس کے متعلق ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے طعن ہذا کا ازالہ ہو جائے گا۔

○ غزوہ حنین میں دراصل صحابہ کرام نے فرار اختیار نہیں کیا بلکہ وہاں تدبیر میں کوتاہی ہوئی۔ اس وقت کفار کمین گاہوں میں دائیں بائیں چھپے ہوئے تھے، گزر گاہ تنگ تھی اور جب اسلامی فوج وہاں سے گزر رہی تھی تو بنی ہوازن کے کفار نے شدید تیراندازی شروع کر دی اور گھات سے نکل کر حملہ کر دیا۔ جب ہر طرف سے تیر برسنے لگے تو مسلمانوں کا وہاں ثابت قدم رہنا مشکل ہو گیا اور اس شدید اضطراب کی وجہ سے اہل اسلام کے قدم اکھڑ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نصرت اور سکینہ اپنے پیغمبر اور مومنوں پر نازل کی اور فرشتوں کے ذریعے غیبی امداد فرمائی جسے لوگ نہیں دیکھ رہے تھے اور اس طرح اہل اسلام کو ایک عظیم پریشانی لاحق ہونے کے بعد فتح نصیب ہوئی، جیسا کہ قرآن مجید میں مسئلہ ہذا کو ذکر فرمایا ہے:

ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين
وانزل جنودا لم تروها وعذب الذين كفروا... الخ

(پارہ ۹۰ سورہ توبہ)

یہاں سے معلوم ہوا کہ

○ سخت اضطرابی حالت میں ثبات قدمی نہیں رہی تھی لیکن بعد میں اللہ کریم نے اپنی خاص نصرت فرما کر مخاڑ جنگ کی کیفیت بدل دی اور غیبی امداد فرما کر ان کو فتح نصیب فرمائی۔

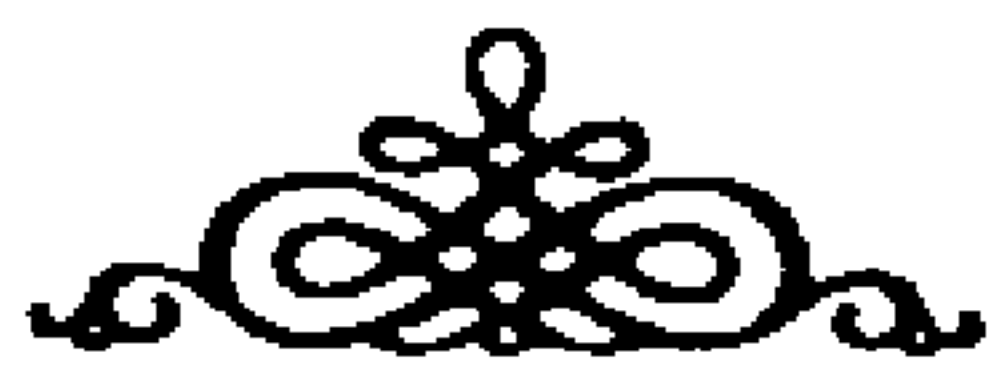
○ اور کبار علماء نے اس موقع پر یہ بات تحریر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رُؤگردانی کرنے والوں پر اس موقع پر کوئی عتاب نہیں فرمایا اور سرزنش نہیں کی اس لیے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا عذر اور مجبوری معلوم تھی۔ پس دیگر لوگوں کے لیے بھی ان حضرات پر طعن قائم کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”ونیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسے را بر این امر عتاب نہ فرمود
زیرا نکه عذر معلوم داشت پس دیگرانرا ہم جائے عتاب و طعن نماند...
الخ“

(تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی ص ۳۳۸، تحت
مطاعن اصحاب کرام عموماً بے تخصیص زیر طعن اول، طبع سہیل اکیڈمی، لاہور)
اس جواب کے آخر میں یہ چیز ہم ذکر کرنا مفید سمجھتے ہیں کہ غزوہ حنین میں جو
حضرات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ثابت قدم رہے، علماء کرام نے ان
کے اسماء ذکر کر دیئے ہیں۔

وہو ما رواہ عن جابر قال ثبت معہ ابوبکر وعمر وعلی
والعباس... الخ۔

(الزر قانی شرح مواہب اللدنیہ ص ۱۹، ج ۳، تحت غزوہ حنین، طبع مصر قدیم)
خلاصہ کلام یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ جنگ
حنین میں جن حضرات نے رُوگردانی کی تھی وہ اضطراری کیفیت اور مجبوری کی بناء پر
ہوئی تھی جو بعد میں فتح و نصرت میں بدل دی گئی۔
نیز یہ چیز علماء نے بالتصریح ذکر کر دی ہے کہ غزوہ حنین میں پسپا ہونے والوں
میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ شامل نہیں تھے۔ فلذا ان پر
جنگ سے فرار کا طعن قائم کرنا ہرگز درست نہیں۔



خلیفہ رسول ﷺ ہونے سے انکار کا طعن

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراضات وارد کرنے والوں کی طرف سے ایک یہ طعن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اعرابی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آکر دریافت کیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہیں؟ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں۔ تو اس نے کہا تو پھر آپ کیا ہیں؟

فقال: لا (نہیں) فما انت؟ قال انا الخالفه بعده یعنی میں ان کے بعد آنے والا ہوں۔

بقول معترض خالفہ اس کو کہتے ہیں ”جس پر اکتفانہ ہو سکے اور اس میں خیر و برکت نہ ہو بلکہ اکثر اس کے مخالف ہو جس کا خلیفہ بنا ہوا ہے۔“ بالفاظ دیگر خالفہ اس شخص کو کہتے ہیں جس میں کچھ بھلائی اور تو نگری نہ ہو۔

معترض کے زعم کے مطابق یہاں سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اپنے خلیفہ رسول ہونے سے انکاری تھے۔ اور وہ اپنے آپ کو خالفہ کے درجہ میں سمجھتے تھے۔ پس ایسے شخص کو خلیفہ رسول کہنا درست نہیں۔

الجواب

○ یہ اعرابی والی روایت جو مخالفین نے ذکر کی ہے یہ محدثین کے نزدیک کس

درجہ کی ہے؟ یہ بات واضح نہیں ہو سکتی۔ یہ روایت بخاری یا مسلم کی روایت نہیں جس کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا جائے۔ لغت حدیث کی جن کتابوں میں یہ روایت مروی ہے، ان حضرات نے اس کا معنی اور محمل اس طرح ذکر کیا ہے کہ

فانما قال ذالك تواضعا وهضما من نفسه حين قال انت خليفه رسول الله -

(النهاية لمحمد بن محمد المعروف ابن الاثير الجزري ص ۳۱۵ ج ۹ مجمع

البحار، تحت لفظ خلف)

مطلب یہ ہے کہ اگر اس روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو علماء حدیث اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے سائل کے جواب میں بطور تواضع اور کسر نفسی کے یہ کلمات فرمائے تھے لیکن حقیقتاً اپنے خلیفہ رسول ہونے سے انکار نہیں کیا تھا۔

مذکورہ بالا جواب طعن والی روایت کے تحت صاحب تصنیف الجزری نے خود ذکر کیا ہے۔

○ اس کے علاوہ ایک دوسری روایت محدثین نے ذکر کی ہے جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہونے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اور اپنے آپ کو خلیفہ رسول تسلیم کیا ہے۔

عن ابی ابن ملیکہ قال قال رجل لابی بکر یا خلیفہ اللہ قال لست بخلیفہ ولكنی خلیفہ رسول اللہ - انا راض بذالك -

یعنی ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابوبکر صدیق کو یا خلیفہ اللہ کہا تو ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں اور میں اس بات پر راضی ہوں۔

(مجمع الزوائد للیثی ص ۹۸۳ ج ۵، باب الخلفاء الاربعہ، مجمع الزوائد للیثی ص ۹۹۸ ج ۵،

باب کیف يدعی الامام)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہونے پر رضامند تھے۔ فلہذا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہونے سے انکار نہیں کیا اور اگر بالفرض ان سے کسی مقام میں خلیفہ رسول اللہ ہونے سے انکار کے الفاظ پائے گئے ہیں تو وہ کسر نفسی اور تواضع پر محمول ہوں گے۔ جیسا کہ علماء نے لغت حدیث میں تشریح کرتے ہوئے اسی مفہوم و معنی کا ذکر کیا ہے۔

○ اور دیگر بات یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ

”ہم ایک بار جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ مزید کتنا عرصہ میں آپ لوگوں کے درمیان رہوں گا۔ پس میرے بعد ان دونوں شخصوں کی اقتدا کرنا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ، اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ عمار رضی اللہ عنہ کے طریقے کے ساتھ راہ پکڑو اور جو چیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ تم کو بیان کریں، اس کی تصدیق کرو۔“

المصنف لابن ابی شیبہ میں ہے کہ

عن خذیفہ قال کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا ادری ما قدر بقائی فیکم۔ فاقتدوا بالذین من بعدی و اشار الی ابی بکر و عمر و اھتدوا بہدی عمار۔ و ما حدثکم ابن مسعود من شیئی فصدقوہ۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۶۸-۵۶۹، ج ۱۴، تحت کتاب المغازی، طبع کراچی)

اس فرمان نبوت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ایسی شخصیات ہیں جو قابل اقتداء ہیں اور ان کی اقتداء کرنے میں ہدایت اور خیر ہے۔

نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ جناب ابوبکر صدیق خلیفہ رسول اللہ ہونے کے لائق ہیں اور منصب خلافت کے صحیح اہل ہیں اور انہیں جناب نبی اقدس ﷺ نے اپنے خلیفہ ہونے کی بشارت دی ہے۔

الزامی جواب

اب ہم ایک دوسرے طریقے سے مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جواب پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالفرض کسی موقع پر اپنے خلیفہ رسول ہونے کی نفی کی ہے تو اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے خلیفہ بننے اور بیعت خلافت لینے سے اعراض کیا اور انکار فرمایا تھا حالانکہ وہ اس وقت منصب خلافت کے لیے صحیح طور پر اہل اور حقدار تھے۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ جب شہادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد لوگ بیعت خلافت کے ارادہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آل جناب نے فرمایا:

دعونی فالتمسوا
غیری۔۔۔ وانا لکم وزیرا خیر
لکم منی امیرا۔
یعنی (بیعت کے معاملہ میں) مجھے تم
چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو (منصب
خلافت کے لیے) تلاش کرو۔۔۔ اور میرا
تمہارے لیے وزیر رہنا امیر (خلیفہ) بننے
سے زیادہ بہتر ہے۔

(نہج البلاغہ لشریف رضی ص ۱۸۱، طبع مصر، تحت من خطبہ له عليه السلام، لما ارید

على البيعت بعد قتل عثمان)

فلماذا جس طرح جناب علی المرتضیٰؑ کے اپنے خلیفہ بننے سے انکار کی بنا پر ان کے منصب خلافت کی نفی نہیں کی جاسکتی بالکل اسی طرح جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے انکار سے ان کے منصب خلافت کی نفی نہیں کی جاسکتی، بلکہ ان سے نفی خلیفہ کا مفہوم و محل وہی ہے جو سلفاً درج کیا گیا ہے۔



جنازہ نبوی ﷺ میں شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عدم شمولیت

غسل و کفن و دفن کے موقع پر غیر حاضری کا طعن

مخالفین صحابہ کی طرف سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً شیخین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل و جنازہ میں اور کفن و دفن میں شریک نہ ہوئے اور اس فضیلت سے محروم رہے اور خلافت اجتماعی کے قضیہ میں پڑے رہے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر جھگڑتے رہے۔ یہ تمام کام غسل، جنازہ اور کفن و دفن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرانجام دیئے۔ طعن ہذا کے اثبات کے لیے درج ذیل روایت پیش کی جاتی ہے:

عن عروہ ان ابابکر وعمر لم يشهدا دفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانا فی الانصار ودفن قبل ان یرجعا۔
اور اعتراض ہذا کو مزید رنگین بنانے کے لیے معترض لوگ اس موقع پر یہ شعر بھی تالیف کر کے پڑھا کرتے ہیں ۔

چوں صحابہ حب دنیا داشتند

مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

حالانکہ یہ چیز حقیقت واقعہ کے بالکل برعکس اور برخلاف ہے جیسا کہ ہم

آئندہ سطور میں اسے ذکر کر رہے ہیں۔

الجواب

جس روایت سے یہ طعن پیدا کیا جاتا ہے وہ صحاح ستہ سے نہیں بلکہ وہ ان کتب میں پائی جاتی ہے جن میں روایت کی صحت کا التزام نہیں کیا گیا اور ان کتابوں میں رطب و یابس صحیح و سقیم، ضعیف و قوی ہر نوع کی روایات جمع کر دی گئی ہیں اور ان میں ہر طرح کا مواد فراہم کر دیا گیا ہے۔

اس چیز کو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ”تحفہ اثنا عشریہ“ کید بست و دوم میں بیان کیا ہے:

”و کتاب کہ ازاں فرقہ شیعہ برائے
الزام اہل سنت نقل مے کنند ہمہ ازیں
قبیل است کہ نادر الوجود و کمیاب می باشد
و علی تقدیر الوجدان مصنفین آں کتب
الترام صحت جمیع مانعہا نکرده اند بلکہ بطریق
بیاض رطب و یابس در آں جمع نموده محتاج
نظر ثانی گزاشته اند۔“

یعنی وہ کتابیں جن سے شیعہ لوگ اہل
سنت پر الزام اور مطاعن نقل کرتے ہیں،
پہلے تو وہ کمیاب اور نادر الوجود ہیں اور ان
کے مصنفین نے ان کتب کے جمیع مواد
میں صحت کا التزام نہیں کیا بلکہ ایک بیاض
کے طور پر ان میں رطب و یابس اور صحیح و
سقیم مواد جمع کر دیا اور نظر ثانی کا محتاج
چھوڑا۔۔۔ الخ۔

(تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، ص ۴۱، تحت کید بست دوم۔۔۔ طبع سہیل

اکیدمی، لاہور)

نیز مسئلہ ہذا کی مزید وضاحت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ”عجالتہ نافعہ“ میں کی
ہے کہ محدثین کے نزدیک طبقات حدیث میں سے ”طبقہ ثالثہ“ میں ان کتابوں کا شمار
کیا گیا ہے اور مذکورہ بالا روایت بھی انہی کتب سے نقل کی گئی ہے اور اسی قبیل یعنی
”طبقہ ثالثہ“ کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ ان میں ہر نوع کی روایات مدون ہیں اور

صحت روایت کا یہاں التزام نہیں کیا گیا۔

اس کے بعد یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ معترض کی پیش کردہ مذکورہ بالا روایت ابن ابی شیبہ کی ہے جو سنداً منقطع ہے اور متنا "شاذ" ہے۔

اب ہم ذیل میں پہلے روایت کے انتطاع سند پر کلام پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد روایت کے متن کے "شاذ" ہونے پر بحث کی جائے گی اور ثابت کیا جائے گا کہ یہ روایت اس موقعہ کے اصل واقعات کے برخلاف ہے اور قابل قبول نہیں ہے۔ (بعونہ تعالیٰ)

وجہ انتطاع

وہ اس طرح ہے کہ یہ روایت "عروہ بن زبیر تابعی" سے منقول ہے اور عروہ بن زبیر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے موقع پر مولود ہی نہیں تھے۔۔۔ بلکہ علماء تراجم نے لکھا ہے کہ عروہ بن زبیر کی ولادت خلافت فاروق کے اواخر یا خلافت عثمانی کے اوائل میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو:

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص ۶۲ ج اول، تحت عروہ بن زبیر، طبع بیروت۔

(۲) تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۱۸۳-۱۸۴ ج ۷، تحت عروہ بن زبیر، طبع دکن۔

فلذا اس روایت کے راوی کا اس واقعہ میں غیر موجود ہونا یقینی ہوا اور معلوم ہوا کہ عروہ مذکور کو کسی دیگر شخص نے ایک مدت (کم و بیش بارہ برس) کے بعد یہ واقعہ بیان کیا۔ پس یہاں واضح طور پر "انتطاع" پایا گیا۔

وجہ شذوذ

روایت مذکورہ کے "شاذ" ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روایت ہذا کے بالمقابل اس موقعہ کی دیگر معروف روایات موجود ہیں جو متصل السند ہیں اور عند المحدثین "صحیح" اور "مقبول" ہیں اور ان معروف روایات میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال نبوی کے موقع پر موجود ہونا اور حاضر رہنا بالتصریح پایا جاتا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ایک ترتیب کے ساتھ احادیث کی کتب سے اس موقع کی چند معروف روایات پیش کی جاتی ہیں جو اپنے مضمون میں واضح ہیں۔

حدیث کی روایات

امام ترمذیؒ نے سالم بن عبید الاشجعی صحابی سے درج ذیل روایت نقل کی ہے:

عن سالم بن عبید (الاشجعی) وكانت له صحبه قال - (يها) انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و واقعات سالم نے ذکر کیے ہیں اور وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطلاع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دی ہے۔...

فقال (الصدیق) لی انطلق فانطلقت معه فجاء هو والناس قد دخلوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فقال (الصدیق) یا ایہا الناس افرجوا لی فافرجوا له فجاء حتی اکب علیہ ومسه فقال انک میت وانهم میتون ۝ ثم قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم۔ فعلموا ان قد صدق۔

○ قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم!

○ وقالوا وکیف؟ قال یدخل قوم فیکبرون ویدعون ویصلون ثم ینخرجون ثم یدخل قوم فیکبرون ویصلون ثم ینخرجون حتی یدخل الناس۔

○ قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایدفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم۔

○ قالوا این؟ قال فی المكان الذی قبض اللہ فیہ روحہ
فان اللہ لم یقبض روحہ الا فی مکان طیب فعلموا انه
صدق ○ ثم امرهم ان یغسلہ بنوا بیہ۔

(شماکل ترمذی ص ۶۰۰-۶۰۱، طبع لکھنؤ ص ۲۸-۲۹، طبع مجتبائی دہلی، باب ماجاء
فی وفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۹۵، ج ۳،
کتاب الجنائز، باب من یموت اولی بغسل المیت، السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۰،
ج ۴ کتاب الجنائز، باب الجماعہ یصلون علی الجنائزہ افذانہ، السنن الکبریٰ
للبیہقی ص ۱۳۵، ج ۸، تحت باب لا یصلح امامان فی عصر واحد)

اور اسی واقعہ کو مشہور محدث نور الدین الیشمی نے ابن ماجہ اور طبرانی کے
حوالہ سے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

وعن سالم عن عبیدو کان من اصحاب الصفہ ---
فقال (الصديق رضي الله عنه) اوسعوا فوسعوا له فاكب عليه
ومسه قال (الصديق رضي الله عنه) انك ميت وانهم ميتون۔
○ قالوا يا صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم مات
رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال نعم۔ فعلموا انه
كما قال۔

○ قالوا يا صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم
انصلي على رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال يدخل
قوم فيكبرون ويدعون ويصلون ثم ينصرفون و يجي
اخررون حتى يفرغوا۔

○ قالوا يا صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم
ایدفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم۔

○ قالوا واین یدفن؟ قال حیث قبض فان الله تبارک و
 تعالیٰ لم یقبضه الا فی بقعه طیبه فعلموا انه کما قال -
 ○ ثم قام فقال عندکم صاحبکم فامرهم یغسلونه ---
 الخ

(مجمع الزوائد للیثی ص ۱۸۲-۱۸۳ جلد خامس تحت کتاب الخلاف، بحوالہ ابن ماجہ
 و طبرانی و رجالہ ثقات)

وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و واقعات بیان کرتے ہوئے سالم
 بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اصحاب صفہ میں سے تھے، ان سے مروی ہر دو مذکورہ
 بالا روایات کا مختصراً مفہوم یہ ہے کہ

سالم بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو جب میں نے انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کی تو آپ فوراً میرے ساتھ
 چل پڑے اور میں آپ کے ساتھ ہولیا اور آں موصوف جناب نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے پاس داخل ہوئے۔ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق
 رضی اللہ عنہ نے قریب آکر فرمایا لوگو! کھلے اور کشادہ ہو جاؤ پس وہ لوگ کھلے ہو گئے اور
 انہوں نے جناب صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تر
 ہونے کا موقع دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور خم ہو کر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک
 کی تقبیل کی اور بوسہ دیا۔

○ حاضرین نے بطور تصدیق کے لیے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کا واقعی انتقال ہو چکا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں انتقال ہو گیا ہے۔ پس انہوں
 نے یقین کر لیا کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح فرما رہے ہیں (جبکہ اس سے قبل
 وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں لوگ متردو اور متحیر تھے اور اضطراب
 میں مبتلا تھے)

○ پھر لوگوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں پڑھی جائے گی۔

○ پھر انہوں نے عرض کی کہ صلوٰۃ جنازہ کی کیفیت کیا ہوگی؟

تو آپ نے اس کی تشریح فرمائی کہ جنازہ کے موقع پر ایک گروہ آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاں داخل ہوگا۔ وہ تکبیر کہیں گے۔ درود و دعا پڑھیں گے اور اس مقام سے باہر آجائیں گے پھر دوسری جماعت داخل ہوگی اور وہ بھی تکبیر اور درود و دعا پڑھنے کے بعد واپس آجائے گی حتیٰ کہ اسی طرح تمام لوگ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ جنازہ ادا کریں گے۔

○ اس کے بعد حاضرین نے عرض کیا کہ اے صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کیا جائے گا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، دفن کیے جائیں گے۔

○ تو پھر انہوں نے عرض کیا کہ مقام دفن کہاں ہوگا؟

تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی روح کو جس مقام پر قبض کیا ہے وہ بہترین مقام ہے۔ اسی مقام میں دفن کیے جائیں گے۔ اس پر لوگوں نے یقین کیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سچ فرما رہے ہیں۔

پھر لوگوں کی طرف سے سوال پیش ہوا کہ کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں غسل دیا جائے گا اور جو اقرباء اور قریبی رشتہ دار ہیں، وہی غسل دیں گے۔ (ان حضرات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت

جس طرح سابقہ روایت سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ صحابی سے مروی ہے اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس موقع کے متعلق مختصر سا بیان منقول ہے کہ

عن عائشہ قالت لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلفوا فی دفنہ - فقال ابو بکر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوه فی موضع فراشہ، رواہ الترمذی۔

(ترمذی شریف، ص ۱۴۱ جلد اول کتاب ابواب الجنائز، مسند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۵۳، ج ۱ روایت نمبر ۴، تحت مسندات عائشہ صدیقہ، مشکوٰۃ شریف ص ۵۳، تحت وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ ترمذی)

روایت مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال مبارک ہوا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بارے میں اختلاف رونما ہوا تو اس کا فیصلہ جناب ابوبکر صدیق نے اس طرح فرمایا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس مقام میں اپنے نبی کے دفن کو پسند فرماتا ہے، اسی مقام میں اس کی روح کو قبض فرماتا ہے۔

فلذا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فراش اور بستر مبارک کے مقام میں ہی دفن کیے جائیں گے۔ (چنانچہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراش مبارک کے مقام پر ہی دفن کیا گیا)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت

سابقہ سطور میں سالم بن عبید اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات ذکر کی گئی ہیں:

اس کے بعد اس موقعہ کی جو روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے محدث ابن ماجہ نے اپنے مقام میں بہ عبارت ذیل درج کیا ہے۔

عن ابن عباس قال لما ارادوا ان يحفروا الرسول الله صلى الله عليه وسلم بعثوا الى ابي عبیده بن الجراح --- لقد اختلف المسلمون في المكان الذي يحفر له فقال قائلون يدفن في مسجده قال قائلون يدفن مع اصحابه فقال ابوبكر اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما قبض نبي الا دفن حيث يقبض --- الخ۔

(السنن لابن ماجہ "ص ۱۱۸" باب ذکر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم، طبع اول)

مندرجہ بالا روایت کا حاصل یہ ہے کہ دفن کے موقع پر مسلمانوں میں مقام دفن کے متعلق اختلاف واقع ہوا بعض حضرات کہتے تھے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی (کے ایک کونہ) میں دفن کیا جائے اور بعض حضرات کہتے تھے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے ساتھ (جنت البقیع میں) دفن کیا جائے تو اس موقعہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں نبی کا انتقال ہوتا ہے، ان کو اسی مقام پر دفن کیا جاتا ہے۔۔۔ الخ۔

کیفیت صلوٰۃ جنازہ

مذکورہ بالا روایت کے علاوہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت صلوٰۃ جنازہ کی کیفیت میں منقول ہے وہ محدث ابی یعلیٰ الموصلی نے بہ عبارت ذیل

تحریر کی ہے:

ثم ادخل الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم
يصلون عليه ارسالا - ادخل الرجال حتى اذا فرغ منهم
ادخل النساء حتى اذا فرغ من النساء ادخل الصبيان - ولم
يوم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم احد -
فدفن رسول الله صلى الله عليه وسلم من اوسط الليل
ليله الاربعاء -

(مسند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۳۵-۳۶، جلد اول، تحت مسندات ابی بکر صدیق

رضی اللہ عنہ، طبع بیروت)

روایت بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ --- پھر لوگ گروہ در گروہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں داخل ہو کر صلوٰۃ جنازہ ادا کرنے لگے۔ پہلے مردوں نے داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کی اور جب وہ فارغ ہوئے تو ان کے بعد خواتین نے داخل ہو کر نماز ادا کی اور جب وہ فارغ ہو چکیں تو ان کے بعد لڑکے داخل ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ جنازہ کے لیے کسی شخص نے امامت نہیں کی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار شنبہ کی نصب شب کے قریب دفن کیا گیا۔۔۔ الخ۔

تائیدات

امام مالکؒ کی روایت

گزشتہ صفحات میں ہم نے جناب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے موقع کی محدثین سے منقول چند روایات ذکر کی ہیں۔

اب اسی مضمون کی تائید میں امام مالکؒ کا بیان ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جس

میں اس موقع کے متعدد امور کی تصریح کی گئی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اس موقع میں موجود ہونا اور حاضر رہنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

مالکؒ انہ بلغ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی
یوم الاثنين ودفن يوم الثلاثاء وصلى عليه الناس اذانا-
لا يومهم احد فقال ناس يدفن عند المنبر وقال آخرون
يدفن بالبقيع فجاء ابوبکر صدیق فقال سمعت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ما دفن نبی قط الا فی
مکانہ الذی توفی فیہ فحفر لہ فیہ- فلما کان عند غسلہ
ارادوا نزع قمیصہ- سمعوا صوتا یقول لا تنزعوا القمیص
فلم ینزع القمیص وغسل وهو علیہ صلی اللہ علیہ
وسلم-

(موطاء امام مالکؒ ص ۲۱۲ تحت ما جاء فی دفن المیت، طبع کراچی)

مندرجہ بالا روایت کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال دو شنبہ (سوموار) کو ہوا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن سہ شنبہ (منگل کے بعد) کو ہوا۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ جنازہ بغیر جماعت کے پڑھی گئی۔ کسی شخص نے ان کی امامت نہیں کی۔۔۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے کہا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن منبر نبوی کے پاس ہونا چاہئے اور بعض دیگر لوگوں نے کہا جنت البقیع میں دفن کیا جائے تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے ذکر کیا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کی جس مقام میں وفات ہو، اسی میں ان کو دفن کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراش (بستر مبارک) کے مقام پر قبر مبارک کھودی گئی۔ اور جب

غسل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا موقع آیا تو لوگوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص مبارک کو اتارنے کا قصد کیا تو انہوں نے ایک غیبی آواز سنی جس میں کہا گیا کہ قمیص کو مت اتارو چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک نہیں اتارا گیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی حالت میں غسل دیا گیا۔

اہل سیرت و طبقات اور اہل تراجم و تاریخ کی روایات

اس مسئلہ میں محدثین کی روایات اور ان کے بیانات قارئین کرام نے ملاحظہ فرما لیے اب اس کے بعد اہل سیرت و طبقات اور اہل تراجم و تاریخ کی روایات ذکر کی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کرام ان کے فرمودات ملاحظہ فرما کر مسئلہ ہذا کے متعلق مطمئن ہو سکیں۔ اتنی چیز ذہن نشین رہے کہ مندرجہ ذیل حوالہ جات مسئلہ مذکورہ کو مدلل کرنے کی خاطر بطور تائید نقل کیے جا رہے ہیں۔

ابن ہشام اور ابن جریر الطبری کی روایت

ابو محمد عبد الملک بن ہشام المعافری (متوفی ۲۱۸-۲۱۳ھ) نے اپنی مشہور سیرت ابن ہشام میں انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

یعنی مسلمانوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن میں اختلاف کیا۔ بعض حضرات کہتے تھے کہ مسجد نبوی میں دفن کرنا چاہیے جبکہ بعض دوسرے اصحاب کہتے تھے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دیگر اصحاب کے ساتھ (جنت البقیع) میں دفن کرنا

وقد كان المسلمون
اختلفوا في دفنه وقال قائل
ندفنه في مسجده (عند
المنير) وقال قائل ندفنه مع
اصحابه (بالبقيع) وقال
ابوبكر اني سمعت رسول الله
ﷺ يقول ما قبض نبی الا دفن

حيث يقبض - فرفع فراش رسول الله ﷺ الذي توفي عليه فحفر له تحته ثم دخل الناس على رسول الله ﷺ يصلون عليه ارسالا دخل الرجال حتى اذا فرغوا دخل النساء حتى اذا فرغ النساء ادخل الصبيان ولم يوم الناس على رسول الله ﷺ احد -

چاہیے۔۔۔ تو اس وقت جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ نبی جہاں مقبوض ہوتا ہے اسی مقام میں ان کو دفن کیا جاتا ہے۔۔۔

(سیرت ابن ہشام ص ۶۶۳، جلد ثانی، باب جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودفنہ، تاریخ ابن جریر الطبری ص ۲۰۵، جلد ثالث، تحت حدیث سقیفہ، طبع مصر قدیم)

اس کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراش مبارک کو اٹھایا گیا اور وہاں پر قبر مبارک تیار کی گئی۔۔۔ پھر جنازہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت اس طرح درج کی ہے کہ پہلے مرد جنازہ کے لیے (جماعت کے بعد جماعت) اندر داخل ہوئے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ جنازہ کی امامت کسی شخص نے نہیں کی۔ (بغیر امام کے نماز پڑھی گئی)

ابن سعد اور بلاذری وغیرہما کی روایت کیفیت جنازہ کے متعلق

اس مقام کی ابن سعد اور بلاذری وغیرہم کی روایات میں مسئلہ ہذا مندرجہ ذیل عبارت میں منقول ہے۔

لما كفن رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع على سريرته دخل ابو بكر وعمر فقالا السلام عليك ايها النبي ورحمه الله وبركاته ومعهما نفر من المهاجرين قدر ما

يسع البيت فسلموا كما سلم ابو بكر وعمر وصفوا
صفوفا لا يومهم عليه احد فقال ابو بكر وعمر وهما في
الصف الاول حيال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم
انا نشهد ان قد بلغ ما انزل عليه ونصح لامته وجاهد في
سبيل الله حتى اعز الله دينه -

فيقول الناس آمين آمين ثم يخرجون ويدخل اخرون
حتى صلوا عليه الرجال ثم النساء ثم الصبيان فلما
فرغوا من الصلوة تكلموا في موضع قبره --- الخ -

(طبقات الكبير لمحمد بن سعد طبع ليڈن ص ۶۹ جلد ثانی القسم الثانی تحت ذکر صلوٰۃ

على رسول الله عليه وآله وسلم، كتاب انساب الاشراف للبلاذري، ص ۵۷۴، ج
اول، تحت حالات جنازہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب انساب الاشراف
ص ۷۱، ج ثانی القسم الثانی تحت موضع قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،
البدایہ والنہایہ للبین کثیر رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶۵، ج ۵، باب کیفیت الصلوٰۃ علیہ (صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیرۃ علیہ لعلی بن ابراہیم الحلبي ص ۳۹۴، ج ۳، تحت حالات
انتقال نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مندرجہ بالا ابن سعد و بلاذری کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ --- جب سردار
دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دے دیا گیا اور سریر (چارپائی) پر رکھے گئے تو
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ (حجرہ مبارک میں) داخل ہوئے اور انہوں نے کہا:
یا رسول اللہ ﷺ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اور رحمتیں اور برکات
ہوں اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ انصار اور مہاجرین کی اتنی تعداد میں
جماعت تھی جو اس حجرہ مبارک میں سما سکتی تھی۔ ان سب حضرات نے بھی شیخین
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح سلام پیش کیا۔ یہ حضرات صفوں میں کھڑے تھے اور
شیخین رضی اللہ عنہما جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے صف اول

میں کھڑے تھے اور کسی شخص نے اس نماز جنازہ کی امامت نہیں کرائی۔ (اس موقع پر ان حضرات نے یہ الفاظ ادا کیے)

”اے اللہ! ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جو چیز پیغمبر پر نازل کی گئی، وہ انہوں نے ٹھیک طور پر پہنچائی اور انہوں نے اپنی امت کی خیر خواہی کی اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جدوجہد کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو قوت دی اور عزت بخشی۔“

پس اس وقت ساتھ والے لوگ آمین آمین کہتے رہے۔ پھر وہ افراد (حجرہ سے) باہر آگئے اور دوسرے داخل ہوئے۔ اسی طرح انہوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی۔ پہلے مرد داخل ہوتے رہے، پھر ان کے بعد خواتین داخل ہوئیں اور ان کے بعد لڑکے داخل ہوئے۔۔۔ الخ

اور دیگر اکابر علمائے سیرت و تاریخ نے بھی کیفیت صلوٰۃ جنازہ اسی طرح ذکر کی ہے۔ ان کی عبارات ذکر کرنے سے تطویل ہوتی تھی۔ اس بنا پر صرف حوالہ جات ذکر کر دیئے ہیں۔

خلاصہ روایات

مختصر یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک معروف و مقبول روایات اور اہل سیرت والتراجم کی تائیدی روایات سے یہ چیز پایہ ثبوت کو پہنچی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر موجود اور حاضر تھے اور انہوں نے اس موقع پر متعدد احکامات شرعیہ کی ہدایات ارشاد فرمائیں۔ مثلاً

- جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال مبارک کی تصدیق کی۔
- غسل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اقربا کا مستحق ہونا بیان کیا۔
- نماز جنازہ کی کیفیت اور ادائیگی کا طریقہ ارشاد فرمایا۔

مزار مبارک تیار کیا گیا۔

قابل غور

قابل اعتراض روایت جو معترض دوستوں نے تلاش کر کے پیش کی تھی، وہ بھی اسی مصنف (ابن ابی شیبہ) کی ذکر کردہ ہے اور ان کی اسی تصنیف (المصنف) میں پائی جاتی ہے۔ اور ہم نے مذکورہ روایت ”المصنف“ سے نقل کی ہے۔ وہ بھی اسی مصنف کی اپنی نقل کردہ ہے۔

لیکن ان دونوں روایات کے مضمون میں بین تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ روایت ہذا نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بنفسہ موجود تھے اور مکان دفن کی تعیین اور موضع قبر کے تخصّص کا مسئلہ آں موصوف رضی اللہ عنہ کے بیان و فرمان کے مطابق طے ہوا اور اسی پر عمل درآمد کیا گیا۔

پس کفن و دفن نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواقع میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے غیر موجود ہونے کا اعتراض خود تراشیدہ افسانہ سے زیادہ وزن نہیں رکھتا اور معترض نے جو روایت طعن کے لیے پیش کی ہے، وہ بالکل بے سرو پا ہے اور معروف روایات کے معارض ہونے کی وجہ سے ”شاذ“ کے درجہ میں ہے۔

ایک ضابطہ

محدثین کے نزدیک ایسے مواضع کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ

الثقة اذا شذلا يقبل ما شذ فيه۔

یعنی اگر ثقہ راوی بھی معروف روایات کے مقابلہ میں ”شاذ“ روایت لائے تو وہ قبول نہیں کی جاتی۔ فلذا محدثین کے اس قاعدہ کی روشنی میں بھی معترض کی طرف سے پیش کردہ روایت ”شاذ“ ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہوگی، کیونکہ

طعن والی روایات دیگر صحیح اور معروف روایات کے بالمقابل پائی جاتی ہے اور ان کا معارضہ نہیں کر سکتی۔

دیگر ضابطہ

نیز اس مقام میں ایک دیگر قلعہ بھی قابل توجہ ہے کہ۔۔۔ انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقعہ پر موجود (شریک واقعہ) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثلاً سالم بن عبیدہ الانصاری رضی اللہ عنہ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہم کی روایات اور بیانات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ عنہم حضرات دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اس موقعہ پر موجود تھے۔ غسل، جنازہ، کفن و دفن وغیرہ امور میں شریک و شامل تھے۔ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے موافق یہ امور سرانجام دیئے گئے جیسا کہ سابقہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔۔۔ اور طعن والی روایات عروۃ تابعی سے منقول ہے۔ وہ عروۃ تابعی کا قول ہے (کہ شیخین حضرات دفن نبوی ﷺ کے موقع پر حاضر نہیں تھے)

۔۔۔ فلہذا شرکاء واقعہ کے اقوال اور تابعی کے قول میں تعارض و تضاد پایا

گیا۔۔۔

ایسی صورت میں بطور ضابطہ کے علماء فرماتے ہیں کہ۔۔۔ ”وقول

الصحابی (رضی اللہ عنہ) مقدم علی قول التابعی۔“

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۶۳۶ جلد خامس تحت ذکر امرہ علیہ السلام ابابکر

الصدیق ان یصلی بالصحابہ اجمعین)

حاصل یہ ہے کہ انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ میں شریک صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم چشم دید گواہ کی حیثیت میں ہیں جبکہ واقعہ ہذا کے ایام میں غیر موجود

تابعی غیر موجود شخص کے درجہ میں ہے اور صرف شنید واقعہ کا قائل ہے۔

فلذا اس صورت میں ضابطہ مذکورہ بالا کے مطابق شرکاء واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا بیان مقدم اور مسلم ہوگا اور تابعی (عروۃ) کا قول متروک اور غیر مقبول ہوگا۔

پھر یہاں یہ چیز بھی لائق التفات ہے کہ ہماری معلومات کی حد تک عروۃ مذکور کے اس قول کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔۔۔ اور متابع کا نہ پایا جانا اس امر کے ناقابل قبول ہونے کے لیے کافی دلیل ہے۔

آخر بحث میں ایک تجزیہ

مشہور عالم دین ابو المظفر الاسفرائینی (المتوفی ۷۱۷ھ) نے اپنی تصنیف ”التبصیر فی الدین الباب الاول“ ص ۲۶-۲۵ میں انتقال نبوی کے حالات ذکر کیے ہیں۔ اس موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال، مقام دفن اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو وقتی و جزوی طور پر اختلافات رونما ہوئے ان کے متعلق فاضل اسفرائینی ذکر کرتے ہیں کہ یہ تمام مسائل جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی برکات سے حل ہوئے۔ چنانچہ اس چیز کو آں موصوف الاسفرائینی نے بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے۔

----- (۱) -----

وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اس موقع پر حاضرین میں اضطراب و اختلاف پیدا ہوا تو۔۔۔ وارتفع هذا الخلاف ببركات ابي بكر الصديق رضي الله عنه۔۔۔ الخ

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی برکت سے یہ اختلاف رفع ہو گیا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انتقال و وصال کی تصدیق کی تھی، اس سے اضطراب ختم ہوا۔

----- (۲) -----

اور مقام دفن میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رائے ہوا تو
 فزال هذا الخلاف ببرکہ
 یعنی مقام دفن میں اختلاف رائے
 الصدیق رضی اللہ عنہ۔۔۔۔۔
 صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی برکت سے زائل
 الخ۔ ہوا۔

(انہوں نے مقام دفن کی تعیین کی تھی) اسی طرح جناب نبی اقدس صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور قائم
 مقامی میں جب مہاجرین و انصار کے درمیان اختلاف رائے ہوا تو

----- (۳) -----

واتفقوا علی قوله
 (الصدیق) فزال هذا الخلاف
 یعنی صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں
 ایضا ببرکہ الصدیق۔۔۔۔۔ الخ۔
 جناب صدیق اکبر کے قول پر اتفاق کیا۔
 (انہوں نے قول نبوی الائمہ من القریش
 پیش کیا تھا) پس جناب ابوبکر صدیق رضی
 اللہ عنہ کی برکت سے یہ اختلاف بھی
 زائل ہو گیا۔

حاصل یہ ہے کہ

اس موقع پر جو متنازعہ فیہ امور پیش آئے وہ تمام امور حضرت ابوبکر صدیق
 رضی اللہ عنہ کی ہدایات و رہنمائی سے طے ہوئے اور آں موصوف رضی اللہ عنہ کی برکات سے ان
 کا بخیر و خوبی اتمام ہوا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

قابل غور

دیگر یہ بات نہایت اہم ہے کہ مسئلہ خلافت (وامامت) کا دین میں بڑا مقام ہے اور اس پر دین کی بقا کا مدار ہے اور دین وہ چیز ہے جس کے لیے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، یہ کوئی عام کام نہیں۔ خلافت کے فریضہ کو پورا کرنے کے لیے اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بمع دیگر حضرات کے سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف لے گئے تو یہ اسلام کا ہی کام تھا۔

اور ساتھ ہی یہ بات حقیقت واقعہ ہے کہ مسئلہ خلافت طے ہو جانے کے بعد شیخین حضرات تجہیز و تکفین و تدفین وغیرہ کے واقعات میں برابر کے شریک ہوئے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ فلذا اس مقام میں طعن و اعتراض پیدا کرنے کی کچھ گنجائش نہیں۔

الزامی جواب

پیش کردہ طعن کا جواب بحمد اللہ اپنی کتابوں سے معروف و صحیح روایات کے ذریعہ درج کر دیا ہے اور فن مناظرہ کا ضابطہ یہی ہے کہ انسان اپنے مسلمات سے اعتراض اور طعن کا جواب دے سکتا ہے۔ لہذا ہم نے اس قاعدہ کے مطابق جواب تمام کر دیا ہے۔

اب اس مسئلہ کو مزید پختہ کرنے کے لیے شیعہ احباب کی کتابوں سے الزامی جواب نقل کیا جاتا ہے کہ شیخین حضرات رضی اللہ عنہما سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرح شامل و شریک تھے اور موجود صحابہ کرام میں سے کوئی ایک بھی اس فضیلت سے محروم نہیں رہا۔ سب حضرات شامل ہوئے تھے۔

اس چیز پر شیعہ کی کتابوں میں بہت تفصیلات پائی جاتی ہیں، لیکن سردست چہار

عدو حوالہ جات برائے الزام پیش کرنا کافی ہیں۔

مندرجات ذیل سے ثابت ہو گا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دونوں جنازہ نبوی رضی اللہ عنہ میں شامل تھے اور دیگر صحابہ بھی اس میں شریک تھے۔

(۱) سلیم بن قیس الہلالی کہتے ہیں کہ

ثم ادخل عشرة من المهاجرين وعشرة من الانصار
فكانوا يدخلون ويدعون ويخرجون حتى لم يبق احد
شهد من المهاجرين والانصار الا صلى عليه۔

(کتاب سلیم بن قیس الہلالی ص ۷۰، طبع اول، نجف اشرف تحت حالات انتقال
نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(۲) اور امام محمد باقر کہتے ہیں کہ

عن ابی جعفر (محمد باقر) قال لما قبض النبی صلی
اللہ علیہ وسلم صلت علیہ الملائکہ والمہاجرون
والانصار فوجافوجا۔

(اصول کافی ص ۲۸۶، طبع قدیم، طبع نول کشور، لکھنؤ، تحت ابواب التاريخ، باب
مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته)

(۳) شیخ طبری از امام محمد باقر روایت کر رہے ہیں کہ وہ وہ نفر داخل سے شونہ و
چنیں برآں حضرت نماز سے کر رہے امام در روز دو شنبہ و شب سے شنبہ تا صبح و روز
سے شنبہ تا شام۔ تا آنکہ خورد، و بزرگ مرد و زن، از اہل مدنیہ و اہل اطراف مدنیہ بر
آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم چنیں نماز کر رہے۔

(حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ص ۸۶۶، ج ۲، باب ۶۳، طبع قدیم لکھنؤ)

حاصل یہ ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس دس مہاجرین اور
دس دس انصار کو (حجرہ شریفہ) میں داخل کیا جو نماز جنازہ ادا کرتے تھے اور (حجرہ

شریفہ سے) باہر آ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ مہاجرین و انصار میں سے ایک بھی فرد باقی نہ رہا جس نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز ادا نہ کی ہو۔

اور حیات القلوب کی عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:

یعنی امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: جنازہ نبوی ﷺ کی صورت یہ کی گئی کہ دس دس افراد نماز جنازہ کے لیے حجرہ میں داخل ہوں اور بغیر امام کے نماز ادا کریں۔ سوموار کے روز اور منگل کی شب صبح تک اور منگل کے روز شام تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بڑے مرد عورت اہل مدینہ اور اہل اطراف مدینہ تمام لوگوں نے آپ کی اسی طرح نماز جنازہ ادا کی۔

مختصر یہ ہے کہ شیعہ کے ائمہ اور مجتہدین کی معتبر روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اس موقع پر حاضر تمام مہاجرین اور تمام انصار اور تمام اہل مدینہ سب کے سب نے جنازہ نبوی ﷺ میں شرکت کی اور اس فضیلت سے کوئی بھی محروم نہیں رہا۔ ان حضرات میں شیخین رضی اللہ عنہما بھی آگئے اور ان کا جنازہ نبوی میں شمول یقیناً پایا گیا کیونکہ ان حوالہ جات میں شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں کوئی استثناء مذکور نہیں۔ ان حقائق کے باوجود اگر کوئی شخص اپنے تجویز کردہ طعن پر قائم رہتا ہے تو یہ ضد اور عناد ہے، جس کا کوئی علاج نہیں۔

آخری بات

اس چیز کی اطلاع کر دینا مناسب ہے کہ عدم شرکت جنازہ کے طعن کا جواب ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں انتقال نبوی ﷺ کے حالات کے تحت ص ۱۳۲ تا ۱۳ ذکر کر دیا تھا لیکن یہاں اس مسئلہ میں کچھ زیادہ تفصیل ذکر کر دی ہے تاکہ ناظرین کے لیے باعث اطمینان ہو سکے اور معلومات میں اضافہ ہو۔

کانت بیعہ ابی بکر فلتہ کا طعن

مخالفین صحابہ (شیعہ) کی طرف سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت خلافت کے متعلق یہ طعن کیا جاتا ہے کہ آل موصوف رضی اللہ عنہ کی بیعت بے سوچے سمجھے اور اچانک واقع ہوئی اور اس میں مشورہ نہیں کیا گیا اور ان کو بغیر دلیل کے خلیفہ بنا دیا گیا۔

پس ابو بکر کی خلافت مبنی بر حقانیت نہیں اور یہ امام برحق نہیں۔

الجواب

مخالفین صحابہ نے اس طعن کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک قول کانت بیعہ ابی بکر فلتہ وقی اللہ شرھا کو بنایا ہے۔
اس طعن کے متعلق ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن کی وضاحت کے بعد اس طعن کا جواب تمام ہو جائے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا قول کا مفہوم ابو عبید القاسم بن سلام (المتوفی ۲۲۴ھ) نے اپنی تصنیف ”غریب الحدیث“ میں عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

انما معناه البغته - وانما عوجل بها مبادرہ لانتشار

الامر والشقاق حتى لا يطمع فيها من ليس لها بموضع
وكانت الفلتة هي التي وقى الله بها الشر المخوف -

(غریب الحدیث لابی عبید القاسم الہروی ص ۲۳۱-۲۳۲ جلد ثانی، طبع حیدرآباد دکن)
اور ایک دیگر مقام میں اس مضمون کو اس طرح لکھا ہے کہ

اما قوله فلتة فان معنى الفلتة الفجاء - وانما كانت
كذلك لانه لم ينتظر بها العوام انما ابتدرها اكابر
اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم من المهاجرين
عامته الانصار الى تلك الطيرة التي كانت من بعضهم
ثم اصفقوا له كلهم لمعرفتهم ان ليس لابي بكر منازع
ولا شريك في الفضل ولم يكن يحتاج في امره الى نظر ولا
مشاوره فلهذا كانت فلتة وبها وقى الله الاسلام واهله
شرها -

(غریب الحدیث لابی عبید القاسم بن سلام الہروی ص ۳۵۷-۳۵۸ جلد ثالث، طبع
حیدرآباد، دکن، اسی مضمون کے قریب القائق للزمخشری ص ۱۳۶ جلد ثانی تحت القاء
مع لام میں مذکور ہے، اور ابن تیمیہ نے منہاج السنہ ص ۱۱۸ جلد ثالث میں، نیز
الذہبی نے اپنی تصنیف المستقی میں ص ۳۳۸ پر اپنی اپنی عبارات میں یہی مضمون
درج کیا ہے)

مندرجہ بالا ہر دو عبارات کا حاصل یہ ہے کہ

لفظ فلتہ کا معنی بغتہ (اچانک ہوتا ہے) اور اس موقع پر بیعت کے معاملہ
کو انتشار و انشقاق سے بچانے کی خاطر جلدی کی گئی تاکہ اس منصب کے لیے نااہل
فخص و ناقابل فرد طمع و امید نہ رکھے۔

اور اس میں عوام کا انتظار نہیں کیا گیا (اس بنا پر اس بیعت کو "فلتہ" سے
تعبیر کیا گیا) اور اکابر مهاجرین و عموماً انصار نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے

ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اس بنا پر وہ جانتے تھے کہ آں موصوف رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کوئی تنازع کرنے والا نہیں اور ان کی فضیلت کے برابر کا کوئی شریک نہیں اور آپ کی شخصیت اس معاملہ میں تفکر اور مشاورت کی محتاج نہیں۔ اس بنا پر یہ معاملہ جلدی سے طے ہوا اور اسلام اور اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اختلاف کے شر سے بچا لیا جس کا خطرہ و خوف ہو سکتا تھا۔

اور اسی طرح شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تصنیف ”تحفہ اثنا عشرہ“ تحت طعن نہم۔ مذکورہ بلا طعن کا جواب مفصل ذکر کیا۔

کہ معنی (وقی اللہ المومنین شرھا) ہمیں است کہ خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ ہر چند بعجلت واقع شد در سقیفہ بنی ساعدہ بملاحظہ پر خاش انصار و فرصت مشورہ ہا و مراجعت ہائے طویل نیافتہ لکن آنچہ ازیں عجلت خوف پیداشد کہ بیعت بجائے خود نیفتد و مالا لاق بر منصب امامت مستولی گردد۔ بہ عنایت ربانی واقع تشدو حق مرکز قرار گرفت۔

و ظاہر است کہ مراد عمر رضی اللہ عنہ، ایں نیست کہ بیعت ابی بکر رضی اللہ عنہ صحیح نبود و خلافت او درست نشد۔ زیر آنکہ عمر رضی اللہ عنہ و ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہمیں دو کس اند کہ اول بابو بکر الصدیق در شقیفہ بیعت نموده اند بعد ازاں دیگران۔ و ہر دو در آں وقت در حق ابو بکر، گفتہ اند کہ انت خیرنا و افضلنا و ایں کلمہ ایشاں را جمیع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نکرده بلکہ مسلم داشته۔ پس خیریت و افضلیت ابو بکر رضی اللہ عنہ نزد جمیع صحابہ رضی اللہ عنہ مسلم الثبوت و قطعی بود۔

(تحفہ اثنا عشرہ از شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ص ۱۷۹ تحت طعن نہن باب مطاعن ابو بکر الصدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طبع لاہور)

مندرجہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ

”کلمہ وقی اللہ المومنین شرھا“ کا مفہوم یہ ہے کہ ابو بکر الصدیق

رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کا انعقاد سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے تنازع اور

اختلاف کے پیش نظر جلدی میں واقع ہوا اور مشوروں میں فرصت اور مراجعت طویل نہیں پائی گئی۔ لیکن اس معاملہ میں جلدی کرنے میں جو خطرہ اور خوف تھا کہ بیعت اپنی جگہ پر نہ پائی جائے اور نا اہل اس منصب پر مسلط ہو جائے تو عنایت ربانی سے وہ واقع نہ ہوا۔ (اور رفع ہو گیا) اور امر حق اپنے مرکز پر قرار پایا۔

اور ظاہر ہے کہ اس کلمہ مذکورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بیعت صحیح نہ تھی اور ان کی خلافت درست نہ تھی۔

وجہ یہ ہے کہ

(۱) سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اول اول بیعت کرنے والے دو شخص تھے ایک خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد دیگر حضرات نے بیعت کی تھی۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس موقع پر (حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ) دونوں بزرگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ کلمات استعمال کیے کہ

انت خیرنا و افضلنا۔ یعنی اے صدیق! آپ ہم سب میں سے بہتر اور افضل ہیں۔

اور مہاجرین و انصار جو وہاں موجود تھے، انہوں نے ان کلمات کا انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا۔

تو اس صورت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خیر اور افضل ہونا تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسلم اور یقینی ہوا۔

فائدہ

مذکورہ کلمات جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں

فرمائے ہیں۔ یہ بخاری شریف جلد اول باب فضل ابی بکر ص ۵۱۸ میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہیں کہ

بل نبایعک فانت سیدنا وخیرنا واحبا الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔

خلاصہ الکلام

معرض دوستوں نے جو اس موقعہ کے ”جملہ“ کو سامنے رکھ کر طعن پیدا کیا، وہ سراسر بے جا اور بے محل ہے۔

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کلام سے یہ قصد ہی نہیں تھا کہ بیعت بے موقعہ اور بے سوچے سمجھے ہوئی ہے اور خلیفہ کے نااہل ہونے کے باوجود اس کا فوری انتخاب کر لیا گیا، پس یہ خلیفہ برحق نہیں۔

بلکہ انہوں نے اس موقع کی حقیقت حال کو اس جملہ میں بیان کیا کہ مسئلہ بیعت میں جلدی کی گئی تھی تاکہ مختلف آراء کھڑے ہونے سے اس میں پیچیدگی نہ واقع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اختلاف کے شر سے اسلام اور اہل اسلام کو بچالیا اور خلیفہ کا صحیح انتخاب جلد ہو گیا اور منتخب خلیفہ اس منصب کے اہل تھا۔ اس بنا پر جمہور اہل اسلام نے اسے بخوشی قبول کر لیا اور اس موقعہ پر ہنگامہ آرائی نہیں پیش آئی۔ یہی چیزیں انتخاب کے صحیح ہونے کی دلیل ہیں۔

رفع شبہ کے طور پر یہاں یہ ذکر کر دینا مفید ہے کہ اس مقام کی بعض روایات میں صحابہ کا باہم تنازع کرنا اور دست و گریباں ہونا اور تلواریں سونت لینا وغیرہ پایا جاتا ہے۔۔۔ وہ ہرگز صحیح نہیں۔ ایسی روایات کی حیثیت تاریخی ملغوبات سے زیادہ کچھ نہیں اور وہ روایات اہل فن کے نزدیک مجروح و مقدوح ہیں اور ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کا طعن

ایک سوال: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین کی طرف سے یہ سوال قائم کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانعین زکوٰۃ (مثلاً ثعلبہ و ثقیف وغیرہ) کو زکوٰۃ چھوڑ دی تھی اور زکوٰۃ نہ دینے پر جنگ نہیں فرمائی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال اور جہاد کیا۔ یہ طریقہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل کے خلاف ہے۔

اس اعتراض کے لیے ذیل روایت پیش کی جاتی ہے۔ مثلاً

عن وهب سالت جابرا عن شان ثقیف ازبایعت قال
اشترطت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا
صدقہ علیہا ولا جہاد۔۔۔ (الخ)

(البدایہ لابن کثیر ص ۳۰، ج ۵، تحت قدوم وفد ثقیف علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی رمضان من سنہ تسع)

الجواب

سوال ہذا اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس کے جواب کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں ملاحظہ فرمائیں، ان سے اعتراض مرتفع ہو سکے گا۔

(۱) اصل بات یہ ہے کہ ثقیف کی طرف سے مذکورہ شرط لگانا باہم گفتگو کے ابتدائی مرحلہ کے درجہ میں ہے لیکن یہ ان کی شرط علی الدوام تسلیم نہیں کر لی گئی

تھی۔ قرینہ یہ ہے کہ خود اسی روایت میں مندرجہ ذیل الفاظ موجود ہیں۔۔۔

سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول بعد فالك
لعلنی مطلب یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ یہ
سیتصدقون ویجاہدون انا
لوگ جب اسلام لے آئیں گے تو صدقات
بھی ادا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔
اسلموا۔

یعنی یہ عارضی طور پر نفی صدقہ اور نفی جہاد کی شرطیں لگا رہے ہیں۔ اسلام
کے رائج ہونے کے بعد یہ صدقات ادا کریں گے، جہاد میں بھی شامل ہوں گے۔

(۲) جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قبائل مرتد ہو گئے اور
بعض قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نماز پڑھیں گے، لیکن
زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ ان حالات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے عزم مستقیم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ منعونی عقلاً لجاهدہم۔

(۱) البدایہ لابن کثیر ص ۳۱۲ ج ۶ تحت فصل فی تصدیق الصدیق رضی اللہ عنہ، لقتال اہل الروۃ۔

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۹۵ کتاب الزکوٰۃ فصل ثالث۔

یعنی جو عہد نبوت میں زکوٰۃ دیتے تھے، اگر وہ مثلاً ایک رسی بھی روک رکھیں
گے تو ہم ان کے خلاف جہاد کریں گے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اور حاکم وقت تھے۔ ان کے فرائین کی اطاعت اہل
اسلام پر واجب تھی۔ مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کرنا اپنی جگہ صحیح اور درست تھا اور
بعض حضرات جو اس وقت اس مسئلہ میں رعایت کرنے کی رائے رکھتے تھے، وہ
آخر کار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ متفق ہو گئے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ،
ص ۱۳۶-۱۳۷ ج ۳، تحت الحدیث) اور مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کو درست قرار دیا۔ یہ
مسئلہ اپنے مقام پر واضح طور پر مذکور ہے۔

اکابر صحابہ کرام میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت
صدیق کی اس رائے کے ساتھ ہمنوا ہو گئے تھے اور قتال ہذا کرنے کے لیے آمادہ

ہو گئے۔ اسی موقعہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جوش میں آکر اپنی سواری منگوائی اور قتال ہذا پر جانے کے لیے خود نکل پڑے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے آنجناب رضی اللہ عنہ کی سواری کی باگ تھام لی اور فرمایا کہ آپ خود تشریف نہ لے جائیں بلکہ اس مہم پر دوسرے لوگوں کو روانہ کر دیں۔

عن عائشہ قالت خرج ابی شاهر اسيفه راكبا علی راحلته الی وادی القصه فجاء علی بن ابی طالب واخذ بزمام راحلته فقال الی این؟ یا خلیفہ رسول اللہ اقول لک ما قال رسول اللہ یوم احد لم سیفک ولا تفجنا بنفسک فواللہ لان اصبنا لک لا یكون للاسلام بعلک نظام ابدا فرجع وامضی الحیش۔

(البدایہ للین کثیر ص ۳۱۵ ج ۶ تحت خروج الی ذی القصہ)

مختصر یہ ہے یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت باقی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مسئلہ پر متفق ہو گئے تھے کہ مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کیا جائے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا عملی اقدام صحیح ہوا۔

سُنّت نبوی اور فرمان نبوی کے خلاف نہیں تھا، فلذا معترض کا اعتراض بے جا ہے۔
”جوامع السیرہ لابن حزم الظاہری“ میں ایک قول لکھا ہے، وہ بھی اس موقعہ پر پیش نظر رہے۔

وقد قال قوم ان ثعلبہ بن حاطب منع الزکوة فنزلت فیہ (ومنہم من عاہد اللہ لئن اتانا من فضلہ لنصدقن) (الایات) وهذا باطل۔ لان شہودہ بدرا یبطل نالک بلا شک۔

(جوامع السیرۃ لامام ابن حزم الظاہری ص ۹۷ تحت تسمیہ، من شہد بدرا الخ مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گمر جاکہ ضلع گوجرانوالہ)

روایت مذکورہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ
ایک قوم نے کہا کہ جب ثعلبہ بن حاطب نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو
اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (ومنہم من عاہد۔۔۔ الخ یعنی وہ لوگ جنہوں
نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے گا تو ہم
ضرور صدقہ دیں گے)

یہ چیز باطل ہے کیونکہ ثعلبہ بن حاطب کا بدری صحابہ میں سے ہونا بلا شک اس
چیز کو باطل کرتا ہے۔



جیش اسلامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے متعلق طعن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والوں نے یہ طعن قائم کیا ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ صفر ۱۱ھ میں رومیوں کے خلاف اہل اسلام کا ایک لشکر مرتب فرمایا اور اس لشکر اسلامی کو اسلامہ بن زید کی سربراہی میں روانہ کرنے کا حکم فرمایا۔

بقول ابن مطر حلی شیعہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ

انفذوا جیش اسامہ۔ لعن
اللہ المتخلف عن جیش
اسامہ و کانت الثلاثہ معہ۔
ومنع ابوبکر عمر من ذالک۔
یعنی اسلامہ بن زید کے لشکر کو نافذ اور
جاری کرو اور جو شخص جیش اسلامہ میں
شمولیت سے پیچھے رہ جائے گا اس پر اللہ کی
لعنت ہوگی اور اس جیش میں تینوں حضرات
(ابوبکر و عمرو عثمان رضی اللہ عنہم) ساتھ
تھے، پھر ابوبکر نے عمر رضی اللہ عنہ کو اس جیش کے
ساتھ جانے سے منع کر دیا۔

مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعتراض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لشکر ہذا کو روانہ کرنے میں کوتاہی کی۔ خود بھی نہ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی روک لیا۔ یہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکید فرماں کی صریح خلاف ورزی اور مخالفت کی۔

الجواب

اس اعتراض کے جواب میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں، ان سے طعن ہذا مرتفع ہو سکے گا۔

روایت ہذا میں جو یہ کلمات پائے جاتے ہیں کہ: لعن اللہ من یتخلف عنہا۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ کلمات صحیح نہیں اور روایت میں کسی کی طرف سے یہ کلمات اضافہ شدہ ہیں۔

اگر ان کلمات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کئی قسم کی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی جیش اسلامہ میں شامل نہیں ہو سکے۔ فلذا ان کے حق میں مذکورہ کلمات کس طرح درست ہوئے؟

نیز یہ بات قتل توجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری اوقات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے حکم فرمایا اور انہوں نے حکم کی تعمیل میں نماز کی امامت کرائی اور بعد از انتقال نبوی ﷺ منصب خلافت کے لیے صحابہ کی طرف سے منتخب ہوئے۔ اندریں حالات آنمو صوف رضی اللہ عنہ جیش اسلامہ میں کس طرح شامل ہو سکتے تھے؟

ان قرائن کی بنا پر علمائے کرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ روایت میں لعنت کے کلمات صحیح نہیں۔

نیز یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تنفیذ جیش اسلامہ کے سلسلہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی کی۔

کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیش اسلامہ کو بغض کیا اور روانہ فرمایا اور یہ چیز متعدد روایات میں متقول ہے۔ ذیل میں صرف ایک روایت پیش کی جاتی ہے:

ان ابابکر لما (صمم) علی تجهیز جیش اسامہ قال
 بعض الانصار لعمر: قل له فلیومر علینا غیر اسامہ ف ذکر
 له عمر ذالک فیقال: انه اخذ بلحیته وقال ثکلتک امک
 یا ابن الخطاب او مر غیر امیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم؟ ثم نهض بنفسه الی الجرف فاستعرض جیش
 اسامہ وامر بالمسیر و سار معهم واسامہ راکبا۔
 وعبدالرحمن بن عوف یقود براجلہ الصدیق۔ فقال
 اسامہ یا خلیفہ رسول اللہ! اما ان ترکب و اما ان انزل۔ فقال
 واللہ! لست بنازل ولست براکب، ثم استطلق الصدیق
 من اسامہ عمر بن الخطاب۔ وکان مکتبا فی جیشہ
 فاطلقہ لہ۔ فلہذا کان عمر لا یلقاہ بعد ذالک الا قال
 السلام علیک ایہا الامیر۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۳۰۵ ج ۶ تحت فصل فی تنفیذ جیش اسامہ بن زید، ۱۱ھ)

نوٹ: خلیفہ ابن خیاط نے بھی اپنی تاریخ میں ص ۶۵ ج ۱ پر درج کیا ہے کہ
 امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق نے امیر جیش اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اجازت لے
 کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا تھا۔

روایت مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیش اسامہ کی تیاری کا پختہ ارادہ کر لیا تو بعض
 انصار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کہیں کہ ہم پر
 اسامہ کے سوا کسی دوسرے شخص کو امیر بنا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذکر کی۔۔۔ جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
 نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔۔۔ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
 مقرر کردہ امیر کے بغیر کسی دوسرے شخص کو امیر مقرر نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ خود جرف کے مقام پر جا پہنچے اور جیش اسامہ کے سامنے پہنچ کر اسے روانگی کا امر فرمایا اور خود ان کے ساتھ پایادہ چل پڑے جبکہ اسامہ سوار تھے۔ عبدالرحمن بن عوف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی سواری کو کھینچے جا رہے تھے۔ اس وقت اسامہ نے کہا یا خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ سواری پر سوار ہو جائیں یا میں اپنی سواری سے اترتا ہوں۔ تو حضرت صدیق نے فرمایا اللہ! نہ تم سواری سے اترو اور نہ میں سوار ہوتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے عمر بن الخطاب کو جیش سے واپس مانگ لیا حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام جیش کی فہرست میں درج تھا۔ پس اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپسی کی اجازت دے دی۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب بھی اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات ہوتی تو یوں کہا کرتے:

السلام علیک ایہا الامیر!

مندرجات مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کی بلکہ جیش اسامہ کو لوگوں کے منع کرنے کے باوجود پوری تیاری کے ساتھ روانہ فرمایا اور جیش اسامہ کی روانگی کو ہرگز موقوف نہیں کیا۔۔۔ نیز واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیش اسامہ سے از خود متعلق نہیں رہے تھے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جناب اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کی باقاعدہ اجازت سے واپس لے لیا تھا۔ فلذا معترض لوگوں نے عدم تنفیذ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کیا، وہ غلط ہے اور واقعات کے برخلاف ہے۔



لہ الحمد وعلیہ السلام

مالک بن نویرہ کے قتل کا اعتراض اور اس کی وضاحت

مخالفین صحابہ رضی اللہ عنہ نے اس مقام میں مالک بن نویرہ کے قتل کا واقعہ نقل کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دونوں پر اعتراض وارد کیا ہے۔ اعتراض کی یہ شکل قائم کی ہے کہ مالک بن نویرہ مسلمان اور صحابی رسول تھا اور اس کے ساتھی بھی مسلمان تھے۔ ان سب کو خالد بن ولید نے زکوٰۃ نہ دینے کے بہانے سے قتل کر ڈالا اور اس کی بیوی جو کہ حسینہ جمیلہ تھی، اس موقع پر عدت گزارنے کے بغیر اس کے ساتھ شب باشی کی۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ کے ہاں یہ واقعہ پیش ہوا تو حضرت ابوبکر نے اس سے نہ قصاص لیا اور نہ اس کے قتل کا بدلہ دلویا اور نہ اس پر حد شرعی لگائی، حالانکہ قصاص کا لینا اور حد کا جاری کرنا ابوبکر پر شرعاً واجب تھا۔

گویا کہ دونوں حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض مشترک قائم کیا جاتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ طلحہ بن خویلد اسدی (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا) کی

مہم سے جب خالد بن ولید واپس لوٹ تو علاقہ ”بطاح“ کی طرف توجہ کی اور فوجی دستوں کو اس کے اطراف و جوانب میں بھیجا اور شرعی قاعدہ یہ سامنے رکھا کہ ”جس قوم میں اذان کی آواز سنائی دے تو ان پر حملہ اور غارت نہ کی جائے اور اگر وہاں اذان کی آواز سنائی نہ دے تو اس مقام کو دارالحرب قرار دے کر ان پر حملہ کر دیا جائے۔“

اس موقع پر ابو قتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ میں نے اذان کی آواز سنی ہے جبکہ دیگر اہل سریہ اور جماعت والوں نے اس کے خلاف بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے یہاں کوئی اذان کی آواز نہیں سنی۔ دوسری چیز یہاں یہ پائی گئی کہ اس مقام کے گرد و نواح میں رہائش پذیر لوگوں نے خبر دی کہ جناب نبی کریم ﷺ کے انتقال کی جب یہاں خبر پہنچی تو:

”ہنگام استماع خبر قیامت اثر وفات	یعنی مالک بن نویرہ کے اہل خانہ نے
جناب پیغمبر علیہ السلام زنان خانہ اس مالک	بطور خوشی اور اہل اسلام کی شہادت کے
بن نویرہ حنا بندی و دف نوازی و دیگر	حنا بندی کی اور دف بجائی اور دوسرے
لوازم فرحت و شادی بجا آورده شہادت	فرحت و انبساط کے لوازم بجالائے۔
اہل اسلام نمودہ بودند۔“	

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۶۳ تحت مطاعن صدیقی طعن دوم)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پیش نظر ان لوگوں کے ارتداد کی مذکورہ علامات بھی تھیں۔ اور اس موقع پر مالک بن نویرہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا اور ان سے گفتگو کی تو اس وقت مالک بن نویرہ نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ الفاظ (قال رجلکم اور صاحبکم کذا) استعمال کیے (یعنی تمہارے آدمی یا تمہارے ساتھی) اس دور میں کفار اور مرتدین کا یہی شیوہ تھا جو اس نے اپنے کلام میں اختیار کیا۔ نیز اس سے قبل یہ بات منتفی ہو گئی تھی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر وہ صدقات جو مالک بن نویرہ نے

اپنی قوم سے جمع کیے تھے وہ اس نے اپنی قوم کو واپس دے دیئے اور کہا کہ
وگفت بارے از موت این شخص خلاص شدید۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۶۳)
یعنی اے قوم! اس شخص کی موت سے تمہاری خلاصی ہو گئی۔
مذکورہ بالا وجوہ اور واقعات کے پیش نظر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ
اور اس کی قوم کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس موقع پر ابو قتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس
مسئلہ میں اختلاف کیا اور کہا کہ ان لوگوں کو قتل نہ کیا جائے، مگر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ان لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد ابو قتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں حضرت ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خالد بن ولید کے خلاف رائے دی کہ مالک بن
نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنا صحیح نہیں تھا۔

اس پر جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو اپنے ہاں طلب فرمایا اور
ان سے تمام پیش آمدہ احوال استفسار کیے۔ جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو آپ نے
خالد بن ولید کو حق بجانب معلوم کیا۔ اس بنا پر آپ خالد بن ولید کے احوال کے
متعلق معترض نہ ہوئے اور ان کو امیر الامراء کے منصب پر بحال رکھا، چنانچہ تحفہ اثنا
عشریہ میں ہے کہ

”چوں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خالد را بحضور خود طلبید و از وی استفسار حال
ماجر امن و عن ظاہر شد و حق بجانب خالد دریافتہ معترض حال او نشد و او
را باز بہ منصب امیر الامراء بحال فرمود۔“

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۶۳، تحت مطاعن صدیقی طعن دوم)

اور بعض اکابر علماء اس مقام میں مندرجہ ذیل روایت ذکر کرتے ہیں:

عن سالم عن ابیہ (عبد اللہ بن عمر) قال قدم ابو قتادہ
علی ابی بکر فاخبرہ بمقتل مالک واصحابہ فجزع من

ذالك جزعا شديدا فكتب ابوبكر الى خالد فقدم عليه
فقال ابوبكر هل يزيد خالد على ان يكون تاول فاحطاء
ورد ابوبكر خالدا وودي مالک بن نویرہ وودی السبی
والمال۔

عن ابن اسحاق قال دخل خالد على ابی بکر فاخبره
الخبر فاعتذر اليه فعذره۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰ھ) ص ۷۰، جلد اول، طبع جدید، نجف اشرف
عراق، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد اول، ص ۲۷۱ تحت خالد بن ولید)

مطلب یہ ہے کہ ابو قتادہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انہیں
مالک اور ان کے ساتھیوں کے قتل کی خبر دی۔ اس خبر کی بنا پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
بہت گھبرائے اور خالد کو مکتوب کے ذریعے طلب کیا۔ پس خالد بن ولید حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے (اور تمام واقعہ ذکر کیا اور حقیقت حال بیان کی)
تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حالات معلوم کر کے یوں فرمایا کہ اس بات سے زیادہ
کچھ نہیں کہ خالد نے تاویل کی اور اس سے خطا سرزد ہوئی۔ اس کے بعد حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خالد کو ان کے منصب پر واپس کر دیا اور مالک بن نویرہ کی ویت بیت
المال سے ادا کر دی اور قید شدہ افراد کو واپس کر دیا اور اخذ کردہ مال لوٹا دیا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ خالد بن ولید جناب ابو بکر صدیق کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات کی خبر دی اور عذر پیش کیا۔ جناب ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ نے ان کی معذرت قبول کرتے ہوئے معذور قرار دیا۔

اس موقع پر کبار علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں خطا کر جانے کے متعلق وہی طریقہ اختیار کیا
جس طرح جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ
اس طرح ہے کہ

فتح مکہ کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ فرمایا کہ ان کو اسلام کی طرف بلائیں اور دعوت دیں اور اس وقت اس قبیلہ والوں نے بجائے اس کے کہ وہ ”اسلمنا“ (ہم اسلام لائے) کہیں تو وہ کہنے لگے صباثنا صباثنا (یعنی ہم نے دین کو چھوڑا) ان لوگوں کی مراد یہ تھی کہ ہم نے قدیم دین کو چھوڑا اور ہم اسلام لائے۔۔۔ الخ۔ تو اس وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو ان الفاظ کی بنا پر بعض کو قتل اور بعض کو قید کر لیا۔ اس اسلامی جیش میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور خالد نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے اس پر جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور میرے ساتھی بھی قتل نہیں کریں گے، حتیٰ کہ ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔

پس ابن عمر رضی اللہ عنہ، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا ذکر کیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دوبار فرمایا:

اللهم انی ابراء الیک مما صنع خالد مرتین۔
یعنی اے اللہ! میں اس فعل سے بری ہوں جو خالد نے کیا ہے۔

(رواہ البخاری)

(مشکوٰۃ شریف ص ۷۳۳، تحت باب حکم الاسراء، الفصل الثالث بحوالہ البخاری، طبع نور محمدی، دہلی)

جناب خالد بن ولید سے ان کے کلمہ سمجھنے میں خطا ہوئی تھی اور اس پر انہوں نے قبیلہ خزیمہ کے بعض لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔

اس مقام میں شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ

”ویر خالد رضی اللہ عنہ قصاص جاری نہ فرمود و نہ از دویست دہانید ویرا کہ شبہ کفر

بخطارش افلا۔ پس اگر ابو بکر صدیق نیز بابت خون یک کسے بمثل اس شبہ بلکہ قوی تر ازاں با خالد رضی اللہ عنہ تعرض نہ نماید چہ بدی کردہ باشد۔ علی الخصوص کہ ابو بکر ویت مالک ہم از بیت المال دہانید۔“

(تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز ص ۹۶۴ تحت مطاعن صدیقی، طعن دوم، طبع لاہور) یعنی اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کے شبہ بلکہ قوی تر شبہ کی بنا پر خالد کے ساتھ تعرض نہیں کیا تو کوئی بری بات نہیں کی۔ خاص طور پر جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے مالک بن نویرہ کی ویت یعنی خون بہا دلوا دیا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبہ کی بنا پر خالد رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا تھا۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی واقعہ میں خالد سے قصاص نہیں لیا تو صدیق اکبر نے اسوۂ حسنہ نبوی کے موافق عمل کیا۔

نیز واضح رہے کہ مسئلہ ہذا کے اس مضمون کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ”قرۃ العینین“ میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

بالجملہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ را در درأ قصاص از خالد رضی اللہ عنہ اسوۂ حسنہ است بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در قصہ صبا تا صبا تا و اس مسئلہ اجتہادیہ است کہ علماء در آں مختلف اند و صدیق بہ حسب اجتہاد خود کار فرمود۔ و ہم چنین است و طیفہ خلیفہ چوں با اجتہاد فقہائے دیگر مخالف شود۔۔۔ الخ۔

(”قرۃ العینین“ از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۲۳۲ تحت قصاص مالک بن نویرہ، طبع مجتبائی دہلی)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح قصہ صبا تا صبا تا میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے قصاص کو ترک کر دیا تھا اور ساقط کر دیا تھا۔ اسی اسوۂ حسنہ کے مطابق جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے قصاص کو ختم کر دیا اور بدلہ نہیں لیا۔

یہ مسئلہ اپنی جگہ مجتہد فیہ ہے اور اس میں علماء مختلف ہیں لیکن صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کے پیش نظر عمل کیا اور خلیفہ کو حق پہنچتا ہے اور وہ صاحب اجتہاد ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں کبار علماء نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ مالک بن نوید مرتد نہیں تھا بے شک اس کے ارتداد کا شبہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ذہن میں جاگزیں تھا اور قاعدہ یہ ہے کہ --- والعصاں تدرئی بالشہات --- الخ یعنی شبہات کی بنا پر قصاص دفع ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر بھی خالد بن ولید اس مسئلہ میں قابل مذمت اور لائق طعن نہیں۔

مسئلہ کی ایک تمثیل

دور نبوت میں خطاء فی الفہم و خطاء فی الاجتہاد کا اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا جسے اہل تراجم نے لکھا ہے کہ

رفاعہ بن زید الجذامی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اسلام لایا اور اس کا اسلام قبول ہوا۔ اس نے مدینہ طیبہ میں کچھ ایام اقامت اختیار کی اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

پھر اس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک تحریر طلب کی جس سے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دے گا، چنانچہ وہ خط لے کر اپنے قبیلہ میں گیا، انہوں نے اجابت کی اور جلدی کی۔

لیکن ادھر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قوم کی طرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو قبل ازیں بھیجا ہوا تھا۔ زید نے اپنی صوابدید کے مطابق ان پر غارت ڈال دی۔ بعض کو قتل کیا اور بعض کو قیدی بنا لیا۔

جب یہ صورت حال پیش آئی تو رفاعہ بن زید مذکور اپنی قوم کے چند ساتھیوں ابو یزید بن عمرو وغیرہ کے ساتھ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا اور مذکورہ بالا مکتوب پیش کیا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قتل و غارت کا جو معاملہ

اس کی قوم کے ساتھ کیا تھا، اس ماجرا کی خبر دی۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مقتولین کے بارے میں کیا کیا جائے؟

تو رفاعہ کے ساتھی ابویزید نے عرض کیا کہ ہمارے لوگ جو زندہ قید میں ہیں، ان کو آزاد کر دیا جائے اور جو قتل ہو چکے ہیں، وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں (یعنی ان کا عوضانہ ہم طلب نہیں کرتے)۔۔۔ تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابویزید نے سچ کہا۔ اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرما کر حکم دیا کہ ان کے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے اور ان سے اخذ شدہ اموال ان کو واپس کر دیئے جائیں۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم صدق ابو يزيد
فبعث النبي صلى الله عليه وسلم عليا رضى الله عنه
الى زيد (بن حارثه) فاطلق لهم من اسره ورد عليهم ما
اخذ منهم -

(طبقات ابن سعد ص ۹۳۸ ج ۷، قسم ثانی تحت رفاعۃ بن زید الجذامی، طبع لیدن)

مختصر یہ ہے کہ جس طرح زید بن حارثہ سے اس واقعہ قتل و غارت میں خطا سرزد ہوئی اور پھر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس کا ازالہ فرمایا۔

اسی طرح صدیقی عہد خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اسی نوع کی خطا سرزد ہوئی اور اجتہادی غلطی ہوئی تو اس کا ازالہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کر دیا۔ اس مقام میں زید بن حارثہ قابل طعن و ملامت نہیں تو خالد بن ولید بھی اسی زمرہ میں شمار ہیں۔

اعتراض کا آخری مرحلہ

آخر میں یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ معترض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خالد بن ولید

نے مالک بن نویرہ کی بیوی کو حق شرعی کے بغیر اپنی تحویل میں لے لیا اور شب ناشی کی تو اس طعن کے متعلق ذیل میں چند چیزیں نقل کی جاتی ہیں:

یہ واقعہ اس مقام میں کبار مورخین نے نہیں ذکر کیا مثلاً خلیفہ ابن خیاط متوفی ۲۴۰ھ نے اس موقعہ کی تاریخ میں مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا واقعہ ذکر کیا ہے لیکن اس کی زوجہ کے تحویل میں لیے جانے کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح مشہور محقق مورخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں خبر البطار و مالک بن نویرہ کے تحت اس واقعہ کو ذکر کیا ہے، لیکن ان میں مالک بن نویرہ کی اہلیہ کو اخذ کرنے کا ذکر تک نہیں کیا۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ اس واقعہ کا یہ حصہ کبار مورخین کے نزدیک کوئی متفق علیہ امر نہیں۔ پھر جن مورخین نے مالک بن نویرہ کی زوجہ کا ذکر کیا ہے مثلاً ابن جریر طبری وغیرہ نے یہ واقعہ لکھا ہے، لیکن وہیں یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ خالد بن ولید نے ام تمیم کو چھوڑے رکھا تاکہ اس کا طہر منقضی ہو جائے۔

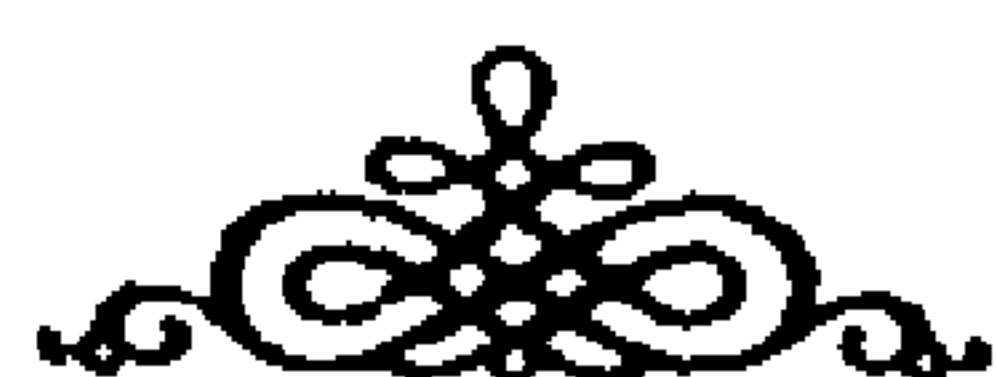
وتزوج خالد ام تمیم ابنہ المنہال وترکھا ینقضی

طہرہا۔۔۔ الخ۔

(تاریخ لابن جریر الطبری ص ۲۷۸، ج ۳، تحت عنوان ذکر البطار وغیر، طبع جدید مصری)

اسلام میں جو خواتین قیدی بنا کر لائی جاتی تھیں، ان کے لیے ایک طہر کا گزارنا ضروری ہوتا تھا جسے شرعاً استبراء کہا جاتا ہے اور خالد بن ولید نے اس شرعی قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے مالک بن نویرہ کی زوجہ ام تمیم کو طہر گزارنے کے بعد تزوج میں لیا تھا۔

تنبیہ: تحفہ اثنا عشریہ میں جناب شاہ صاحبؒ نے اس مقام میں طعن ہذا کے جوابات دیگر بھی ذکر کیے ہیں لیکن ہم نے گزشتہ سطور میں مختصر سا جواب ذکر کیا ہے جو ازالہ طعن کے لیے کافی وافی ہے۔



اعترافِ خطاء و ذنوب کا طعن

مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر یہ طعن تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ خلافت کے اہل نہیں تھے۔

کیونکہ وہ اپنے خطبات اور دیگر کلام میں اقرار کرتے تھے کہ --- ان لی شیطانا یعتربنی --- الخ اور کہتے تھے کہ --- انی لست بخیر کم --- الخ۔

فلذا اس نوع کے کلام سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے اقرار کے مطابق خلافت کے اہل نہیں تھے۔

ابن مطہر علی نے منہاج الکرامہ میں اس طعن کو بالفاظ دیگر تحریر کیا ہے:

منہا ما ردوہ عن ابی بکرانہ قال علی المنبران النبی صلی اللہ علیہ وآلہ کان یعتصم بالوحی، وان لی شیطانا یعتربنی فان استقامت فاعینونی وان زغت فقومونی --- الخ۔

وکیف یحوز امامہ من یتعین بالرعیہ علی تقویم

مع ان الرعیہ تحتاج الیہ۔

روایت مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ منبر پر بیٹھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ساتھ (اللہ کی رسی کو) مضبوط پکڑتے اور میرے لیے شیطان ہے جو مجھے عارض ہوتا ہے۔ اگر میں دین میں استقامت اختیار

کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے درست اور سیدھا کر دینا۔۔۔ الخ۔

ابن مطہر حلی کہتا ہے کہ جو شخص اپنی تقویم اور درنگی کے لے رعیت کا محتاج ہو حالانکہ رعیت اس کی محتاج ہے، ایسے شخص کی امامت اور خلافت کس طرح جائز ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ غیر معصوم اور مفضول شخص خلیفہ رسول نہیں ہو سکتا اور امامت کا اہل اور خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

الجواب

اگر یہ کلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صادر ہوا ہے اور کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس بات کا اظہار فرما رہے ہیں کہ میں معصوم نہیں اور غلطی سے مامون نہیں ہوں۔ بلکہ تمہیں بہتر بات اور تقویٰ پر تعاون کرنا چاہیے۔

اگر میں طاعت (کتاب و سنت) پر مستقیم رہوں تو میری مدد کرو اور اگر میں طاعت سے چوک جاؤں تو مجھے درست کرو۔

فقال ان استقيمت على الطاعة فاعينوني عليها۔ وان

زغت عنها فقوموني۔

(”المستقى للذهبي“ ص ۳۳۶ تحت مسئلہ ہذا)

اس نوع کا کلام اکابر حضرات سے بعض دفعہ منقول ہے تو اس کا بہتر حل یہ ہے کہ خشیت الہی کے کمال غلبہ کی وجہ سے اس طرح کا کلام ان سے صادر ہوتا ہے۔

دیگر بات یہ ہے کہ

اس نوع کا کلام ائمہ حضرات کے کلام میں شیعہ کتابوں میں موجود ہے، پھر

اس کا جو جواب ذکر کیا جاتا ہے، وہی جواب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام کا بھی ہوگا۔

کتاب الکلبینی میں امام جعفر صادق سے صحیح روایات میں موجود ہے کہ
”ہر مومن را شیطانیت کہ قصد اغوا او دارد۔“

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۷۰ تحت جواب طعن ہشتم (صدیقی))

نیز اس قسم کا کلام جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صادر ہوا ہے، اسی نوع کا کلام
نج البلاغہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

لا تکفوا عن مقالہ بحق او
یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے
مشورہ بعدل فانی لست فی
ہیں، حق بات کہنے میں یا حق بات کا مشورہ
نفسی یفوق ان اخطی ولا آمن
دینے میں تم لوگ مجھ سے باز نہ رہو۔ پس میں
ذالک من فعلی۔
خطا سے برتر نہیں ہوں اور اپنے فعل میں خطا
کر جانے سے میں مطمئن نہیں ہوں۔

(۱) نج البلاغہ ص ۳۳۶، ج اول، من خطبہ لہ علیہ السلام، صفین، طبع مصر۔

(۲) فروغ کافی، جلد سوم، کتاب الروضہ ص ۹۶۵ خطبہ لامیر المومنین علیہ السلام، قدیم طبع لکھنؤ۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

اللہم اغفر لی ما تقربت بہ
یعنی اے اللہ! بخش دے مجھے وہ بات
الیک بلسانی ثم خالفہ
جس سے میں نے تیری طرف اپنی زبان
قلبی اللہم اغفر لی رمزات
سے تقرب حاصل کیا پھر میرے دل نے
الاحاظ وسقطات الالفاظ
اس کا خلاف کر دیا۔ اے اللہ! بخش دے
وشہوات الحنان وهفوات
میرے لیے آنکھوں کے اشارات اور بے
اللسان۔ (نج البلاغہ ص ۱۲۷، ج
ہودہ اور لغو الفاظ اور دل کی شہوات اور
اول، تحت ومن کان یدعو بہا علیہ
زبان کی لغزشیں۔

السلام، طبع، مصر۔

اور امام زین العابدین (علی بن حسین رضی اللہ عنہ) دُعا فرمایا کرتے تھے کہ
 ہا انا ذا یارب مطروح بین یدیک۔ انا الذی او قرت
 الخطایا ظہرہ۔ وانا الذی افنت الذنوب عمرہ، وانا الذی
 بجهله عصاک ولم تکن اھلامنه لناک۔۔۔ الخ۔

(العجیفہ کاملہ سجادیہ ص ۸۳ تحت دعاؤہ اذا استقال من ذنوبہ، تختی خورد، طبع طہران)
 اور ایک دیگر مقام میں فرمایا کہ

واغفر لی ما تعلم من ذنوبی ان تعذب فانا الظالم
 المفرط المضیع الاثم المقصر المضجع المغفل۔۔۔ الخ۔

(العجیفہ کاملہ سجادیہ ص ۳۰۱، تحت دعاؤہ فی التفرغ والاستکاث، تختی خورد، طہران)

(۱) امام زین العابدین اپنی دعا میں اقرار فرماتے ہیں کہ خطایا اور غلطیوں نے میری
 پشت کو بو جھل بنا دیا اور میں وہ شخص ہوں جس کی عمر کو گناہوں نے فنا کر دیا۔ میں وہ
 شخص ہوں جس نے جہالت کی وجہ سے تیری نافرمانی کی۔۔ الخ

(۲) اور بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ

اے اللہ! بخش میرے وہ گناہ جو تو جانتا ہے۔ اگر تو مجھے عذاب دے گا تو میں
 ظالم، حد سے بڑھنے والا، عمر کو ضائع کرنے والا، گنہگار ہوں۔۔۔ الخ۔

نیز جناب امام زین العابدین ایک دیگر دعا میں اعتراف فرماتے ہیں کہ

اللھم اجعل ما یلقی	یعنی اے اللہ! جو کچھ شیطان نے
الشیطان فی روعی من	میرے دل میں تمنی، تمنی اور حسد کے
التمنی والتظنی والحسد	متعلق ڈالا ہے اس کو بھی اپنی عظمت کا ذکر
نکرا لعظمتک وتفکرا فی	بنا دے۔ اور اپنی قدرت میں تفکر بنا
قدرتک وتدبیرا علی عدوک	دے۔۔۔ اور جو کچھ شیطان نے میری زبان
وما اجری علی لسانی من	پر فحش کلمات، بکواس، کسی کی عزت کو گالی،

باطل کی گواہی۔ غیر حاضر مومن کا گلہ اور
حاضر کو برا بھلا کہنا جاری کیا ہے، اس کو اپنے
لئے حمد کا کلام اپنی ثنا کے لئے مبالغہ۔۔۔ بنا
دے۔۔۔ الخ۔ (الصیحو کلمہ سجادۃ، ص ۱۰۶)
تحت دعاؤہ فی مکارم الاخلاق، مخفی خورد، طبع
طهران)

لفظتہ فحش او ہجر او شتم
عرض او شہادہ باطل او
اغتیاب مومن غائب اور سب
حاضر وما اشبه ذالک نطقا
بالحمد لک واغراقا فی
الثناء علیک و ذہابا فی
تمحیک وشکرا نعمتک
واعترافا باحسانک واحصا
لمننک۔۔۔ الخ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ

مندرجہ بالا ائمہ معصومین کے کلام میں جو کلمات وارد ہوئے ہیں، ان میں
ذنوب کا اقرار اور معاصی کا اعتراف کیا گیا ہے اور شیطان کا قلب کو متاثر کرنا بھی
تعلیم کیا گیا ہے جس طرح یہ چیزیں ائمہ معصومین کی صفات میں پائی جائیں اور ان کی
امامت میں موجب جرح و قدح نہیں تو اسی طرح اگر یہ چیزیں حضرت صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ یا دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے کلام میں پائی جائیں تو وہ بھی موجب تنقید و
اعتراض نہیں ہوں گی۔

مختصر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں:

ماہر جوابکم فہو جوابنا۔



فصل دوم

لہ الحمد وعلیہ الصلوہ والسلام

واقعہ قرطاس اور اس کا پس منظر

جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء ثلاثہ اور اہمات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر طعن قائم کرنا کچھ لوگوں کی زندگانی کا محبوب مشغلہ ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مطاعن قائم کرنا ہر دور میں ایسے مولفین و مصنفین کا مرغوب شیوہ رہا ہے۔

اہل السنہ علماء کرام بھی ہمیشہ ان کے جوابات اپنے اپنے دور میں پیش کرتے رہے ہیں۔

چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک وسیع سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی ”یاوِ فاروق“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا گیا ہے، جس میں دیگر مطاعن کے علاوہ قرطاس کا طعن حسب علوت ”بعضو ان حضرت فاروق کی اطاعت، خدا و رسول کا قیاس در ضمن شرح حدیث قرطاس“ نشر کیا ہے۔

آئندہ صفحات میں طعن ہذا کے ازالہ کے لیے کلام کیا گیا ہے اور صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کی طرف سے صفائی پیش کی گئی ہے۔

ایام مرض الوفا

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفا میں کئی اہم واقعات پیش آئے جو محدثین اور اہل سیرت نے اپنے مقام پر مفصل ذکر کیے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ ان واقعات میں کئی وصایا ہیں جو امت کو فرمائی گئیں اور کئی دیگر فرائین بھی پائے جاتے ہیں جو مختلف ضرورتوں کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے۔

اور بعض اقوال بعض مخصوص لوگوں کے لیے بھی صادر فرمائے مثلاً اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشادات اور ازواج مطہرات اور اہل بیت کے حق میں بھی کئی فرائین منقول ہیں جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقالات پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

(۱) طبقات ابن سعد ص ۱۰ تا ۲۸ جلد ثانی قسم ثانی تحت حالات مرض الوفا طبع لیڈن۔

(۲) دلائل النبوة للسیوطی جلد سابع (۷) تحت مرض الوفا۔

(۳) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ص ۲۰۱ تا ۲۰۵ جلد (۹) طبع مکتبہ اثریہ۔

(۴) البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد خامس تحت حالات وفات نبوی ﷺ۔

اندریں حالات ایک دیگر واقعہ پیش آیا جسے ”قرطاس کا واقعہ“ کہتے ہیں۔

یہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفا کے دوران بروز پنج شنبہ (یوم الخمیس) عشرہ اول ربیع الاول ۱۱ھ کو پیش آیا۔

اور اس کے بعد آنے والے دو شنبہ (سوموار) کو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفق اعلیٰ کے ساتھ واصل ہوئے اور اس جہان فانی سے انتقال فرمایا۔

واقعہ قرطاس کا اختصار

واقعہ قرطاس کے متعلق مختلف مرویات میں سے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ

عنه کی ایک روایت ذیل میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے جس سے اصل واقعہ قرطاس کا ایک اجمالی (نقشہ) سامنے آتا ہے اور حقیقت واقعہ کی طرف صحیح رہنمائی حاصل ہوتی ہے ”اور اس روایت میں افراط و تفریط نہیں پائی گئی۔“

یہ روایت محدث ابی یعلیٰ الموصلی متوفی ۳۰۷ھ نے اپنی تالیف مسند ابی یعلیٰ میں بالفاظ ذیل نقل کی ہے:

سفيان بن عيينه عن
سليمان الاحول عن سعيد بن
جبير عن ابن عباس قال: يوم
الخميس وما يوم الخميس
يوم اشتد برسول الله صلى
الله عليه وسلم وجعه - فقال
ايتوني اكتب لكم كتابا لا
تضلون بعده فتنازعوا - ولا
ينبغي عند النبي تنازع قال
دعوني فما انا فيه خير مما
تسئلوني عنه - قال امرهم
بثلاث قال اخرجوا
المشركين من جزيرة العرب
واجيزوا الوفد - بنحو ما كنت
اجيزهم --- الخ - (مسند ابی یعلیٰ،
ص ۳۲، ج ۳، تحت مسندات ابن عباس
رضی اللہ عنہ، روایت نمبر ۲۳۹۵ طبع بیروت)

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ
کہتے ہیں کہ خمیس کا دن کیا ہے؟ خمیس کا
یوم وہ ہے کہ جس میں جناب نبی اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کا درد شدت اختیار کر گیا
تو اپنے حاضرین مجلس سے آپ نے ارشاد
فرمایا کہ (قرطاس) لاؤ میں تمہیں ایسی چیز لکھ
دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ اس
پر (حاضرین مجلس میں) اختلاف اور تنازع
ہوا جبکہ نبی اقدس کے پاس تنازع مناسب
نہیں۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا: مجھے چھوڑیے، میں جس حالت
میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کے
متعلق تم مجھ سے سوال کرتے ہو، پھر
آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین
چیزوں کے متعلق حکم فرمایا کہ جزيرة العرب
سے مشرکین کو نکال دو اور وفد کے ساتھ
بہتر سلوک کرو۔۔۔ الخ۔

چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فی الوقت تحریر لکھوانے

کے معاملہ کو ملتوی فرما دیا اور کچھ نہیں لکھوایا۔

واقعہ قرطاس کی یہ ابتدائی صورت حال پیش آئی تھی۔

اس کے بعد انہی ایام میں بلکہ اسی یوم النہیس کو ہی سردار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبکہ طبیعت میں کچھ سکون اور راحت محسوس فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں متعدد ضروری امور بیان فرمائے اور ساتھ ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق خاص خاص اہمیت اور فضیلت کے متعلق چیزیں ذکر فرمائیں۔ مثلاً

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ محبت و ہم نشینی اور مال کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل قرار دیتا لیکن دین و اسلام کی دوستی ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ ابو بکر کے دروازہ کے بغیر مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابوبکر، وفی رواہ ولو کنت متخذاً خلیلاً من الناس لا اتخذت ابابکر، لا یبقی فی المسجد باب الاسد الا باب ابی بکر۔ (الاحسان ہر تیب صحیح ابن حبان ص ۲۰۰ ج ۹ تحت مسئلہ ہذا، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۲۹۹، ج ۵، تحت حالات مرض الوفات)

نیز اس موقع پر ابن کثیر نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ

یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر کے درپچہ (چھوٹا دروازہ) کے بغیر مسجد میں کھلنے والے تمام چھوٹے چھوٹے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس میں حضرت ابو بکر

وفی قولہ علیہ السلام سدوا عنی کل خوخہ یعنی ابواب الصغار الی المسجد غیر خوخہ ابی بکر۔ اشارہ الی الخلافہ ای لیخرج منها الی

الصلوہ بالمسلمین - (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۲۳۰، ج ۵، تحت حالات مرض الوفاۃ)

صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لیے اس درپچہ سے مسجد نبوی میں تشریف لایا کریں گے۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

اس موقع پر مسئلہ قرطاس کو حل کرنے کے لیے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ میں وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بعض اہل بدعت شیعہ وغیرہ کو (گزشتہ روایت قرطاس سے) یہ وہم ہوا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کتاب میں فلاں چیز تحریر کرانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یعنی اس سے مراد انہوں نے اپنے مزعومہ مقالات خلافت مرتضوی وغیرہ لیے ہیں۔

یہ ایک متشابہ چیز کے ساتھ تمسک کرنے اور محکم چیز کو ترک کرنے کا رویہ ہے اور اہل السنہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ محکم چیز کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور متشابہ چیز کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں۔

راغبین فی العلم کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں اہل ضلالہ کے اقدام نے لغزش کھائی ہے لیکن ہم اہل سنت کا مذہب حق کی اتباع ہے اور حق جس طرف گھومتا ہے، اہل سنت بھی اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس موقع پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روایت قرطاس میں کتابت کرانے کا وہی ارادہ فرمایا تھا جو دیگر احادیث صحیحہ میں بطور تصریح کے بیان کر دیا ہے اور اس کی مراد کو مکشوف اور واضح فرما دیا ہے۔ گویا کہ یہ خطبہ اس تحریر کے عوض میں تھا جو آپ واقعہ قرطاس میں تحریر کرانا چاہتے تھے (یعنی وہ صدیقی

خلافت کا مسئلہ تھا) چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

وهذا الحديث مما قد توهم به بعض الاغبياء من اهل البدع من الشيعة وغيرهم كل مدع انه كان يريد ان يكتب في ذلك الكتاب ما يرمون اليه من مقالاتهم وهذا هو التمسك بالمتشابه وترك المحكم واهل السنة ياخذون بالمحكم ويردون ما تشابه اليه - وهذه طريقه الراسخين في العلم كما وصفهم الله عز وجل في كتابه وهذا المواضع مما زل فيه اقدام كثير من اهل الضلالات واما اهل السنة فليس لهم مذهب الا اتباع الحق يدورون معه كيفما دار - وهذا الذي كان يريد عليه الصلوة والسلام ان يكتبه قد جاء في الاحاديث الصحيحة التصريح بكشف المراد منه -

(البدایہ ص ۹۲۸ ج ۵، تحت فصل فی الآیات والاحادیث، المنذرة بوقفة رسول الله صلى الله عليه وسلم --- الخ)

(۱) بخاری شریف ص ۹۳۸ ج ۲ باب مرض النبی ﷺ، نور محمد، دہلی

روایت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

پھر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ سابقہ کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمن) کو بلائیے کہ ابوبکر کے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ کوئی اور تمنا کرنے والا متمنی نہ ہو اور کوئی دیگر طمع کرنے والا طمع نہ کرے۔

اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ مبارک تبدیل ہوا اور

ارشاد فرمایا ویابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر یعنی اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر

رضی اللہ عنہ کے بغیر سب سے انکار کرتے ہیں (کسی دوسرے شخص کو قبول نہیں کرتے گویا کہ اب اس کے لکھوانے کی حاجت نہیں)

عن عائشہ قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی ابا بکر ابا کث و اخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن - ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابا بکر۔

- مسلم شریف ص ۶۷۳ ج ۲ باب من فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ، طبع دہلی۔
- بخاری شریف ص ۸۳۶ ج ۲ باب قول المریض انی وجع۔۔۔ الخ۔ طبع دہلی۔
- مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۹ باب وفات النبی ﷺ، الفصل الثالث، طبع دہلی۔
- مسند امام احمد ص ۹۴۴ ج ۶ تحت مسندات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔
- الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ص ۴۰۲ ج ۹ تحت ذکر اشارہ المصطفیٰ الی ما اشارہ فی ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

○ جزوالحسن عن عرفۃ العبدی (المتوفی ۲۵۷ھ) ص ۴۲ روایت نمبر ۳ عن عائشہ

رضی اللہ عنہا۔

- علل الحدیث لابن ابی حاتم الرازی ص ۳۸۳ ج ۲ روایت نمبر ۲۶۶۰۔
- البدایہ لابن کثیر ص ۴۲۸ ج ۵، تحت حالات مرض الوفاۃ رسول اللہ ﷺ۔

روایت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

اسی مضمون کی دیگر روایت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، چنانچہ وہ خود ذکر کرتے ہیں کہ ان آخری ایام میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ دوات اور کتف (قرطاس) لاؤ، میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ تم بعد میں ہرگز گمراہ نہ ہو سکو۔ اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری جانب سے پشت مبارک پھیر لی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جناب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مومنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بغیر سب سے انکار کرتے ہیں۔

--- عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، قال رسول اللہ ﷺ

اثنی بدواہ وکتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده ابدا۔

ثم ولانا قفاه۔ ثم اقبل علينا فقال يا ابي الله والمؤمنون الا

ابا بکر۔۔۔ قال الذهبي اسناده صحيح۔

(المستدرک للحاکم ص ۷۷، ج ۳ تحت مناقب عبدالرحمن بن ابی بکر

الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طبع دکن)

حاصل یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرطاس طلب کرنے کا ابتدائی فرمان جو حاضرین کو دیا تھا وہ گویا اجمالی فرمان تھا اور وہ مقصود میں متشابہ تھا لیکن بعد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارشادات فرمائے، وہ واضح اور محکم تھے اور ان فرامین سے مراد مکشوف ہو گئی اور مقصود کی تصریح پائی گئی کہ امامت صلوٰۃ کے حامل اور نیابت نبوی ﷺ کے اہل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور اس منصب میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ گویا اس طرح سابق اجمال کی تفصیل سامنے آ گئی۔

علامہ بیہقی کی تحقیق

بیہقی نے اس مقام میں سفیان بن عیینہ کا قول ذکر کیا ہے جس سے تبع تابعین کے نظریات مسئلہ ہذا کے متعلق واضح ہوتے ہیں:

--- قال سفیان انما زعموا

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ وہ کتاب (جس

اراد ان یکتب فیہا استخلاف

کے لکھوانے کا حکم ہوا تھا) اس میں ابو بکر کا

استخلاف تحریر کرانا مقصد تھا۔

ابی بکر۔

(دلائل النبوة للبیہقی ص ۹۸۲ ج ۷، طبع بیروت باب ما جاء فی محمد بن یکتب لاصحابہ)

نیز علامہ بیہقی نے بھی اس مقام پر یہی چیز ذکر کی ہے کہ

ثم نبه امته على خلافته باستخلافه اياه في الصلوه
حين عجز عن حضورها۔

(دلائل النبوة للبيهقي ص ۹۸۴ ج ۷، تحت باب ما جاء في محمد بن يكتب لاصحابه كتباً)
یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خود نماز میں پہنچنے سے
قاصر ہو گئے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز میں اپنا قائم مقام بنا کر امت کو اپنی خلافت پر
متنبہ کر دیا کہ (یہ میرے نائب منتخب ہیں) اور ابتدائے مرض الوفا میں جو فرمان
(بصورت قرطاس) جاری فرمانے کا قصد فرمایا تھا اس کی عملاً اس شکل میں تکمیل کر
دی۔

توجیہات

اور پھر اس مقام میں محدثین نے واقعہ ہذا کے متعلق دیگر متعدد توجیہات بھی
ذکر کی ہیں، چنانچہ علامہ بدر الدین البیہقی کہتے ہیں کہ
ثم ظهر للنبي صلى الله عليه وسلم ان المصلحة
تركه او اوحى اليه۔

(یعنی شرح بخاری شریف ص ۹۷۱ ج ۴ تحت حدیث قرطاس)
یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحت اس بات میں خیال فرمائی
کی کہ تحریر لکھوانے کے معاملہ کو چھوڑ دیا جائے یا پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی طرف اس مسئلہ میں وحی اسی طرح ہوئی۔
اور حافظ ابن حجر نے اسی مسئلہ کو اپنی تصنیف فتح الباری میں بہ عبارت ذیل
تحریر کیا ہے:

وعزمه صلى الله عليه وسلم كان اما بالوحي واما
بالاجتهاد وكذلك تركه ان كان بالوحي فبالوحي والا

فبالاجتہاد ایضا۔

(فتح الباری للین حجر عسقلانی ص ۹۰۹ ج ۸، تحت قرطاس لابن عباس رضی اللہ عنہ)
یعنی اس واقعہ قرطاس میں تحریر لکھوانے کا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے جو ارادہ فرمایا تھا، وحی کے ذریعہ تھا یا وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا
اجتہاد مبارک تھا۔ اسی طرح اس تحریر کو ترک کر دینے کا معاملہ بھی وحی کی بنا پر ہوا یا
اپنے اجتہاد سے۔ مختصر یہ ہے کہ سابقہ ارادہ مبارک کو ترک فرما دیا۔ اور تحریر کے
مسئلہ کو ملتوی کر دیا گیا۔

تائید من جانب شیعہ

اور شیعہ علماء نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ

--- اما سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع ما کان من
عندہ بل کان بوحي کما بین فی مقامہ - فصار امر
الکتابہ منسوخا بالوحي -

(فک النجاة از محمد علی و حکیم امیر دین شیعان جھنگ ص ۳۳۹، جلد اول، تحت

ایمان عمر بحدیث قرطاس، طبع اول، لاہور)

مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ہاں تنازع کے
بعد خاموش ہو جانا اپنی طرف سے نہیں تھا بلکہ وحی کی وجہ سے تھا جیسا کہ اپنے مقام
میں بیان کیا گیا ہے۔ پس کتابت کا معاملہ وحی کی وجہ سے منسوخ ٹھہرا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ قرطاس کی تحریر جس صورت کے ساتھ بھی ملتوی ہوئی،
لیکن وہ نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں
نیابت نبوی کا معاملہ صاف کر دیا گیا اور واقعہ قرطاس کے پس منظر کو واضح کر دیا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں مخالفین صحابہ کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ ”مندرجہ بالا واقعہ قرطاس میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانے کا قصد فرمایا تھا لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی وجہ سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تحریر نہ لکھوا سکے۔“

اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے امور ذیل پر غور فرمائیں۔

○ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سلسلہ میں خود ذکر کرتے ہیں کہ مرض الوفاۃ کے دوران ایک مرتبہ جناب نبی کریم ﷺ نے مجھے طبق (قرطاس) لانے کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ اس میں وہ بات تحریر کر دیں جس سے امت آپ کے بعد گمراہی میں نہ پڑے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت کی پریشانی دیکھ کر مجھے خوف ہوا کہ کہیں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (میری عدم موجودگی میں) انتقال نہ ہو جائے تو میں نے عرض کیا کہ جناب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ارشاد فرمائیں، میں اس فرمان کو محفوظ کر لوں گا اور نگاہ میں رکھوں گا۔ تو جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قال اوصی بالصلوہ والزکوہ
یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ
وما ملکت ايمانکم۔
وآلہ وسلم نے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور
غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں (نیک
سلوک کی) وصیت فرمائی۔

مذکورہ بالا روایت کو مندرجہ ذیل علماء کبار نے ذکر کیا ہے:

- (۱) مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۰ الجزء الاول، تحت مسندات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔
- (۲) الادب المفرد للبخاری ص ۳۶ باب حسن الملك، طبع مصر۔
- (۳) طبقات ابن سعد ص ۳۷ ج ۱۲ القسم الثاني تحت ذکر الکتاب الذی اراد رسول اللہ ﷺ۔
- (۴) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۲۳۸ ج ۵، تحت ذکر احتضاره ووفاته ﷺ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نقل فرمودہ روایت بالانے یہ مسئلہ واضح کر دیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمان اور وصیت تھی جو اس موقع پر ان کے حق میں ارشاد فرمائی گئی اور یہ روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت مراد نہ ہونے میں بطور شاہد کے ہے۔

○ اور اسی طرح ایک دیگر روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت تحریر کرنا مقصود نہیں تھا۔

چنانچہ روایات میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوقات کے دوران حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے انتقال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ لہذا ہمیں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کے سلسلہ میں سوال کر لینا چاہیے اگر یہ معاملہ ہمارے حق میں ہے تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے اور اگر ہمارے غیر کے حق میں ہے تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے حق میں وصیت فرمائیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تجویز کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اس مسئلہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل سوال نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم! اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ میں ہمیں منع فرمایا تو بعد میں ہمیں لوگ کبھی بھی موقعہ نہیں دیں گے۔

فقال علی: انی لا اسالہ ذلک واللہ ان منعناھا لا یعطیناھا الناس بعدہ ابدًا۔ (البدایہ لابن کثیر ص ۲۵۱، ج ۵، تحت حالات مرض الوفاۃ، بحوالہ بخاری شریف، مسند امام احمد ص ۲۶۳، جلد اول، تحت مسندات ابن عباس)

اسی طرح کی متعدد دیگر روایات بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں جن میں ان کی خصوصی خلافت بلا فصل کی نفی پائی جاتی ہے۔ لیکن فی الوقت یہاں صرف دو عدد روایات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا ہر دو روایات کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا انتفاء ثابت ہوتا ہے۔

اور واقعہ قرطاس کی دیگر پیش کردہ روایات میں بھی جو مضمون پایا جاتا ہے اس کا تعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اثبات خلافت بلا فصل سے کچھ نہیں بلکہ ان روایات میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی نیابت اور ان کے قائم مقام ہونے کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں۔

دیگر گزارش

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر خلافت بلا فصل لکھوانا چاہتے تھے لیکن اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام مانع ہوئے۔۔۔ الخ۔

تو یہاں قابل توجہ یہ چیز ہے کہ طلب قرطاس کا واقعہ یوم المہیس کو پیش آیا اور اس کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریباً چار روز بقید حیات تشریف فرما رہے اور آئندہ سوموار کو انتقال فرمایا اس دوران معارضہ کرنے والے لوگ یقیناً الگ ہو چکے تھے اور کئی مواقع تخلیہ کے میسر آئے تھے تو ان اوقات میں وہ ضروری تحریر (خلافت علوی رضی اللہ عنہ) کیوں نہ تحریر کرادی گئی؟؟ اور اس مسئلہ کو کیوں نہ مکمل کر دیا گیا؟؟

چنانچہ علامہ بیہقی نے اس مقام میں اسی چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

ولو كان ما يريد النبي صلى الله عليه وسلم ان يكتبه
يعني اگر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی واجب امر جس سے استغناء نہ

لہم شیامفروضالا یستغنون
 عنہ۔ لم یترکہ باختلافہم
 ولغطہم لقول اللہ عزوجل
 بلغ ما انزل الیک من ربک۔
 کما لم یترکہ تبلغ غیرہ
 بمخالفہ من خالفہ ومعادہ
 من اداہ۔

ہو سکے، کے لکھوانے کا ارادہ ہوتا تو آنجناب
 ﷺ لوگوں کے باہمی اختلاف اور شور
 کرنے کی وجہ سے ترک نہیں فرما سکتے تھے
 کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے رب
 کی طرف سے جو چیز تمہاری طرف نازل کی
 گئی ہے، اس کو پہنچائیے۔ جیسا کہ آپ ﷺ
 نے مخالفین کی مخالفت اور دشمنوں کی دشمنی
 کی وجہ سے تبلیغ دین کا عمل کبھی ترک نہیں
 فرمایا تھا۔

(دلائل النبوة للسیوطی ص ۹۸۳ ج ۷، باب ما جاء فی حمدہ بان یکتب الاصحابہ کتابا)
 اور اس مسئلہ کو علامہ الذہبیؒ نے بھی اپنی تصنیف ”المستقی“ کے متعدد
 مقامات میں اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اور تحریر کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی واجب امر
 تحریر کروانا چاہتے تو اسے ضرور تحریر کروا دیتے۔ ان کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی
 تھی۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ
 (المستقی للذہبیؒ ص ۳۳۹، ۳۴۱، ۵۶۳، تحت مسئلہ ہدایہ، طبع مصر)
 مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو آنجناب ﷺ تحریر کرانا چاہتے تھے اگر وہ امت
 کے لیے اصل ہدایت کا مدار ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہرگز ترک نہ
 فرماتے، کیونکہ یہ بات جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہدایت اور شان تبلیغ
 کے سراسر متنافی ہے۔

امامت صلوٰۃ

بحث ہدایہ میں ایک خاص چیز جو علمائے کبار صدیقی خلافت کے اثبات اور اس

کی حقانیت میں پیش کیا کرتے ہیں، وہ امامت صلوٰۃ کا مسئلہ ہے اور اس کی روشنی میں واقعہ قرطاس کے ”اجمال“ کا حل بھی پایا جاتا ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الوفاۃ میں نماز پنجگانہ کی امامت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دے کر امام مقرر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ

--- مروا ابابکر فليصل
یعنی ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز
بالناس۔ پڑھائیں۔

یہ فرمان نبوی شیعہ سنی علماء نے اپنی اپنی تصنیفات میں بالاتفاق درج کیا ہے۔
چنانچہ سر دست ذیل میں بخاری شریف اور بیہقی کا حوالہ درج کیا جاتا ہے۔
(۱) بخاری شریف ص ۹۳، جلد اول، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ، طبع نور محمد، دہلی
(کتاب الصلوۃ)

(۲) دلائل النبوة للسیوطی، ص ۹۸۲، ج ۷، باب ما جاء فی امرہ حین اشدہ المرض الخ، طبع بیروت
لبنان۔

تائید من جانب شیعہ

اور شیعہ کے معتمد علماء کے صرف دو حوالے پیش خدمت ہیں۔ شارح نہج
البلاغہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح حدیدی میں درج کیا ہے کہ

--- قال علی ”والزبیر“ انه صاحب الغار وانا لنعرف له
سنہ۔ امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالصلوۃ
وهو حی۔

(شرح نہج البلاغہ حدیدی بحث بقیۃ السیفہ واختلاف آراء الناس بعد النبی، جلد اول،
ص ۹۵۳ طبع بیروت)

(۲) شرح نہج البلاغہ درہ نجفیہ میں بھی یہ حوالہ بہ عبارت ذیل موجود ہے:

فلما اشتد به المرض امر
ابابکر ان یصلی بالناس ---
وان ابابکر صلی الناس بعد
ذالک یومین ثم مات۔
(درہ نجفیہ ص ۲۲۵، طبع قدیم)

یعنی جب مرض شدید ہو گئی تو آنجناب
ﷺ نے حکم فرمایا کہ ابوبکر لوگوں کو نماز
پڑھائیں۔ اور ابوبکر نے اس کے بعد دو دن
نماز پڑھائی پھر آپ کا انتقال ہو گیا۔

(ایران)

چنانچہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سترہ اور
بعض علماء کے نزدیک بیس نمازیں فرمان نبوی کے تحت پڑھائیں۔

وقال الزہری عن ابی بکر بن ابی سبرہ: ان ابابکر صلی
بہم سبع عشرہ صلاہ۔ وقال غیر عشرین صلاہ فاللہ اعلم۔
یعنی زہری نے ابوبکر بن ابی سبرہ سے نقل کیا ہے کہ جناب ابوبکر نے (اس
موقع پر) سترہ نمازیں پڑھائیں اور بقول بعض بیس نمازیں پڑھائیں۔

(البدایہ لابن کثیر ص ۶۳۵ ج ۵، تحت ذکر امرہ علیہ السلام ابابکر الصدیق ان

صلی بالصحابہ --- الخ)

مقصد یہ ہے کہ نماز جو اسلام کے عملی ارکان میں سب سے بڑا اہم و عظیم
رکن ہے، اس کی امامت کے لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرما کر مقدم فرمایا۔

شیخ الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کا کلام

اس موقع پر شیخ ابوالحسن الاشعری کا کلام بڑا عمدہ پایا جاتا ہے جو ابن کثیرؒ نے
اپنی تصنیف ”البدایہ“ میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

--- وقال تقدیمہ له دلیل علی انه اعلم الصحابہ

واقروہم لما ثبت فی الخبر المتفق علی صحته بین

العلماء ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم القوم
اقروهم لكتاب الله، فان كانوا في القراءه سواء فاعلمهم
بالسنه، فان كانوا في السنه سواء فاكبرهم سنا۔ فان
كانوا في السن سواء فاقدّمهم اسلا ما قلت وهذا من كلام
الاشعري رحمه الله مما ينبغي ان يكتب بماء الذهب ثم
قد اجتمعت هذا الصفات كلها في الصديق رضي الله
عنه وارضاه۔

(البدایہ والنہایہ للین کثیر ص ۴۳۶ ج ۵، تحت ذکر امرہ علیہ السلام ابابکر

الصديق رضي الله عنه ان صلى --- الخ)

مطلب یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر الصديق رضي الله عنه کا امر
دین (اقامت نماز) کے لیے مقدم کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ صديق اکبر رضي الله عنه
تمام صحابہ کرام رضي الله عنهم سے زیادہ عالم ہیں اور ان سے زیادہ قاری ہیں۔
وہ اس روایت کی بنا پر ہے جس کی صحت پر علماء کے درمیان اتفاق پایا گیا ہے۔
روایت اس طرح ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو، اگر حاضرین قرأت میں
برابر ہوں تو جو سنت نبوی سے زیادہ واقف ہو، وہ امامت کرائے اور اگر حاضرین
سنت کے علم میں برابر ہوں تو جو ان میں سے عمر کے لحاظ سے بڑا ہے، وہ امامت
کرائے اور اگر حاضرین عمر میں بھی برابر ہوں تو ان میں سے جو زیادہ قدیم الاسلام ہو
وہ امامت کرائے۔ اس پر ابن کثیر کہتے ہیں کہ الاشعري کا یہ کلام آب زر کے ساتھ
لکھنے کے لائق ہے۔

اور یہ تمام صفات حضرت ابوبکر صديق رضي الله عنه میں مجتمع پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ
ان سے راضی ہو اور اللہ تعالیٰ ان کو راضی فرمائے۔

مندرجہ بالا ہر چار صفات کاملہ حضرت ابوبکر صديق رضي الله عنه میں

بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس وجہ سے اس منصب کے اہل ٹھہرے اور ان کو امت کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ پس یہی چیز آنجناب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ کرنے والی ہے اور یہاں سے اس کے نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ثبوت ملتا ہے جسے امت کے اکابرین نے بغیر اختلاف تسلیم کر لیا۔

حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت

نیز اس مقام میں مشہور محدث ابو عوانہ نے ایک دیگر فرمان نبوی ﷺ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ذریعے ذکر کیا ہے۔ اس فرمان نبوی ﷺ کی روشنی میں بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ ابو عوانہ ذکر کرتے ہیں کہ

یعنی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے جو

فرمان نبوی ﷺ ذکر کیا ہے ”کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی سلطنت و امارت میں اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے۔“

یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل اسلام پر جناب نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں۔

--- فدل قوله فی خبر ابو مسعود حیث قال ولا یومن رجل فی سلطانه انه خلیفه علیہم بعدہ۔ واللہ اعلم۔ (مسند ابو عوانہ ص ۱۲۱، جلد ثانی، طبع حیدر آباد دکن، طبع اول)

کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمان نبوی کے تحت اہل اسلام کی امامت کے فرائض سرانجام دیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تحقیق

آخری ایام مرض الوفاۃ نبوی ﷺ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امامت الصلوۃ

کے لیے استخلاف سے کبار علماء نے جس طرح مسئلہ کو مستبیط کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ”قرۃ العینین“ میں اسے اختصاراً بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

--- حدیث استخلاف ابی بکر الصدیق در امامت صلوٰۃ وقت مرض اخیر و ابا کردن آنحضرت ﷺ بتصریح از امامت غیری و اس قصہ متواتر است و فقہای صحابہ مثل عمرو علی رضی اللہ عنہما استدلال کردن باین استخلاف بر خلیفہ بودن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و سائر صحابہ سکوت کردند و تسلیم نمودند۔ پس مسئلہ مجمع علیہ گشت و دلالت اس قصہ بالیقین ثابت شد۔

(قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین ص ۶-۵ طبع قدیم، مطبع مجتبائی، دہلی از شاہ ولی

اللہ محدث دہلوی)

یعنی اپنے مرض الوفات کے آخری ایام میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت صلوٰۃ کے لیے خلیفہ بنانا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی دوسرے شخص کی امامت صلوٰۃ سے تصریحاً انکار فرمانا ”متواترات“ میں سے ہے۔ پھر فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استخلاف امامت صلوٰۃ سے ان کے خلیفہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر سکوت اختیار کیا اور تسلیم کر لیا۔

پس اس طرح یہ مسئلہ مجمع علیہ اور متفق علیہ ہو گیا اور اس واقعہ کی دلالت بالیقین ثابت ہو گئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہوا کہ دور نبوت کے آخری اوقات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امامت نماز کے فرائض سہل انجام دینے میں ان کی خلافت بلا فصل کی طرف واضح اشارہ ہے اور واقعہ

قرطاس کا پس منظر معلوم کرنے کا عمدہ قرینہ ہے اور اس کی طرف اس میں صحیح رہنمائی پائی جاتی ہے۔

ازالہ شبہات

----- (۱) -----

واقعہ قرطاس سے مخالفین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چند اعتراضات وارد کیے ہیں، ان کے ازالہ کے لیے ذیل میں کلام پیش خدمت ہے:

ایک اعتراض یہ ہے کہ مرض الوفا میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے لیے ایک ضروری تحریر لکھوانا چاہتے تھے جس کی موجودگی میں امت مسلمہ کبھی گمراہ نہ ہوتی۔ لیکن بموجب بعض روایات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حسنا کتاب اللہ کہا اور اس تحریر سے مانع ہوئے اور اس طرح انہوں نے سنت نبوی کو رد کر دیا اور اپنے پیغمبر ﷺ کے نافرمان ہوئے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ان کے ہمہوا تھے، وہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہوئے۔

الجواب

○ واقعہ قرطاس کے موقع پر اس مجلس میں جو گفتگو ہوئی اس کی واقعہ کے مطابق صحیح تفصیل معلوم نہیں۔ معرض خفا میں ہے جو کچھ عام روایات سے دستیاب ہوتا ہے اس کے اعتبار سے یہ کلام کیا جا رہا ہے۔

○ ایک بات تو یہ ہے کہ اہم اعتراض کا دار و مدار حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہے، لیکن واقعہ قرطاس کی بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام تک ہی مذکور نہیں اور حسنا کتاب اللہ کے کلمات کا ان سے صدور ہی نہیں ہوا جیسا کہ مسند ابی یعلیٰ کی روایت میں ہے اور اس کو ابتداء بحث میں درج کر دیا ہے تو پھر ایسی صورت

میں طعن ہذا قائم کرنا بے جا ہے۔

اور بعض روایات کے مطابق اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلمات فرمائے ہیں تو وہ آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شدت مرض کی حالت کے پیش نظر ذکر کیے تھے اور طبع مبارک کی رعایت مقصود خاطر تھی۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ

انما قصد عمر بن الخطاب بما قال التخفيف على
رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رآه قد غلب عليه
الوجع --- الخ

(دلائل النبوة ص ۱۸۴ ج ۷ (المستقى) باب ما جاء في محمد بن يكتب لاصحابه كتابا الخ)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جو کچھ ذکر کیا تھا اس سے فرمان نبوی ﷺ کو رد کرنا ہرگز مقصود نہیں تھا بلکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت میں تخفیف مد نظر تھی تا آنکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں کچھ سکون اور راحت آجائے اور تعب و شدت زائل ہو جائے۔ (بعدہ تحریر لکھوالی جائے گی)

دیگر بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ”حسبنا كتاب الله“ ذکر کیا تھا تو یہ کوئی غلط کلمہ تو نہیں تھا بلکہ آیت اليوم اكملت لكم دينكم کی طرف حاضرین مجلس کو یاد دہانی کرانا اور توجہ دلانا مقصود تھا۔

یعنی دین مکمل ہو چکا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی باقی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے ہاں محفوظ ہے اور ہمارے لیے کافی ہے بالفرض اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مزید کوئی چیز نہ بھی لکھوا سکیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی ضروری چیز ہے تو اس کی تحریر میں ہمیں تعجیل اور جلدی کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طبیعت میں سکون و

راحت آنے پر خود ہمیں لکھوادیں گے۔

○ اور بالفرض اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ کلمہ ذکر کرنا اس موقع پر غلط اور معصیت تھا تو اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز سکوت اختیار نہ فرماتے اور انکار و نکیر فرما دیتے کیونکہ پیغمبر کی ذات گرامی کسی منکر اور معصیت پر ہرگز سکوت اختیار نہیں فرماتی بلکہ اسے رد کر دیتی ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ کلمہ نہ معصیت تھا اور نہ ہی کسی عناد و فساد پر مبنی تھا بلکہ تقاضائے وقت کے مطابق تھا۔

○ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسبنا کتاب اللہ کے کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے تو سنت نبوی کی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت کی ضرورت نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کے قول سے سنت نبوی کی نفی مراد لینا ہرگز درست نہیں۔ یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ فائله کا معاملہ کرنا ہوا۔

○ اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین مجلس کو کاغذ قلم دوات لانے کا حکم فرمایا تو اس میں خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی موجود و شامل تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بھی قلم و قرطاس نہیں لائے۔ لہذا اگر اس حکم کی نافرمانی کا اعتراض ہے تو سب حاضرین مجلس صحابہ پر ہے بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے طبق (قرطاس) لانے کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ اس میں وہ بات تحریر کر دیں جس سے امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد گمراہی میں نہ پڑ جائے۔

--- عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی

النبي صلى الله عليه وآله وسلم ان آتیه بطبق يكتب فيه
ما لا تضل امته من بعده --- الخ-

(مسند امام احمد ص ۹۰ الجزء الاول تحت مسندات حضرت علی رضی اللہ عنہ، الادب المفرد
للبخاری رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶ باب حسن الملك طبع مصر، البدایہ لابن کثیر رحمۃ اللہ
علیہ ص ۲۳۸ ج ۵، تحت اختصاره ووفاته ﷺ)

چنانچہ اس صورت میں قرطاس لانے کی ذمہ داری حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر
اور زیادہ ہوئی کیونکہ براہ راست ان کو خصوصی حکم ہوا تھا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو
اس قسم کا کوئی حکم الگ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔

ان حالات میں اگر قرطاس پیش نہیں کیا گیا تو نافرمانی کے ارتکاب کا اعتراض
(العیاذ باللہ) سب پر واقع ہوگا۔

○ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی واجب و لازم فرمان لکھوانا
چاہتے تھے تو یوم النہس سے دو شنبہ (یوم الوصال) تک کے اوقات میں نہ آنجناب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت کسی
دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لکھوایا۔ حالانکہ ان اوقات میں
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر وقت تو مانع بن کر موجود نہیں رہے۔ یہاں شاہ
عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ --- ”در این جا عمر رضی اللہ عنہ کجا حاضر بود کہ از نویسیا بدین وصیت
نامہ مخالفت کرو۔“

(تحفہ اثنا عشرہ ص ۲۹۱ تحت مطاعن فاروقی، آخر طعن اول مطبع لاہور)

یہ چیزیں لائق غور اور قابل توجہ ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی
واجب امر تحریر نہیں کرانا چاہتے تھے یا اگر پہلے یہ خیال تھا تو بعد میں آنجناب صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مبارک میں تبدیلی آگئی اور آپ ﷺ نے تحریر کرانے
کی ضرورت نہیں خیال فرمائی۔

بلفاظ دیگر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت پائی گئی۔ لہذا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تحریر کو ملتوی کر دیا۔

اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت رائے اور فقاہت فی الدین کی تائید پائی جاتی ہے۔ یہ مخالفت نہیں ہے بلکہ ان کی دینی بصیرت اور فہم و فراست کی علامت ہے اور اس واقعہ کو موافقات عمر میں شمار کیا جاسکتا ہے لیکن مخالفین نے الٹا اس کو اعتراض کا رنگ دے دیا ہے۔ سچ ہے کہ ہنر پنچشم عداوت بزرگ تر عیب است۔

----- (۲) -----

مخالفین کی طرف سے یہاں دو سرا اعتراض یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہجران (ہڈیان) کی نسبت کی اور کہا ہجر استفہم وہ۔

یہ شان رسالت میں کمال گستاخی ہے جس کے یہ لوگ مرتکب ہوئے کیونکہ ہجران یعنی (ہڈیان) کے معنی اختلال ذہنی کی وجہ سے پریشان کلام کرنے کے ہیں۔

○ اولاً یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ مذکورہ قول حدیث کی بعض روایات میں پایا ہی نہیں جاتا۔

اور جن روایات میں یہ کلمہ پایا جاتا ہے، وہاں قالوا (صیغہ جمع مذکر غائب) کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

یعنی (حاضرین مجلس) نے کہا کسی ایک فرد نے نہیں کہا۔ فلہذا اس قول کے قائل ان روایات کے اعتبار سے ایک آدمی نہیں بلکہ اس کے قائل متعدد حضرات ہیں۔

چنانچہ کلمہ ہجر استفہم وہ کا صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب

کر کے گستاخی کا الزام لگانا بالکل غلط اور بے جا ہوا۔

○ اس موقع کی جن روایات میں اہجر استفہموہ کا کلمہ پایا جاتا ہے وہاں محدثین ذکر کرتے ہیں کہ ہجر بہ حجر کے معنی فراق اور جدائی کے ہیں اور یہاں صحابہ کرام اپنے ہم مجلس دیگر صحابہ سے اسی فراق اور جدائی کے معنی میں کلام کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ کیا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے جدا ہو رہے ہیں؟ ان سے دریافت کیجئے!!

○ نیز ہجر بہ حجر کے معنی ہریان یعنی مرض کی شدت میں اختلال ذہنی کی وجہ سے کلام کرنا بھی لغت میں پایا جاتا ہے۔ لیکن ان روایات کی بنا پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہریان کی نسبت کرنا ممنوع ہے اور شان نبوت سے بعید ہے، کیونکہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت و مرض دونوں حالتوں میں معصوم اور مامون ہیں۔

چنانچہ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں تصریح کر دی ہے کہ

--- وقوع ذالك من النبي صلى الله عليه وسلم

مستحيل لانه معصوم في صحته ومرضه لقوله تعالى

وما ينطق عن الهوى-

(فتح الباری للابن حجر العسقلانی ص ۹۰۸ ج ۸، باب مرض النبی ﷺ ووفاته)

○ علماء کرام لکھتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق جن حضرات سے اہجر استفہموہ کا قول صادر ہوا تو انہوں نے یہ قول بطور استفہام انکاری کے استعمال کیا ہے (یعنی استفہام تقریری نہیں) مطلب یہ ہے کہ جن حضرات نے بھی یہ کلمہ کہا ہے، انہوں نے ہریان کے انکار کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اثبات کے طور پر نہیں ذکر کیا اور اس کلمہ کے قائل وہ حضرات تھے جو تحریر لکھوانے کے حق میں تھے۔ یہ حضرات اپنے دیگر صاحبان کے قول کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہریان ہرگز نہیں ہوا بلکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ارشاد کے مطابق ہمیں قرطاس پیش کرنا چاہیے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اس کلمہ کے قائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ تو اس وقت تحریر لکھوانے کے حق میں نہیں تھے۔

بالفرض اگر یہاں اہجر استفہموہ سے مراد ہدیان اور استفہام تقریری لیا جائے تو کلمہ استفہموہ کی وجہ سے عبارت بے جوڑ اور بے ربط ہو جاتی ہے۔
یعنی جو شخص ہدیان میں مبتلا ہو اس سے کوئی بات دریافت کرنا بالکل بے جا اور بے سود ہے۔

لہذا یہاں استفہام تقریری مراد لینا ہرگز درست نہیں۔

اس مقام میں علامہ کرمانی نے شرح بخاری شریف میں امام النوای "کا قول ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

--- قال النوای رحمۃ اللہ علیہ ہو (اہجر) بہمزہ

الاستفہام الانکاری ای انکروا علی من قال لا تکتبوا ای لا

تجعلوا امرہ کامر من ہذا فی کلامہ --- او ہو من الہجر

ضد الوصل ای ہجر من الدنیا واطلق بلفظ الماضی لما

راوہ فیہ من علامات الہجر من دار الفناء۔

(شرح البخاری الکرمانی ص ۳۳۵ ج ۱۶ باب مرض النبی ﷺ و وفاته)

مطلب یہ ہے کہ امام النوای "فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ اہجر استفہام انکاری کے ساتھ مستعمل ہے یعنی جو صحابہ تحریر لکھوانے کے حق میں نہیں تھے، ان کا رد کرتے ہوئے دیگر صحابہ کرام سے کہہ رہے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ کو اس شخص کی طرح نہ بنا دیا جائے جو ذہنی اختلال کی وجہ سے غیر متوازن کلام کرتا ہے۔

یا یہ کلمہ ہجر (جدائی، فراق، ہجرت) کے معنی میں ہے جو وصل کی ضد ہے یعنی کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا فانی سے ہجرت فرما رہے ہیں؟؟

لفظ ہجر کا فعل ماضی سے اطلاق اور استعمال کیا ہے کیونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس دار فانی سے ہجرت کے علامات وہاں نظر آرہے تھے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ اول تو یہ کلمہ اہجر تمام مرویات میں نہیں پایا جاتا بلکہ بعض روایات میں ہے۔

پھر جہاں یہ کلمہ مروی ہے وہاں صیغہ جمع ہے، واحد سے نہیں تو اس کا قائل شخص واحد نہ ہوا۔

نیز اس کلمہ کا جدائی و فراق والا معنی محدثین نے مراد لیا ہے، اس کے ہدیان والے معنی مراد لینے سے حاضرین مجلس انکار کر رہے ہیں بلکہ اس معنی کے مراد لینے سے روایت کی عبارت بے ربط اور بے جوڑ ہو جاتی ہے۔

شروح بخاری فتح الباری و کرمانی وغیرہ نے روایت کے مفہوم و مضمون کو اس طرح درج کیا ہے جیسا کہ مندرجات گزشتہ میں واضح کیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں یہ اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وارد کرنا بالکل غلط ہے اور ان کو ان کلمات کا قائل قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

----- (۳) -----

تیسرا اعتراض اس موقع پر مخالفین صحابہ کی طرف سے یہ قائم کیا جاتا ہے کہ مجلس ہذا میں حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام ملحوظ نہیں رکھا اور آں جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اختلاف اور تنازع کرتے ہوئے آوازیں بلند کیں اور وہ لوگ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرعاً ناجائز امر کے مرتکب ہوئے۔ اسی وجہ سے جناب نبی کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ قوموا عنی ”میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔“
جواباً اس کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ

○ اصل بات یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر اختلاف رائے کا اظہار کرنا فی نفسہ کوئی قبیح فعل نہیں ہے۔ دور نبوت میں مختلف مسائل پر رائے کا اختلاف ہوتا رہا اور پھر اظہار رائے کے موقع پر غیر شعوری طور پر آواز کا بلند ہو جانا ایک فطری امر ہے اور قابل طعن نہیں۔

اس موقع پر بھی یہی صورت پیش آئی اور آوازیں غیر شعوری طور پر بلند ہوئیں لیکن یہ چیز قصداً اور بالارادہ ہرگز واقع نہیں ہوئی۔
اس سلسلہ میں نصوص قرآنیہ اور آداب مجلس نبوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر تھے اور وہ ان پر ہمیشہ عمل درآمد کیا کرتے تھے۔

اس چیز پر حدیث شریف میں بعض واقعات بطور شاہد کے پائے جاتے ہیں، چنانچہ ”المصنف لعبد الرزاق“ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ

مسجد نبوی میں ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اسی اثناء میں ایک شخص نے مسجد ہذا میں آواز بلند کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا کہ تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں قبیلہ بنو ثقیف سے ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تو کون سے علاقے سے ہے تو اس نے کہا کہ میں علاقہ طائف کا رہنے والا ہوں تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قال اما انک لو انک کنت
یعنی اگر تو ہمارے ہمارے اس شہر
من اہل بلدنا هذا لوجعتک
(مدینہ منورہ) سے ہوتا تو میں تجھے سزا دیتا۔
ضرباً۔ ان مسجدنا هذا لا
قاعدہ یہ ہے کہ ہماری اس مسجد نبوی میں
یرفع فیہ الصوت۔
آواز بلند نہیں کی جاتی۔

(المصنف لعبد الرزاق ص ۴۳۷-۴۳۸، جلد اول باب اللفظ و رفع الصوت فی المسجد)

(۲) اسی مفہوم کی ایک دیگر روایت ”بخاری شریف“ میں ہے۔ اس میں سائب بن یزید کا واقعہ اس طرح درج ہے کہ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ

--- كنت قائما في المسجد فحصبني رجل فنظرت اليه فاذا هو عمر بن الخطاب فقال اذهب فإتني بهذين فجئته بهما فقال ممن أنتما ومن أين أنتما قالوا من أهل الطائف قال لو كنتما من أهل البلد لا وجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله ﷺ

مذکورہ بالا واقعات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں خود بھی آواز بلند نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی آواز بلند کرنے سے منع فرماتے تھے۔

ان قرائن کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے۔

فلذا واقعہ قرطاس کے موقع پر بھی حاضرین مجلس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آداب کو ترک نہیں کیا اور کوئی خلاف ادب بات ان سے قصداً صادر نہیں ہوئی۔

جن روایات میں آوازیں بلند ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ شرکائے مجلس سے یہ فعل غیر ارادی طور پر سرزد ہوا اور بعض دفعہ گفتگو کی مجالس

میں غیر شعوری طور پر اس طرح رفع صورت پایا جاتا ہے۔ البتہ قصداً و ارادۃً ایسا نہیں ہوا۔

پھر اس پر معترض کہتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوموا عنی کیوں فرمایا؟ تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کلمہ (قوموا عنی) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو کسی خاص فرد کے لیے تو نہیں تھا۔ سب حاضرین کے لیے ہوگا لیکن اصل بات یہ کہ یہ حکم وقتی اختلاف کو ختم کرنے کے لیے فرمایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ اس بات کو ترک کر دیں اور چھوڑ دیں۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ قوموا عنی کا اطلاق ایسے مواقع میں حدیث میں مستعمل ہے مثلاً:

قال النبی صلی اللہ علیہ	مطلب یہ ہے کہ تم قرآن مجید کی
وسلم اقراوا القرآن ما ائتلفت	تلاوت کرتے رہو جب تک کہ تم پر دل
علیہ قلوبکم۔ فاذا اختلفتم	جمعی رہے اور جب تم اگتا جاؤ تو اس کو
قوموا عنہ۔	ترک کر دو اور چھوڑ دو۔

(بخاری شریف ص ۲۹۵، ج ۲، کتاب الاعتصام باب کراہتہ الاختلاف، طبع اول، بخاری

شریف ص ۷۵۷، ج ۲، باب ۲، اقراؤ القرآن ما تلتفت قلوبکم، طبع دہلی)

یہاں قوموا عنہ کے الفاظ ہیں اور اس سے اس عمل اور بات کا ترک کر دینا مراد لیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح واقعہ قرطاس کی روایت میں قوموا عنی سے بھی یہی مراد ہے کہ اس اختلاف والی بات کو چھوڑ دو اور ترک کر دو۔

مزید اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ واقعہ قرطاس کی بعض دیگر روایات میں قوموا عنی کے الفاظ کی بجائے دعونی اور ذرونی کے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے بات کو ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کا مفہوم بالکل واضح ہے۔

پس ان قرائن سے قوموا عنی کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور واضح ہوتا

ہے کہ قوموا عنی کے معنی ”اٹھ کر چلے جاؤ“ ہرگز مراد نہیں بلکہ اس مقام میں اس کا معنی ”بات کو چھوڑ دو اور ترک کر دو“ درست ہے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں اعتراض ہذا بالکل زائل ہو جاتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف کوئی فعل سرزد نہیں ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے ہرگز مرتکب نہیں ہوئے۔

آخر کلام

واقعہ قرطاس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو اعتراضات قائم کئے جاتے ہیں، ان کے ازالہ کے لیے گزشتہ صفحات میں کوشش کی گئی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نافرمانی ہرگز نہیں کی اور نہ ہی واقعہ ہذا میں خلافت مرتضوی مطلوب تھی بلکہ واقعہ قرطاس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر اپنی قائم مقامی و نیابت اور امت کی امامت کا اہم مسئلہ تھا جسے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قولاً و فعلاً ابوبکر صدیق کے حق میں طے فرمایا اور خوش اسلوبی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق قدرت نے اسے مکمل کر دیا اور اس کی تکمیل میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوری اطاعت اور فرمانبرداری کا ثبوت دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کو تسلیم کر لیا۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

اختتام بحث بصورت جائزہ

واقعہ قرطاس کی روایت پر بصورت جائزہ کے یہاں چند کلمات درج کئے جاتے ہیں جو اہل علم کے لیے قابلِ توجہ ہوں گے اور اہل بصیرت کے لیے لائق غور ہوں گے اور غور و خوض کرنے کے بعد اصل مسئلہ کے حل کرنے میں معین ثابت ہوں گے اور رفع طعن میں مفید ہوں گے۔ (بعونہ تعالیٰ)

واقعہ ہذا کے متعلق جن روایات سے مخالفین طعن قائم کرتے ہیں وہ عموماً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت کم سن سنے ہیں، کم و بیش ۱۳-۱۴ برس عمر ہوگی یعنی اکابر حضرات کے سامنے اِصاغر میں ہی شمار ہوتے تھے۔

لیکن اس واقعہ کی جو روایات دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ اللہ عنہا وغیرہم سے مروی ہیں۔ ان میں قابلِ اعتراض اشیاء بالعموم مفقود ہیں اور ان روایات پر عام طور پر اعتراضات نہیں کئے جاتے، اور بالفرض اگر کوئی بات قابلِ اعتراض ہے بھی تو نہایت کمزور ہے کوئی وزنی چیز نہیں۔

البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی واقعہ قرطاس کی روایات کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں رواۃ کی تعبیرات نے عجیب اضطراب پیدا کر دیا ہے اور عام ناظر کو پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ بعض مقامات میں وہ کچھ ذکر کرتے ہیں تو بعض دیگر مواقع میں کچھ اور بیان کرتے ہیں، چنانچہ اس چیز کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) مثلاً ابن عباس کا بہت گریہ کرنا بعض روایات میں منقول ہے اور کثرت سے اشک بار ہونا مذکور ہے اور بعض دیگر روایات میں یہ چیز نہیں پائی جاتی بلکہ رونے کا ذکر تک موجود نہیں۔

(۲) اور بعض مرویات ابن عباس رضی اللہ عنہ میں اختلاف رائے کرنے والوں میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پایا جاتا ہے اور حسبنا کتاب اللہ کا قول ان سے منقول ہے اور بعض مقامات میں اس امر کا کچھ تذکرہ نہیں۔

(۳) بعض مرویات عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا ہے کہ اہجر یا یہجر کے کلمات بعض حاضرین مجلس سے صادر ہوئے۔

اور بعض دیگر روایات میں ان کلمات کے صادر ہونے کا ذکر تک مفقود ہے اور کسی نے یہ الفاظ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نہیں کہے۔
(۴) پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول قوموا عنی کا ذکر موجود ہے اور ان کی ہی دیگر مرویات میں اس قول کے بجائے دیگر فرمان نبوی پایا جاتا ہے۔

--- دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعوننی الیہ۔

ان کلمات میں کوئی قابل اعتراض بات ہی نہیں۔

(۵) نیز اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں ان کا قول آتا ہے کہ

--- ان الرزیه کل الرزیه ما حال۔۔۔ الخ

اور ان کی دیگر مرویات میں اس کا کچھ ذکر تک ندارد اور نہ کسی رزیت و بلیت کا تذکرہ کیا ہے اور نہ اس بات کو مصیبت سے تعبیر کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ان روایات کے الفاظ کا یہ تنوع و تفرق اور باہم عبارات کا تخالف و تعارض بہت قابل توجہ ہے۔

نیز اگرچہ روایت بالمعنی عام مروج ہے تاہم عبارات میں ایسا تفاوت و تضاد پایا جاتا جس سے مقصد اور مطلب میں قصور آجائے، کہاں تک درست ہے؟؟ حالانکہ ان روایات میں یہ واقعہ ایک ہی ہے اور ناقل واقعہ ایک ہی ہے۔

اور ازواج مطہرات اور دیگر اکابر شرکائے مجلس اپنی روایات میں ابن عباس والی قابل اعتراض چیزوں کا ذکر تک نہیں کرتے۔

بلکہ ان حضرات (ازواج مطہرات ہوں یا دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم) کی

مرویات جو اس موقع سے متعلق ہیں، ان میں ابن عباس والی روایات کا تمام مضمون نہیں پایا جاتا اور نہ ان کے ساتھ کوئی تائیدی پہلو نکلتا ہے۔

مذکور حضرات کی اس موقع کی مرویات کتابوں میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض کو ہم نے موقع بموقع یہاں درج بھی کیا ہے، لیکن ان میں یہ قابل طعن مضمون اور قابل اعتراض مفہوم نہیں پایا جاتا جو ابن عباس کی روایات نے بیان کیا ہے۔

اندریں حالات مذکورہ تمام امور پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قرطاس کا اصل واقعہ بیان کیا اور موقع کی صورت حال ذکر کی جیسا کہ مسند ابی یعلیٰ کی روایت میں مذکور ہے اور اس کو ہم نے واقعہ قرطاس کی ابتدا میں اپنے موقع پر درج بھی کر دیا ہے۔

لیکن بعد میں راویوں نے اور واقعہ ہذا نقل کرنے والوں نے اس کو بہت کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا اور آگے چلا دیا۔

بعض دفعہ کچھ بیان کیا اور دیگر موقع پر اس میں قابل اعتراض اشیاء کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح اصل واقعہ میں رواۃ کی طرف سے قابل طعن چیزوں کا اور راج پایا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ واقعہ قرطاس کی روایت پر نظر انصاف ڈالنے سے یہی چیز ثابت ہوتی ہے کہ واقعہ ہذا کے معبرین کی مختلف تعبیرات کی بنا پر اس میں قابل اعتراض چیزیں شامل ہو گئی ہیں، ورنہ اصل واقعہ میں کوئی قابل طعن چیز نہیں۔



الحمد لله وكفى --- والسلام على

سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم

تصدیقِ ایمانی میں شک کا طعن

شیعہ کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اعتراض وارد کیا جاتا ہے جس کا تعلق معاہدہ صلح حدیبیہ سے ہے۔ صلح حدیبیہ چھ ہجری کے موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کے ساتھ مصالحت اور صلح کی جو شرائط طے فرمائیں، ان کی ظاہری صورت میں مسلمانوں کی کمزوری اور کفار کا تفوق اور غلبہ نظر آتا تھا۔

اس چیز کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے۔ خاص طور پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں بہت مضطرب ہوئے۔

چنانچہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ قول کیا کہ

والله ما شککت منذ
سلمت الا يومئذ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے آغاز اسلام سے لے کر کبھی شک نہیں ہوا تھا، مگر آج کے دن۔

مندرجہ بالا کلمات سے مخالفین صحابہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شک فی النبوة ہو گیا تھا جو ضعف ایمان کی علامت ہے اور نفاق کی نشانی ہے۔

چنانچہ ایک رسالہ ”یاد فاروق“ میں شیعہ صاحبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طنز کرتے ہوئے ”حضرت فاروق کی تصدیق ایمان“ کے عنوان کے تحت مذکورہ بالا طعن وارد کیا ہے اور ان کو مشکوک الایمان ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

الجواب

واقعہ حدیبیہ ۶ ہجری میں پیش آیا تھا۔ صلح حدیبیہ سے متعلق جو صحیح روایات ہیں، وہ مندرجہ ذیل مقامات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

(۱) بخاری شریف۔۔۔ جلد اول، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، طبع دہلی۔

(۲) مسلم شریف۔۔۔ جلد ثانی، باب الصلح فی الحدیبیہ۔

اور دیگر حدیث و سیرت کی کتابوں میں بھی واقعہ ہذا پایا جاتا ہے۔

بخاری و مسلم کی مذکورہ بالا روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور اضطراب کا ذکر موجود ہے لیکن معترضین کی طرف سے پیش کردہ قابل اعتراض کلمات واللہ ماشکک منذ اسلمت الایومئذ۔ ان صحیح روایات میں ہرگز موجود نہیں۔

اس مقام میں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جو اضطراب اور پریشانی پائی جاتی ہے، وہ دینی حمیت اور ملی خیر خواہی کی وجہ سے ہے کیونکہ فریقین (اہل اسلام، کفار مکہ) کے مابین مصالحت اور معاہدہ ایسی شروط پر طے ہوا تھا جن میں اہل اسلام کا پہلو بظاہر مغلوب نظر آتا تھا اور کفار کے حق میں یہ شرائط بظاہر بہت مفید اور نفع بخش معلوم ہوتی تھیں۔ ایسی مغلوبانہ شرائط کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینی حمیت اور ملی غیرت کی بنا پر پریشانی کا لاحق ہونا جہلی اور فطری امر تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کو اسلام یا نبوت و رسالت میں ہرگز شک نہیں ہوا۔ جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں اس پر قرائن و شواہد ذکر کر رہے ہیں۔ اسی چیز کو شارحین حدیث نے ان روایات کے تحت مفصل ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فتح الباری شرح بخاری ص ۲۶۵، ج ۵، باب الشروط فی الجہاد والمصالح مع اہل الحرب۔

مختصر یہ ہے کہ معاہدہ ہذا کے اہل اسلام کے حق میں مصالح اور فوائد باعتبار انجام علم خداوندی میں مستور تھے اور بظاہر یہ مغلوبانہ شرائط اہل اسلام کے حق میں مفید نظر نہیں آتی تھیں۔ ان ظاہری حالات کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مضطرب ہونا کمال ایمان کی علامت ہے لیکن مخالفین صحابہ نے اس چیز کو زوال ایمان کی نشانی قرار دیا ہے۔ (یا للعجب)

قرائن و شواہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس معاملہ میں پریشانی پر درج ذیل قرائن و شواہد موجود ہیں۔

○ اولاً قرینہ یہ ہے کہ اس موقع پر اضطراب کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے اور اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انی اشہد انہ رسول اللہ تو جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی ذکر کیا کہ انی اشہد انہ رسول اللہ۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاہدہ کی شرائط کا ذکر کر رہے تھے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مغلوبانہ شرائط کس طرح تسلیم فرمائیں؟ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میثاق و عہد کی شرائط و قیود کے انجام کار مفید یا مضر ہونے میں شک ہوا لیکن انہیں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت میں ہرگز شک و شبہ نہیں تھا۔ اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلمات شہادت

سے اقرار رسالت و نبوت کی تصدیق فرمائی۔

○ ثانیاً قرینہ یہ ہے کہ اس مقام کی روایت میں مذکور ہے کہ معاہدہ جب طے ہو گیا تو صلح نامہ کی تحریر پر اہل اسلام کی جانب سے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماعاً نے بطور شاہد کے دستخط فرمائے جبکہ کفار مکہ کی طرف سے مکرز اور سہیل وغیرہم نے دستخط کیے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ معاہدہ ہذا کے تحریر کرنے والے تھے۔ یہ چیز بھی ان حضرات کے کمال ایمان کی تصدیق ہے اور ان کی دینی پختگی کی توثیق ہے۔ کسی مشکوک الایمان کو گواہ اور شاہد نہیں بنایا جاتا۔

(البدایہ والنہایہ للابن کثیر ص ۶۶۹ ج ۳، تحت غزوہ حدیبیہ)

نیز یہ واضح ہو کہ مذکورہ قرائن خود اس موقعہ کی روایات میں موجود ہیں، ان واضح ثبوت پائے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان اور اسلام میں شک و شبہ کرنے کا ہرگز کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

روایت کا جواب

جس روایت میں مذکورہ قابل اعتراض کلمات واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ۔ پائے جاتے ہیں وہ ابن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی تفسیر جلد ۲۶ میں سورۃ فتح کی تفسیر کے تحت باسند درج کی ہے اور اس روایت کی سند میں ایک راوی ابن شہاب الزہری ہے اور روایت ذکر کرنے میں قال الزہری قال الزہری (یعنی زہری نے کہا) متعدد بار واقع ہوا ہے۔ اس مقام میں مذکورہ قابل اعتراض کلمات الزہری کا اپنا قول ہے اور یہ کلمات روایت میں زہری کی طرف سے مدرج یعنی (درج شدہ) ہیں اور اصل روایت میں یہ قابل اعتراض کلمات نہیں پائے گئے بلکہ اسے زہری نے روایت میں اپنی طرف سے درج کیا اور ایذا دیا۔

○ زہری کی اسی کارکردگی کی نظیر بھی دستیاب ہوتی ہے مثلاً ابن شہاب الزہری

نے ”مطالبہ فدک“ کی روایت میں بھی ادراج کیا۔

--- ”قال (الزهری) فہجرتہ فاطمہ فلم تکلمہ حتی

مات۔

مذکورہ بالا کلمات کا الزہری نے اپنی طرف سے ادراج فی الروایت کیا ہے (جیسا کہ ہم نے قبل ازیں اس چیز کو اپنی کتاب رحماء بینہم حصہ صدیقی بحث فدک میں ص ۱۲۵ تا ۱۳۸ پر ذکر کیا ہے)

مختصر یہ ہے کہ مخالفین صحابہ نے جن کلمات پر اعتراض کی بنیاد قائم کی ہے وہ کلمات اصل روایت میں موجود نہیں بلکہ راوی کی طرف سے درج شدہ ہیں اور یہ راوی کا اپنا ظن و گمان ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ راوی کا ظن اور خیال دوسروں پر حجت نہیں ہوتا۔

○ نیز معلوم ہونا چاہیے کہ ابن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ کے بعد میں آنے والے مفسرین حضرات جنہوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس میں قابل اعتراض کلمات درج کیے ہیں تو وہ عموماً الطبری سے ناقل ہیں۔

اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس موقعہ کی کافی روایات ذکر کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ

--- وقد رواہ ایضاً عن

عبدالرزاق عن معمر عن الزہری نحوه وخالفہ فی اشیاء

وفیہ اغراب۔ (تفسیر ابن کثیرؒ ص ۱۹۷)

ج ۴، پارہ ۲۶، سورۃ فتح)

یعنی عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے الزہری سے روایت اسی طرح ذکر کی ہے اور اس روایت میں بہت سی چیزیں دوسروں سے مختلف ذکر کی ہیں اور ان میں اغراب ہے یعنی یہ روایات ”غریب“ ہیں اور معروف روایات کے خلاف ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس مقام میں ان روایات کے متعلق کہا ہے کہ جن میں قابل اعتراض کلمات پائے جاتے ہیں، ان میں غرابت

ہے اور یہ روایات ”غریب“ ہیں۔

ہم نے قبل ازیں اس روایت میں ”ادرج راوی“ ذکر کیا ہے۔ اس صورت میں نتائج کے اعتبار سے مآل واحد ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس مقام کی غریب روایات اور مدارج روایات میں اس قسم کے قابل اعتراض کلمات پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر مخالفین صحابہ نے مطاعن قائم کیے ہیں اور اعتراض وارد کیے ہیں جبکہ اس مقام کی صحیح روایات میں قابل اعتراض مواد نہیں پایا جاتا۔

آخر میں

اہم بات جو تمام قرائن و شواہد پر وزنی ہے یہ ذکر کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے مقدس کلام میں صلح حدیبیہ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان و اسلام کے متعلق متعدد آیات میں توثیق و تصدیق فرمائی ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک و شامل ہیں، مثلاً

○ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت

الشجرہ۔۔۔ الخ

○ والزمہم کلمہ التقویٰ وکانوا احق بہا و اہلہا۔۔۔ الخ

لہذا ان قرآنی آیات مقدسہ کی موجودگی میں کسی معترض کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان و اسلام میں شک پیدا کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں اور اگر آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ قلبی عناد والا معاملہ چل رہا ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں اور یہ مرض لاعلاج ہے۔ واللہ الہادی۔



قابل اعتراض روایت کا جواب

حدیث کی بعض روایات میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مال فنی او اموال بنو نضیر وغیرہ کی تقسیم کے سلسلہ میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا باہم تنازع ہوا اور یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو اس وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم دونوں کی یہ رائے تھی کہ جو کچھ مذکورہ اموال میں سے ہمیں حصہ دیا جاتا ہے، اسی کے مطابق قطعات زمین ہمارے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیئے جائیں اور علیحدہ علیحدہ ہماری ولایت اور تصرف میں دیئے جائیں۔

○ ... چنانچہ شرح السنہ للبلغوی میں یہی مضمون بہ عبارت ذیل درج ہے کہ

انما اختصما الیہ (عمر رضی اللہ عنہ) فی رای حدث لهما فی

اسباب الولایہ والحفظ فرای کل واحد منهما التفرّد۔

(۱) شرح السنہ للبلغوی ج ۱۱ / ۱۳۴ باب حکم الفنی تحت روایت خصومتہ علی و

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم طبع بیروت۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری، جلد ۶ / ۱۵۲ تحت کتاب فرض الخمس۔

○ ... اس طرح جامع الاصول للجزری جلد ثالث الفرع فی الفنی کے تحت

مسئلہ ہذا کی بحث کے حواشی میں لکھا ہے کہ

ان طلب علی والعباس رضی اللہ عنہما انما کان طلب

تولی القیام بہا بانفسہما وقسمتہا بینہما کما سبق۔

..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنازع ہذا کے سلسلہ میں فریقین کے درمیان زمین کے قطعات کی تقسیم نہیں کی تھی تاکہ بعد والے لوگوں میں میراث نبوی ﷺ کی تقسیم کا اشتباہ پیدا نہ ہو۔

..... اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریقین کے بیانات ہوئے اور کلام و تکلم میں شدت پیدا ہوئی۔

..... اس موقعہ کی بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مندرجہ ذیل شدید الفاظ استعمال کیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی اور مجھے بھی کاذب آثم غادر اور خائن خیال کیا، حالانکہ خدا جانتا ہے کہ ہم سچے منصف اور تابع حق ہیں اور اس موقعہ پر بعض روایات میں ظالم اور فاجر کے الفاظ بھی منقول ہیں، چنانچہ ان روایات میں مذکورہ بالا کلمات شدیدہ کے پیش نظر لوگوں نے اعتراض قائم کیا ہے کہ شیخین انہی مذکورہ اوصاف کے ساتھ متصف تھے اور انہوں نے اپنی زبانی اس چیز کا اقرار کیا۔

فلذا ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مذکورہ قبیح اوصاف کے ساتھ ذکر کرنا کوئی عیب کی بات نہیں، کیونکہ وہ اپنے حق میں اس چیز کا اپنی زبانی اقرار کر رہے ہیں۔

اعتراض ہذا کا مفہوم درج ذیل کتب میں منقول ہے

(۱) فلک النجاة جلد اول، ص ۳۹۰، مولوی علی محمد و امیر دین جھنگوی بحث فذک کا

بیان۔

(۲) آئینہ مذہب سنی ۱۳۳-۱۳۴ بار چہارم / ڈاکٹر نور حسین جھنگوی۔

الجواب

کچھ لوگوں کا شیوہ ہے کہ حدیث کی روایات میں جہاں کہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے خلاف کچھ چیز معلوم کریں، اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، اس کو بڑی اہمیت دے کر اور بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اعتراض کا رنگ دے کر خوب نشر کرتے ہیں، چنانچہ عہد فاروقی کا مذکورہ واقعہ جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان بصورت تنازع پیش آیا، اس میں بعض روایات میں ان حضرات کا ایک دوسرے کے خلاف اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف شدید الفاظ کا استعمال کیا جانا پایا گیا (جیسا کہ مذکورہ بالا اعتراض کی عبارت میں درج کیا ہے) اس بات کو انہوں نے خوب طعن بنا کر ذکر کیا ہے اور حقیقت الامر یہ ہے کہ تنازعہ والی مذکورہ روایت اپنے مقام پر درست ہے۔ ان حضرات کا جو اموال بنی نضیر وغیرہ کے متعلق باہمی تنازع ہوا تو اس موقع پر ایک دوسرے کے خلاف شدت کے الفاظ کا پایا جانا واقعات کے اعتبار سے عقلاً کچھ بعید نہیں ہے، ایک انسان دوسرے فریق کی بات کو رد کرنے کے لیے بسا اوقات سخت تعبیر اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں اس واقعہ کو نقل کرنے والے بعض رواۃ نے روایت بالمعنی ذکر کرتے ہوئے بطور ادراج کے بعض شدید الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے جن کو معترضین نے اپنے اعتراض کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اصل واقعہ میں یہ الفاظ شدید منقول نہیں ہیں اور اس چیز پر قرائن و شواہد پائے جاتے ہیں۔

شواہد و قرائن

چنانچہ بہت سے محدثین نے واقعہ ہذا کو اپنی اپنی تصانیف میں باسند و درج کیا ہے لیکن مذکورہ الفاظ شدید (کائبہ، اثمہ، غادر، خائن، ظالم فاجر) ان میں بالکل مذکور نہیں ہیں مثلاً:

(۱) مسند امام احمد ج اول، ص ۲۰۸ تحت مسندات عمر رضی اللہ عنہ، بھامشہ منتخب کنز

العمال، طبع قدیم مصری۔

(۲) مسند امام احمد ج اول، ص ۶۰ تحت مسندات عثمان رضی اللہ عنہ، طبع قدیم مصری۔

- (۳) بخاری شریف ج اول ص ۴۳۵-۴۳۶ باب فرض الخمس طبع نور محمد، دہلی۔
- (۴) بخاری شریف ج ثانی، ص ۹۹۲ کتاب الفرائض طبع نور محمدی دہلی باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقہ۔
- (۵) السنن لابی داؤد البجستانی ج ثانی، ۵۵-۵۶ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الاموال طبع مجتبائی دہلی۔
- (۶) ترمذی شریف ۲۵۰ طبع قدیم لکھنؤ، باب ما جاء فی ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

- (۷) شمائل جامع الترمذی ص ۶۰۱ تحت باب ما جاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

- (۸) السنن الکبریٰ ج ۳، ص ۶۸-۶۵ کتاب الفرائض، ذکر موارث الانبیاء، طبع بیروت۔

- (۹) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶، ص ۲۹۸-۲۲۹ تحت بیان مصرف اربعہ اخماس الفنی بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ الخ، معہ الجواہر النقی، طبع اول، حیدرآباد، دکن۔

..... مذکورہ بالا تمام حوالہ جات میں اکابر محدثین نے فریقین کے درمیان تنازع کا اصل واقعہ درج کیا، لیکن قابل اعتراض شدید الفاظ (کاتبہ اثمہ غادرہ خائنا اور ظالم، فاجر) کہیں ذکر نہیں کیے اور یہ چیز ادراج راوی پر مستقل قرینہ ہے اور امام النووی نے شرح مسلم میں المازری کے حوالہ سے یہی توجیہ بحث ہذا کے تحت نقل کی ہے۔ نیز یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ اس مقام کی بعض روایات میں ایک فریق نے دوسرے فریق کو انت کذا وکذا کے الفاظ سے خطاب کیا۔

اس کے متعلق شارحین حدیث نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

..... ان العباس رضی اللہ عنہ و علیا رضی اللہ عنہما جاء الی عمر رضی اللہ عنہ

یختصمان یقول کل منهما لصاحبه انت کذا وکذا

لیس کنایتہ عن سب احدہما الاخر کما وہم بل المراد
انت لا تستحق الولایہ علی هذه الصدقہ ونحو نالک
ما یذکر المخاصم فی رد حجہ خصمہ من غیر شتم ولا
سب۔“

(۱) شرح شمائل الترمذی للشیخ عبدالرؤف المناوی ص ۲۸۵ بھامش جمع
الوسائل۔

(۲) کتاب جمع الوسائل فی شرح الشمائل الترمذی لعلی القاری ص ۲۸۵ تحت باب
ما جاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۳) شرح شمائل الترمذی لشیخ ابراہیم البیجوری ص ۲۹۶۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت عباس اور حضرت علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہم تنازع کرتے ہوئے تشریف لائے در آنحالیکہ ہر فریق دوسرے فریق کو
انت کذا و کذا کہتا تھا۔ یہ الفاظ ایک دوسرے کو سب و شتم کرنے سے کنایہ نہیں
ہیں (جیسے کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے)

بلکہ ان کلمات سے یہ مراد ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق سے کہہ رہا ہے
کہ صدقہ ہذا پر تم ولایت اور تصرف کے مستحق نہیں ہو وغیرہ وغیرہ جس طرح کہ
ایک تنازع کرنے والا دوسرے فریق کی حجت کو سب و شتم کیے بغیر شدید الفاظ سے
رو کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس موقعہ کی روایات میں جہاں کہیں کذا و کذا یا
وغیرہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو وہاں فحش گوئی اور معروف سب و شتم مراد نہیں
بلکہ تنازعہ کے دوران سخت کلامی مراد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ

اس واقعہ میں اعتراض کرنے والے لوگوں نے جن شدید الفاظ کی بنا پر
اعتراض قائم کیا ہے، وہ دراصل روایات اور نفس واقعہ میں موجود ہی نہیں اور نہ
ہی ان کا استعمال منقول ہے بلکہ رواۃ کی طرف سے مدرج الفاظ ہیں اور روایت ہذا

میں اور ارج پایا گیا ہے۔ اس چیز پر ہم نے سطور بالا میں قرائن و شواہد پیش کر دیئے ہیں اور روایت ہذا میں راوی کی طرف سے درج شدہ الفاظ پر اعتراض قائم کرنا کسی صورت میں درست نہیں اور درج شدہ کلمات دیگر لوگوں پر حجت نہیں ہوتے اور ان کا تسلیم کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مذکورہ شدید الفاظ (کاذب، آثم،

خائن، ظالم اور فاجر وغیرہ سے متصف نہیں ہیں)

اور یہ چیز ان حضرات کے حسن اخلاق، تقویٰ اور شان عدالت و دیانت کے خلاف ہے۔ قرآنی آیات اور صحیح احادیث اس پر شاہد عادل ہیں فلذا اس مقام پر معترضین کا اعتراض قائم کرنا بے جا اور بے محل ہے۔

تنبیہ

روایت مندرجہ میں جو تنازع پایا جاتا ہے، اس کی متعلقہ وضاحت بقدر ضرورت ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف رحماء بینہم حصہ اول صدیقی ص ۹۵-۹۶ بمع حواشی کے (تحت عنوان مال فی اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم الخ) ذکر کر دی تھی مگر وہاں الفاظ شدید والی روایت سامنے نہیں لائی گئی تھی اور نہ اس کا جواب وہاں درج ہوا تھا۔ اب اس کو جواب المطاعن کے سلسلہ میں پیش کر کے طعن کے جواب کے طور پر ذکر کیا ہے اور پیش کردہ معروضات پر بشرط انصاف نظر کرنے سے معترض کا اعتراض زائل ہے۔ باقی لانسلم کا کوئی علاج نہیں۔



لولا علی رضی اللہ عنہ لہلک عمر رضی اللہ عنہ

”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاندین ایک شبہ ذکر کیا کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب شریعت کے عالم نہیں تھے اور دیگر لوگوں سے کم علم تھے۔“

مسئلہ کے فیصلہ کرنے میں غلطی کر بیٹھتے تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے غلط فیصلے کو توڑ دیتے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے:

لولا علی رضی اللہ عنہ لہلک عمر یعنی اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔

(آئینہ مذہب سنی از ڈاکٹر نور حسین، ص ۵۳، فلک التجا از حکیم علی محمد و امیر دین، ص ۴۴۲-۴۴۳) اعتراض کنندگان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسائل شرعیہ سے جاہل تھے اور امامت و خلافت کے مہمات میں سے ہے کہ وہ مسائل شرعیہ کے متعلق پورا واقف اور عالم ہو لیکن وہ ملا واقف تھے اور خلافت کے اہل نہیں تھے۔

الجواب

اس شبہ کے ازالہ کے لیے ذیل میں ہم چند چیزیں پیش کرتے ہیں، ان پر توجہ فرمائیں۔۔۔۔۔ یہ شبہ زائل ہو جائے گا۔

○ ایک بات تو یہ ہے کہ خلیفہ اسلام جن اوصاف کی بنا پر منتخب کیا جاتا ہے، وہ

اس کی عدالت، دیانت، تقویٰ، علم دین اور اس کے شرعی مسائل سے واقفیت اور انتظامی امور کی اہلیت اور احکام شریعہ کے نفاذ کی صلاحیت ہیں۔

اس مقام میں یہ شرط نہیں ہے کہ خلیفہ اسلام تمام شرعی امور کے متعلقہ تمام علوم سے ہر طرح واقف ہو اور کوئی معاملہ بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہ ہو۔

پھر اس عدم شرط پر قرآن و شواہد موجود ہیں:

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو مسلم بن اقریقین خلیفہ عادل اور واقف علوم شرعیہ ہیں۔ ان کے متعلق بھی بعض واقعات ایسے موجود ہیں جن میں ان سے علمی فروگزاشت پائی جاتی ہے اور بعض مواقع میں تو آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے، مثلاً روایات میں منقول ہے کہ

یعنی ایک قوم مرتد ہو گئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلوا دیا۔ جب اس چیز کی جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ان کو سزا دیتا تو قتل کر دیتا اس لیے کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح ہے کہ جو شخص اپنا دین اسلام چھوڑ دے تو اس کو قتل کر دو۔ اور میں آگ میں نہ جلاتا اس لیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کا عذاب نہ دیا کرو۔ جب یہ خبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔

..... ان علیا حرق قوما ارتدوا عن الاسلام فبلغ ذالک ابن عباس فقال لو کنت انا لقتلتهم بقول رسول اللہ ﷺ قال رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوه ولم اکن لا حرقهم لان رسول اللہ ﷺ قال لا تعذبوا بعذاب اللہ۔ فبلغ ذالک علیا فقال صدق ابن عباس۔ هذا حدیث حسن صحیح۔ (جامع الترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء فی المرتد، مسند حمیدی ص ۲۳۵-۲۳۴، جلد اول، روایت نمبر ۵۳۳ طبع مجلس علمی)

(۲) اور بعض دفعہ اس طرح ہوا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا تو حضرت علی المرتضیٰ نے اس کو جواب دیا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے۔ جواب سن کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے مسئلہ ٹھیک کہا ہے اور میں چوک گیا ہوں۔ ہر علم والے سے دو سرا زیادہ عالم ہو سکتا ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ

--- عن محمد بن کعب قال قال رجل علیا عن مسئلہ فقال فیہا فقال الرجل لیس ہکذا ولكن کذا وکذا قال اصببت واخطات وفوق کل ذی علم علیم۔

(کنز العمال ص ۴۴۱، خامس باب فی آداب العلم والعلماء، طبع اول حیدر آباد کن)

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس نوع کے کئی مسائل اور واقعات کتابوں میں پائے جاتے ہیں، ہم نے یہاں صرف دو واقعات ذکر کیے ہیں جو اصل مسئلہ کی تائید میں کافی ہیں۔

(۳) نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان سے اقرار یوں مذکور ہے کہ فرمایا کہ میں خطا کرنے سے بالاتر نہیں ہوں اور میں اپنے فعل میں غلطی سے بے خوف نہیں ہوں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری کفایت کرے جو مجھ سے زیادہ قدرت والا ہے۔

فلا تکفوا عن مقالہ بحق او مشورہ بعدل فانی لست

فی نفسی بفوق ان اخطی ولا امن ذالک من فعلی الا ان

یکفی اللہ من نفسی ما هو املک بہ منی۔

(نہج البلاغہ ص ۴۳۷، ج ۹، خطبہ علی علیہ السلام: صفین)

مندرجات بالا سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ بعض مسائل میں لاعلمی کا اظہار کرنا اور بعض واقعات میں خطا کرنا یا اپنی تحقیق کو ترک کر کے دوسروں کے قول کو

اختیار کرنا۔ یہ کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں اور یہ کوئی قابل تنقید اور لائق اعتراض فعل نہیں۔ اکابر ائمہ سے اسی طرح یہ چیز منقول ہے۔

(نوٹ) مضمون ہذا ہماری تالیف رحماء بینہم حصہ فاروقی میں ص ۱۳۵ تا ۱۳۹ تک مذکور ہے۔ مزید تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اسی سلسلہ میں یہ مشہور واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک زانیہ عورت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رجم کرنے کا حکم فرمایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ یہ عورت حاملہ ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ چیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا حکم اس عورت پر تو چل سکتا ہے مگر جو چیز اس کے بطن میں ہے اس پر آپ کا حکم نہیں چل سکتا۔ تو اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا اور فرمایا لولا علی لہلک عمر۔ یعنی اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عورت کے حاملہ ہونے کا علم نہیں تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا تو ان کے متنبہ کرنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑی غلطی سے بچ گئے اور انہوں نے اس موقع پر ادائے شکر کے طور پر مذکورہ بالا کلمہ فرمایا اور اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی۔ جیسا کہ اکابر شرفاء کا طریق کار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت بہت بلند ہے اور ان کا منصفانہ اخلاق باکمال پایا جاتا ہے اور مذکورہ بالا واقعہ ان کے اخلاق کی بلندی کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی ایک فروگزاشت پر دیگر صحابہ کے حق میں کلمات شکر ادا کیے۔

ایک دیگر واقعہ

اسی سلسلہ میں ہم ایک دیگر واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بلندی اخلاق اور انصاف پسندی پر ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو متعدد محدثین نے اپنی

اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ حافظ دار قطنی نے اپنے سنن میں یہ واقعہ اس طرح تحریر کیا ہے کہ

عن ابی سفیان قال حدثنی اشیاخ منا قالوا: جاء رجل
الی عمر بن الخطاب فقال یا امیر المومنین! انی غبت
عن امراتی سنتین فحشت وهی حبلی فنشاور عمر رضی اللہ عنہ
الناس فی رجمها۔ قال فقال معاذ بن جبل یا
امیر المومنین! ان کان لک علیها سبیل فلیس لک
علی ما فی بطنها سبیل فاترکها حتی تضع فترکها
فولدت غلاما قد خرجت ثنیاہ۔ فعرف الرجل الشبه فیہ
فقال ابنی ورب الکعبہ فقال عمر عجزت النساء ان یلدن
مثل معاذ۔ لولا معاذ لہلک عمر۔

(سنن الدار قطنی ص ۳۲۲، ج ۳، تحت کتاب النکاح، طبع القاہرہ، ص ۳۲۵، ج ۲،
طبع انصاری دہلی، المصنف لابن ابی شیبہ ص ۸۸، ج ۱۵ تحت کتاب الحدود، طبع کراچی،
کتاب السنن السعید بن منصور ص ۷۰، ۳، قسم ثانی، تحت باب المرأة تلدت اشرا

مطلب یہ ہے کہ۔۔۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے مشائخ نے بیان کیا ہے
کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، اے امیر المومنین!
میں اپنی زوجہ سے دو سال غائب رہا ہوں اور جب میں آیا ہوں تو وہ حاملہ ہے۔ (فلذا
میری زوجہ سزا کے لائق ہے)

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر صحابہ سے اس عورت کے رجم کے
معاملہ میں مشورہ کیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے
امیر المومنین! آپ کو عورت کے رجم کرنے کا حق ہے لیکن جو اس کے بطن میں
ہے، اس پر آپ کو اختیار حاصل نہیں، لہذا اسے وضع حمل تک ملتوی کر دیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو (وضع حمل تک) ملتوی کر دیا۔ پھر اس

عورت نے ایک لڑکا جنہ جس کے سامنے کے دانت نکل چکے تھے۔ پس اس شخص نے اس بچے میں اپنی مشابہت پائی اور کہنے لگا، رب کعبہ کی قسم! یہ بچہ میرا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: عورتیں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہو چکی ہیں۔ اور فرمایا کہ

لولا معاذ لہلک عمر۔
اگر معاذ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے ان کے حق میں قدردانی اور عزت افزائی کے کلمات ذکر کیے۔ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ کلمات تشکر کے درجہ میں ہیں اور ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی اس میں مطلوب ہے اور باکمال شخصیات کے کلام کا انداز ایسا ہی ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ معترض لوگ اس مسئلہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاعلمی اور نااہلی کا رنگ دے کر ان کے حق میں طعن و اعتراض پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس نوع کے کلمات کا ان حضرات رضی اللہ عنہم سے صادر ہونا ان کے کمال انصاف پسندی اور قبول حق کے نشانات میں سے ہے اور منصفانہ کردار کی علامات میں سے ہے۔

اور اگر ان لوگوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لاعلمی اور مسائل دینی سے ناواقفی ثابت کرنے پر اصرار ہے تو یہ چیز تو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی ان کے اپنے کلام کے مطابق ثابت ہے اور متعدد واقعات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں جن میں ان سے لاعلمی کا ثبوت اور ناواقفی کا اقرار پایا جاتا ہے (جیسا کہ سابقہ سطور میں مختصراً بیان کیا گیا ہے)

پھر اس معاملہ میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی کیوں ہدف اعتراضات بنایا جاتا ہے؟؟ مقصد یہ ہے کہ خلیفہ اسلام کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا اور تمام امور سے واقف ہونا شرط خلافت نہیں۔

اس بارے میں بہتر طریق یہی ہے کہ ان دونوں اکابر ہستیوں کے بارے میں اس قسم کے اعتراضات نہ اٹھائے جائیں اور ان کے حق میں کف لسان کیا جائے۔ ایمان کی سلامتی اسی میں ہے۔



مسئلہ تراویح

مسئلہ ہذا کے اہم عنوانات

- دور نبوی میں نماز تراویح کی تین صورتیں۔
- گیارہ رکعت والی روایت کے تعارض کا جواب (بیس (۲۰) رکعات کے ساتھ تعارض کا حل)
- ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مضمون کو تلقی امت حاصل ہے۔
- ایک وہم کا ازالہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صغریٰ کا شبہ)
- خلافت راشدہ کے دور میں نماز تراویح۔
- عہد صدیقی میں تراویح کا معمول
- عہد فاروقی میں تراویح کا اجتماعی عمل۔
- ایک شبہ کا ازالہ (تراویح کے بدعت ہونے کا شبہ)
- بیس (۲۰) رکعات تراویح پر کبار علماء کی تائید۔ (ابن تیمیہ وغیرہم)
- ایک شبہ کا ازالہ (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعات اور بعد میں بیس رکعات نماز تراویح شروع کرائیں)
- عہد عثمانی میں تراویح کا اہتمام۔
- خواتین کا شمول۔
- عہد مرتضوی میں تراویح کا انتظام۔
- حاصل کلام (خلفاء راشدین کے ادوار خلافت میں بیس رکعات تراویح

باجماعت کا پچیس برس تک دوا می عمل رہا)

- بفرمان رسالت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اتباع کی تاکید۔
- مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل۔ (ابی بن کعب، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
- تابعین اور تبع تابعین اور دیگر کبار علماء کے فرمودات۔
- اہمات المومنین کا طرز عمل۔
- کیا تراویح آٹھ رکعت ہیں؟
- خلاصہ بحث۔

ابتدائیہ

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على سيد الوری
وعلى آله الشرفاء واصحابه النجباء واتباعه الصالحاء
صلوه دائمه بدوام الارض والسماء۔ اما بعد۔

تراویح کا مسئلہ آئندہ سطور میں درج کیا جاتا ہے اور اس مسئلہ کے متعلقات ذکر کرنے سے قبل ہم یہاں تحریر مدعی کے درجہ میں چند سوالات ناظرین کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے مسئلہ ہذا کے قابل وضاحت پہلو سامنے آسکیں گے۔

کیا:

- (۱) بیس رکعات تراویح پڑھنا مسنون ہے یا بدعت؟؟
- (۲) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں بیس رکعات پڑھی گئی ہیں یا نہیں؟؟ اور اس مسئلہ میں تعامل صحابہ کس طرح تھا؟؟
- (۳) قرون ثلاثہ میں کسی معتمد عالم دین، نامور محدث یا فقیہ نے بیس رکعات کو بدعت قرار دیا ہے؟ یا اس دوا می عمل پر نکیر فرمائی ہے؟؟ یا اسے بخوشی قبول کر لیا

ہے؟؟

اب اس مسئلہ کے متعلقہ معروضات پیش کیے جاتے ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیے۔
تمام بحث پر نظر عائر کر لینے سے اطمینان قلب ہو جائے گا اور مندرجہ بالا سوالات کے جوابات بھی پائے جائیں گے۔

عہد نبوت

اہل علم پر واضح ہے کہ عہد رسالت کے دوران مسئلہ تراویح میں متعدد صورتیں پائی جاتی ہیں۔ دور نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲ھ میں رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت کے بعد شب ہائے رمضان المبارک میں صلوٰۃ رمضان کی ترغیب دلائی اور ارشاد فرمایا:

عن ابی ہریرہ من قام رمضان ایمانا واحتسابا
غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۳ باب قیام شہر رمضان، الفضل لاول، طبع دہلی، بحوالہ مسلم شریف۔

(۲) السنن الکبریٰ ص ۳۹۳ جلد ثانی مباحث صلوٰۃ التراویح، الامام البیہقی۔

(۳) ریاض الصالحین ص ۳۵۰-۳۵۱ باب استحباب قیام رمضان وهو التراویح۔

یعنی جو شخص رمضان کی راتوں میں ایمان اور ارادہ ثواب کے ساتھ قیام کرے گا تو اس کے لیے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

پہلی صورت

قیام رمضان کے سلسلہ میں یہ ابتدائی مراحل تھے اور بطور ترغیب کے اس پر عمل ہوتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترغیب

کی بنا پر شب ہائے رمضان میں اپنے طور پر مختلف جماعتوں کی شکل میں مسجد نبوی کے اندر اطراف و جوانب میں تراویح ادا کرتے تھے۔

چنانچہ متعدد محدثین نے اس چیز کو اپنی تصانیف میں باسند ذکر کیا ہے۔ مثلاً

عن العلاء بن عبد الرحمن عن ابیہ عن ابی ہریرہ انہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا الناس فی رمضان یصلون فی ناحیہ المسجد فقال ما هولاء؟ فقیل هولاء ناس لیس معہم قرآن وابی بن کعب یصلی بہم وہم یصلون بصلاتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصابوا۔ او نعم ما صنعوا۔

(صحیح ابن خزیمہ ص ۳۳۹، جلد ثالث، باب امامتہ القاری الامین فی قیام شہر رمضان (المتوفی ۳۱۱ھ) ۱، الصحیح لابن حبان ص ۱۰۷، جلد خامس، تحت فصل فی التراویح، روایت نمبر ۲۵۳۲، ابوداؤد شریف ص ۲۰۲، جلد اول، باب فی قیام شہر رمضان، طبع دہلی)

روایت مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف میں ایک رات اپنے خانہ مبارک سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد نبوی کے مختلف اطراف و جوانب میں لوگ رمضان المبارک میں متفرق جماعتوں کی شکل میں نمازیں ادا کر رہے ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو جواب میں عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو پورا قرآن مجید یاد نہیں اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرات کر رہے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں تو اس موقع پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے بالکل ٹھیک کیا یا یوں فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے کیا، عمدہ کیا اور بعض روایات کے الفاظ اس طرح منقول ہیں کہ

قال قد احسنوا وقد اصابوا
ولم یکره ذالک لہم۔
یعنی ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اچھا کیا یا
فرمان دیا کہ انہوں نے درست کیا اور ان
لوگوں کے اس عمل کو ان کے حق میں ناپسند
نہیں جانا اور ان کو اس فعل سے منع نہیں
فرمایا بلکہ ان کے عمل کی تصویب فرمائی۔

نتیجہ کے اعتبار سے یہاں ذکر کرنا مناسب ہے کہ:

اول تو یہ ”سنت قوی“ ہے جو ظاہر الفاظ حدیث سے ثابت ہو رہی ہے اور پھر
اگر اس سے صرف نظر کر لی جائے اور کم درجہ دیا جائے تو کم از کم ”سنت تقریری“
ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

حاصل یہ ہے کہ تراویح کے لیے یہ ایک مرحلہ تھا کہ دور نبوی میں جماعت
کے ساتھ تراویح مسجد نبوی میں ادا کی جاتی تھی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے علم میں یہ فعل جاری تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل کو
تصویب و تائید نبوی ﷺ حاصل تھی۔

قابل توجہ

اور یہ چیز اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ اس مضمون کی دیگر روایات صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مروی ہیں۔ ان میں سے بطور مضمون کی تائید کے
ایک روایت ہم عنقریب ذکر کر رہے ہیں اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت صحیح ابن خزیمہ جلد ثالث اور الصحیح
لابن حبان جلد خامس اور ابوداؤد شریف جلد اول وغیرہ میں مروی ہے۔ پھر ابوداؤد
رضی اللہ عنہ نے خود ہی اس کی سند پر درج ذیل الفاظ میں نقد کیا ہے کہ

لیس هذا الحدیث بالقوی
ومسلم بن خالد ضعیف۔
یعنی مسلم بن خالد راوی ضعیف ہیں
اور یہ حدیث قوی نہیں ہے۔

اس مقام میں علماء نے نقد ہذا کے متعلق جوابات ذکر کیے ہیں۔ ان کے بیانات کی روشنی میں یہاں مختصراً معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

راوی مذکور مسلم بن خالد الزنجی الملکی پر اگرچہ بعض علماء نے ناقدانہ کلام کیا ہے اور اس کی تضعیف کی ہے لیکن اس کے باوجود دیگر کبار علماء نے اس کی توثیق بھی ذکر کی ہے چنانچہ اس راوی کی توثیق کے متعلق علماء کرام کے چند کلمات پیش کیے جاتے ہیں مثلاً

یحییٰ بن معین نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

ثقة وهو صالح الحديث - یعنی مسلم بن خالد قابل اعتماد ہے صالح
(تاریخ یحییٰ بن معین ص ۵۶۱-۵۶۲ جلد ۱) حدیث والا ہے۔ (اس کی روایت قابل ثانی تحت مسلم بن خالد الزنجی) قبول ہے)

اور ابن حبان نے ”کتاب الثقات“ میں تحریر کیا ہے کہ
وکان مسلم بن خالد یعنی مسلم بن خالد بعض دفعہ خطا کرتا
بخطی احیاناً۔ تھا۔

لیکن ساتھ ہی اس کی توثیق بھی ذکر کی ہے کہ

کان من فقهاء الحجاز۔۔۔ وروی عنه عبدالله بن
المبارک والشافعی والحمیدی وغيرهم ومنه تعلم
الشافعی الفقه۔۔۔ الخ۔

(کتاب الثقات لمحمد بن حبان، ص ۴۴۸، جلد سابع، تحت مسلم بن خالد)
اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں درج کیا ہے کہ

قال ابن عدی حسن الحديث - وکان فقیہ مکہ وکان
من فقهاء اہل الحجاز۔ قال الساجی صدوق، قال
الدارقطنی ثقة۔۔۔ الخ۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۱۳۹-۱۴۰ جلد عاشر تحت مسلم بن خالد، طبع دکن)

مندرجہ حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم بن خالد اہل حجاز کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے، مکہ والوں کے لیے فقیہ تھے اور ان سے ابن المبارک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ الحمیدی وغیرہ کبار علماء نے روایت حاصل کی ہے اور امام شافعیؒ نے فقہ کا علم ان سے بھی لیا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے بہتر حدیث لاتے ہیں اور الساجی نے کہا ہے کہ یہ شخص صادق اور سچے ہیں اور دارقطنی نے فرمایا ہے کہ یہ معتمد آدمی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ مسلم بن خالد الزنجی الہکی پر تنقید و نقد پائی جاتی ہے تاہم اس کے ساتھ اس کی توثیق بھی علماء نے ذکر کی ہے جو ہم نے کلام بالا میں پیش کر دی ہے۔ اس کے پیش نظر اس کی روایت ہمہ وجہ اور بالکلہ قابل رد نہیں ہے بلکہ اس کی توثیق کی وجہ سے قابل قبول ہے۔

تائید

اس کے بعد یہ ذکر کر دینا مناسب ہے جیسا کہ سلفاً ذکر ہوا ہے مذکورہ بالا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ہم مفہوم و ہم معنی ایک دیگر روایت امام بیہقی نے السنن الکبریٰ وغیرہ تصانیف میں درج کی ہے۔

بیہقی کی یہ روایت جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کی موید ہے اور اس کے مفہوم کی پوری طرح توثیق و تائید کرتی ہے۔

فلذا مندرجہ بالا روایت تائید پائی جانے کی وجہ سے قابل قبول ہو جائے گی اور اپنے مقام میں درست ثابت ہوگی اور قابل ترک نہ رہے گی، چنانچہ ذیل میں بیہقی کی موید روایت ذکر کی جاتی ہے:

یعنی ایک رات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔
رمضان المبارک تھا۔ دیکھا کہ مسجد کے

عن ثعلبہ بن ابی مالک
رضی اللہ عنہ القرظی قال خرج رسول
اللہ ﷺ ذات لیلہ فی رمضان

فرای ناسا فی ناحیہ المسجد یصلون فقال ما یصنع هولاء؟ قال قائل یا رسول اللہ! هولاء ناس لیس معهم القرآن وابی بن کعب یقراؤہم معہ یصلون بصلتہ۔ قال قد احسنوا وقد اصابوا ولم یکرہ ذالک لہم۔ (السنن الکبریٰ مع الجواہر النقی ص ۳۹۵، جلد ثانی باب من زعم انہما بالجماعہ افضل لمن لا یكون حافظا)

کونہ میں کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ جن لوگوں کو قرآن مجید یاد نہیں وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اچھا کیا اور درست کیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو مکروہ نہیں جانا۔

اور الفاضل التیموی نے آثار السنن میں اس روایت کے تحت لکھا ہے کہ رواہ البیہقی فی المعرفہ واسنادہ جید۔

فاضل بیہقی نے مذکورہ مندرجہ روایت کے متعلق سنن الکبریٰ میں بحث کی ہے، وہاں درج کیا ہے کہ قال الشیخ ہذا مرسل حسن۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ ثعلبہ راوی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے، اس بنا پر حکم لگایا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے لیکن درجہ حسن میں ہے اور ضعیف نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور ثعلبہ کی روایت ہذا دونوں مقبول ہیں اور ان سے ثابت ہوا کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جماعت کے ساتھ تراویح مسجد نبوی میں ادا کی جاتی تھی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس فعل کو تصویب حاصل تھی اور اس کو منع نہیں فرمایا۔

معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا دور نبوت میں ثابت ہے اور سنت کے مطابق ہے۔

دوسری صورت

دور نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نماز تراویح کی ادائیگی کے متعلق ایک وہ صورت تھی جو سابقہ صفحات میں ذکر کی گئی ہے۔

دوسری صورت اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل پائی جاتی ہے جس کو متعدد صحابہ کرام (مثلاً ابوذر غفاری اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہم) نقل کرتے ہیں کہ

یعنی مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے رمضان المبارک میں روزے رکھے۔ اس دوران آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ رات کی نماز (تراویح) میں نہیں کھڑے ہوئے حتیٰ کہ اس مہینہ کے سات یوم رہ گئے (یعنی وہ مہینہ ۲۹ یوم کا شمار تھا) پھر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ثلاث شب تک نماز پڑھائی۔ پھر چوبیسویں شب کو آپ تشریف نہیں لائے اور پچیسویں شب کو پھر تشریف لائے اور نصف شب تک نماز پڑھائی۔۔۔ پھر آپ نے نماز نہ پڑھائی۔ حتیٰ کہ تین یوم رہ گئے تو اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستائیسویں شب ہمیں نماز

عن ابی ذر (رضی اللہ عنہ)
قال صمنا مع النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فی رمضان فلم
یقم بنا حتی بقی سبع من
الشہر فقام بنا حتی ذهب
ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی
السادسہ وقام بنا فی
الخامسہ حتی ذهب شطر
اللیل فقلت یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لو
نفلنا یقیہ لیلتنا ہذہ؟ قال
انہ من قام مع الایام حتی
ینصرف کتب لہ قیام لیلہ۔
ثم لم یصل بنا حتی بقی
ثلاث من الشہر فقام بنا فی
الثالثہ وجمع اہلہ ونساء۔

فقام بناحتی تخوفنا ان
یفوتنا الفلاح قلت وما
الفلاح؟ قال السحور۔
پڑھائی اور اپنے اہل خانہ کو بھی جمع فرمایا
اور اس رات دیر تک نماز پڑھائی حتیٰ کہ
ہم نے سحری کے فوت ہو جانے کا خوف کیا۔

روایت نعمان بن بشیر

اسی طرح النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی نے بیان کیا کہ

قمنا مع رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فی شہر
رمضان لیلہ ثلاث و عشرين
الی ثلث اللیل ثم قمنا معہ
لیلہ خمس و عشرين الی
نصف اللیل ثم قمنا لیلہ
سبع و عشرين حتی ظننا ان
لن ندرک الفلاح و کذا نسبیہ
السحور۔۔۔ الخ۔
یعنی رمضان المبارک میں تیسویں
شب میں ہم جناب اقدس صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی اقتداء میں ثلاث لیل تک
کھڑے ہوئے پھر ہم جناب نبی اقدس صلی
اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں پچیسویں شب
میں نصف شب تک کھڑے ہوئے۔ اس
کے بعد پھر ستائیسویں شب میں (نماز
تراویح) کے لیے کھڑے ہوئے حتیٰ کہ ہم
نے کافی تاخیر کی وجہ سے اپنی جگہ گمان کیا کہ
فلاح (یعنی سحری) کو ہم نہ پاسکیں گے۔

(صحیح ابن خزیمہ ص ۳۳۶ جلد ثالث، باب الصلوۃ جماعۃ فی قیام رمضان... الخ، طبع بیروت،

السنن الکبریٰ للنسائی جلد اول، ص ۳۱۰-۳۱۱، روایت نمبر ۱۲۹۹ تحت قیام شہر رمضان، طبع بیروت)

یہ روایت نعمان بن بشیر صحابی نے محض شہر کے منبر پر بیٹھ کر بیان کی۔ یہ
روایت مذکورہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ہم معنی و ہم مفہوم ہے اور بطور
تائید کے پیش کی گئی ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ اس مضمون کی روایت صحاح
ستہ کی کتابوں میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

پس ان روایات میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تراویح کو

جماعت کے سات پڑھانا ثابت ہے۔ اگرچہ ان روایات میں تعداد رکعات مذکور نہیں لیکن نماز تراویح کا شب ہائے رمضان میں جماعت سے پڑھانا اور ان میں کئی وقت لگانا اور رات کا ایک حصہ صرف کرنا سنت صحیح سے ثابت ہوتا ہے۔

رمضان شریف کی راتوں میں تراویح کے لیے شب خیزی کا عمل جاری رہا۔ پھر بعض دفعہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قصد جماعت کرانے کے لیے نہیں تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے تقاضا بھی ہوا، اس کے باوجود نہیں پہنچے۔ پھر اس روز صبح کو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چیز کی حکمت بیان فرمائی کہ

اما بعد فانہ لم یخف علی	یعنی فرمایا کہ تمہارے تقاضے کا حال مجھ
شانکم ولکنی خشیت ان	پر مخفی نہیں تھا لیکن میں نے اس بات کا
تفرض لیکم صلاہ اللیل	خوف کیا کہ رمضان کی راتوں کی نماز تم پر
فتعجزوا عنہا۔۔۔ الخ۔	واجب کر دی جائے، پھر اس کی ادائیگی سے
	تم عاجز آ جاؤ۔۔۔ الخ۔

(صحیح ابن خزیمہ ص ۳۳۸-۳۳۹ جلد ثالث، طبع بیروت، باب اللیل علی ان النبی ﷺ انما ترک قیام لیالی رمضان... الخ، مشکوٰۃ شریف ص ۹۳ باب قیام شہر رمضان، الفصل الاول، متفق علیہ)

یعنی اس نماز کے وجوب کے خوف سے مانعہ کر دیا۔ یہ ایک عظیم مصلحت تھی جس کی وجہ سے امت پر شفقت فرمائی اور اس فعل پر دوام نہیں فرمایا۔ گویا کہ عدم دوام کی علت اور وجہ ظاہر فرمادی۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز تراویح کی ادائیگی کی یہ دوسری صورت تھی جو اس شکل میں عہد نبوت میں پائی گئی۔

تیسری صورت

اب یہاں مسئلہ ہذا کے لیے نماز تراویح کے حق میں ایک تیسری روایت پیش کی جاتی ہے جو جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرين رکعہ والوتر۔

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ (المتوفی ۲۴۵ھ) ص ۳۹۳ جلد ثانی، تحت کم ۱۰ صلی فی

رمضان من رکعہ، حیدر آباد دکن۔

عن مقسم عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرين رکعہ ویوتر بثلاث۔

(۲) المنتخب مسند عبد حمید (المتوفی ۲۴۹ھ) ص ۲۱۸ روایت نمبر ۶۵۳ طبع

بیروت۔

(۳) مجمع الزوائد لنور الدین الیثمی ص ۹۷۲ جلد ثالث باب قیام رمضان بحوالہ

الطبرانی فی الکبیر واللاوسط وفیہ ابو شیبہ ابراہیم وهو ضعیف، طبع اول، مصری

مذکورہ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور وتر تین رکعات میں ادا فرماتے تھے۔

روایت ہذا کی رو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس رکعات نماز تراویح ادا فرمایا کرتے تھے۔

نماز تراویح کی یہ تیسری صورت ہے اور عہد نبوت میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اب اس سے انکار کرنا زلیغ عن الحق ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ عہد نبوت میں ان متعدد صورتوں میں صلوٰۃ التراویح ادا کی جاتی تھی۔

اس مقام میں چند ایک چیزیں قابل وضاحت ہیں۔

----- (۱) -----

روایت ہذا جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بظاہر اس کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے ساتھ تعارض معلوم ہوتا ہے جس میں گیارہ رکعات نماز ادا کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ آخر بحث میں ”مستقل عنوان“ قائم کر کے ان دونوں روایات کا رفع تعارض کر دیا ہے۔ وہاں آپ اس کی تفصیل بقدر کفایت ملاحظہ فرما سکیں گے۔

----- (۲) -----

دوسری گزارش یہ ہے کہ یہاں محدثین نے اس روایت کے ایک راوی ”ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ“ پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ ”وہ وضعیف۔“ یعنی یہ راوی کمزور ہے۔ اب اس مقام میں راوی مذکور کے ضعف کے جواب میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ علماء فن نے اگرچہ راوی مذکور کے ضعف کی تصریح کی ہے لیکن اس روایت کے مقبول ہونے کے لیے دیگر قرائن موجود ہیں جن کی بنا پر راوی کے ضعف کا مداوا اور ازالہ ہو سکتا ہے۔ پھر اس طریقہ سے روایت قابل قبول ہو جاتی ہے اور متروک نہیں رہتی۔

قرائن

○ ایک بات تو یہ ہے کہ اس روایت کی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل اور دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے تائید پائی جاتی ہے اور اس دور میں بیس رکعات تراویح کا پڑھا جانا اس روایت کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل کی تفصیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چنانچہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ

ومواظبہ الصحابہ علی
عشرین قرینہ صحہ ہذہ
الروایہ۔
یعنی بیس رکعات ادا کرنے پر صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کا مواظبت اور دوام
کرنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
روایت کے صحیح ہونے پر قرینہ ہے۔

(رسائل الارکان از بحر العلوم مولانا عبدالعلی "لکھنوی"، ص ۳۸، تحت فصل صلوٰۃ التراویح

فی رمضان، طبع قدیم)

(۲) اسی طرح کبار تابعین اور جمہور علمائے امت کے بیس رکعات ادا کرنے کے
تعال سے بھی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صحیح ہونے کی تائید پائی جاتی ہے اور
متعدد آثار قویہ اس روایت کی توثیق و تائید میں دستیاب ہوتے ہیں۔

(۳) نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ اگرچہ خبر واحد ہے، لیکن اس کی
صحت کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس روایت کے مضمون کو "تلقی امت" حاصل
ہے اور جس روایت کے مضمون کو تلقی امت حاصل ہو جائے اور امت اس کو عملاً
قبول کر لے اور تصدیق کر دے تو وہ جمہور علماء کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے،
ظنی نہیں رہتی۔

چنانچہ "شرح عقیدۃ المحاوہ فی عقیدۃ السلفیہ" میں لکھا ہے کہ

وخبر الواحد اذا تلقه الامہ بالقبول عملاً به وتصديقاً
له يفيد العلم اليقيني عند جماهير الامہ۔ وهو احد
قسمي المتواتر ولم يكن بين سلف الامہ في ذلك نزاع۔

(۱) شرح المحاوہ ص ۳۲۰، تحت بحث ہذا قاضی علی بن علی بن ابی الغری الخنقی

المتوفی ۵۹۲ھ۔

(۲) احکام القرآن للبصام الخنقی ص ۳۵۶، جلد اول، تحت الطلاق مرتان، الخ۔

پس اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ

متروک نہیں بلکہ قتل قبول ہے اور اس کے صحیح ہونے پر امت نے یقین کیا ہے۔
فلذا اس کے ضعف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مندرجہ قرائن کے پیش نظر اسے
رتبہ قبولیت حاصل ہوگا۔

ایک وہم کا ازالہ

روایت ہذا کی بحث میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنه صغار صحابہ میں سے ہیں، اس مسئلہ پر کسی کبیر صحابی کی روایت پیش کی جائے تو
اس وہم کے ازالہ کے لیے اتنا قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ
بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں (یعنی ان کی ماں
ام الفضل کی بہن ہیں) اپنی خالہ جان کی خدمت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آمد و رفت
رہتی تھی اور کئی بار اپنی خالہ کے خانہ مبارک میں شب باشی بھی ان کو نصیب ہوتی
تھی۔ پس ان ذرائع کی بنا پر ان کو مسئلہ ہذا (یعنی بیس رکعات تراویح ادا ہونے کا) علم
حاصل تھا جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ روایت میں بیان کیا ہے اور وہ بالکل صحیح
ہے۔

پھر اس روایت کی صحت کے لیے متعدد قرائن پائے جاتے ہیں جیسا کہ گزشتہ
سطور میں ہم نے ان کو مختصراً ذکر کر دیا ہے، پس ان حالات کے پیش نظر ابن عباس
رضی اللہ عنہ کے حق میں صغریٰ کا اعتراض اٹھانا بالکل بے وزن ہے اور حق بات سے
اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ والحق احق ان یتبع۔

خلافت راشدہ کا دور

دور نبوت میں جو نماز تراویح کی صورتیں پیش آئیں، ان کو ہم نے گزشتہ
اوراق میں بلا اختصار درج کیا ہے اور اس کی تائید میں دلائل بقدر کفایت پیش کر
دیئے ہیں۔

اس کے بعد خلفائے راشدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ایام خلافت میں ”مسئلہ تراویح“ کے لیے جو عملی نظم قائم رہا، اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

عہدِ صدیقی

جناب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں نماز تراویح کے ادا کرنے کی سابقہ صورت ہی جاری رہی یعنی جس طرح مسجد نبوی میں مختلف مقامات پر الگ الگ اجتماعات کی صورت میں صلوٰۃ تراویح الہی اسلام ادا کرتے تھے۔

یا پھر بعض حضرات اپنے اپنے گھروں میں تراویح پڑھتے تھے، اس طرح صدیقی دور خلافت میں تراویح ادا کرنے کا عمل جاری رہا، لیکن اجتماعی شکل میں تراویح کو ادا نہیں کیا گیا۔

صدیقی خلافت کا دور قریباً دو سال تین ماہ کا تھا۔ اس میں یہی طریقہ قائم رہا اور عہد ہذا میں صرف دو رمضان المبارک گزرے تھے۔

عہدِ فاروقی

اس کے بعد فاروقی عہد خلافت ۱۳ھ سے شروع ہوا جو قریباً ساڑھے دس سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس میں ۱۴ھ میں صلوٰۃ تراویح کے لیے ”اجتماعی عمل“ اختیار کیا گیا۔

مسئلہ ہذا کے متعلق ابتدائی مرحلہ کے کوائف میں محدثین نے ذکر کیا ہے کہ ایک صاحب (عبدالرحمن بن عبدالقاری) کہتے ہیں کہ عہد فاروقی میں ایک دفعہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مسجد نبوی کی طرف نکلا۔ دیکھا کہ لوگ متفرق صورت میں نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ کوئی شخص اپنے طور پر نماز

پڑھ رہا ہے تو کوئی دوسروں کے ساتھ مل کر تراویح پڑھ رہا ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے لگے کہ ان لوگوں کو اگر ایک قاری کے خلف میں جمع کر دیا جائے تو افضل اور بہتر ہوگا۔

عبدالرحمن مذکور کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک امام کے خلف میں جمع کر دینے کا عزم کر لیا اور جناب ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں انہیں جمع کر دیا۔

دوسری شب میں پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد نبوی میں آیا تو دیکھا کہ تمام نمازی ایک امام اور ایک قاری کے خلف میں مجتمعاً نماز تراویح ادا کر رہے ہیں تو اس صورت کو دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ نعمت البدعہ ہذہ۔ یعنی یہ نیا طریقہ بڑا عمدہ ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵، الفصل الثالث، بحوالہ البخاری، تحت قیام شہر رمضان)

ایک شبہ کا ازالہ

اس مقام میں بعض لوگوں کی جانب سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ

(۱) تراویح کی نماز جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایجاد کی۔

(۲) اور پھر جماعت تراویح کو ”نعمت البدعہ ہذہ“ سے تعبیر کیا، حالانکہ شریعت میں ”کل بدعہ ضلالہ“ ہے اور بدعت کو مذموم قرار دیا گیا ہے، وہ اچھی کیسے ہو سکتی ہے؟؟

ازالہ

اس اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں کلام پیش کیا جاتا ہے:

اعتراض میں معترض نے دو چیزیں ذکر کی ہیں:

(۱) ایک یہ ہے کہ صلوٰۃ تراویح کی ایجاد خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے

یعنی شرع کا فرمان نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراویح کی نماز کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بالکل ایجاد نہیں کیا بلکہ یہ تو سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) جاری کی ہے اور امت کو ادا کرنے کا ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر شہر رمضان
فیقال شہر کتب اللہ علیکم
صیامہ وسنت لکم قیامہ۔
(السنن لابن ماجہ، ص ۹۵، تحت باب ماجاء
فی قیام شہر رمضان، طب نظامی دہلی)

یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے ماہ رمضان کا ذکر کیا اور فرمایا
کہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اس میں روزہ رکھنا تم پر واجب کیا ہے اور
میں نے (اس کے حکم سے) اس ماہ میں
تمہارے لیے رات کو قیام کرنے (یعنی
تراویح ادا کرنے) کا طریقہ جاری کیا۔

اس حدیث نبوی سے واضح ہو گیا کہ نماز تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی کے موافق ادا کی جاتی ہے۔

(۲) اور دوسرا اعتراض کہ تراویح کو ”نعمہ البدعہ ہذہ“ کہا اور بدعت شرعاً مذموم چیز ہے تو اس کے جواب میں اکابر علماء نے اپنے اپنے دور میں جوابات تحریر کیے ہیں جن سے شبہ ہذا زائل ہو جاتا ہے اور اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ان بیانات کی روشنی میں چند کلمات درج کیے جاتے ہیں۔

○ مطلب یہ ہے کہ ایک امام کے خلف میں لوگوں کو نماز تراویح کے لیے جمع کر دینے کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بدعت باعتبار لغت کے کہا ہے کیونکہ لغت میں نئی چیز کو یا نئے کام کو بدعت کہتے ہیں، یعنی یہ ایک جدید طریقہ ہے لیکن باعتبار شرع کے بدعت نہیں فرمایا۔ جو چیز شرعاً بدعت ہو، وہ مذموم ہے۔

اسی مقصد کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

یہ فعل باعتبار شکل و صورت کے بدعت ہے مگر باعتبار حقیقت کے بدعت نہیں ہے کیونکہ یہ امر جناب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت قولی ہے، سنت فعلی ہے اور سنت تقریری بھی ہے۔ اور اس فعل پر دوام نہ فرمانا اس کے افتراض کے خوف سے ہوا تھا اور جبکہ انتقال نبوی ﷺ کے بعد یہ خشیت اور خوف نہیں رہا تو اس پر دوام کرنا صحیح ہے، بدعت نہیں ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ

(۱) انما سماها بدعه باعتبار صورتها فان هذا الاجتماع محدث بعده عليه الصلوه والسلام واما باعتبار الحقيقه فليست بدعه لانه عليه السلام - انما امرهم بصلاتها في بيوتهم للعه هي خشيه الافتراض، الخ (مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۹۸۶ ج ۳، تحت قیام شررمضان)

(۲) اور حافظ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ”المستقی“ میں اسی مقولہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

فسماها بدعه وما هو بالبدعه الشرعيه التي هي الضلاله اذ هي ما فعل بلا دليل شرعي - ولو كان قيام رمضان جماعه قبيحا لا بطله امير المؤمنين علي وهو بالكوفه بل روى عنه انه قال نور الله علي عمر قبره كما نور علينا مساجدنا۔

(المستقی للذہبی، ص ۵۳۲، بحث ابدع التراویح)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو (اجتماعی عمل) کو بدعت کہا ہے تو یہ بدعت شرعی نہیں ہے جو گمراہی ہوتی ہے۔

اس وجہ سے کہ بلا دلیل شرعی یہ اجتماع اور یہ فعل نہیں کیا گیا۔ اگر رمضان المبارک میں اس طرح جماعت کا قیام قبیح ہوتا تو اس چیز کو امیرالمومنین حضرت علی

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ باطل قرار دیتے، حالانکہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد میں کوفہ میں خلیفۃ المومنین اور حاکم وقت تھے، بلکہ ان سے اس مسئلہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ جملہ مروی ہے کہ ”حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی قبر کو منور فرمائے جس طرح انہوں نے ہماری مساجد کو (اس اجتماعی عبادت سے) منور کر دیا ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل و عمل جماعت تراویح کے ”عدم بدعت“ ہونے پر عمدہ قرینہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تراویح کے اس اجتماع کو اکابر خلفائے راشدین نے مستحسن قرار دیا ہے اور بدعت تصور نہیں کیا۔

○ اور جناب ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ جملہ کو اپنی تصنیف ”اقتضاء الصراط المستقیم“ کے صفحہ ۲۷۶ پر بحث تراویح کے تحت مختصراً اس طرح واضح کیا ہے کہ

وهذه تسميه لغويه لا
یعنی جماعت تراویح کو بدعت کہنا لغت

تسمیہ شرعیہ۔
کے لحاظ سے ہے، شرعی لحاظ سے نہیں ہے۔

علماء کرام کی ان صریحات و تشریحات کے پیش نظر مذکورہ شبہ اور اعتراض بالکلیت زائل ہو جاتا ہے۔

مذکورہ روایت جو مشکوٰۃ شریف سے بحوالہ بخاری ”پیش کی ہے اس میں تراویح کی رکعات کے متعلق تصریح موجود نہیں بلکہ جماعت تراویح کا مسئلہ اجمالاً مذکور ہے۔“

اب ذیل میں فاروقی دور کے متعلق ان روایات کو ایک ترتیب سے درج کیا جاتا ہے جن میں رکعات تراویح کی تعداد کے متعلق تفصیل دستیاب ہوتی ہے۔

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے الموطاء میں مسئلہ ہذا ذیل روایت میں ذکر کیا ہے۔

..... حدثنا مالک عن يزيد بن رومان انه قال كان

الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان
بثلاث وعشرين ركعه۔

(۱) الموطاء الامام مالک "ص ۳۰، طبع مجتبیٰ، دہلی، باب ما جاء في قيام رمضان۔

(۲) کتاب التعمید للین عبدالبر، ص ۱۱۵ ج ۸، جلد ثامن، طبع جدید مراکش۔

ابو عبداللہ محمد بن نصر المروزی نے اپنی تصنیف "قیام اللیل" میں مندرجہ ذیل عبارت میں یہی مسئلہ تحریر کیا ہے:

..... عن يزيد بن رومان كان الناس يقومون في زمان
عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعه۔

(قیام اللیل و قیام رمضان و کتاب الوتر ص ۱۵۷، طبع المکتبۃ الاثریتہ)

اور علامہ الیہتی نے اپنی تصنیف السنن الکبریٰ میں یزید بن رومان سے مذکورہ بالا روایت بالفاظہ اسی طرح درج کی ہے۔

(السنن الکبریٰ للیہتی ص ۳۹۶، جلد ثانی باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان،

طبع دکن)

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ عہد فاروقی میں لوگ تیس (۲۳) رکعات نماز رمضان المبارک میں ادا کرتے تھے۔

مذکورہ روایات اگرچہ مرسل ہیں مگر ان کے متعلق کبار علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ

رواہ مالک واسنادہ مرسل یعنی اگرچہ یہ روایت مرسل ہے لیکن قوی۔
یہ مرسل قوی ہے، ضعیف نہیں ہے۔

(آثار السنن للشیخ محمد بن علی النہوی ص ۵۵، ج ۲)

اور مرسلات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے لیے عام ضابطہ علماء نے لکھا ہے کہ وہ اہل فن کے نزدیک صحیح اور مقبول و قابل عمل ہیں، ملاحظہ ہو۔

(کتاب توضیح و تکوین، الرکن الثانی، فصل فی الاعتناء)

چنانچہ سابقہ ہر سہ روایات سے یہ چیز ثابت ہوئی کہ عہد فاروقی میں رمضان شریف میں تیس (۲۳) رکعات نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی تھی اور اہل علم حضرات پر واضح ہے کہ ان میں بیس رکعات صلوٰۃ تراویح تھیں اور تین رکعات وتر کی نماز کے لیے تھیں۔

اب ہم اس کے بعد عام دوستوں کے لیے بیس عدد رکعات کی مزید وضاحت ثابت کرنے کی خاطر چند روایات پیش کرتے ہیں، ان میں مسئلہ ہذا کی پوری صراحت مروی ہے۔ اس میں کسی تشریح اور تاویل کی حاجت ہی نہیں اور محدثین کے نزدیک روایات درست ہیں اور قابل قبول ہیں۔

(۱) ابن ابی شیبہ نے اپنی تالیف ”المصنف“ میں ذکر کیا ہے کہ

..... حدثنا وكيع عن مالك بن انس عن يحيى بن سعيدان عن عمر بن الخطاب امر رجلا يصلي بهم عشرين ركعه۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، جلد ۲، باب کم علی فی رمضان من ركعه، طبع دکن)
(۲) محمد بن نصر المروزی نے اپنی کتاب ”قیام اللیل“ میں لکھا ہے کہ

..... قال محمد بن كعب القرظي كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان عشرين ركعه يطيلون فيها القراءة ويوثرون بثلاث۔

(قیام اللیل و قیام رمضان از محمد بن نصر المروزی ص ۹۵، طبع المکتبہ الاثریہ)

(۳) عن سائب بن يزيد ايضا انهم كانوا يقومون في رمضان بعشرين ركعه ويقراون بامثين من القرآن... في زمان عمر بن الخطاب۔

(قیام اللیل و قیام رمضان از محمد بن نصر المروزی ص ۹۵، طبع مکتبہ الاثریہ)

(۴) اور علامہ البیہقی نے السنن الکبریٰ میں درج کیا ہے کہ

..... عن یزید بن خصیفہ عن سائب بن یزید قال کانوا
 یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی
 شهر رمضان بعشرین رکعہ وکانوا یقراون بالمئین ---
 الخ-

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۹۶، جلد ثانی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی
 شهر رمضان)

فائدہ

علامہ بیہقی کی اس روایت کے متعلق کبار علماء نے تصریح کی ہے کہ
 قال النواوی فی الخلاصہ اسنادہ صحیح۔
 (فتح القدیر شرح ہدایہ ص ۳۳۴، ج ۱، فصل فی قیام رمضان طبع مصر معہ عنایہ،
 حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵، باب قیام شهر رمضان، الفصل الثالث)
 ○ اور شیخ التیموی نے آثار السنن ص ۵۳ تا ۵۵، جلد ثانی میں لکھا ہے کہ
 رواہ البیہقی واسناد صحیح۔
 حاصل یہ ہے کہ علمائے فن نے مذکورہ البیہقی کی روایت عشرين
 رکعت والی کو اسناداً صحیح قرار دیا ہے۔ (ضعیف نہیں ہے)

خلاصہ

مندرجہ بالا ہر چار عدد روایات کا مفہوم یہ ہے کہ
 حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں
 اہل اسلام تراویح کی نماز باجماعت بیس (۲۰) رکعات ادا کرتے تھے اور وتر تین
 رکعات میں پڑھتے تھے۔
 اور اقتداء کرنے والوں میں ہاشمی حضرات سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عباس بن

عبدال مطلب وغیرہما کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل اور شریک ہوتے تھے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستقل امام مقرر کیے ہوئے تھے۔ ان کو نماز تراویح پڑھانے کے لیے ارشاد فرماتے تھے (اور وہ بیس (۲۰) رکعات نماز تراویح پڑھاتے تھے)

تائید

مسئلہ مندرجہ بالا کی تائید میں کبار علماء کی طرف سے چند کلمات درج کرنا مفید ہیں، وہ ملاحظہ فرمائیں۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں تحریر ہے کہ

یعنی بے شمار علماء کی یہ رائے ہے کہ (بیس (۲۰) رکعت نماز تراویح ادا کرنا) سنت ہے (بدعت نہیں) کیونکہ یہ عمل مہاجرین و انصار کے درمیان قائم ہوا اور کسی نے اس فعل پر انکار نہیں کیا۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۱۲، جلد ۲۳، تحت ابحاث القنوت)

... فانہ قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرين رکعہ فی قیام رمضان ویوتر بثلاث۔ فرای کثیر من العلمائ ان ذالک هو السنہ لانہ اقامہ بین المہاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر۔

مختصر یہ ہے کہ یہ ”اجتماعی عمل“ خلافت راشدہ کے دور میں منعقد ہوا اور کسی مشہور صحابی کی طرف سے اس کے بدعت ہونے پر اعتراض و انکار نہیں پایا گیا۔ فلذا یہ عمل صحیح ہے، خلاف سنت نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ”الحاوی للفتاویٰ“ میں لکھتے ہیں کہ

یعنی الموطاء لا امام مالک المصنف

... وفي الموطاء وابی ابن

شِبِّهِ وَالْبِيهَقِي عَنْ عُمَرَ
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ
 عَلَيَّ ابْنِ بَنِ كَعْبٍ فَكَانَ
 يَصَلِّي بِهِمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ
 عَشْرِينَ رَكْعَةً - (الحاوی للفتاویٰ
 ص ۵۴، ج اول، کتاب الصلوٰۃ باب
 التراویح)

للّٰہ بن ابی شیبہ اور السنن الکبریٰ للبیہقی تینوں
 کتب حدیث میں درج ہے کہ حضرت عمر
 بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب
 رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں لوگوں کو جمع کیا۔ پس
 وہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس
 رکعات نماز (تراویح) پڑھاتے تھے۔

اور اس مقام میں حافظ الذہبیؒ نے مزید ایک بات یہ ذکر کی ہے کہ عہد فاروقی
 رضی اللہ عنہ میں ایک انصاری بزرگ معاذ بن الحارث القاری بھی نماز تراویح پڑھاتے
 تھے۔ ان کی کنیت ابو حکیمہ تھی اور عند البعض ابو حلیمہ تھی۔

..... ابو حکیمہ معاذ بن الحارث القاری الانصاری
 الذی اقامہ عمر یصلی بالناس التراویح۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ص ۳۵۸، جلد ثانی، تحت قصہ الحرمہ طبع مصر)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے عہد میں
 تراویح کے لیے متعدد امام تھے۔ ایک ابی بن کعب، دوسرے معاذ بن الحارث
 الانصاری وغیرہ تھے۔ یہ حضرات فاروقی ہدایات کے مطابق تراویح کی امامت کراتے
 تھے۔

اس مقام میں یہ ذکر کرنا نیز مفید ہے کہ عہد فاروقی میں تراویح کے لیے ایک
 تیسرے امام کا ذکر بھی محدثین نے کیا ہے اور وہ حضرت تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ ہیں۔ بعض اوقات یہ بھی امام ہوتے تھے۔

فائدہ

تائیدات ہذا کے ذریعے واضح ہو گیا کہ عہد فاروقی والی روایات مذکورہ صحیح

ہیں، ان کو امت کے جمہور اکابر علماء نے اپنے اپنے مقام پر درست تسلیم کیا ہے۔

ایک دیگر شبہ کا ازالہ

بعض روایات حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک میں گیارہ رکعت نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ تو یہ روایت ان روایات کے برخلاف ہوئی جو گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہیں اور ان میں بظاہر تعارض پایا جاتا ہے۔

اس شبہ کے ازالہ کے لیے تحریر کیا جاتا ہے کہ

روایات میں تعارض و تخالف کے لیے زمانہ واحد ہونا شرط ہے اور ان روایات میں زمانہ واحد نہیں بلکہ ان میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ بصورت دیگر اگر اس بات سے صرف نظر کر لی جائے تاہم محدثین نے ان کے درمیان تطبیق کی صورت اس طرح بیان کی ہے کہ بحوالہ البیہقی علامہ الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قال البيهقي ويجمع بين الروایتين بانهم قاموا باحدى عشره ركعه ثم قاموا العشرين واوتروا بثلاث۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی، ص ۳۹۶، ثانی باب، فی عدد رکعات قیام شہر رمضان، نصب الراية الزیلعی ص ۱۵۴ جلد ثانی، فصل فی قیام رمضان، طبع مجلس علمی)

(۳) وفي الموطاء روايه باحدى عشره وجمع بينهما بانه وقع اولا ثم استقر الامر على عشرين فانه المتوارث۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۹۴ ج ۳، الفصل الثالث، باب قیام شہر رمضان، تحت روایت عن الاعرج، طبع لبنان)

مطلب یہ ہے کہ ان ہردو روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے پہلے گیارہ رکعات ادا کرنی شروع کی تھیں، لیکن بعد میں بیس رکعات پڑھنے پر اتفاق و استقرار ہوا، پھر جمہور صحابہ کرام اور تابعین میں یہی عمل متواتر چلا آ رہا ہے (اور وتر تین رکعات ادا کرتے تھے)



عہد عثمانی میں تراویح کا اہتمام

سابقہ صفحات میں عہد فاروقی (جو قریباً ساڑھے دس سال کے عرصہ پر محیط تھا) میں مسئلہ تراویح کا عمل مختصراً بیان کیا ہے۔ اب عہد عثمانی (جو قریباً بارہ دن کم بارہ سال ہے) میں تراویح کے متعلق جو نظم قائم تھا، اس کو بالاختصار پیش کیا جاتا ہے:

(۱) خلافت عثمانی کے دور میں علماء نے لکھا ہے کہ بعض دفعہ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوافل (تراویح) کی جماعت کراتے تھے۔

چنانچہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں بیس راتیں (تراویح) کی امامت کرائی اور نماز پڑھائی پھر (بقایا راتوں میں) رک گئے اور تشریف نہیں لائے۔

بعض لوگ کہنے لگے کہ حضرت موصوف اپنی عبادت میں مصروف ہو گئے ہیں، پھر ابو حلیمہ معاذ القاری نے لوگوں کی امامت کرائی اور ابو حلیمہ القاری نماز میں دعائے قنوت (نازلہ) پڑھتے تھے۔

... قتادہ عن الحسن امنا علی بن ابی طالب فی زمن

عثمان عشرين ليله ثم احتبس فقال بعضهم قد تفرغ

لنفسه ثم امهم ابو حلیمه معاذ القاری فكان یقنت -

(کتاب قیام اللیل و قیام رمضان ص ۹۵۵ باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جماعہ لیلا۔۔۔ الخ)

(۲) اس طرح عہد عثمانی میں تراویح ادا کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور بعض ائمہ

حضرات اس نماز میں طویل قرات کرتے تھے اور جن سورتوں میں سو سو آیات ہیں، وہ سورتیں تلاوت تراویح میں پڑھتے تھے، پھر اس صورت حال کی وجہ سے بعض کمزور حضرات اپنے ضعف کی بنا پر لاثیوں پر (سہارا) لینے پر مجبور ہو جاتے۔ الیہتی نے السنن میں یہ چیز بیان کی ہے:

..... قال (السائب بن یزید) وکانو یقراون بالمئین

وکانو یتوکثون علی عصیتهم فی عہد عثمان بن عفان

رضی اللہ عنہ من شدہ القیام۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، ص ۳۹۶، ج ۲، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر

رمضان، مرقات شرح مشکوٰۃ لعلی القاری، ص ۹۹۲، ج ۳، باب قیام شہر رمضان،

الفصل الثالث، طبع ملتان، آثار السنن للشیخ محمد بن علی النہوی ص ۳۳، ۵۵، باب

التراویح۔ حشرین رکعتہ)

خواتین کا شمول

(۳) تراویح ادا کرنے کا اجتماعی معمول مردوں میں عہد فاروقی سے جاری تھا۔

اسی طرح عہد خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں ہی خواتین کے لیے ایک صاحب تابعی (سلیمان بن ابی حثمہ) کو امام مقرر کیا گیا۔ یہ بزرگ خواتین کو مسجد کے ایک طرف چہو ترہ پر نماز تراویح پڑھاتے تھے (اور وہیں پردہ کا انتظام کر لیا جاتا تھا)

پھر جب عہد عثمانی آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق

مردوں اور عورتوں کو ایک قاری (سلیمان بن ابی حثمہ) کی اقتدا میں جمع کر دیا گیا (اور

یہ بھی باپردہ انتظام تھا)۔۔۔ جب نماز ختم ہوتی تو خواتین کو مسجد سے خارج ہونے سے

روک دیا جاتا حتیٰ کہ تمام مرد پہلے جاتے تھے، پھر اس کے بعد خواتین کو مسجد سے نکلنے

کی اجازت ہوتی تھی۔ اس چیز کی تفصیل طبقات ابن سعد کی درج ذیل روایت میں

موجود ہے:

..... ان ابی بن کعب و تمیما الداری کانا یقومان فی
مقام النبی علیہ السلام یصلیان بالرجال وان سلیمان
بن ابی حثمہ کان یقوم بالنساء فی رحبہ المسجد فلما
کان عثمان بن عفان جمع الرجال والنساء علی قاری
واحد سلیمان بن حثمہ وکان یامر بالنساء فیحسن
حتی یمضی الرجال ثم یرسلن۔

(۱) طبقات ابن سعد ص ۹۷ ج ۵، تحت سلیمان بن ابی حثمہ، طبع لیدن۔

(۲) مرقات شرح مشکوٰۃ لعلی القاری ص ۹۹۳ ج ۳، باب قیام شہر رمضان،

الفصل الثالث، طبع ملتان۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ

تراویح ادا کرنے کا ”اجتماعی عمل“ خلافت عثمانی میں بھی جاری تھا اور بعض
دفعہ اکابرین میں سے خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ نفس نفیس تراویح
کی امامت فرمایا کرتے تھے اور بیس رکعات ادا کرتے تھے اور مرد و زن اس اجتماعی
عمل میں شامل ہوتے تھے اور دیگر ائمہ بھی بالالتزام ایک نظم کے مطابق نماز ہذا
پڑھایا کرتے تھے۔ اس طریقہ کو کسی مشہور صحابی نے بدعت نہیں کہا اور اس پر نکیر
نہیں فرمائی۔

عہد مرتضوی رضی اللہ عنہ میں تراویح کا انتظام

دور عثمانی کے بعد عہد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو قریباً چار سال نو ماہ کے
عرصہ پر مشتمل تھا) اس میں بھی نماز تراویح کا باقاعدہ اہتمام ہوتا تھا۔

محدثین اور کبار علماء نے اس مسئلہ کی تفصیلات نقل کی ہیں۔ ذیل میں چند
ایک حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں مسئلہ تراویح کے متعلق وضاحت
دستیاب ہوتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ائمہ اور شاگردوں کو نماز تراویح کی ادائیگی کے لیے ہدایات جاری فرماتے تھے۔

(۱) چنانچہ ابوالحسناء ذکر کرتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا کہ رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح لوگوں کو پڑھائیں۔

..... حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن

قیس عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بہم فی

رمضان عشرين رکعہ۔

(المصنف للابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲، تحت باب کم۔ علی فی رمضان من رکعہ،

کتاب التعمید للابن عبد البر ص ۱۱۵ جلد ثامن، تحت بحث ہذا، طبع جدید)

(۲) اسی طرح عرفہ الثقفی ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، لوگوں کو قیام رمضان کا امر فرمایا کرتے تھے اور مردوں کے لیے ایک امام مقرر فرمایا اور عورتوں (کو نماز پڑھانے) کے لیے مجھے امام مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خواتین کے لیے نماز (تراویح) کی امامت کروں۔

..... عن عمر الثقفی عن عرفجہ الثقفی ان علیا کان

یامر الناس بالقیام فی شہر رمضان ویجعل الرجال اماما

وللنساء امام فقال فامرنی فاممت النساء۔

(المصنف لعبد الرزاق ص ۱۵۲ ج ۳، روایت نمبر ۵۱۲۵، المستقی للذہبی، ص ۵۳۲،

مختصر منهاج السنہ لابن تیمیہ)

(۳) ابو عبد الرحمن السلمی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلوایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ بیس رکعات نماز (تراویح) لوگوں کو پڑھائیں اور خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔

... عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی

عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر
منہم رجلا یصلی بالناس عشرين رکعہ وکان علی رضی
اللہ عنہ یوتر بہم۔ وروی ذالک من وجہ آخر من علی۔

(۱) السن الکبریٰ للمیسیقی ص ۳۹۶، ۳۹۷، جلد ۲، باب ما روی فی عدد رکعات القیام

فی شہر رمضان، طبع حیدرآباد، المستقی للذہبی ص ۴۲، طبع مصر

اب ذیل میں ان روایات کو پیش کیا جاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کے
بلا واسطہ شاگردوں سے مروی ہیں اور ان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں
کا ”دائمی عمل“ ذکر کیا گیا ہے۔

یہ وہ عمل ہے جو انہوں نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے
مطابق ہمیشہ سرانجام دیا۔ اور ان کے اس طریقہ کار پر اس دور میں کسی نے خلاف
سنت ہونے کا اعتراض وارد نہیں کیا۔

تنبیہ

ہماری کتاب سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں فقہی مسائل کی بحث میں بھی
یہ مسئلہ درج ہو چکا ہے۔

(۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد سوید بن غفلہ ہیں۔
یہ کبار تابعین میں سے ثقہ شخصیت ہیں اور ان کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ جس
روز جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفن ہوا، اسی روز یہ صاحب مدینہ
منورہ پہنچے تھے۔

ان کے شاگرد ابوالنحیب کہتے ہیں کہ جناب سوید بن غفلہ رمضان المبارک
میں ہمیں تراویح کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور وہ نماز پانچ ترویحوں کے ساتھ تمام
کرتے تھے (اور ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنے کو ترویجہ کہا جاتا ہے) اس صورت
میں تراویح بیس رکعت میں ادا ہوتی ہے۔

...انباء ابوالخصیب قال کان یثومنا سوید بن غفلہ

فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعہ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۹۶، ج ۲، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

(۲) اسی طرح علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد شتیر بن شکل ذکر کرتے ہیں کہ وہ رمضان شریف میں بیس رکعات کے ساتھ لوگوں کی امامت کرتے تھے اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھایا کرتے تھے۔

..... روینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی

رضی اللہ عنہ انہ کان یومہم فی شہر رمضان بعشرین

رکعہ ویوتر بثلاث۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۹۶، ج ۲، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

حاصل کلام

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں نماز تراویح کے متعلق جو اہتمام اور انتظام ہوتا تھا، اور ان کے شاگرد حضرات جس طریق کار پر ہمیشہ کاربند رہتے تھے، اس کا ایک مختصر سا نمونہ مندرجات بالا میں ذکر کر دیا ہے۔

یہاں سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اور ان کے شاگردوں کے دور میں نماز تراویح اجتماعی طور پر بیس رکعات کے ساتھ اور تین رکعات کے ساتھ باجماعت ادا کی جاتے تھے اور ان کے اس ”اجتماعی عمل“ پر اہل اسلام کاربند تھے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں نہ تو تراویح کو ترک کیا گیا اور نہ ہی اس کی بیس رکعات تعداد میں کمی کی گئی۔

گزشتہ سطور میں خلافت راشدہ کے تین ادوار عہد فاروقی، عہد عثمانی، عہد علوی میں تراویح ادا کرنے کی کیفیت مختصراً ذکر کی گئی ہے۔ یہ مدت کم و بیش پچیس

برس پر مشتمل ہے۔ اس تمام مدت میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین کا ”دوامی عمل“ بیس رکعات ادا کرنے کا پایا جاتا ہے۔

پھر اس دور میں صحابہ یا تابعین میں سے کسی نامور شخصیت نے اس معمول پر بدعت ہونے شبہ نہیں پیدا کیا اور اس عمل کو خلاف سنت قرار دے کر متروک نہیں کیا۔ فلہذا تراویح کے مسئلہ پر تمام ادوار میں اہل اسلام کا تعامل گمراہی پر اجتماع نہیں ہے اور نہ ہی یہ بدعت ہے بلکہ مسنون طریقہ کے موافق ہے۔

بفرمان رسالت

خلفاء راشدین کی اتباع کی تاکید

اب ہم بیس رکعات نماز تراویح کے اجتماعی عمل کے صحیح ہونے کو ایک دیگر طریقہ سے پیش کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں فرمان نبوت سے تائید حاصل کرتے ہیں۔

وہ اس طرح ہے کہ جناب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! میری سنت اور طریقہ کو لازم پکڑو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو، ان کی پیروی کرو اور ان کے طریقہ پر خوب جھے رہو۔۔۔ الخ۔

اس فرمان رسالت کو متعدد محدثین نے اپنے اپنے اسناد کے ساتھ اپنی تالیفات میں درج کیا ہے اور اہل علم حضرات ان مقامات سے بخوبی واقف ہیں لیکن عام دوستوں کے اطمینان کی خاطر مذکورہ روایات کو ہم کتب احادیث سے نقل کرتے ہیں۔

(۱) چنانچہ مشہور محدث محمد بن نصر المروزی (المتوفی ۲۹۳ھ) نے ”کتاب السنہ“ میں بالفاظ ذیل یہ روایت ذکر کی ہے۔

...عن عرباض بن ساریہ الفزاری وکان من الباکین

قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الغداة - فاقبل علينا فوعظنا موعظه بليغه... فانه من يعيش منكم فسيري اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى... الخ -

(کتاب السنہ لمحمد بن نصر المروزی ص ۲۱ مطبوعہ ریاض، سعودی عرب)

(۲) درسی کتاب مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت بہ عبارت ذیل درج ہے:

...عن عرياض بن ساريه قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه... فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ... الخ رواه احمد و ابو داود والترمذي وابن ماجه -

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۹-۳۰ باب الاعتصام بالكتاب والسنه، الفصل الثاني، طبع نور محمد، دہلی)

مذکورہ بالا روایت مضمون ہذا کے ساتھ مقامات ذیل میں بھی مروی ہے، ملاحظہ

فرمائیں۔

(۳) السنن للدارمی ص ۲۶ باب اتباع السنه، طبع نظامی کانیوری۔

(۴) المستدرک للحاکم ص ۹۶، جلد اول کتاب العلم، طبع اول، دکن۔

(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۱۳ جلد عاشر، طبع اول، دکن۔

(۶) موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان لنور الدین البیہقی ص ۵۶ روایت نمبر ۹۰۲ تحت کتاب

العلم باب اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مندرجہ روایات کا خلاصہ اور مفہوم وہی ہے جو سطور بالا میں تحریر کر دیا گیا ہے،

یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دیگر امور کے علاوہ یہ فرمان دیا کہ میرے بعد اختلافات دیکھے جائیں گے تو اس وقت تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقے کے

ساتھ تمسک کرو اور دانتوں کے ساتھ اسے مضبوطی سے پکڑو اور ترک نہ کرو۔ (یعنی سختی کے ساتھ اس پر کاربند رہو)

پھر اس کے بعد مزید برآں حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی اتباع و اقتدا کے متعلق خصوصی ارشادات نبوت بھی پائے جاتے ہیں اور وہ روایات عند المحدثین صحیح ہیں۔

ان میں سے چند ایک مرویات ذیل میں بغور ملاحظہ فرمائیں:

عن حذیفہ قال کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم اقتدوا بالذین من بعدی وارشار الی ابی بکر وعمر... الخ۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۶۹، ج ۱۳، روایت نمبر ۱۸۸۹۵، کتاب المغازی، طبع کراچی)

(۲) اور ترمذی شریف میں یہ روایت بہ عبارت ذیل مذکور ہے:

... عن حذیفہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر۔

(ترمذی شریف ص ۲۰۷، جلد ثانی، باب مناقب ابی بکر الصدیق، طبع مجتبائی دہلی)

(۳) جامع مسانید الامام الاعظم ص ۲۲۶، جلد اول، للقاضی ابوالموئذ الخوارزمی،

طبع دکن۔

مذکورہ بالا روایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی تھی، اب ذیل میں اسی مضمون کی روایت جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی جاتی ہے:

... عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعد ابوبکر وعمر۔

(المسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۷۲، باب الفضائل والشمائل، طبع، عقود الجواہر المنیفہ

ص ۳۱، جلد اول، بیان الخبر الدال علی تقدیم ابی بکر علی وغیرہ)

روایات مذکورہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ جناب حذیفہ بن الیمان اور جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں حضرات ذکر کرتے ہیں کہ جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر و عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا و اتباع کرنا... الخ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان فرمودات رسالت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء راشدین اور خصوصاً سنیچین حضرات حضرت ابوبکر الصدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع و تابعداری کرنے کے متعلق تاکید حکم موجود ہے۔

اور ان میں سے تینوں خلفاء راشدین میں رکعات نماز تراویح باجماعت ادا کرتے رہے ہیں اور ان کی ہدایات کے تحت ان کے عہد میں اس طریقہ پر دواماً عمل ہوتا رہا ہے۔

فلذا مسئلہ ہذا میں ان خلفاء حضرات کی اقتدا کرنا بفرمان نبوت لازم ہے اور یہ طریقہ شریعت محمدی کے عین مطابق ہے اور خلاف سنت نہیں ہے بلکہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی صحیح اطاعت ہے۔

مشاہیر صحابہ کرامؓ کا تعامل

سابقہ سطور میں تراویح کے متعلق خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا طریق کار بالا اختصار ذکر کیا گیا ہے۔ اب مسئلہ تراویح کے متعلق مزید چند ایک اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دواوی عمل ذکر کیا جاتا ہے، جس سے تراویح کی بیس رکعات کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا عمل

محدثین نے لکھا ہے کہ جناب ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے اور وتر تین

رکعت میں ادا کرتے تھے۔ روایت کے الفاظ سے یہ ان کا دوامی معمول واضح ہوتا ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ ذکر کرتے ہیں کہ

... کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان

بالمدينہ عشرین رکعہ ویوتر بثلاث۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، طبع حیدرآباد دکن، باب۔ صلی فی رمضان من رکعہ)

روایت ہذا سے معلوم ہوا کہ مدینہ شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ رمضان شریف میں بیس رکعات (نماز تراویح) اور تین رکعات میں وتر ادا کیا کرتے تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول

اس کے بعد جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراویح کے متعلق طریق کار ذکر کیا جاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ

...وکان اقرب الناس دلاً
وسمتاً وهدیاً برسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مشکوۃ
شریف ص ۵۷۳، الفصل الاول، جامع
المناقب، بحوالہ بخاری)

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عنہ باعتبار طریقہ، میانہ روی اور حسن
سیرت کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے زیادہ قریب تھے۔

نیز جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمانِ نبوت یہ بھی ہے کہ
...وتمسکوا بعہد ابن
یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے عہد اور
وصیت کے ساتھ تمسک کرو۔ مسعود۔

(ترمذی شریف ص ۵۳۲، تحت باب المناقب، مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، طبع قدیم لکھنؤ)

ان فرمودات کی روشنی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت کے سلسلہ میں مقام و مرتبہ واضح ہو گیا اور سیرت نبوی کے ساتھ ان کا شغف ظاہر ہوا۔ مسئلہ تراویح کے سلسلہ میں محدثین نے جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ

...کان عبداللہ بن مسعود یصلی عشرين رکعہ ویوتر بثلاث... الخ (قیام اللیل و قیام رمضان للمروزی ص ۱۵۷، ۱۵۸، طبع مکتبہ اثریہ، شیخوپورہ)

یعنی جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ بیس رکعات (تراویح) پڑھتے تھے اور وتر تین رکعات میں ادا کرتے تھے، یہ ان کا دائمی معمول تھا۔

روایات ہذا کے ذریعے یہ چیز عیاں ہو گئی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیس رکعات تراویح ادا کرنے کا عمل جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محفوظ تھا اسی لیے آنمو صوف اس کا التزام کیے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا شرعی مسائل میں طریق کار

جناب عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ سے جب کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو اس کا حکم اگر کتاب اللہ میں موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں ہے اور سنت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا جاتا تو سنت نبوی کے مطابق قول کرتے۔ اور اگر وہ مسئلہ نہ تو کتاب اللہ میں ہوتا اور نہ ہی سنت نبوت میں پایا جاتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمودات میں پایا جاتا تو آنمو صوف ان حضرات کے قول کے مطابق عمل کرتے۔ اور اگر مذکورہ بالا تینوں صورتیں موجود نہ ہوتیں تو پھر اپنی مجتہدانہ رائے پر عمل کرتے تھے۔

..... عن عبداللہ بن ابی یزید قال سمعت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہما انا سئل عن شیء ہوفی کتاب اللہ قال بہ وان لم یکن فی کتاب اللہ وقالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بہ وان لم یکن فی کتاب اللہ ولم یقلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالہ ابوبکرو عمر رضی اللہ عنہما قال بہ والا اجتہد رایہ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۱۵ ج ۹۰ کتاب آداب القاضی، طبع قدیم، دکن)

روایت بالا کا روشنی میں معلوم ہوا کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیس رکعات نماز تراویح کے قائل تھے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا یہ فیصلہ شدہ عمل ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی تھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرات سیخین رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق عمل کرتے اور اس کو حجت شرعی سمجھتے تھے۔

فلذا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعات تراویح یا جماعت کا قول کرتے اور اسے صحیح عمل قرار دیتے تھے، اس لیے کہ یہ مسئلہ فاروقی عہد کا فیصلہ شدہ امر ہے جس کو وہ حجت سمجھتے تھے۔

تنبیہ

سابقہ صفحات یعنی عہد نبوت کی مرویات میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح کی مرفوع روایت نقل کی گئی ہے، اس روایت کے بعض رواۃ پر اگرچہ کلام پائی گئی ہے لیکن دیگر قرائن کے ساتھ موید ہے اور وہ اپنے مقام پر درست ہے۔ اب اکابر صحابہ کرام کے تعامل اور ان کے طریقہ کار کے سلسلہ میں یہ علامہ البیہقی کی روایت ذکر کی ہے اور اس سے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے ذریعہ مسئلہ تراویح بیس رکعات ادا کرنے کی تائید حاصل کرنا مقصود ہے اور اسی ضرورت کے تحت یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

امہات المومنین کا طرزِ عمل

اکابر محدثین اور فقہاء نے اپنی معروف تالیفات میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تراویح کے متعلق یہ صورت اختیار کرتی تھیں کہ آنمو صوفہ رضی اللہ عنہا رمضان المبارک میں خواتین کو نوافل کی امامت کرایا کرتی تھیں اور ادائیگی نماز کی یہ صورت ہوتی تھی کہ آں محترمہ رضی اللہ عنہا صف کے وسط میں (تھوڑا آگے) کھڑے ہو کر تراویح کی نماز پڑھاتی تھیں۔

یہی مسئلہ اکابر فقہاء کی ذیل کتب میں مذکور ہے:

..... عن ابی حنیفہ عن حماد بن ابراہیم عن عائشہ

رضی اللہ عنہا انہا کانت توم النساء فی رمضان تطوعا
وتقوم فی وسط الصف۔

(کتاب الآثار لامام ابی یوسف ص ۴۱، روایت نمبر ۲۱۲، طبع بیروت، لبنان، کتاب
الآثار الامام محمد ص ۴۳، باب المرأة توم النساء و کیف تجلس فی الصلوة قدیم طبع انوار
محمدی، لکھنؤ)

(۲) محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک غلام ذکوان تھا اس کی کنیت ابو عمرو تھی اور وہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حاجب (دربان) بھی تھا۔ اسے آنمو صوفہ رضی اللہ عنہا نے فرمان دے رکھا تھا کہ تو میری وفات کے بعد آزاد ہے اور ذکوان ایک خصوصی خدمت یہ بھی بجالاتا تھا کہ رمضان المبارک میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تراویح پڑھاتا تھا۔

امام مالکؒ نے اپنے موطا میں یہی چیز عبارت ذیل درج کی ہے:

..... مالک بن هشام بن عروہ عن ابیہ ان ذکوان ابا

عمرو وکان عبدا لعائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فاعتقته عن دبر منہا یقوم یقر الہا فی رمضان۔

(موطا امام مالکؒ، ص ۹۹، طبع کراچی نور محمدی، باب ما جاء فی قیام رمضان)

(۳) اور کبار فقہاء نے اہمات المومنین کی تراویح کی ادائیگی کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے غلام ذکوان کی اقتدا میں نماز تراویح ادا کیا کرتی تھیں۔ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز تراویح عورتوں کی جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور ان کی خادمہ ام الحسن البصری جماعت کرایا کرتی تھیں۔

یہی چیز فتاویٰ قاضی خان میں بالفاظ ذیل مذکور ہے:

... واقامها ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحو عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہن خلف ذکوان وام سلمہ رضی اللہ عنہا بجماعہ النساء امتہا مولاتہا ام الحسن البصری رضی اللہ عنہا وکانت ہی فی صفہن۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہندیہ، ص ۲۱۳، ج اول باب التراویح، طبع قدیم، مصر)

مختصر یہ ہے کہ ازواج مطہرات کا یہ طرز عمل رمضان المبارک میں جاری رہتا تھا اور یہ معمول جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ہدایت کے تحت تھا، ان کے خلاف ہرگز نہیں تھا۔

گزشتہ اوراق میں ہم نے مسئلہ تراویح کے متعلق مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دواوی عمل ذکر کیا ہے۔ اور ان حضرات کا کسی شرعی مسئلہ میں اتفاق کر لیتا اور اس کو بالاتفاق معمول بنا لینا مستقل ”شرعی دلیل“ اور ”حجت قاطعہ“ کا درجہ رکھتا ہے۔

چنانچہ اسی چیز کو کبار علماء نے بطور قاعدہ کے مندرجہ ذیل عبارت میں پیش کیا ہے:

”قاعدہ“ التوارث والتعامل هو معظم الدین۔ یعنی اذا

ثبت تعامل الصحابہ بامر فہو حجة قاطعہ وسنہ ثابتہ۔

لا یمکن دفعہا۔

(فیض الباری علی صحیح البخاری للحدیث الکبیر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری)

ص ۲۵۴، ج ۲، طبع مجلس علمی ڈابھیل

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شرعی مسئلے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا توارث اور تعامل پایا جانا یہ دین میں عظیم امر ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک معاملہ میں جب تعامل ہو جائے تو وہ حجت قاطعہ ہے اور ثابت شدہ سنت ہے، اس کو رد کرنا ممکن نہیں اور اسے ناقابل عمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اجماع سکوتی

پھر یہاں یہ چیز بھی پائی گئی ہے کہ اس دور کی کسی مشہور شخصیت نے بیس رکعات نماز تراویح کے ”اجماعی عمل“ پر اعتراض نہیں کیا اور اسے خلاف سنت قرار نہیں دیا۔

پس اس بنا پر اس امر کو ”اجماع سکوتی“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مسئلہ ہذا کے اثبات کے لیے جہاں دیگر دلائل و شواہد پیش کیے جاتے ہیں، وہاں اس دور میں ”اجماع سکوتی“ بھی اس مسئلہ میں مستقل شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرات تابعین، تبع تابعین و دیگر کبار علماء کے فرمودات

اس سے پہلے صحابہ کرام کے تراویح کے متعلق معمولات ایک ترتیب سے ذکر کئے ہیں اس کے بعد ذیل میں مشاہیر تابعین اور تبع تابعین کے فرمودات کو اختصاراً پیش کیا جاتا ہے۔

جناب ابراہیم النخعیؒ

جناب ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کبار تابعین میں سے ہیں اور ان کے مرسلات عند الفقہاء مقبول ہیں اور محدثین اور فقہاء نے ان کا مندرجہ ذیل قول

نقل کیا ہے۔

...عن ابراہیم بن یزید (النخعی) ان الناس كانوا يصلون خمس ترویحات فی رمضان۔
یعنی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دور میں اہل اسلام رمضان شریف میں پانچ ترویحوں کے ساتھ نماز تراویح ادا کرتے تھے۔

(کتاب الآثار الامام ابی یوسف ص ۴۱، روایت نمبر ۲۱۱، طبع بیروت)
اور فقہ کی اصطلاح میں ہر چار رکعات نماز تراویح ادا کرنے کے بعد قلیل وقت کے لیے ٹھہر جانے کو ترویجہ کہا جاتا ہے اور پانچ ترویجہ کی صورت میں بیس رکعات نماز تراویح تمام ہو جاتی ہیں۔

جناب عطاء بن رباحؓ

جناب عطاء بن رباحؓ مشہور تابعی کا قول اکابر محدثین نے بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

..... عن عطاء قال ادرکت الناس وهم يصلون ثلاثه وعشرين رکعہ بالوتر۔

(المصنف للابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، ج ۲، تحت باب کم۔ علی فی رمضان من رکعہ، الشیخ الیثموی نے آثار السنن ص ۵۵، جلد ثانی پر مذکورہ بالا روایت درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسنادہ حسن" طبع دکن)

یعنی جناب عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اہل اسلام کو اس طرح پایا ہے کہ وہ لوگ (رمضان شریف میں) تیس (۲۳) رکعات نماز تراویح و تروں سمیت ادا کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح ہوتی تھی اور تین رکعات میں وتر ادا کرتے تھے۔

جناب عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے اہل اسلام کا معمول ذکر کیا ہے، ان پر وہ لوگ ہمیشہ سے کاربند چلے آ رہے تھے۔

جناب ابن ابی ملکیہؒ

تابعین حضرات میں ایک نامور تابعی جناب عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملکیہ ہیں جو ”ابن ابی ملکیہ“ کی کنیت سے مشہور ہیں۔

محدثین نے ان کا معمول ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

... حدثنا وكيع عن نافع مولى لابن عمر كان ابن ابی

ملکیہ یصلی بنافی رمضان عشرين رکعہ... الخ۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ جلد ثانی تحت باب کم۔ علی فی رمضان من

رکع، طبع حیدرآباد، دکن، الشیخ التیمی نے آثار السنن، ص ۵۶، ۵۵ جلد ثانی پر

مذکورہ بالا روایت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اسنادہ صحیح“)

مطلب یہ ہے کہ ابن ابی ملکیہؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہمیں آنمو صوف رحمۃ

اللہ علیہ رمضان شریف میں بیس رکعات (نماز تراویح) پڑھایا کرتے تھے... الخ۔

گویا کہ اس دور کے اکابرین امت کا یہ دوامی معمول اور اجتماعی عمل تھا کہ وہ

رمضان المبارک میں بیس رکعات نماز تراویح ادا کیا کرتے تھے۔

علی بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ

علی بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعین میں سے ہیں آنمو صوف کے متعلق

محدثین نے لکھا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں اہل اسلام کو پانچ ترویحوں کے ساتھ

نماز تراویح پڑھاتے تھے اور وتر تین رکعات کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

چنانچہ ابن ابی شیبہ نے اس سلسلہ میں درج ذیل روایت درج کی ہے:

... عن سعید بن عبیدان عن علی بن ربیعہ کان یصلی بہم

فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث۔

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، جلد ۲، تحت باب کم مصلی فی رمضان من رکعہ، طبع حیدر آباد، دکن۔

(۲) الشیخ التیموی نے مذکورہ بالا روایت آثار السنن ص ۵۶، ج ۲ میں درج کی ہے اور روایت کے متعلق لکھا ہے کہ ”اسنادہ صحیح۔“

اس مسئلہ میں بہت سے کبار تابعین کے اقوال اور معمولات پائے جاتے ہیں لیکن یہاں اختصار کی بنا پر چند ایک روایات پر اکتفا کیا ہے۔

تنبیہ

سطور بالا میں چند ایک اکابر تابعین کے اقوال اور معمولات ذکر کیے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جس کے متعلق ارشادات نبوی ﷺ میں خیر القرون ہونے کی بشارت پائی جاتی ہے۔ (خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم) پس تابعین کے اس خیر دور میں بیس رکعات تراویح کا ادا کیا جانا عند الشرع صحیح ہے، خلاف سنت اور بدعت ہرگز نہیں۔ اور یہ طریقہ خیر ہی ہے جو خیر القرون میں پایا گیا ہے۔

اکابر علمائے امت کے بیانات

اب اس کے بعد تراویح کے متعلق کبار محدثین اور مشاہیر علماء کے چند ایک بیانات ہم مختصراً پیش کرتے ہیں۔۔۔ ان میں بیس رکعات تراویح کا مسئلہ بڑی صراحت کے ساتھ سامنے آئے گا اور اکابرین امت کے نزدیک اس کی اہمیت واضح ہوگی۔

○ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ (نعمان بن ثابت ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ) سے ان کے شاگرد کبیر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار مسئلہ تراویح میں حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کار کے متعلق دریافت کیا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ

تراویح کی نماز ”سنت موکدہ“ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی جانب سے تخریج و تجویز نہیں فرمایا اور آنمو صوف رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بدعتی نہیں تھے اور انہوں نے بغیر کسی اصل (یعنی ثبوت شرعی) اور عہد نبوی ﷺ کے اس چیز کا امر نہیں فرمایا۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم نے اپنی تصنیف ”البحر الرائق“ میں یہ واقعہ کتاب ”الاختیار“ سے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

... وذكر في "الاختيار" ان ابا يوسف رحمه الله عليه
سال ابا حنيفة رحمه الله عليه عنها وما فعله عمر فقال
التراويح سنه موكده- ولم يتخرج عمر من تلقاء
نفسه- ولم يكن فيه مبتدعا- ولم يامر به الا عن لديه
وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم-

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم ص ۶۶ جلد ثانی تحت بحث تراویح،

طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) رد المحتار لابن عابدین الشامی (حاشیہ در مختار) ص ۷۳۶، ج اول تحت بحث

تراویح، طبع قدیم، مصر۔

(۳) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ لعبد الرحمن الجزیری ص ۳۴۱، جلد اول

تحت کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ التراویح حکما و دکتھا، طبع بیروت، لبنان)

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف جامع ترمذی میں اس مسئلہ پر

مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے:

یعنی امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل

... و اکثر اهل العلم علی ما

علم حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ (نماز

روی عن علی و عمر

وغیرہما من اصحاب النبی
صلی اللہ علیہ وسلم عشرين
رکعہ۔ وهو قول سفیان ثوری،
وابن المبارک والشافعی
ہکذا ادرکت ببلدنا بمکہ
یصلون عشرين رکعہ۔
(ترمذی شریف ص ۹۹، جلد اول،
باب ما جاء فی قیام شہر رمضان، طبع قدیم
لکھنؤ)

تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ یہ چیز حضرت
علی المرتضیٰ، حضرت عمر فاروق اور دیگر
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی
ہے اور جناب سفیان ثوری، ابن المبارک
اور امام شافعی (رحمہم اللہ) نے یہی قول کیا
ہے اور مزید برآں امام شافعیؒ فرماتے ہیں
کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں اہل
اسلام کو بیس رکعات (تراویح) ادا کرتے
ہوئے پایا ہے۔

○ اور اسی طرح مسئلہ ہذا کو مشہور محدث امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (الحسین بن
مسعود المتوفی ۵۱۶ھ) نے اپنی تالیف ”شرح السنہ“ میں مذکورہ بالا عبارت کے ساتھ
بلغۃ درج کیا ہے:

واما اکثر اهل العلم فعلى عشرين رکعہ... یصلون
عشرين رکعہ۔

(شرح السنہ لامام بغویؒ ص ۱۲۳، ج ۳، تحت بحث روایات تراویح، باب قیام شہر
رمضان وفضلہ)

○ ائمہ احناف کے مشہور فقیہ شمس الائمہ السرخسی (ابوبکر محمد بن ابی سہل
السرخسی المتوفی ۴۹۰ھ) نے اپنی تصنیف ”المبسوط“ میں مسئلہ ہذا کو مندرجہ ذیل الفاظ
میں واضح کیا ہے:

... والمبتدعہ انکروا ارادھا بالجماعہ فی المسجد
فاداءھا بالجماعہ جعل شعار للسنہ کاداء الفرائض
بالجماعہ شرع شعار الاسلام۔

(کتاب المبسوط لشمس الائمہ السرخسی ص ۱۳۵، ج ۲، تحت کتاب التراویح الفصل

ثانی، طبع اول مصر

اس کا مفہوم یہ ہے کہ تراویح کو باجماعت مسجد میں ادا کرنے سے بدعتیوں نے انکار کیا تو تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت طریقے کے لیے شعار بنایا گیا۔ جیسا کہ فرائض کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا اسلام کا شعار قرار دیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تراویح کو باجماعت مساجد میں ادا کرنا اکابرین امت کے نزدیک اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ان کو شعائر دین میں شمار کیا ہے۔

نیز السرخسی نے اس مقام میں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کے اجتماعی قیام کے مسئلہ میں منفرد نہیں تھے اور ان کا یہ انفرادی عمل نہیں تھا بلکہ اجلائے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ تھے۔ خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں راضی اور خوش تھے حتیٰ کہ آنمو صوف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر کے کلمات فرمائے اور اپنے عہد خلافت میں بیس تراویح کی جماعت کا حکم فرما کر اسے قائم کیا۔

وان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا صلاھا بالجماعہ مع
اجلاء الصحابہ فرضی بہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتی
دعاه بالخیر بعد موته کما ورد وامر بہ فی عہدہ۔

(المبسوط لشمس الائمہ السرخسی ص ۹۳۵ ج ۴، الفصل الثالث، من کتاب التراویح)

مندرجہ حوالہ سے واضح ہو گیا کہ بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مسئلہ میں متعاون تھے اور فیصلہ شدہ امر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی غلط کام اور خلاف شرع بات پر جمع نہیں ہوتے۔ فلذا بیس رکعات میں تراویح ادا کرنے کا مسئلہ شرع کے موافق ہے اور سنت طریقہ کے مخالف و متعارض نہیں۔

○ اکابر حنفیہ کے مشہور فقیہ علامہ کاشانی (علاء الدین ابوبکر بن مسعود الحنفی متوفی ۵۸۷ھ) نے اپنی تصنیف ”البدائع والسنائع“ میں یہی مسئلہ بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو جمع کیا اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام بنایا۔

..... فصلی بہم کل لیلہ عشرين رکعہ ولم ینکر

علیہ احد فیکون اجماعا منہم علی ذالک۔

(البدائع والسنائع للکاشانی، ص ۲۸۸، جلد اول، فصل فی مقدار التراویح)

یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان حضرات کو رمضان شریف میں ہر رات بیس رکعات نماز تراویح پڑھاتے تھے اور اس چیز پر کسی ایک صاحب نے بھی انکار نہیں کیا اور منکر نہیں جانا۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ امر اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اجماع پایا گیا ہے جسے اجماع سکوتی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ”اجماع“ مستقل حجت شرعیہ ہے، فلہذا اس امر کو بدعت کہنا اور خلاف سنت قرار دینا صحیح نہیں۔

○ اور مشہور عالم علامہ محمد بن احمد بن رشد القرطبی متوفی ۵۹۵ھ المعروف لابن رشد المالکی نے اپنی تالیف بدایہ المجتہد میں اس مسئلہ کو اس طرح واضح کیا ہے:

یعنی رمضان شریف میں جو نماز (تراویح) ادا کی جاتی ہے اس کی عدد رکعات میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول میں اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور محدث داؤد (رحمہم اللہ تعالیٰ) حضرات نے وتر کے بغیر بیس رکعات (تراویح) کو پسند کیا ہے اور اسے رائج قرار دیا ہے۔

... واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس فی رمضان فاختر مالک " فی احد قولیه و ابو حنیفہ والشافعی و احمد و داود (رحمہم اللہ تعالیٰ) القیام بعشرين رکعہ سوی الوتر۔

(بدایہ المجتہد لابن رشد المالکی ص ۲۱۰، جلد اول، الباب الخامس فی قیام رمضان)

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام ائمہ کرام کے نزدیک تراویح کو بیس رکعات میں ادا کرنا فیصلہ شدہ امر ہے۔

○ اور حنبلی علماء میں علامہ ابن قدامہؒ (ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المتوفی ۶۲۰ھ) ایک مشہور عالم دین ہیں۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف ”المغنی“ میں مسئلہ تراویح کی وضاحت کرتے ہوئے اکابر ائمہ کا مسلک ذکر کیا ہے۔

..... والمختار عند ابی عبد اللہ رحمہ اللہ (الامام

احمد رحمہ اللہ علیہ) فیہا عشرون رکعہ وبہذا قال

الثوری وابو حنیفہ والشافعی... الخ

(المغنی لابن قدامہ ص ۱۳۸-۱۳۹، الجزء الثانی بحث صلوۃ التراویح وعدد رکعاتہا)

یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیس رکعات (نماز تراویح) پسندیدہ قول ہے اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام ائمہ کے نزدیک بھی یہی پسندیدہ اور مختار قول ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مذکورہ اکابرین امت کے نزدیک نماز تراویح بیس رکعات ہیں اور یہی امر ان کے ہاں مختار اور پسندیدہ ہے۔

○ مشہور محدث اور فقیہ علامہ بدر الدین العینی (المتوفی ۸۵۵ھ) شارح بخاری نے بخاری شریف کی شرح میں مسئلہ ہذا کی تشریح بالفاظ ذیل ذکر کی ہے:

... واما القائلون بہ
(عشرین رکعہ) من التابعین
فشتیر بن شکل، وابن ابی
ملیکہ والحارث الہمدانی
وعطاء بن ابی رباح وابو
البختری وسعید بن ابی
الحسن البصری اخوا
اس کا مفہوم یہ ہے کہ تابعین حضرات
میں سے بیس رکعات نماز تراویح کا قول
درج ذیل حضرات نے کیا ہے۔ شتیر بن
شکل، ابن ابی ملیکہ، الحارث ہمدانی، عطاء
بن رباح، ابوالبختری سعید بن ابی الحسن
البصری، اخوالحسن، عبدالرحمن بن ابی بکر
اور عمران العبدي اور ابن عبدالبر نے کہا

الحسن وعبدالرحمن بن ابی بکر وعمران العبدی۔ وقال ابن عبدالبر وهو قول جمهور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واكثر فقهاء۔ وهو الصحيح ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابه۔

ہے کہ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور فقہائے کوفہ امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء نے بیس رکعات نماز تراویح کا قول کیا ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بغیر اختلاف کے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہی صحیح قول منقول ہے یعنی صحابہ میں کوئی معتد بہ اختلاف اس مسئلہ میں نہیں پایا گیا۔

(عمدة القاری شرح بخاری شریف للعینی ص ۱۲۸ ج ۱۱، باب فضل من قیام رمضان)

کیا تراویح آٹھ رکعات ہیں؟ ایک سوال پھر اس کا جواب

بعض لوگوں کی طرف سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی درج ذیل روایت اس مسئلہ پر پیش کی جاتی ہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں، اس سے زیادہ ادا کرنا سنت کے برخلاف ہے۔

... عن ابی سلمہ بن عبدالرحمن انه سال عائشہ کیف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان۔ فقالت ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشره ركعه۔ يصلي اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وظولهن ثم يصلي اربعاً فلا تسئل حسنهن وظولهن ثم يصلي ثلاثاً فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر قال يا عائشہ ان عيني تنامان ولا ينام قلبي۔

(الموطا مالک بن انس رضی اللہ عنہ، ص ۱۰۲-۱۰۳، تحت صلوة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الوتر، طبع نور محمدی، کراچی، مسلم شریف ص ۲۶۵ جلد اول، باب صلوة اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، طبع نور محمدی، دہلی، مسند اسحاق بن

راہویہ ص ۵۵۵، روایت نمبر ۵۸۷، جلد ثانی، طبع المدینہ المنورہ، صحیح حبان ص

۱۳۵ جلد خامس تحت حدیث نمبر ۲۶۰۴

یعنی ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی اور کس طرح ہوتی تھی؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھاتے تھے۔ آپ ﷺ چار رکعت ادا فرماتے، ان کے حُسن اور طول کے متعلق کچھ نہ پوچھئے، پھر آپ چار رکعات اور ادا فرماتے۔ ان کے بھی حُسن اور طول کے متعلق کچھ نہ پوچھئے، پھر اس کے بعد تین رکعات ادا فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

یہ روایت متعدد محدثین نے ذکر کی ہے جیسا کہ ہم نے اس کے بعض حوالہ جات درج کر دیئے ہیں۔ روایت ہذا اپنے مقام میں صحیح اور درست ہے۔ اوپر ذکر کر دیا ہے کہ اس روایت کے پیش نظر بعض لوگ یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ نماز تراویح کی آٹھ رکعات ادا کرنا سنت ہے اور اس سے زائد (بیس رکعات) ادا کرنا سنت کے برخلاف ہے اور سنت کے برخلاف عمل کرنا ناجائز ہے۔

فلذا ہمیں صرف آٹھ رکعات سنت تراویح ادا کرنی چاہیے، اس سے زیادہ ادا نہیں کرنی چاہیے۔

الجواب

مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہاں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں، ان پر نظر انصاف کرنے سے مسئلہ واضح ہو جائے گا۔

استنباط مسئلہ کے لیے محدثین کے نزدیک طریق کار یہ ہے کہ پیش نظر مسئلہ کے متعلق تمام روایات پر نظر کرتے ہیں اس کے بعد پھر مسئلہ کا استنباط کیا جاتا ہے۔ اس طریق کار کے موافق ہم پہلے یہاں کے مسئلہ کی دیگر روایات کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

وہ اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز کے متعلق روایت پائی جاتی ہے۔

... عن عائشہ قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی باللیل ثلاث عشرہ رکعہ۔ ثم یصلی اذا سمع النداء الصبح بركعتین خفیفین۔ (انتہی)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعات نماز ادا فرماتے تھے۔ جب صبح کی اذان ہوتی تو ہلکی سی دو رکعتیں پھر ادا فرماتے تھے۔

(موطاء امام مالک، ص ۱۰۳، تحت صلوٰۃ النبی ﷺ فی الوتر، طبع کراچی، مسلم شریف ص ۳۵۵-۳۵۴، جلد اول، باب الصلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، طبع دہلی)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دیگر روایات میں اس طرح بھی مذکور ہے کہ

... عن مسروق قال سالت عائشہ عن صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فقالت سبع وتسع واحدی عشرہ رکعہ سوی رکعتی الفجر۔ (رواہ البخاری)

یعنی مسروق کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب کی نماز کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ فجر کی دو رکعت کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات، نو اور گیارہ رکعات ادا فرماتے تھے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۶، الفصل الاول باب صلوٰۃ اللیل، طبع دہلی، صحیح ابن حبان،

ص ۱۳۶-۱۳۷ جلد خامس، روایت نمبر ۹۶۲ فصل قیام اللیل)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز سات، نو، گیارہ اور کبھی تیرہ رکعات پر مشتمل ہوتی تھی۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام مثلاً ابن عباس، زید بن خالد الجہنی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز تیرہ رکعات منقول ہے۔ اس سلسلہ میں مقامات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مسلم شریف ص ۹۶۰ جلد اول، باب صلوٰۃ النبی ﷺ ودعاء باللیل۔

(۲) مسلم شریف ص ۹۶۲ جلد اول، باب صلوٰۃ النبی ﷺ ودعاء باللیل۔

(۳) مشکوٰۃ شریف ص ۹۰۶ الفصل الاول باب صلوٰۃ اللیل، طبع نور محمدی، دہلی۔

فلذا یہ روایات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گیارہ رکعات والی روایت کے بظاہر متعارض اور مخالف پائی جاتی ہیں۔

یعنی یہ روایات باعتبار عدد رکعات کے اور باعتبار ہیئت ادا کے دونوں باتوں میں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز صرف گیارہ رکعات نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی سات، کبھی نو، کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ رکعات پر مشتمل ہوتی تھی جیسا کہ مندرجہ بالا روایات ظاہر کرتی ہیں۔

تو اس صورت حال کے پیش نظر رفع تعارض کے لیے پہلے ہم محدثین سے ان میں تطبیق پیش کریں گے، پھر اس کے بعد روایت ہذا کی دیگر اشیاء بیان کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

تطبیق بین الروایات

اس مقام کی روایات میں تطبیق کے لیے:

(۱) علماء کرام نے اس مسئلہ کی اس طرح توجیہ درج کی ہے:

..... لعل الاختلاف بحسب اختلاف الاوقات

والحالات او طول القراء وقصرها او صحه و مرض وقوه
وفتره اولتنبيه على سعه الامر في ذالك-

(جمع الوسائل ص ۹۱، جلد ثانی، لعلی القاری، باب ما جاء فی عبادة النبی صلی اللہ

علیہ وسلم، طبع مصر)

یعنی روایات کا یہ اختلاف درج ذیل چیزوں پر محمول ہے:

(۱) اوقات میں اختلاف۔ (۲) حالات میں اختلاف۔ (۳) نماز میں قرأت

کے چھوٹے اور لمبے ہونے کا اختلاف۔ (۴) صحت یا بیماری کی حالت کا فرق۔

(۵) طبیعت میں قوت اور سستی کا فرق۔ (۶) نیز اس مسئلہ میں امت پر آسانی اور

سہولت کی رعایت کرنا۔

مختصر یہ ہے کہ ان روایات میں اختلاف کو محدثین مندرجہ بالا وجوہ پر محمول

کرتے ہیں۔ فلذا روایات میں رفع تعارض کی یہ صورت صحیح ہے اور ان روایات

میں کوئی تخالف و تعارض نہیں رہتا۔

(۲) اور یہاں محدثین نے ایک یہ صورت بھی ذکر کی ہے جس سے رفع تعارض

ہو جاتا ہے کہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گیارہ رکعات والی روایت بطور

اکثر الاوقات کے ذکر کی گئی ہے یعنی بیشتر اوقات میں اس طرح نماز شب ہوتی تھی

لیکن بالذم بطور قاعدہ کلیہ کے یہ روایت مذکور نہیں ہے۔

چنانچہ اس طرح سے بھی روایات کا تخالف اور تدافع دور ہو جاتا ہے۔

(۳) اور فن حدیث کے علماء کرام نے یہاں تطبیق و توفیق بین الروایات کے

لئے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت مذکورہ کے ناقل

ابو سلمہ بن عبدالرحمن ہیں۔ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد (قیام اللیل) کے متعلق دریافت کیا تھا کہ رمضان المبارک اور غیر رمضان میں یہ نماز یکساں تھی؟ یا کوئی فرق تھا؟؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نماز رمضان وغیرہ رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ عام طور پر نہیں ہوتی تھیں۔۔۔ الخ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ راوی کا یہ سوال صلوٰۃ التراویح کی بہ نسبت نہیں تھا اور نہ ہی موصوفہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کچھ بحث کی ہے اور نہ ہی روایت ہذا کے سیاق و سباق میں تراویح کا تذکرہ تک ہے۔

مختصر یہ ہے کہ نہ سائل کے سوال میں نماز تراویح کے متعلق کچھ ذکر ہے اور نہ ہی جواب صدیقہ رضی اللہ عنہا میں۔۔۔ بلکہ یہ گفتگو صلوٰۃ اللیل یعنی (تہجد) کے بابت ہوئی تھی۔

مذکورہ بالا تشریح کی تائید میں ”فتاویٰ عزیزی“ کی عبارت پیش کی جاتی ہے۔
جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۱۸-۱۱۹ بیان تراویح میں اس کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

..... دلیل بر این حمل آنست کہ راوی این حدیث ابو سلمہ بن عبدالرحمن است در تتمہ این روایت میگوید کہ قالت عائشہ فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنام قبل ان توتر؟ قال یا عائشہ ان عینی تنامان ولا تنام قلبی۔ کذا رواہ البخاری والمسلم۔

و ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد مقصودی شود نہ در غیر آں۔
و روایات زیادت محمول بر نماز تراویح است کہ در عرف آں وقت، بہ قیام رمضان مجبر بود۔

(فتاویٰ عزیزی ص ۱۱۹ جلد اول، در بیان تراویح، طبع مجتہدی دہلی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ و تراوا کرنے سے قبل سو جاتے ہیں؟ تو جنب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ شارحین حدیث کہتے ہیں کہ ظاہرات ہے کہ و تراوا کرنے سے پہلے سو جانا تہجد کی نماز میں متصور ہو سکتا ہے لیکن اس کے ماسوا نمازوں میں متصور نہیں۔

اور اس عدد سے زیادہ نماز ادا کرنے کی روایات تراویح پر محمول ہیں جن کو اس وقت قیام رمضان سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا تعلق نماز تہجد کے ساتھ ہے، نماز تراویح کے ساتھ اس کا کچھ ربط نہیں ہے۔

پھر جب روایت ہذا کا محمل تراویح نہیں ہے تو اس سے آٹھ رکعات تراویح کی خاطر استدلال قائم کرنا بالکل بے جا ہے اور صحیح نہیں ہے۔

یہ تو توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ والا معاملہ ہوگا۔

فائدہ

اس بحث کے آخر میں اس چیز کا بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں اور ان کے احکام و کوائف جدا جدا ہیں۔

○ نماز تہجد ابتداء اسلام میں فرض ہوئی تھی ایک سال کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کے تطوع و تنقل ہونے کا درجہ باقی رہا۔

(۱) سورۃ منزل۔

(۲) مسلم شریف جلد اول، ص ۳۵۶ باب صلوۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فی اللیل، طبع نور محمد، دہلی۔

اور تراویح کی صورت اس طرح ہے کہ ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں جب

رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جعل اللہ صیامہ فریضہ یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے
وقیامہ تطوعاً۔ فرض کر دیئے اور اس مہینہ میں رات کو

نوافل مقرر کیے۔ (جسے تراویح کہا جاتا ہے)
○ اور تہجد کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر شب میں ادا فرماتے
تھے اور تراویح کو آپ نے اول شب میں دوسری بار نصف شب تک اور تیسری دفعہ
آخر شب تک ادا فرمایا۔

○ نماز تہجد کو منفرد پڑھتے تھے۔ کبھی کوئی صاحب ازراہ خود آکر ساتھ کھڑا ہو گیا
تو مضائقہ نہیں تھا جیسا کہ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آکر ساتھ شامل ہو گئے۔
مخلاف تراویح کے کہ اس کو متعدد بار تداوی کے ساتھ باجماعت ادا فرمایا۔
یہاں سے معلوم ہوا کہ تہجد و تراویح دو الگ نمازیں ہیں اور ان کے احوال و
کوائف مختلف ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ان کوائف پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ روایت
مذکورہ بلا تراویح کے متعلق نہیں، بلکہ نوافل و تہجد کے متعلق ہے۔ لہذا اس
روایت کے ساتھ معترض کا تراویح کے لیے استدلال قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

الزامیات

مسائل کی بحث و تہجیث میں الزامیات بھی جاری ہوتے ہیں۔ جن حلقوں کی
جانب سے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت مذکورہ کے پیش نظر آٹھ
رکعات تراویح پڑھنے پر زور دیا جاتا ہے اور بیس رکعت تراویح کے خلاف سنت
ہونے پر شور و غل کیا جاتا ہے، ان دوستوں کے لیے بطور الزام کے ذیل چیزیں پیش
کی جاتی ہیں۔ توجہ فرمائیے اور اپنے مزعومات پر نظر ثانی فرمائیے۔

○ یہ دوست تراویح بمع وتر کے ابتدائی حصہ شب میں ہمیشہ ادا کرتے ہیں، یعنی نصف اول شب مقرر کر لیا ہے۔

حالانکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کو کبھی اول شب میں کبھی اوسط شب میں گاہے آخر شب میں ادا فرماتے تھے اور عموماً آخر شب تک پڑھنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

○ روایات معمودہ میں نماز چار چار رکعت ملا کر پڑھنا اور پھر وتر تین رکعت ادا کرنا آیا ہے۔

حالانکہ یہ احباب دو دو رکعت ملا کر پڑھتے ہیں، اور وتر ایک رکعت ادا کرتے ہیں اور وتر کی تین رکعت والی روایت کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ گویا نصف روایت کو قابل عمل اور نصف روایت کو متروک العمل قرار دیتے ہیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔۔۔ ترجیح۔

○ نیز یہ حضرات نماز ہذا کو تمام ماہ رمضان میں ہمیشہ جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں، حالانکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین یوم کے بعد یہ عمل ترک کر دیا۔

○ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سو جانے کے بعد اٹھ کر اس نماز کو ادا کرنا روایت ہذا سے ثابت ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ احباب نیند کرنے سے قبل ہی پڑھ لیتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اتنے قدر تغیرات اور تبدیلیوں کو خلاف سنت نہیں سمجھتے (جو خود ان کی طرف سے پائی جاتی ہیں) بلکہ صرف بیس عدد کو خلاف سنت قرار دینے میں تمام ترقوت صرف کرتے ہیں اور سنت کی مخالفت ثابت کرنے میں پوری سعی فرماتے ہیں۔

خلاصہ بحث

مختصر یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں خلفائے راشدین اور مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ کار مسئلہ تراویح کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کے بعد اکابر تابعین کے فرمودات اور کبار علمائے امت کے بیانات بقدر کفایت اس مسئلہ میں درج کیے ہیں اور گیارہ رکعت والی روایت کا جواب اور محمل بھی ذکر کر دیا ہے۔

اور ان تمام مندرجات کی روشنی میں تراویح کا مسئلہ اس طرح منقح ہوتا ہے کہ

○ نماز تراویح کے لیے بیس رکعات ادا کرنا فیصلہ شدہ امر مسنون ہے، بدعت نہیں۔

○ صلوٰۃ تراویح سنت موكده ہے، آثار قویہ اور قرائن مضبوطہ سے ثابت شدہ ہے۔

○ جماعت تراویح شعار سنت اور شعار دین ہے۔

○ جماعت تراویح سنت متوارثہ ہے۔

○ تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ”اجماع سکوتی“ پایا گیا اور اجماع مستقل ”حجت شرعیہ“ ہے۔

○ اکابرین امت کی اکثریت کا بیس رکعات تراویح کے تعادل پر اتفاق اور اجماع پایا گیا۔

○ اس پر مستزاد یہ امر ہے کہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماعین سے لے کر آج پندرہویں صدی ہجری تک حرمین شریفین (مسجد الحرام اور مسجد نبوی) میں صلوٰۃ التراویح بیس رکعات کے ساتھ اہل اسلام ادا کرتے چلے آ رہے ہیں اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ

لا تجتمع امتی علی یعنی میری امت گمراہی پر نہیں جمع ہوگی۔
الضلالہ۔

معلوم ہوا کہ جمہور اہل اسلام اس مسئلہ میں گمراہی پر جمع نہیں ہوئے اور سنت طریقہ کی مخالفت پر اجتماع نہیں کیا بلکہ شرعی طریقہ پر ہی قائم ہیں۔
○ نیز میں رکعات تراویح کے اس ”اجتماعی عمل“ کو بلاوجہ و بلاعذر شرعی کے ترک کر دینا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات (علیکم بالجماعہ... إلخ وغیرہ) کے ساتھ متصادم ہے اور شعائر اسلام کو ترک کر دینے کے مترادف ہے۔



لہ الحمد وعلیہ الصلوہ والسلام

متعہ النساء کا مسئلہ

(اسلامی ہدایات کی روشنی میں)

متعہ کا مسئلہ اہل السنہ اور شیعہ کے نزدیک قدیم زمانہ سے ”مختلف فیہ“ چلا آیا

ہے۔

شیعہ صاحبان اس کے جواز کے قائل ہیں اور اس فعل کو کار خیر اور موجب اجر و ثواب سمجھتے ہیں بلکہ اسے بہترین عبادت قرار دیتے ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک متعہ النساء بعض اوقات اسلام میں جائز تھا، مگر بعدہ عہد نبوی ﷺ میں ہی اس کا جواز ختم ہو گیا اور کتاب و سنت سے اس کا ممنوع ہونا قرار پایا۔

لہذا جمہور اہل اسلام کے نزدیک اب یہ فعل ممنوع اور ناجائز ہے اور ہرگز حلال نہیں۔

اس پر دونوں فریق کی جانب سے عنقریب دلائل پیش کئے جائیں گے۔ پہلے ہم متعہ کے مفہوم و معنی کی تشریح پیش کرتے ہیں پھر اس کے بعد ہر ایک فریق کے نزدیک نکاح اور متعہ کا فرق و مابہ الامتیاز ذکر کیا جائے گا اور ساتھ اس کے احکام مذکور ہوں گے تاکہ نکاح و متعہ کی وضاحت عند الفرقین خوب سامنے آجائے۔

تنبیہ

اتنی بات ذکر کر دینا مفید ہے کہ کتاب سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ص ۵۱۳ سے لے کر ۵۱۶ تک بحث متعہ کو ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے لیکن وہاں اجمال و اختصار ہے اور یہاں اس بحث کو قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔

متعہ النساء کا مفہوم

شیعہ کے نزدیک

لفظ ”متعہ“ اور تمتع کا لغوی معنی ”نفع اٹھانا“ اور فائدہ حاصل کرنا ہے۔ شیعہ علماء ذکر کرتے ہیں کہ ”نکاح منقطع“ اور ”متعہ“ ایک ہی چیز ہے اور اس کے لیے شرائط درج ذیل ہیں:

اور عند الشیعہ انہیں کو ”ارکان متعہ“ بھی کہا جاتا ہے۔

شرائط متعہ

(۱) متعہ کرتے وقت اس لفظ کے مادہ (م۔ ت۔ ع) کے ساتھ متعہ کا انعقاد ہوتا ہے مگر یہی الفاظ ادا کرنا لازم نہیں بلکہ الفاظ ”انکحت“ اور ”زوجت“ ادا کرنے سے بھی متعہ جائز ہے اور اسے صیغہ کے لفظ سے بھی ادا کرتے ہیں۔

(۲) متعہ میں ”اجل مسہی“ لازم ہے۔ یعنی امتداد وقت ایک محدود عرصہ کا مقرر کرنا ضروری ہے۔

(۳) متعہ میں ”اجر مسہی“ لازم ہے۔ یعنی کچھ درہم یا کوئی چیز اگرچہ قلیل ہو، عورت کو بطور معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے۔

(۴) متعہ کرنے والے دونوں (مرد و زن) ”عاقل، بالغ اور آزاد“ ہوں اور جس عورت کے ساتھ متعہ کیا جا رہا ہے وہ فی الوقت کسی کے نکاح میں نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ مندرجات بالا کے اعتبار سے شیعہ کے نزدیک متعہ کا انعقاد اس طرح ہوتا ہے کہ

مثلاً عورت کہے کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے متعہ میں دیا (شرائط بالا کے ساتھ) اور مرد فوراً کہے کہ میں نے تمہیں اپنے نفس کے لیے قبول کیا۔

یہاں گواہوں کی شہادت بالکل نہیں ہوتی اور یہ عقد خفیہ طور پر خاص جنسی تعلق قائم کرنے کے لیے ایک وقت تک مرد اور عورت آپس میں کر لیتے ہیں۔

اسی طرح دیگر الفاظ اور صیغوں کے ساتھ بھی متعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل ان کی کتب میں موجود ہے، مثلاً ملاحظہ ہو:

(۱) عجلہ حسنہ (ترجمہ رسالہ متعہ از ملا باقر مجلسی) (مترجم: سید محمد جعفر قدسی جاسی ص ۱ تا ۲۲) مطبع اثنا عشری، دہلی۔

(۲) تحفہ العوام ص ۳۶۵-۳۶۶ باب نمبر ۱۳ (ثواب مباشرت و متعہ میں) مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری، مغل حویلی لاہور، تالیف حاجی حسن علی صاحب، طبع بار سیزدہم۔

اہل سنت کے نزدیک

اہل سنت والجماعت کے نزدیک متعہ کا مفہوم یہ تھا کہ قلیل مدت کے لیے ایک عورت سے عقد کر لیا جاتا جس کو نکاح موقت یعنی وقتی نکاح کہا جاتا اور اس میں حق مہر اور گواہوں کی شہادت ہوتی تھی لیکن عقد میں دوام نہیں ہوتا تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، اسلام میں بعض اوقات اس نوع کے نکاح کی اجازت تھی لیکن بعد میں کتاب و سنت کے مطابق عہد نبوی میں ہی یہ فعل ممنوع ہو گیا اور حرام قرار دیا گیا، جس طرح کہ بعض دیگر اشیاء بھی پہلے مباح تھیں لیکن انہیں بعد میں ممنوع اور ناجائز قرار دیا گیا مثلاً

(۱) شرب خمر (شراب پینا)

(۲) مسلم و کافر کا باہمی نکاح کرنا۔

(۳) نماز ادا کرنے کی حالت میں کلام کرنا۔

(۴) ربایعنی سود کا لین دین --- وغیرہ وغیرہ۔

یہ چیزیں پہلے مباح اور جائز تھیں لیکن بعد میں اپنے اپنے مواقع میں انہیں ناجائز اور ممنوع قرار دیا گیا۔

بالکل اسی طرح متعہ النساء بھی پہلے مباح تھا لیکن بعد میں اس کے عدم جواز کا حکم صادر فرمایا گیا۔

اب اسلام میں صرف نکاح دائمی ہے۔ وقتی نکاح یا (جسے متعہ کہا جاتا ہے) وہ ختم ہو گیا۔

اور شیعہ صاحبان کے سوا باقی تمام طبقات اہل سنت و مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی نیز اہل ظواہر متعہ (وقتی نکاح) کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور دوائی عقد نکاح کے قائل ہیں۔

اور اس معروف نکاح میں ایجاب و قبول کے علاوہ گواہوں کی شہادت، حق مہر کا تقرر اور خطبہ النکاح یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں۔

اس مختصر سی تشریح کے بعد ہم نکاح اور متعہ کے احکامات و اوصاف عند الشیعہ اور عند اہل السنہ بصورت تقابل کے الگ الگ تحریر کرتے ہیں تاکہ متعہ اور نکاح کا باہم فرق و امتیاز واضح طور پر سامنے آجائے۔

متعہ کے احکام و اوصاف شیعہ کے نزدیک

متعہ میں:

(۱) شاہدوں (گواہوں) کی ”شہادت“ کی ضرورت نہیں۔

(۲) ”أُجْرَت“ لازم ہے (عورت ممتوعہ کو أُجْرَت دی جائے گی)

(۳) ”أجل مسمی“ (مدت اور وقت طے کرنا لازم ہے اگرچہ قلیل ہی ہو)

- (۴) ”احسان“ کی صفت مفقود ہوتی ہے بلکہ ”سفاحت“ مطلوب ہوتی ہے۔
 (یعنی عورت کو قید میں لا کر اس کی عفت اور حقوق کا تحفظ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ
 اس میں شہوت رانی اور خواہش نفس کو پورا کرنا مطلوب ہوتا ہے)
 (۵) ”طلاق“ دینے کی ضرورت نہیں۔ (مدت معینہ کا اختتام ہی کافی ہے)
 (۶) ”عدت“ (معروفہ) نہیں ہوتی۔ (بقول بعض)
 (۷) ”ایلاء“ متعہ میں نہیں ہوتا۔
 (۸) ”لعن“ نہیں ہوتا۔
 (۹) ”ظہار“ بھی نہیں ہوتا۔
 (۱۰) ترکہ میں ”وراثت“ نہیں ہوتی۔
 (۱۱) ”ولی“ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ متعہ کرنے والی عورت کو متعہ کرنے میں مانع

ہو۔

- (۱۲) متعہ کرنے والی عورت کا ”ثان نفقہ“ واجب نہیں ہوتا۔
 (۱۳) متعہ سے ہونے والی ”اولاد“ سے متعہ کرنے والا مرد انکار کر سکتا ہے۔
 (۱۴) ”ممتوعہ عورت“ زوجہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ انماہی مستاجرة یعنی وہ
 کرایہ کی عورت ہے۔

چودہ عدد مندرجہ بالا متعہ کے احکام و صفات کے حوالہ کے لیے مقامات ذیل
 ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) فروع کافی جلد ثانی ابواب متعلقہ متعہ مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔
 (۲) جامع رضوی از سید عبدالغنی، تحت ابواب متعہ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔
 (۳) عجلہ حسنہ مترجم از مولوی سید محمد جعفر قدسی جائسی (رسالہ متعہ از ملا باقر
 مجلسی) طبع دہلی۔

نکاح کے احکام و اوصاف اہل سنت کے نزدیک

نکاح میں:

- (۱) شہادتوں (گواہوں) کی شہادت لازم ہے۔
- (۲) حق مہر کی ادائیگی واجب ہے۔
- (۳) ہمبستگی، دوام اور استمرار ملحوظ خاطر ہے۔
- (۴) ”احسان“ کی صفت مقصود ہے اور سفاحت مطلوب نہیں۔ (یعنی نکاح میں عورت کو قید میں لا کر اس کی عفت اور حقوق کا تحفظ کرنا مقصود ہوتا ہے، صرف شہوت رانی ہی مطلوب نہیں ہوتی)
- (۵) ”حق طلاق“ مرد کو حاصل ہے۔
- (۶) ”عدت“ (معروفہ) لازم ہے۔
- (۷) ”ایلاء“ جائز ہے۔
- (۸) ”لعان“ جائز ہے۔
- (۹) ”ظہار“ جائز ہے۔
- (۱۰) ”حق وراثت“ ثابت ہے۔ (یعنی ترکہ میں)
- (۱۱) اجازت ”ولی“ اور وراثت لازم ہے۔
- (۱۲) عورت منکوحہ کو نان نفقہ اور مکان مہیا کرنا واجب ہے۔
- (۱۳) اپنی منکوحہ سے ہونے والی ”اولاد“ نکاح کی ہوتی ہے اور اس سے انکار شرعاً ناجائز ہے۔

(۱۴) منکوحہ عورت دو انا اہلیہ ہے، باجرت اور کرایہ دار نہیں۔

چودہ عدد مندرجہ بالا احکام و صفات نکاح کے حوالہ جات کے لیے فقہ کے مشہور فتاویٰ، بحر الرائق عالمگیری الشامی وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

مندرجات بالا کے ذریعے ”نکاح اور متعہ“ کا فرق اور امتیاز واضح طور پر سامنے

آگیا اور ہر دو فریق (سنی و شیعہ) کا اس مسئلہ میں موقف عیاں ہو گیا۔ نیز نکاح اور متعہ کا تقابل اور متخالف پوری طرح واضح ہو گیا۔

اب اس کے بعد ہم سابقہ متعہ (جو اسلام میں بعض اوقات مباح تھا اور شیعوں کے نزدیک جو متعہ جاری ہے۔ ان دونوں کے درمیان مزید ایک موازنہ پیش کرتے ہیں، جس سے اس مسئلہ میں پیدا کردہ غلط فہمی دُور ہو سکتی ہے اور یہاں جو مغالطہ دیا جاتا ہے، وہ رفع ہو سکتا ہے۔

ایک موازنہ

اہل السنّت کے نزدیک ”سابقہ متعہ“ (جو اسلام میں بعض اوقات مباح تھا) (۱) وہ وقتی نکاح ہوتا تھا، مگر گواہ اور شاہد اس میں ہوتے تھے اور مرد و عورت میں کوئی خفیہ عقد نہیں تھا۔

(۲) یہ سفر جہاد میں بوقت ضرورت شدیدہ جائز تھا اور علی العموم جائز نہ تھا یعنی گھروں میں مقیم لوگ یہ عمل نہیں کرتے تھے۔

(۳) یہ ان لوگوں کے لیے جائز تھا جن کے لیے عورتیں نہ تھیں اور وہ طویل العزبہ اور قلہ الیسار وغیرہ کی حالت میں ہوتے تھے۔

(۴) یہ فعل اس دور میں بطور رخصت کے مباح ہوا تھا ”عزیمت“ کے درجہ میں نہیں تھا کہ ثواب کی امید پر کیا جاتا۔

(۵) یہ فعل بوقت ضرورت و بوجہ ضرورت تھا، کوئی امر تعبیدی نہیں تھا کہ ہمیشہ کے لیے جاری رہتا۔

بنا بریں اس کو اسلام میں بعد میں ممنوع اور حرام قرار دیا گیا اور جو حضرات اس دور میں اس کے جواز کے قائل تھے، انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔

شیعوں کے نزدیک متعہ

(۱) یہ عارضی عقد ہوتا ہے اور اس میں گواہ اور شاہد نہیں ہوتے اور یہ خفیہ طور پر جنسی تعلق قائم کیا جاتا ہے اور اس کو صیغہ کے الفاظ سے بھی یاد کرتے اور ادا کرتے ہیں۔

(۲) یہ علی العموم جائز ہے اور ہر وقت سفر و حضر میں ہو سکتا ہے۔

(۳) اس میں طویل العزبہ اور قلعہ الیسار وغیرہ کی کوئی قید نہیں، ہر مومن مرد ہر حالت میں اس فعل کو کر سکتا ہے۔

(۴) یہ فعل بطور ”عزیمت“ کے ہے اور اس فعل کے مرتکب کو بہت بڑا ثواب اور عالی درجات ملتے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں میں درج ہے۔

(۵) اس میں بوقت ضرورت اور بوجہ ضرورت کی کوئی قید نہیں۔ یہ امر ”تعبدی“ ہے اور یہ ہمیشہ کے لیے کار خیر اور موجب ثواب ہے۔
(تفسیر الصافی تحت آیت ہذا)

حاصل کلام یہ ہے کہ

موازنہ ہذا سے ”سابقہ متعہ“ اور شیعہ کے متعہ کے مابین بون بعید اور فرق عظیم پایا گیا۔

فلذا مروجہ متعہ کو سابقہ متعہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اور دونوں متعہ کو ایک جیسا قرار دینا عظیم مغالطہ اور فریب دہی ہے جو اس مسئلہ میں ان لوگوں نے پھیلا دی ہے۔

بلکہ یہ ایک عجیب قسم کی تبلیں و مخاوعت ہے جسے عوام میں نشر کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس غلط فہمی اور مغالطہ سے بچا کر راہ صواب اور ہدایت نصیب فرمائے اور فکر آخرت کی توفیق بخشے۔

شیعہ کا جواز متعہ کے لیے استدلال

شیعہ نے ”جواز متعہ“ کے لیے قرآن مجید میں سے آیت ذیل سے استدلال کیا ہے:

..... فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضه...

الخ۔ (ابتدا پارہ پنجم)

جناب مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ نے مندرجہ بالا آیت کا ذیل ترجمہ کیا ہے:

... یعنی پھر ان میں سے جن سے تم متعہ کر لو تو مقرر کیا ہوا مہران کو

دے دو۔ (ترجمہ مقبول احمد دہلوی ص ۹۷ پارہ پنجم تحت آیت ہذا)

اور فرمان علی صاحب نے ترجمہ ذیل لکھا ہے:

ہاں جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا تو انہیں جو مہر معین کیا ہے وہ

دے دو۔ (ترجمہ جناب فرمان علی صاحب ص ۱۳۹ پارہ پنجم تحت آیت ہذا)

ان کے سابق مفسرین مثلاً علی بن ابراہیم قمی نے یہاں لکھا ہے کہ

... قال الصادق عليه السلام فهذه الاية دليل على

المتعہ۔ (تفسیر قمی تحت آیت ہذا پارہ پنجم)

اور ان کی تفسیر الصافی میں لکھا ہے کہ

... في الكافي عن الصادق عليه السلام المتعہ نزل بها

القرآن وجرى بها السنه من رسول الله صلى الله عليه وآله۔

(فروع کافی، باب المتعہ، تفسیر الصافی تحت آیت ہذا)

مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ

یہ آیت متعہ کے جواز پر دلیل ہے۔

نیز امام نے فرمایا کہ

جواز متعہ میں قرآن نازل ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت

کے ذریعے یہ جاری ہوا۔

اس کے بعد جواز متعہ میں شیعہ کے اپنے استدلالات مختصراً پیش کیے جاتے ہیں۔

ان کی کتابوں میں جواز متعہ کے متعلق بے شمار روایات پائی جاتی ہیں، ان میں سے صرف چند ایک روایات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

... عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ حرم علی شیعتنا المسکر من کل شراب و عوضہم من ذالک المتعہ۔
یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے شیعوں پر اللہ تعالیٰ نے ہر نشہ آور چیز حرام کر دی ہے اور اس کے عوض میں متعہ کرنے کی ان کو اجازت دے دی۔

(من لا یخضرہ الفقیہ ص ۴۳۲، کتاب النکاح، باب المتعہ، طبع تہران)

... قال الصادق علیہ السلام لیس منا من لم یومن بکرتنا ولم یستحل۔

(من لا یخضرہ الفقیہ ص ۴۲۹، کتاب النکاح، باب المتعہ، طبع تہران)

اور منہج الصادقین تفسیر میں اسی روایت کا مفہوم بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

یعنی ازمانیست آنکس کہ اعتقاد مکند و باور ندارد ظہور مارا و حلال نداند متعہ مارا۔
یعنی جناب جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہمارے دنیا میں دوبارہ آنے پر ایمان نہ رکھتا ہو اور متعہ کو

حلال نہ جانتا ہو، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۱) تفسیر منہج الصادقین ص ۴۸۸، ج ۲، تحت الایۃ فما استمتعتم بہ منہن ۵۔

(۲) ضمیمہ ترجمہ مقبول احمد شیعہ ص ۷۱، پارہ پنجم تحت آیت متعہ۔

مندرجہ بالا روایات کے ذریعے متعہ کی اہمیت جو شیعہ کے ہاں ہے، وہ واضح

ہو گئی اور دین میں ان کے نزدیک متعہ کا جو درجہ ہے، وہ سامنے آ گیا۔

یعنی جو شخص متعہ کے جواز کا قائل نہ ہو، وہ دین سے باہر ہے۔

تنبیہ

شیعہ نے متعہ کے فضائل و ثواب اور متعہ نہ کرنے والے کے لیے وعیدیں بے شمار کتابوں میں درج کی ہیں اور ان چیزوں کو آئمہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔

ان مقامات سے چند ایک مواضع کی طرف راہنمائی کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمادیں:

- فروع کافی جلد ثانی، باب المتعہ ص ۹۹۰، ۹۳۱ طبع نو کشور، لکھنؤ۔
- من لا یحضرہ الفقیہ للشیخ الصدوق باب المتعہ ص ۴۲۹، ۴۳۱ طبع تہران۔
- تفسیر القمی (علی بن ابراہیم القمی) ص ۲۰۷ ج ۲، تحت آیت ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ الخ۔
- تفسیر منہج الصادقین از ملا فتح اللہ الکاشانی تحت آیت فما استمتعتم، سورۃ النساء، طبع تہران۔
- تفسیر الصافی از ملا حسن الفیض الکاشانی ص ۳۴۷ ج ۱، تحت الایۃ فما استمتعتم بہ منہن۔
- الانوار النعمانیۃ للشیخ نعمتہ اللہ الجزازی تحت نور فی وقت المبارۃ والصلوۃ۔
- تحفہ العوام از شیخ حسن علی ص ۳۶۵، طبع دہم تحت ثواب مباشرت و متعہ، طبع لاہور۔

اہل السنۃ کا عدم جواز متعہ پر استدلال

مسئلہ ہذا میں اہل السنۃ والجماعۃ نے ذیل آیات کے ساتھ استدلال قائم کیا ہے کہ عقد متعہ جائز نہیں، اسلام میں منع کر دیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے کہ

والذین ہم لفروجہم
حافظون الا علی ازواجہم او
یعنی (فلاح یافتہ ہیں...) وہ لوگ جو اپنی
شرم گاہوں کو نگاہ رکھتے ہیں، مگر اپنی

ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین۔ فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ہم العادون۔ (ابتداء پ ۱۸، قد افلح المومنون، پ ۲۹، سورة المعارج)

عورتوں یا اپنی باندیوں پر۔۔۔ تو ان پر کچھ الزام اور ملامت نہیں۔ پس جو کوئی طلب کرے، اس کے ماسوا، سو وہ لوگ حد سے بڑھنے والے اور حدود شریعت سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

آیت ہذا سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ مومنوں کے لیے اپنی عورتوں اور باندیوں کے حق میں اپنی شرم گاہوں کا استعمال حلال اور جائز ہے اور ان دونوں (زوجہ اور باندی) کے ماسوا اگر کوئی قضائے شہوت کا راستہ ڈھونڈے تو وہ حلال کی حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا اور حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالنے والا ہوگا۔

یہاں سے قضائے شہوت کے دیگر تمام طریقے ناجائز ثابت ہوئے۔ ان میں سے ایک متعہ بھی ہے۔ پس اس کا عدم جواز یہاں سے ثابت ہوتا ہے۔

کیونکہ ممتوعہ عورت فریقین کے نزدیک نہ تو زوجہ کے حکم میں ہے اور نہ ہی باندی ہے۔ اس بنا پر متعہ والی عورت کے لیے نہ نان ہے نہ نفقہ اور نہ سکنی، نہ طلاق ہے، نہ عدت اور نہ ہی اس کے لیے میراث کے احکام جاری ہیں۔

فلذا متعہ کرنے والی عورت اور مرد دونوں فرمان خداوندی فاولئک ہم العادون کے اعتبار سے حدود شرع سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ مضمون ہذا مندرجہ ذیل مقام میں ملاحظہ فرمادیں۔ (کتاب منہاج السنہ لابن تیمیہ جلد ثانی ص ۱۵۶، ج ۲، تحت متعہ النساء)

علمائے کرام عدم جواز متعہ کے لیے دیگر آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ (۲) قرآن مجید میں نکاح طلب کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ

ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین... یعنی طلب کرو تم عورتوں کو اپنے مال کے بدلے میں، قید میں لانے کے لیے (اپنی

الخ۔

(ابتدا پ ۵)

حفاظت میں رکھنے کے لیے) نہ کہ شہوت رانی کے لیے۔

اس مقام پر مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ

... فیہ اشارہ الی النهی عن

کون القصد مجرد قضاء

الشہوہ و صب الماء

واستفراغ ادعیہ المنی۔

فبطلت المتعہ بهذا القید

لان مقصود المتمتع لیس الا

ذالک۔ دون التاہل والا

ستیلاد وحمایہ الذمار

والعرض۔ فالأحضان غیر

حاصل فی امراہ المتعہ اصلاً۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس آیت میں محض قضائے شہوت اور پانی گرانے اور منی کے استفراغ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ پس اس قید (محسنین غیر مسافحین) کے ذریعے متعہ باطل ہو گیا۔ کیونکہ متمتع (متعہ کرنے والے) کا مقصود صرف شہوت رانی ہوتا ہے اور عورت متمتعہ کو اپنی اہلیہ بنانا، اولاد پیدا کرنا اور مال و ناموس کی حفاظت کرنا اس کا مقصود نہیں ہوتا۔

(تفسیر روح المعانی، سید محمود آلوسیؒ ص ۶ ج ۵، تحت الآیۃ)

اور شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی بھی اسی مضمون کو بہ عبارت ذیل تحریر کرتے

ہیں کہ

... مسافح بودن متمتع ہم بدیہی

است کہ غرض او ریختن آب ے

باشد نہ خانہ داری و اخذ ولد و حمایت

ناموس و غیر ذالک۔ (تحفہ اثنا عشریہ

ص ۳۰۳، تحت بحث متعہ، طبع سہیل

اکیڈمی، لاہور)

یعنی متعہ کرنے والے کا مسافح (پانی گرانے والا) ہونا ظاہر بات ہے کیونکہ اس کی غرض صرف منی کا پانی گرانا ہوتا ہے، خانہ داری اور اولاد کا حاصل کرنا اور عزت و ناموس کی حمایت و حفاظت کرنا وغیرہ چیزیں مقصد نہیں ہوتیں۔

مندرجات بالا کے ذریعہ واضح ہوا کہ

متعہ والی عورت کو ”احسان“ کی صفت حاصل نہیں ہوتی، البتہ یہ صفت منکوحہ عورت کو ہی حاصل ہے۔

تنبیہ

مزید اس مقام میں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآنی آیات میں جہاں خاوند بیوی کے مابین نکاح کا مسئلہ مذکور ہوا ہے (خواہ نکاح آزاد عورت کے ساتھ ہو یا باندی کے ساتھ ہو یا اہل کتاب کی خواتین سے کیا جائے) ان تمام مقامات میں صفت ”احسان“ بطور قید (اور صفت) کے ذکر کی گئی ہے اور اس امر کا خصوصی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً:

(۱) حرام رشتوں کو ذکر کرنے کے بعد حلال طریقہ سے نکاح طلب کرنے کا جہاں بیان ہوا، وہاں فرمان خداوندی ہے کہ

”اپنے اموال کے عوض میں تم نکاح طلب کرو۔“

تو محصنین غیر مسافحین کی قید و صفت کے ساتھ یہ معاملہ کرنا ہوگا۔ یعنی عفت طلب کرتے ہوئے اور قید میں لاتے ہوئے نہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔۔۔ جس طرح کہ سطور بالا میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح لونڈیوں اور باندیوں کو نکاح میں لانے کا بیان جہاں مذکور ہوا، وہاں بھی ارشاد خداوندی ہے کہ

ان کو ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ نکاح میں لاؤ اور ان کو ان کے اجر (حق مہر) دستور کے موافق دے دو۔

محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان۔

یعنی اس حال میں کہ وہ قید میں آنے والیاں ہوں، نہ مستی نکلنے والیاں ہوں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں ہوں۔

یہاں بھی گولیوں اور باندیوں کے حق میں یہی ”صفت احسان“ ذکر فرمائی اور

شہوت رانی کرنے والیاں، خفیہ یاری کرنے والیاں نہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ مذکورہ صفات والی گولیوں باندیوں کو نکاح میں لایا جائے نہ کہ
ہر قسم کی گولیوں باندیوں کو جو ان صفات سے عاری ہوں۔

(۳) دیگر مقام سورۃ المائدۃ کے پہلے رکوع کے آخر میں جہاں اہل کتاب کے
ساتھ نکاح کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا گیا وہاں بھی یہی مسئلہ مذکور ہے کہ

اذا اتیموہن اجورہن یعنی (تمہارے لیے حلال ہیں) قید والی
محصنین غیر مسافحین ولا عورتیں اہل کتاب کی جب دو ان کو مہران
متخذی اجدان۔ کے۔ قید میں لانے کو، نہ مستی نکالنے کو اور
نہ چھپی آشنائی کرنے کو... الخ۔

حاصل یہ ہے کہ

متعدد آیات قرآنی سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ:

خاوند اور بیوی کے نکاح کے مابین ”صفت احسان“ اور ”عدم سفاحت“
مطلوب و مقصود ہونا لازم ہے۔

اور منکوحہ عورت خاوند کے نکاح میں ہوتی ہے تو گویا وہ اس کی قید میں ہے
اور خاوند کے چھوڑے بغیر وہ آزاد نہیں ہوگی۔ نیز وہ وقتی طور پر اپنے زوج کے
ساتھ منسلک نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے زوجین میں رابطہ قائم ہے۔

اور میاں بیوی کا یہ تعلق خفیہ طور پر قائم نہیں بلکہ شاہدوں اور گواہوں کی
شہادت کے ذریعے قائم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ قیود اور یہ صفات جو نکاح کے مواقع میں آیات قرآنی میں
مذکور ہیں، وہ متعہ والے عقد میں بالکل مفقود ہیں اور متعہ میں ان کا کوئی لحاظ نہیں
رکھا جاتا۔

فلذا ارشادات خداوندی کی روشنی میں متعہ کا ناجائز ہونا بر ملا ثابت ہے اور
اس کا جواز ہرگز درست نہیں۔

عدم جواز متعہ پر احادیث و آثار سے استدلال

عدم جواز متعہ پر احادیث صحیحہ موجود ہیں جو محدثین نے اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے اسانید کے ساتھ ذکر کی ہیں، ان میں متعہ کا ناجائز ہونا واضح طور پر ثابت ہے۔

ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں جو مضمون ہذا کے ثبوت میں واضح اور صریح ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر آثار بھی اس مسئلہ میں متعدد پائے جاتے ہیں۔ جن میں بعض کو روایات صحیحہ کے بعد ایک ترتیب سے پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ نکاح، طلاق، عدت اور میراث نے متعہ کو حرام قرار دیا اور ختم کر دیا۔

... عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قال حرم او هدم المتعہ النکاح والطلاق والعدہ والمیراث۔

(۱) السنن للدارقطنی ص ۲۵۹ ج ۳، طبع القاہرہ، تحت ابواب النکاح۔

(۲) شرح معانی الآثار للامام طحاوی ص ۱۵ جلد ثانی تحت باب النکاح المتعہ، طبع دہلی۔

مطلب یہ ہے کہ متعہ ایک وقت تک مباح اور جائز تھا۔ اس کے بعد جب نکاح کے احکامات، طلاق اور عدت و میراث وغیرہ آ گئے تو ان چیزوں نے متعہ کی اباحت اور جواز کو ختم کر دیا۔

اور امام جمال الدین الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ”نصب الراية“ میں بہ عبارت ذیل یہ روایت کی ہے:

... عن ابی ہریرہ مرفوعاً حرم اوہدم المتعہ النکاح والطلاق والمیراث۔

... اخرجه الدارقطني وقال ابن القطان في كتابه اسنادہ حسن۔

(۱) نصب الراية للزیلعی ص ۱۸۱ جلد ثالث (بحث متعہ) (طبع مجلس علمی۔

اور حافظ ابن حجر نے اس کے ”حسن“ ہونے کی تصدیق کی ہے۔

(۲) الدراية فی تخریج احادیث الہدایہ اسنادہ حسن ص ۵۸، ج ۲، فصل فی بیان المحرمات، طبع

قاہرہ مصر۔

(۳) مجمع الزوائد للیثی ص ۲۶۳ جلد رابع، باب نکاح المتعہ بحوالہ ابی یعلیٰ الخ، طبع مصری

قدیم۔

(۴) موارد الطمان الی زوائد ابن حبان، لنور الدین للیثی ص ۳۰۹، باب ما جاء فی نکاح

للمتعہ۔

(۵) البناية شرح الہدایہ ص ۸۳، ج ۶ جلد سادس تحت کتاب النکاح، طبع ملتان۔

مختصر یہ ہے کہ روایت ہذا اکابر محدثین نے بااسناد ذکر کی ہے۔ پھر ان کی تائید

جمال الدین الزیلعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے اعظم علماء نے کر دی ہے اور اس

روایت کو ”حسن“ کے درجہ میں شمار کیا ہے۔ اب اس کے قابل استدلال اور لائق

استناد ہونے میں شبہ نہیں رہا۔

اس بنا پر کہ ”حسن“ روایات سے فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں اور وہ اس

باب میں معتمد ہیں۔

اور متعدد مشاہیر علماء کے حوالے بھی ہم نے بطور تائید و تصدیق درج کر

دیئے ہیں۔

ربیع بن سبرۃ بن معبد

(۲) خلیفہ راشد جناب عمرو بن عبدالعزیز کا ایک ”مسند“ محدثین میں مشہور ہے۔ اس میں سے ربیع بن سبرۃ الجھنی کی مرفوع روایت نقل کی جاتی ہے۔

...عن عمرو بن عبدالعزیز حدثنی الربیع بن سبرۃ الجھنی عن ابیہ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعہ وقال الا انها حرام من یومکم هذا الی یوم القیامہ ومن کان اعطی شیئا فلا یأخذہ۔

(مسند عمرو بن عبدالعزیز ص ۱۲-۱۳ طبع قدیم ملتان)

○ سبرۃ بن معبد الجھنی متعہ کے معاملہ میں اپنے ساتھ پیش آمدہ واقعہ کی تفصیلات ذکر کرتے ہیں کہ سابقاً جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہمیں متعہ کے معاملہ میں رخصت ملی تھی، پھر اس کے بعد میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم زمزم اور کعبہ کے درمیان قیام فرماتے تھے۔ آنجناب ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

...فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا کنا قد اذنا لکم فی هذه المتعہ فمن کان عنده من هذه النسوان شیئی فیرسلہ۔ فان اللہ قد حرما الی یوم القیامہ۔ ولا تأخذوا مما آتیتموہن شیئا۔

سبرۃ بن معبد الجھنی کی روایت ہذا کو متعدد محدثین اور مصنفین نے اپنے اپنے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک حوالہ جات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ اہل علم حضرات ان مقامات کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

(۱) کتاب مسند الحمیدی ص ۷۴۳، الجزء الثانی تحت مسانید سبرۃ بن معبد الجھنی

روایت نمبر ۸۴، طبع مجلس علمی۔

- (۲) السنن للدارمی ص ۲۸۲ تحت باب النہی عن متعہ النساء۔
- (۳) مسلم شریف ص ۴۵۰-۴۵۱، جلد اول کتاب النکاح باب تحریم المتعہ۔
- (۴) مسند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۲۴۲-۲۴۳، جلد اول، تحت مسند سمرہ بن معبد الجعفی، روایت نمبر ۹۳۵۔
- (۵) المصنف للابن ابی شیبہ ص ۴۹۲، جلد رابع، باب نکاح المتعہ، طبع حیدرآباد دکن۔
- (۶) المصنف لعبد الرزاق ص ۵۰۴، ج ۷ باب المتعہ، روایت سمرہ بن معبد۔
- (۷) المسند الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۰۵، ۴۰۶ ج ۳، تحت مسانید سمرہ بن معبد الجعفی، طبع اول مصری۔
- (۸) السنن للابن ماجہ ص ۹۴۲ باب النہی عن نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
- (۹) المحلی للابن حزم الاندلسی ص ۹۳۰ ج ۹ تحت بحث متعہ، طبع بیروت۔
- (۱۰) الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان ص ۱۷۹، ج ۷، روایت نمبر ۴۱۳۸، طبع جدید، تحت باب نکاح المتعہ۔
- (۱۱) شرح معانی الآثار للخواوی ص ۱۵ ج ۲، باب نکاح المتعہ ص ۲۹۰، طبع دہلی۔
- (۱۲) ابوداؤد شریف باب النکاح فی المتعہ ص ۲۹۰، طبع مجتبائی دہلی۔
- (۱۳) المستقنی للابن جارود ص ۲۳۴، طبع مصر تحت کتاب النکاح روایت نمبر ۶۹۹۔
- (۱۴) کتاب الآثار لامام ابی یوسف ص ۱۵۲، روایت نمبر ۷۰۰۔
- (۱۵) کتاب الآثار امام محمد ص ۹۳، روایت نمبر ۴۳۲۔
- (۱۶) جامع مسانید الامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۶، ج ۲، طبع دکن۔
- (۱۷) تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ص ۹۰۶، ج ۲، تحت ابراہیم طہمان۔
- (۱۸) السنن الکبریٰ للسنائی جلد ثالث ص ۳۲۷، ۳۲۸ تحت تحریم المتعہ، طبع جدید بیروت۔

ان تمام محدثین و مصنفین نے متعہ سے منع کی روایت ہذا کو نقل کیا ہے اور

اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں متعہ کے معاملہ میں اجازت دی تھی، اب اعلان کیا جاتا ہے کہ جس کے پاس ان متعہ والی عورتوں میں سے کوئی عورت ہو تو وہ اس کو چھوڑ دے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے متعہ کے فعل کو تاقیامت حرام کر دیا ہے۔ اور جو کچھ تم نے ان عورتوں کو دیا ہے، اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

گزشتہ صفحات میں متعہ کے متعلق اہل سنت اور شیعہ حضرات کے استدلالات ذکر کیے ہیں اور ہر ایک فریق کا موقف واضح کیا گیا ہے۔

شیعہ حضرات بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کے ذریعے اپنے مسلک کی تائید حاصل کرتے ہیں اور بطور الزام کے ہماری کتب سے ان کی روایات کو اپنی حمایت میں پیش کرتے ہیں۔

اس چیز کی وضاحت کے لیے ہم آئندہ صفحات میں مفصل کلام چلانا چاہتے ہیں۔

اس مقام میں شیعہ صاحبان حضرات صحابہ کرام پر جو مطاعن قائم کرتے ہیں، ان کا جواب بھی دیا جائے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات سے جواز متعہ کے لیے جو استدلال قائم کرتے ہیں، اس کے غیر صحیح ہونے پر کلام کیا جائے گا اور مدلل طور پر اس کی تردید کی جائے گی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مسئلہ ہذا میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ذیل میں چند ایک روایات ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں۔ ان روایات مرفوعہ میں متعہ کے حرام ہونے کا بالوضاحت بیان مذکور ہے۔ اور ان سے حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کا مسلک و موقف عمدہ طریق سے معلوم ہو جاتا ہے۔

(الف) ... عن علی بن ابی
روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ

طالب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعہ النساء و عن لحوم الحمر الاہلیہ زمن خیبر۔

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ متعہ سے منع فرمایا اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی ایام خیبر میں منع فرمایا۔

- (۱) ترمذی شریف ص ۱۳۳، باب ما جاء فی نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
- (۲) مسلم شریف ص ۳۵۲، ج ۱، تحت باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
- (۳) مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۲، فصل الاول باب اعلان النکاح، طبع دہلی۔
- (۴) کنز العمال ص ۲۹۳، ج ۸، روایت ۵۰۳، باب المتعہ، طبع حیدر آباد دکن۔
- (۵) جامع الاصول للجزری ص ۱۳۲-۱۳۳، ج ۱۲، تحت ابحاث متعہ۔

(ب) ... عن عبد اللہ والحسن ابن محمد بن الحنفیہ عن ابیہما ان علیا مربا بن عباس و هو یفتی فی متعہ النساء انه لا باس بها۔ قال له علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عنها ومن لحوم الحمر الاہلیہ يوم خیبر۔^(۱)

روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ عبد اللہ اور حسن اپنے والد محمد بن الحنفیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے در آنحالیکہ وہ متعہ النساء کے جواز کا قول کرتے ہوئے کہتے تھے کہ متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ النساء سے منع فرمایا ہے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی خیبر کے دن منع فرمایا۔

- (۱) کتاب السنن لعید بن منصور ص ۲۱۰، ج ۱، روایت نمبر ۸۳۹، باب ما جاء فی المتعہ۔
- (۲) المصنف لعبد الرزاق ص ۵۰۱، ج ۷، باب المتعہ، طبع مجلس علمی۔

- (۳) طحاوی شریف ص ۹۳ ج ۲ باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
- (۴) مسلم شریف ص ۳۵۲ ج ۱ باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
- (۵) بخاری شریف ص ۷۶۷ ج ۲ باب نہی رسول اللہ ﷺ من نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
- (۶) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۲ ج ۴ تحت نکاح المتعہ وحرمتھا، طبع حیدرآباد، دکن۔
- (۷) تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ص ۱۰۲ ج ۶ تحت ابراہیم بن شریک، طبع مصر۔
- (۸) کتاب التعمید لابن عبد البر ص ۹۸ ج ۱۰ تحت روایات ابن شہاب عن عبد اللہ والحسن۔
- (۹) کنز العمال ص ۲۹۵ ج ۸، روایت نمبر ۵۰۵۹، باب المتعہ، طبع دکن۔
- (۱۱) تفسیر کبیر للرازی ص ۲۸۷ ج ۳، تحت آیہ متعہ انما استمتعتم، الخ۔
- اسی روایت کو ابو جعفر محمد النحاس (المتوفی ۳۳۸ھ) نے اپنی تصنیف میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے اور اس پر بطور نتیجہ کے عمدہ کلام کیا ہے۔ ناظرین کرام کے فائدہ کے لیے ان کی عبارت بلفظ نقل کی جاتی ہے۔

... حدثنا عبد الله بن محمد بن اسماء قال حدثنا
جویریہ عن مالک بن انس عن الزهري ان عبد الله بن
محمد بن علي بن ابي طالب والحسن بن محمد حدثاه
عن ابيهما انه سمع علي بن ابي طالب يقول لابن عباس
انك رجل تائه يعني مائل ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم نهى عن المتعه... قال ابو جعفر) ولهذا الحديث
طرق فاخترنا هذا لصحته والجلاله جویریہ من طريق
اسماء ولان ابن عباس رضي الله عنهما لما خاطبه علي رضي الله عنه
بهذا لم يحاججه - فصار تحريم المتعه اجماعا - لان
الذين يحلون لها اعتمادهم علي ابن عباس - (۲)

(کتاب النسخ والنسخ فی القرآن الکریم لابن جعفر النحاس ص ۹۰۴ باب ذکر الآیہ

الساوسہ، طبع قدیم مصر)

مذکورہ بالا روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم ایک طرف میلان رکھنے والے شخص ہو۔ (مسئلہ حق سے ایک طرف مائل ہونے والے ہو)

تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ (النساء) سے منع فرمایا... ابو جعفر محمد النحاس کہتے ہیں کہ اس حدیث کے لیے متعدد طریقے ہیں اور ہم نے راوی جویریہ کی جلالت شان کی بنا پر اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اختیار کیا ہے اور (دوسری بات) یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خطاب کر کے متعہ کے جواز کے قول سے منع فرمایا تو جواباً ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی حجت اور دلیل پیش نہیں کی اور اس میں نزاع کھڑا نہیں کیا۔

پس اس بنا پر متعہ کی تحریم کا مسئلہ اجماعی ہو گیا۔ اس لیے کہ جو لوگ متعہ کی حلت کا قول کرتے ہیں، ان کا اعتماد عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کی اور کوئی مخالفت نہیں کی تو اس طرح تحریم متعہ پر اتفاق و اجماع ثابت ہو گیا۔

(ج) نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی مسئلہ میں ایک دیگر مرفوع روایت مروی ہے کہ

روایت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ (النساء) سے منع فرمایا اور آنمو صوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متعہ اس شخص کے لیے تھا جس نے نکاح کو (تاحال) نہیں پایا۔ پس جب نکاح، طلاق اور عدت کے احکام نازل کیے گئے اور زوجین میں میراث کے

... عن ایاس بن عامر عن علی بن ابی طالب قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المتعہ۔ قال وانما کانت لعانب لم یجد فلما نزل النکاح والطلاق والعدہ والمیراث بین الزوج المراء نسخت۔ (۳)

احکام پائے گئے تو متعہ منسوخ کر دیا گیا۔

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۰۷ ج ۷، کتاب النکاح، طبع دکن۔

(۲) کنز العمال ص ۲۹۵ ج ۸، کتاب النکاح باب المتعہ، روایت نمبر ۵۰۹۸۔

(۳) مجمع الزوائد للبیہقی ص ۲۶۵ تحت نکاح المتعہ، طبع مصر۔

(۴) اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ کے لیے کبار علماء

نے ایک اور تصریح ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ متعہ (النساء) کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ بخاری شریف میں یہ بات بہ عبارت ذیل مذکور ہے:

... قال (ابو عبد اللہ البخاری) وقد بینہ علی من النبی

صلی اللہ علیہ وسلم انہ منسوخ۔

(بخاری شریف ص ۷۶۷ جلد ثانی، باب نہی رسول اللہ ﷺ عن نکاح المتعہ)

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرما دیا کہ متعہ کا جواز منسوخ ہو چکا

ہے اور اسلام میں اس کی اباحت ختم کر دی گئی ہے۔

الزامیات

اس کے بعد شیعہ صاحبان کی اصول کی کتابوں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سے مرفوع روایت ہم بطور الزام ذکر کرتے ہیں۔ اس میں متعہ کو بفرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ائمہ کرام نے حرام قرار دیا ہے اور ممنوع بتلایا ہے۔

کتب اصول اربعہ میں سے کتاب تہذیب الاحکام ابو جعفر الطوسی شیعہ کی

تصنیف ہے۔ اس میں آنمو صوف نے اپنی سند کے ساتھ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا

فرمان نقل کیا ہے کہ

... عن علی علیہ السلام قال حرم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم یوم خیبر لحوم الحمر الاہلیہ ونکاح

(۱) المتعہ۔

(تہذیب الاحکام الشیخ جعفر الطوسی الشیعی ص ۹۸۶ تحت کتاب النکاح، تحت

تفصیل احکام النکاح، مطبوعہ ایران قدیم)

اسی طرح یہ فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان احباب کی دوسری اصول کی کتاب ”الاستبصار“ لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی میں بھی منقول ہے، ملاحظہ ہو:

... عن علی علیہ السلام قال حرم رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم لحوم الحمر الاہلیہ ونکاح المتعہ۔ (۲)

(الاستبصار لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی الشیعی ص ۹۳۲ ج ۳، تحت ابواب متعہ،

مطبوعہ ایران)

ان ہر دو روایات مندرجہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز پالتو گدھوں کا گوشت اور متعہ کا نکاح حرام قرار دیا ہے (اور دونوں چیزوں سے منع فرمادیا)

مطلب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”متعہ شرع میں حرام ہے۔“ اس کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ یہ مرفوع روایت ہے اور ان کے ائمہ کرام سے باسند مروی ہے اور شیعہ احباب کی متعدد معتبر کتب اصول میں موجود ہے۔ فلہذا اس فرمان کے صحیح ہونے میں کچھ اشتباہ نہیں۔

نیز (متعہ کے عدم جواز کا) یہ مسئلہ ان کی اصول کی کتاب ”فروع کافی“ کتاب الروضہ میں بھی درج ہے۔ وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں متعہ کو ناجائز رکھا اور اس کو جائز قرار دے کر رائج نہیں کیا۔

مقام مذکور میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک مفصل خطبہ مذکور ہے۔ اس میں کم و بیش اٹھائیس (۲۸) عدد اشیاء کو شمار فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک متعہ کا مسئلہ

بھی ہے۔

تطویل عبارت سے گریز کرتے ہوئے ہم صرف مقصد کے مطابق بقدر ضرورت الفاظ نقل کرتے ہیں۔

... لو ... امرت باحلال
یعنی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
المتعین ... انا لتفرقوا
فرماتے ہیں کہ متعہ حج و متعہ زنان کے حلال
عنی ... الخ (۳)
ہونے کا فرمان میں صادر کروں ... تو لوگ
مجھ سے متفرق ہو جائیں گے۔ (اور علیحدہ ہو
جائیں گے)

(۱) فروع کافی ص ۲۹، ۳۰، ج ۳، کتاب الروضہ تحت خطبہ الامیر المومنین علیہ السلام طبع نول کشور، لکھنؤ۔

(۲) کتاب الروضہ من الکافی ص ۹۶، ۹۷ تحت خطبہ نمبر ۲۱، طبع تہران۔

کتاب الروضہ میں خطبہ علوی سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاں دیگر متعدد احکامات سابقہ طریقہ پر جاری رہے اور ان کے خلاف حضرت موصوف نے نہیں کیا ان میں سے ایک متعہ النساء کا مسئلہ بھی ہے۔ اس کو سابقہ خلفاء راشدین کے معمول کے مطابق ناجائز ہی قرار دیا یعنی اس کے سابق حکم کو تبدیل نہیں کیا اور جواز کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ درآں حالیکہ یہ ان کی اپنی خلافت راشدہ کا دور تھا۔ آنمو صوف رضی اللہ عنہ پر کوئی پابندی یا دباؤ نہیں تھا۔ مطلقاً آزاد تھے اور امام عادل کے اوصاف سے متصف تھے۔ ان حالات میں تقیہ کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں تھا۔

افادہ برائے ناظرین کرام

دونوں فریق کی کتب معتبرہ سے بفرمان ابوالائمہ (جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) مسئلہ واضح ہو گیا کہ شرع اسلام میں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنا ممنوع ہے، قطعاً حلال

نہیں۔

تو پھر یہ متعہ کے حامی دوست کیوں اس کا ارتکاب کرتے ہیں؟؟ اس کا جواب ان لوگوں کی طرف سے ان کے رہنماؤں نے یہ تیار کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے متعہ کو ناجائز اور حرام فرمایا اور اپنے عہد خلافت میں اسی حکم کو نافذ رکھا لیکن:

- جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا نے اس مسئلہ میں تقیہ کیا تھا... الخ۔
- اور دوسرا یہ کہ روایت ہذا عامتہ الناس (اہل السنہ والجماعۃ) کے مذہب کے موافق ہے اور قاعدہ ان کے ہاں یہ جاری ہے کہ

قاعدہ

دعوا ما وافق القوم فان
الرشد فی خلافہم... الخ (۴)
یعنی جو روایت قوم (اہل السنہ والجماعۃ)
کے موافق آجائے، اس کو چھوڑ دو کیونکہ
رشد و ہدایت ان کے خلاف کرنے میں پائی
جاتی ہے۔

(۱) اصول کافی ۶ (ابتدائی خطبہ کتاب) طبع قدیم، لکھنؤ۔

(۲) مرآۃ العقول ص ۲۲ جلد اول، طبع ثانی، تہران۔

فلذا شیعہ علماء کے اس ضابطہ تیار کرنے کا نتیجہ یہی ہے کہ اہل اسلام کے ساتھ مسائل میں ان کا اختلاف و افتراق قائم رہتا ہے اور اسی وجہ سے دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب نہیں ہو سکتے۔

بہر کیف ان دوستوں کے ہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرامین کا بہتر جواب جو دیا جاتا ہے، وہ ہم نے پیش کر دیا ہے (یعنی وہ تقیہ ہے) ان کے ماسوا ان کے پاس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات کا کوئی معقول جواب نہیں۔
اب ناظرین کرام مندرجات بالا پر تدبر کی نظر فرما کر خود فیصلہ کریں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تمام عہد خلافت کو تقیہ پر محمول کرنا اور آنمو صوف رضی اللہ عنہ میں تمام عادلانہ اوصاف اور شجاعت کے جمیع کمالات تسلیم کر لینے کے باوجود پھر بھی ”مصلحت بنی“ اور ”دفع وقتی“ پر عملدرآمد کرنے کا جواب بنانا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اور کوئی منصف مزاج اور فہمیدہ آدمی اسے درست نہیں مان سکتا۔ یہ بات تو حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ولایت اور شان شجاعت اور شان دیانت و راست بازی اور راست کرداری سب کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق بات قبول کرنے کی توفیق بخشے۔

الزام کا اختتام

اب ہم یہاں ایک چیز الزامیات کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ ناظرین کرام اس پر بغور نظر فرمائیں۔ ”نہج البلاغہ“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں امام زمان کے فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں فرمایا ہے کہ امام پر اپنے رب کی طرف سے مندرجہ ذیل چیزوں کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

- (۱) (قوم کو) وعظ و موعظت کا ابلاغ کرنا اور پہنچانا۔
- (۲) (قوم کے حق میں) نصیحت و خیر خواہی کرنے میں سعی کرنا۔
- (۳) سنت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ کرنا۔
- (۴) جو حد لگانے کے مستحق ہیں، ان پر حدود اللہ کو جاری کرنا اور قائم کرنا۔
- (۵) حق داروں کے حقوق کو ان کی طرف اعادہ کرنا اور لوٹانا۔

...انہ لیس علی الامام الی ما حمل من امر بہ الابلاغ فی الموعظہ والاجتہاد فی النصیحہ والاحیاء للسنہ واقامته الحدود علی مستحقہا واصدار السہمان علی اہلہا۔

(نہج البلاغہ ص ۲۰۲، جلد اول، طبع مصر، من خطبہ لہ علیہ السلام حتی بعث اللہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ شہید و بشیر۔۔۔ الخ

مقصد یہ ہے کہ یہ امام عادل اور خلیفہ منصف کے اوصاف اور فرائض منصبی ہیں۔ ان میں اپنے پیغمبر کریم کی سنتوں کا احیاء کرنا اور ان کے طریقوں کا زندہ کرنا امام کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ ان تقاضوں کی روشنی میں متعہ کے مسئلے کا حل کرنا اور اس کا فیصلہ فرما کر عمل درآمد کرنا اور اس کے نفاذ کا حکم جاری کرنا بھی اس میں شامل ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کو اپنے دور خلافت میں کس طرح حل فرمایا؟ اور کیا حکم دیا؟؟ پس اس چیز کو معلوم کر لیں تو دیگر کسی بحث و تکرار کی حاجت نہیں رہے گی اور اس کو ہم نے قبل ازیں گزشتہ اوراق میں ذکر کر دیا ہے۔

یعنی۔۔۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور امامت و ایام خلافت میں فرائض منصبی کو ادا کرتے ہوئے فرمان نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں متعہ کے عمل سے منع فرمایا اور اس کے جواز پر عمل درآمد نہیں کیا۔

نیز قوم کے حق میں نصیحت و خیر خواہی فرماتے ہوئے انسداد متعہ کے طریقہ کو بہتر قرار دیا اور جواز متعہ کے طریقہ کو فروغ نہیں دیا۔ یہ تمام کام انہوں نے امام کے فرائض کے موافق کیا۔

ازالہ شبہات

مسئلہ متعہ کی بحث میں شیعہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے درج ذیل قول پیش کیا جاتا ہے کہ

حضرت علی فرماتے تھے کہ عمر بن الخطاب نے سبقت کر کے متعہ کو بند نہ کر دیا ہوتا تو سوائے کسی بد بخت کے اور کوئی زنا میں مبتلا نہ ہوتا۔

(مقبول احمد صاحب الشیعی دہلوی لکھتے ہیں کہ یعنی عمر نے غصباً خلافت لے لی اور اپنے وقت میں متعہ سے ممانعت کر دی)۔

۱۔ حاشیہ مقبول احمد صاحب الشیعی دہلوی ص ۹۷... تحت آیہ متعہ پ ۵، طبع دہلی۔

درجہ جواب

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے منسوب اس قول کے جواب میں چند چیزیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں، ان پر نظر غائر کرنے سے اس روایت کے بے اصل ہونے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔

(۱) معترض لوگوں نے جس کتاب سے یہ قول ذکر کیا ہے، اس میں اس طرح

مذکور ہے کہ

... قال الحكم قال علی لولا نہی عمر عن المتعہ ما

زنی الاشقی۔

(۱) مقصد یہ ہے کہ الحکم بن عتبہ الکندی نے یہ قول اپنے سامعین کے سامنے

بیان کیا۔۔۔ الحکم الکندی مذکور کی ولادت علماء رجال نے ۵۰ ہجری میں ذکر کی ہے جبکہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۰ ہجری میں ہو چکی تھی گویا کہ الحکم الکندی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے دس سال کے بعد پیدا ہوئے۔ پھر الحکم بارہ،

چودہ سال کے بعد سن شعور کو پہنچے۔ اس دوران بائیس، چوبیس سال بعد الحکم کو خدا

جانے کس شخص نے یہ قول ذکر کیا؟؟ اور کیسے افراد کے ذریعے یہ انہیں پہنچا؟؟

بہر کیف الحکم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کو نہیں پایا۔ بس ان

دونوں حضرات میں انقطاع زمانی بین طور پر موجود ہے۔ فلذا یہ روایت سنداً منقطع

ہے۔ (متصل نہیں ہے) اور روایت ہذا مرسل بھی ہے۔

○ نیز یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات اور

آئمہ صوفیہ رضی اللہ عنہ کے فرمودات جو حرمت متعہ کے بارے میں صحیح اسانید کے ساتھ

پائے جاتے ہیں اور شیعہ سنی دونوں فریق کی کتب میں مذکور ہیں جیسا کہ قبل ازیں

باحوالہ درج کر دیا ہے۔ یہ قول ان کے خلاف ہے۔ فلذا یہ شاذ روایت کے درجہ

میں ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ قول مرتضوی سنداً منقطع اور مرسل ہے اور متن کے لحاظ

سے صحیح روایات کے مقابل ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

بنابریں اس قول پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور فن کے ضوابط کے اعتبار سے اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) معترضین کی طرف سے سابق قول کی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک دیگر قول پیش کیا جاتا ہے اور اس میں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا مقصود ہے۔ وہ قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ

... ان علیا قال... لو لا ما سبق من رای عمر بن الخطاب لامرت بالمتعہ ثم ما زنی الا شقی۔
مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے متعہ کے بارے میں اگر سبقت نہ کر جاتی تو میں متعہ کے جواز کے متعلق حکم دیتا تو پھر بد بخت کے سوا کوئی شخص زنانہ کرتا۔

درجہ جواب۔۔۔ (ابن جریج کی روایت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قول بعض کتابوں میں مندرجہ ذیل طریقہ سے منقول ہے کہ

... قال ابن جریج اخبرنی من اصدق ان علیا قال... الخ
یعنی ابن جریج کہتا ہے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس کو میں صادق سمجھتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں یہ بیان کیا لو لا ما سبق... الخ۔

اس قول مرتضوی رضی اللہ عنہ کے جواب میں ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے کے بعد اس قول کا بے وزن اور غیر مقبول ہونا واضح ہو جائے گا۔ مندرجہ ذیل معروضات پر توجہ فرمائیں۔

(۱) ایک بات تو یہ ہے کہ اس قول کا ناقل ابن جریج ہے اور ابن جریج کا انتقال ۱۵۰ ہجری میں ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۴۰ ہجری میں ہوا۔ اس طرح یہاں درمیانی عرصہ (قریباً ۱۱۰ سال) کے وساطت اور رواۃ غیر مذکور میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ خدا جانے وہ کیسے اور کس طرح کے لوگ تھے؟؟؟

پس یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور ابن جریج کے دور حیات کے درمیان بین انقطاع پایا گیا۔

فلذا یہ قول ”منقطع“ ہے (متصل الاسناد نہیں ہے) اور مرسل بھی ہے۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ علماء رجال نے ابن جریج کی توثیق اور مدح کی چیزیں ذکر کی ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابن جریج کے حق میں درج ذیل امور بھی لکھ کر تصویر کا دو سرائخ پیش کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی تصنیف تہذیب التہذیب میں دارقطنی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

یعنی دارقطنی کہتے ہیں: ابن جریج

... قال الدارقطني تجنب

مدلس ہے۔ اس کی تدلیس سے بچنا چاہیے

تدلیس ابن جریج فانه فبیح

کیونکہ ابن جریج قبیح التدلیس ہے۔ یہ

التدلیس لا یدلس الا فی ما

تدلیس اس موقعہ میں کرتا ہے جہاں اس

سمعه من مجروح^(۱)

نے مجروح شیخ سے سنا ہو۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ص ۴۰۵-۴۰۶، ج ۶، تحت ترجمہ ابن جریج)

نیز ابن حجر نے تہذیب التہذیب کی جلد رابع میں لکھا ہے کہ ابن جریج جن

بعض روایات میں ارسال کرتا ہے اور مرسل روایات لاتا ہے تو وہ بعض روایات

موضوع ہوتی ہیں اور ابن جریج اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیسے شخص سے

روایت لے کر بیان کر رہا ہے۔

... بعض تلک الاحادیث التي كان يرسلها ابن جریج

احادیث موضوعہ۔ کان ابن جریج لا یبالی عن من اخذھا۔

(۱) تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ص ۲۴۴ ج ۲ تحت ترجمہ سنید بن داؤد المصنفی۔

(۲) میزان الاعتدال للذہبی ص ۶۵۹ ج ۲، تحت عبد الملک، بیروت۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوئی کہ ابن جریج مدلس ہے اور فتیح تدلیس کرتا ہے اور مجروح راویوں سے روایت لے کر تدلیس کر دیتا ہے۔ (یعنی اپنے شیخ کو بیان نہیں کرتا) اور اس کی روایات مرسل بھی ہوتی ہیں اور ان مرسل روایات میں بعض دفعہ کئی موضوع چیزیں بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے ابن جریج کی روایات پر علی الاطلاق اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اس کی مرویات کو بغیر تحقیق و تنقیح کے قبول نہیں کیا جاتا اور مندرجہ بالا روایت جو اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ بھی اسی نوع کی روایت معلوم ہوتی ہے۔ اس بنا پر یہ روایت قابل تسلیم نہیں ہے۔

(۳) اور حافظ ابن حجر نے اسی مقام میں امام شافعیؒ کے فرمان کے حوالہ سے ابن جریج کے متعلق ایک عجیب انکشاف کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے اصل عبارت نقل کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

... قال الشافعی رحمہ اللہ علیہ استمتع ابن جریج

بسبعین امراہ۔

تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ص ۴۰۵-۴۰۶ ج ۲، تحت ابن جریج، طبع

اؤل، دکن۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابن جریج جواز متعہ کا صرف قائل ہی نہیں بلکہ خود فاعل بھی تھا اور اس نے ستر عورتوں کے ساتھ متعہ کیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ ابن جریج متعہ کے جواز کا قائل تھا اور اس نے بصرہ میں

جواز متعہ کے لیے اٹھارہ (۱۸) احادیث بیان کیں۔

ابن جریج کا رجوع

لیکن اس کے بعد علماء فرماتے ہیں کہ اس نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے جواز کے فتویٰ کو واپس لے لیا۔

... ویحکی عن ابن جریج جوازها۔ وقد نقل ابو عوانہ

فی صحیحہ عن ابن جریج انه رجع عنها بعد ان روی

بالبصرہ فی اباحتها ثمانیہ عشر حدیثا۔

(فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۱۴۲، ج ۹، تحت باب نہی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم عن النکاح المتعہ)

ان حضرات نے مندرجہ بالا مضمون کو دوسرے مقام میں بہ عبارت ذیل تحریر

کیا ہے:

... قال (ابن جریج) بالبصرہ اشهدوا انی قد رجعت

عنها یعنی عن الفتوی بحل المتعہ بعد ان حدثهم

ثمانیہ عشر حدیثا انه لا باس به۔

(تفسیر مظہری ص ۷۷، ج ۴، تحت آیت فما تمتعتم به، پ ۵)

تنبیہ

فتح الباری اور تفسیر مظہری کے حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ متعہ کے جواز

کے حق میں ابن جریج نے کئی روایات نشر کر دیں۔ خدا جانے ابن جریج کی وہ

روایات کہاں کہاں پہنچیں اور روایات کے ذخائر میں انہوں نے کہاں کہاں جگہ

پائی؟؟

یہاں یہ بات ذکر کرنا مفید ہے کہ مسئلہ متعہ کے بارے میں جہاں ابن جریج

کے حوالہ سے مواد پایا جائے تو اس کو بغیر تحقیق و تنقیح کے بالکل قبول نہ کیا جائے اور اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔

اس بزرگ نے اگرچہ بعد میں اپنے قول سے رجوع کر لیا لیکن متعہ کی متعلقہ روایات کو اس نے مشکوک بنا ڈالا اور ان میں کئی شبہات پیدا کر دیئے اور لوگ اس کی نشر کی ہوئی روایات کے ذریعے غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ خود ان روایات سے دستبردار ہو گیا۔ اب ان کی صحت پر کیسے اعتماد و اعتبار کیا جاسکتا ہے؟؟ غور فرمادیں۔

دیگر تنبیہ

اہل علم کی معلومات میں اضافہ کے لیے ایک مزید چیز ابن جریج کے متعلق ذکر کی جاتی ہے جو شیعہ احباب کی معتبر و معتمد کتب میں ائمہ کی زبانی مذکور ہے۔
فروع کافی میں ہے کہ شیعہ کے ایک راوی اسماعیل بن الفضل الهاشمی نے کہا کہ

...سالت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن المتعہ فقال قال الق
عبد الملک بن جریج فاسئلہ عنہا فان عنده منها
علما فلقیته فاملی علی منها شیا کثیرا فی
استحلالہا۔

کافی کی اس روایت معتبر کے ذریعہ یہ بات واضح ہوئی کہ ابن جریج شیعہ کے ہاں معتمد شخصیت ہے اور اس کے پاس جواز متعہ کی روایات کا مواد کافی وافی موجود ہے اور وہی اس نے مختلف ذرائع سے لوگوں میں نشر کیا۔

اہل السنہ کی کتابوں میں وہ مواد پھیلایا اور شیعہ نے بھی اس سے مواد حاصل کیا اور عجیب بات یہ ہے کہ ابن جریج نے آخر آخر میں بصرہ میں متعہ کے جواز سے رجوع کر لیا، جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں درج کر دیا ہے۔ چیت یاران طریقت بعد

زیں تدبیر ما (ترجیع) اب ایسے شخص کے اقوال کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا اور اعتراض وارد کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟؟ ناظرین کرام انصاف کے ساتھ خود فیصلہ فرمائیں۔ مقصد یہ ہے کہ

(۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایات متعہ کے منع کے متعلق وارد ہیں اور پھر شیعہ کی کتب میں بھی منع کی روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اور ان کی اصول کی معتبر کتابوں میں درج کی گئی ہیں۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کا بیان ہو چکا ہے)

(۲) اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی متعہ کو جائز قرار دینے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) اور جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنی خلافت راشدہ کے دور میں متعہ کو رائج اور نافذ نہ کر کے عملاً اس بات کی تصدیق اور تائید کر دی کہ یہ فعل اسلام میں ناجائز ہے اور یہ طریقہ ترویج اور تنفیذ کے قابل نہیں بلکہ ترک کر دینے کے لائق ہے۔

(۴) باقی ہماری کتابوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو اقوال جواز متعہ کے لیے پیش کیے جاتے ہیں، وہ قطعاً صحیح نہیں اور بالکل بے بنیاد ہیں۔
ان اقوال کے غیر صحیح اور غیر مقبول ہونے کو ہم نے گزشتہ صفحات میں دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

آخر بحث

اصولی ضابطہ

اب یہاں ایک اصولی قاعدہ بیان کر کے اختتام بحث کیا جاتا ہے۔ متعہ کے مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مرویات (جواز متعہ و عدم جواز متعہ) دونوں

طرح کی اگر بالفرض والتقدیر تسلیم کر لی جائیں تو بھی یہاں ایک اصولی قاعدہ جاری ہوگا جو بین الفرقین مسلم ہے اور دونوں فریق میں وہ معمول بہا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ --- ہر گاہ کہ دو دلیل مستوی و ر قوت و یقین متعارض نہمانید و رحلت و حرمت، حرمت را مقدم باید داشت۔

(۱) تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰۳، تحت طعن یازدہم از مطاعن فاروقی، طبع سہیل اکیڈمی، لاہور۔

(۲) تفسیر روح المعانی ص ۷، ج ۵، تحت آیتہ نما استمتعتم بہ۔

مطلب یہ ہے کہ جب حلت و حرمت میں دلیلیں متعارض پائی جائیں تو اصولی ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ محرم کو مسیح پر ترجیح دی جائے گی اور حرمت کو حلت پر مقدم رکھا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ متعہ کو حرام قرار دینے والی روایات پر عمل درآمد ہوگا جواز والی مرویات متروک العمل ہوں گی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مسئلہ متعہ کے متعلق ایک خطبہ منقول ہے، جس میں انہوں نے متعہ النساء کے حرام ہونے کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا واضح طور پر اعلان فرمایا۔

چنانچہ محدثین نے اپنی اپنی سند کے ساتھ اس خطبہ کو نقل کیا ہے کہ

... عن ابن عمر قال لما ولي	مطلب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے
عمر بن الخطاب خطب	ہیں کہ جب میرے والد عمر بن الخطاب
الناس فقال ان رسول الله	رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ایک موقعہ
صلى الله عليه وسلم اجاز لنا	پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ
في المتعه ثلاثا - ثم حرمها -	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
والله لا اعلم احدا يمتع وهو	نے تین ایام کے لیے متعہ کے متعلق ہمیں

اجازت دی تھی۔ اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کو حرام کر دیا۔ اب اگر کوئی شادی شدہ شخص متعہ کرے اور مجھے معلوم ہو جائے تو اسے میں پتھروں کے ساتھ رجم کروں گا مگر یہ صورت پائی جائے کہ وہ میرے پاس چار گواہ لائے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو حرام کر دینے کے بعد حلال کر دیا تھا۔ (تو رجم نہیں کیا جائے گا)

(الف) مسئلہ ہذا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی مختصر مجلس میں بیان نہیں فرمایا بلکہ عام مجلس میں خطبہ دے کر متعہ کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

(ب) نیز متعہ کے حرام ہونے کا بیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب سے از خود نہیں کیا بلکہ اس کی نسبت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا ”ابلاغ“ اور ”اظہار“ فرمایا۔ فلہذا یہ بھی (متعہ النساء) کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم نہیں۔

اسی چیز کو علماء نے اپنی مشہور تصانیف میں ذکر کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کے متعلق جو بھی ذکر کیا ہے۔ وہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کی ہے۔ اس بات کی

محضن الا رجمتہ بالحجارہ
الا ان یاتینی باربعہ یشہدون
ان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ
وسلم) احلہا بعد اذ حرمہا۔
(السنن لابن ماجہ ص ۱۴۲، باب نہی عن
النکاح المتعہ، طبع نظامی دہلی، فتاویٰ عزیزی
ص ۱۹، ج ۲، تحت حرمت متعہ)

... وانما نہی عنہا
مستندا الی نہی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وقد وقع
التصریح عند بذالك فیما

اخرجہ ابن ماجہ من طریق ابی بکر بن حفص عن ابن عمر قال لما ولی عمر خطب فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن لنا فی المتعہ ثلاثا ثم حرمها واخرج ابن منذر والبیہقی من طریق سالم بن عبد اللہ بن عمر بن ابیہ قال صعد عمر رضی اللہ عنہ لمنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ما بال رجال ینکحون هذه المتعہ بعد نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہا۔ (فتاویٰ عزیزی (از شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی) ص ۱۹، ج ۲، تحت حرمت متعہ، فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۱۴۱، ج ۹، طبع قدیم، مصر تحت باب نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النکاح المتعہ آخر)

اور دیگر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان اگر بالفرض صحیح نہیں تھا اور غلط تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی مخالفت ضرور کرتے اور خاموش ہرگز نہ رہتے۔ پھر اس اعلان پر اس دور کے اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً

تصریح اس روایت میں موجود ہے جو ابن ماجہ نے ابو بکر بن حفص عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے ذکر کی ہے۔ اس روایت میں ابن عمر کہتے ہیں کہ جب (میرے والد) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ایک موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین (ایام) کے لیے متعہ کے متعلق ہمیں اجازت دی۔ پھر اس کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام قرار دے دیا اور ابن منذر اور بیہقی نے سالم بن عبد اللہ عن ابیہ کے طریقہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعہ سے نہی کے بعد بھی متعہ کا نکاح کرتے ہیں؟؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وغیرہم کا مخالفت نہ کرنا اور اس کے خلاف آواز نہ اٹھانا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ حضرات خود اس مسئلہ پر متفق تھے کہ زبانِ نبوت (ﷺ) سے متعہ کو حرام کر دیا گیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا حکم نہیں ہے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ کو بطور وضاحت کے عبارت ذیل میں ذکر کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی مجلس میں اور ان حضرات کی موجودگی میں متعہ النساء سے ممانعت کا اظہار فرمایا تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی نے انکار نہیں کیا اور آنموصوف کے خلاف کسی نے آواز نہیں اٹھائی۔

--- قال ابو جعفر فهذا عمر رضی اللہ عنہ قد نہی عن متعہ النساء بحضرہ اصحاب رسول اللہ ﷺ فلم ينکر ذالک علیہ منہم منکر۔ وفي هذا دليل على متابعتهم له على ما نہی عنه من ذالک وفي اجماعهم على النهی فی ذالک عنها دليل على نسخها وحجہ۔

(۱) شرح معانی الآثار للطحاوی، ص ۱۵، ج ۲، باب نکاح المتعہ، دہلی۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۱۳۳، ج ۹، طبع قدیم، مصر۔

پس یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متعہ پر بھی کرنے کی موافقت اور متابعت کی۔۔۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ممانعت متعہ پر اتفاق کر لینا متعہ کے منسوخ ہو جانے پر دلیل اور حجت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ درحقیقت حضرات صحابہ کرام کو اس حکم (متعہ) کا نسخ پہلے معلوم ہو چکا تھا۔ اس بناء پر انہوں نے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تردید یا مخالفت نہیں کی، بلکہ اس پر اتفاق کیا۔

مسئلہ ہذا کی تائید

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جو یہاں درج کیا گیا ہے، اب اس کی تائید میں دیگر علماء کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔ اس میں بھی اسی طرح مسئلہ کی وضاحت پائی جاتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ متعہ کے ممنوع ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع کر لینا، یہ اس کے منسوخ ہونے پر حجت و دلیل ہے اور اس مسئلہ کی مزید وضاحت کبار علماء نے بطور ضابطہ کے اس طرح ذکر کی ہے کہ

مسئلہ میں اصل نسخ ”اجماع“ نہیں بلکہ نسخ دلیل شرعی ہے اور اجماع دال علی النسخ اور مظهر للنسخ ہے کیونکہ علی مذہب الصحیح کتاب و سنت کے لیے اجماع نسخ نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن الصلاح نے ”علوم الحدیث“ میں یہ قاعدہ ذکر کیا ہے:

والاجماع لا ینسخ ولا ینسخ ولكن یدل علی وجود النسخ غیرہ۔ (علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۵۱، النوح الرابع والثلاثون ۳۴) تحت معرفۃ نسخ الحدیث منسوخہ

اور علامہ بدر الدین العینی نے شرح ہدایہ میں اس مضمون کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

... ثم اجتمعت الصحابة رضی اللہ عنہم علی ان المتعہ قد انتسخت فی حیاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فكانت الاحادیث ناسختہ والا جماع مظهر لان

نسخ الكتاب والسنته بالاجماع ليس بصحيح على
المذهب الصحيح۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ بدر الدین العینی ص ۸۴، ج ۶، تحت کتاب النکاح، طبع ملتان)
حاصل یہ ہے کہ مسئلہ متعہ میں نسخ تو روایات کے اعتبار سے ہے اور اس کو
ظاہر کرنے والا اجماع ہے کیونکہ اجماع کو نسخ نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ وہ منسوخ ہوتا
ہے۔

(د) نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں یہ بات بڑی وزنی اور معقول فرمائی
ہے کہ اس حرمت کے فرمان کے بعد کسی صاحب کے پاس حلت متعہ کا ثبوت موجود
ہو تو وہ چار شاہد لا کر اس مسئلہ کو علی رؤس الاشهاد مدلل طریقہ سے ثابت کرے۔
(تب اس کی بات تسلیم کی جائے گی)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک تائیدی بیان

گزشتہ سطور میں مسئلہ ہذا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خطبہ کی
تشریحات ذکر کی ہیں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی متابعت اور عدم انکار
کا بیان ہوا ہے، اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس موقع پر
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش کا ذکر کیا ہے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ کے اتفاق کر لینے اور
اختلاف کو فرو کر دینے کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس مسئلہ پر اجتماع ہونے میں
جو اختلاف تھا، وہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی سعی سے مضمحل ہو گیا۔

پھر کہتے ہیں کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل پر یہ مسائل شاہد عادل ہیں
کہ ان کے ایام میں بڑے اہم مسائل پر صحابہ رضی اللہ عنہ میں رفع اختلاف ہو کر ان کا
اتفاق و اجماع ہوا۔ (ان میں سے ایک مسئلہ متعہ بھی ہے)

عبارت ذیل میں یہ مضمون مذکور ہے، ملاحظہ فرمادیں۔

باید دانست کہ این مسئلہ از جملہ آن مسائل است کہ حدیث بر آن

دلالت می کند بتقریح و جمعی از صحابہ بسبب عدم بلوغ حدیث مصرح یا بہ سبب تاویل احادیث بر غیر محل او اختلاف داشتند و بہ سعی فاروق اجماع واقع شد و اختلاف مضحل گشت و این مسئلہ باں مسائل شاہد عادل است برفضائل فاروق۔

(قرۃ العینین ص ۲۶۵، ۲۶۶ تحت بحث متعہ النساء طبع مجتہائی دہلی از شاہ ولی

اللہ محدث دہلوی)

ایک شبہ

شیعہ اس مقام میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے درج ذیل روایت ہماری کتابوں سے پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب نے کہا کہ

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ دو قسم کے متعہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ ان دونوں سے ممانعت کرتا ہوں اور حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے مرتکب کو سزا دوں گا۔ ایک متعہ الحج ہے اور دوسرا متعہ النساء ہے۔

... متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا محرمہما و معاقب علیہما متعہ الحج ومتعہ النساء۔ (حاشیہ مقبول احمد الشیعی ص ۹۷، تحت آیت متعہ پ ۵، تصنیف مولوی خادم حسین شیعہ "جواز

متعہ" ص ۹ و ص ۴۲-۴۱)

روایت مذکورہ بالا کی رو سے شیعہ صاحبان حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر سخت اعتراض قائم کرتے ہیں کہ کسی امر کی حلت اور حرمت کا کتاب و سنت کے سوا کسی کو حق حاصل نہیں۔

پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کس بنا پر از خود متعہ کو حرام قرار دیتے ہیں؟؟

حالانکہ ان کو کسی چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا کوئی شرعی اختیار نہیں۔

ازالہ

گزشتہ صفحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کی تشریحات ذکر کرنے میں اصل طعن کا جواب آگیا ہے۔ تاہم اس شبہ کے ازالہ کے لیے ذیل میں مزید چند معروضات پیش کی جاتی ہیں، ان پر نظر غائر کرنے سے اعتراض زائل ہو جائے گا۔ اور متعدد کبار علماء نے اس شبہ کے جوابات اپنی اپنی عبارات میں درج کیے ہیں۔ ان میں سے بالاختصار چند ایک حوالہ جات ناظرین کے لیے تحریر کیے جاتے ہیں۔

اس مقام میں اعتراض مذکور کے جواب میں ایک لغوی اور نحوی چیز ذکر کی جاتی ہے۔ اس فن کے علماء اس موقع پر فرماتے ہیں کہ یہ لفظ (انا احرمہا۔۔۔ یا انا محرمہما) باب تفعیل سے ہے اور اس کا معنی یہ بھی ہوتا ہے کہ میں حرمت کو ظاہر کرتا ہوں۔

اور یہاں لفظ تحریم کا معنی حلال چیز کو حرام کرنا مراد نہیں بلکہ اس کا معنی حرام چیز کو حرام کہنا ہے، یعنی حرمت کو ظاہر کرنا اور بیان کرنا ہے۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔

(پارہ دہم، پاؤ دوم، سورۃ توبہ)

اس آیت میں لَا يُحَرِّمُونَ کا معنی حلال چیز کو حرام کر دینے کے نہیں بلکہ حرام کی ہوئی چیز کو حرام کہنے کے معنی میں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذکور قول کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ میں حرمت ظاہر کرتا ہوں اور اس کی حرمت کو بیان کرتا ہوں اور اس کی تشہیر کرتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تحلیل و تحریم کی نسبت صاحب شرع کے بغیر دوسرے کی طرف صحیح نہیں۔

اور اسی تحریم و تحلیل کے مسئلہ کو ابن قدامہ حنبلی نے اپنی کتاب ”المغنی“ میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

... واما حدیث عمر رضی اللہ عنہ ان صح عنه فالظاهر انه انما قصد الاخبار عن تحریم النبی صلی اللہ علیہ وسلم لها ونهیہ عنها اذ لا يجوز ان ینهی عما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اباحه وبقی علی اباحتہ۔ (المغنی قدامتہ ص ۱۰۴، جلد ہفتم تحت لا يجوز نکاح المتعہ، طبع مصر)

یعنی اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ میں یہ قول صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعہ کو حرام کرنے کی خبر دینے یا اس سے منع کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس بنا پر کہ جس چیز کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح کر دیا ہو اور اس کی اباحت کو باقی رکھا ہو، اس کے منع کر دینے کا کسی کو کوئی جواز اور اختیار نہیں۔

اور شمس الائمہ السرخسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا محمل یہ ذکر کیا ہے کہ ان کو متعہ کے منسوخ ہونے کا علم ہو چکا تھا۔

اس بنا پر انہوں نے متعہ کو ممنوع قرار دیا اور ساتھ ہی تہدید و تنبیہ بھی کر دی تاکہ لوگ اس فعل سے اجتناب کریں۔ السرخسی فرماتے ہیں کہ...

... فانما یحمل هذا علی علمہ بالانتساخ۔

(۱) اصول السرخسی ص ۶۹ جلد ثانی فصل فی الخبر الخ، طبع معارف النعمانیہ،

دکن۔

(۲) کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ص ۴۹، جلد ثانی تحت الطعن الذی

یلق الحدیث از ابوالبرکات النسفی)

شبہ ہذا کے جواب کے لیے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ میں مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے، فرماتے ہیں کہ

چوں وقت عمر رضی اللہ عنہ، در بعضے جاہا
 ایں (امر) شنیع شیوع یافت اظہار
 حرمت او و تشیرو ترویج او و تخویف
 و تہدید مرتکب او را بیان نمود۔
 تا حرمت آں نزد خاص و عام ثبوت
 پیوست۔
 یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور
 خلافت میں بعض مقامات میں متعہ کا شنیع
 فعل عام ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی
 تحریم کی تشییر کی اور اس کے مرتکب کو
 تخویف اور تنبیہ کی تاکہ متعہ کا عدم
 جواز عام و خواص کے لیے ثابت ہو جائے۔

(تحفہ اثناء عشریہ ص ۳۰۳، حجت طعن یا زد ہم (۱۱) فاروقی، طبع لاہور)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم
 ہوا کہ متعہ کی حرمت کو عام و خاص تک پہنچانا مقصود تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 نے تنبیہ اور تہدید کے الفاظ اپنے کلام میں بیان فرمائے۔

نیز شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ عزیزی میں اس اشکال کا حل
 ایک دیگر طریقے سے بھی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

نہی عمر رضی اللہ عنہ فی خلافتہ
 فانہ نہی تاکید لا نہی
 یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت
 کے دور میں جو نہی کی وہ نہی بطور تاکید ذکر
 کی ہے، وہ نہی تشریعی نہیں ہے۔
 تشریع۔

(فتاویٰ عزیزی ص ۲۳، ج ۳، آخر بحث متعہ، طبع دہلی)

فلذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پر جو اشکال واقع ہو رہا تھا، ان
 تشریحات کے بعد زائل ہو گیا۔

علمائے کرام اس مسئلہ میں طعن مذکور کے جواب میں یہ تعبیر بھی اختیار کرتے
 ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب جو تحریم متعہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ وہ
 بہ معنی ”اظہار حرمت“ ہے نہ کہ ”اثبات حرمت“ پس اس تعبیر سے بھی یہ طعن
 زائل ہے۔

سطور بالا میں ہم نے اشکال مذکور کے زائل کرنے کے لیے چند حوالہ جات

پیش کیے ہیں۔

اس مسئلہ میں مزید حوالہ جات بھی پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کیا ہے۔

اہل علم کی تشفی کے لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بحث بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تالیف فتح الملہم بشرح صحیح المسلم، ص ۴۴۲، جلد ثالث، تحت ابواب متعہ (قولہ نہی عنہا) میں تحریر کی ہے۔ ضرورت مند حضرات اس مقام کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

نیز صاحب تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صفحہ ۶ ج ۵، پارہ پنجم تحت الآیۃ الاستمتاع میں بھی اسی طرح وضاحت مسئلہ ہذا ذکر کی ہے جس سے اعتراض مذکور زائل ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

متعہ سے منع کے متعلق ماقبل میں چند ایک روایات درج ہیں۔ اسی ضمن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب سے بھی ایک مرفوع روایت مروی ہے جو ذیل میں بلغۃ نقل کی جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے بھی منع کیا۔ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب ہم سفاحت کا معاملہ (شہوت رانی) نہیں کریں گے۔

... عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن لحوم الحمر الاہلیہ او الانسیہ وعن المتعہ متعہ النساء وما کنا مسافحین۔

(کتاب الآثار الامام ابی یوسف ص ۱۵۲، روایت نمبر ۶۹۹ جامع مسانید الامام الاعظم

ص ۸۵، ج ۲، طبع دکن

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی منع متعہ کے لیے مرفوع روایت ہے اور اکابر حنفی علماء نے اسے اپنی سند کے ساتھ اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔

اس روایت میں متعہ کے ممنوع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واضح کر دی ہے کہ متعہ کے فعل میں صرف شہوت رانی ہوتی ہے اور اب وہ اس فعل (سفاحت) کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کی تائید میں ہم ان کی ایک دوسری روایت ذکر کرتے ہیں، جس میں مسئلہ متعہ کا ممنوع ہونے کے علاوہ ایک دیگر چیز کی طرف بھی راہنمائی ہوتی ہے۔

روایت بالا کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عمر کے فرزند سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بار ابن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو لوگوں نے ان کی خدمت میں کہا کہ عبداللہ ابن عباس متعہ کے جواز کا حکم دیتے ہیں تو ابن عمر نے یہ بات سن کر تعجب کے طور پر سبحان اللہ کہا اور کہنے لگے کہ میں عبداللہ بن عباس کے متعلق یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ ایسا کہتے ہوں تو لوگوں نے کہا کہ نہیں وہ تو متعہ کے جواز کا حکم دیتے ہیں تو یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن عباس تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غلام صغیر السن تھے۔ (یعنی مسئلہ ہذا کی صحیح معلومات بڑوں سے معلوم کریں، ابن عباس تو کم عمر

... عن سالم بن عبداللہ قال اتی عبداللہ بن عمر فقیل لہ ان ابن عباس یامر بنکاح المتعہ۔ فقال ابن عمر سبحان اللہ ما اظن ابن عباس یفعل هذا قالوا بلی انہ یامر بہ قال وهل کان ابن عباس الا غلاما صغیرا۔ اذ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال ابن عمر نہانا عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما کنا مسافحین۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال

الصحيح خلا المعافى بن (تھے) (مجمع الزوائد للیثی، ص ۲۶۵، ج ۳، تحت سلیمان وھوثقہ۔ باب نکاح المتعہ)

اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متعہ کے متعلق جو منع کا حکم تھا، وہ لوگوں کو بیان فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متعہ سے منع فرمایا اور اب ہم مسامح یعنی شہوت رانی کرنے والے نہیں ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ان روایات سے متعہ کے ممنوع ہونے کا صراحۃً حکم معلوم ہوا اور ساتھ ہی یہ چیز بھی واضح ہو گئی کہ متعہ کے فعل میں صرف سفاحت (یعنی شہوت رانی) ہوتی ہے۔

اور صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ فعل ہم نہیں کریں گے۔ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ ہذا میں درایت سے کام لینے کی طرف اشارہ کیا کہ صغار لوگوں کی بجائے کبار حضرات کے بیانات کو اہمیت دی جاتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اور یہاں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم متعہ سے منع کو نقل کرتے ہیں۔ فلہذا اس مسئلہ میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے اور رائج ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

متعہ کے جواز کے متعلق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول شیعہ صاحبان پیش کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ متعہ کو جائز قرار دیتے تھے۔

تو اس کے متعلق ہماری جانب سے مندرجہ ذیل امور تحریر کیے جاتے ہیں اور یہاں جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراۃ کا جواب بھی ضمناً درج کر دیا گیا ہے۔

○ علماء امت نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ تک مسئلہ ہذا کے متعلق جواز کا قول کرتے تھے۔

لیکن جب مسئلہ ہذا ان پر منتقم ہو کر سامنے آیا تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔

اسی سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتب حدیث میں منقول ہے، جسے ہم قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیانات کے تحت اسی مسئلہ میں درج کر چکے ہیں کہ

○ ایک بار ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں جواز متعہ کے متعلق بیان فرما رہے تھے۔ وہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ النساء سے منع فرمایا ہے۔

... قال له علي رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

نهي عنها (متعہ النساء) الخ۔

(مسلم شریف ص ۳۵۲، ج ۱، تحت باب نکاح المتعہ)

نوٹ: روایت ہذا کے دیگر حوالہ جات قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیانات کے تحت درج ہو چکے ہیں۔

○ اسی طرح ایک دیگر روایت جناب محمد بن الحنفیہؒ سے مروی ہے جس کو الطبرانی نے معجم الاوسط میں ذکر کیا ہے اور صاحب کنز العمال نے اسے بحوالہ الطبرانی اس بحث میں بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند محمد بن حنفیہؒ کہتے ہیں کہ ایک بار متعہ النساء کے مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی باہم گفتگو ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے (ناراض ہو کر) جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ایک متحیر اور ایک طرف میلان رکھنے

... عن محمد بن الحنفیہ

قال تکلم علی رضی اللہ عنہ وابن

عباس رضی اللہ عنہ فی متعہ النساء

فقال له علی رضی اللہ عنہ انک امر

تائه۔ ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نہی عن المتعہ

النساء فی حجة

الوداع۔ (کنز العمال لعلی متقی الہندی ص ۲۹۵، ج ۸، بحوالہ مبس، طبع اول، دکن) والے شخص ہو۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر متعہ النساء سے منع فرمادیا اور روک دیا۔

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعدد بار منع فرما دینے کے بعد جناب عبداللہ بن عباس کی رائے میں تبدیلی واقع ہوئی اور انہوں نے اس میں رجوع فرمالیا۔

○ نیز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت:

...الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم... الخ (پ ۹۸ المومنون) سے بھی متنبہ ہوا تو اس کے بعد آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے جواز متعہ اور اس کی ضرورت کا پس منظر خود بیان کیا اور فرمایا کہ

... عن ابن عباس قال انما كانت المتعہ فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدہ لیس لہ بہا معرفہ فیتزوج المراء بقدر ما یری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شیعہ حتی انا نزلت الایہ الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم قال ابن عباس فکل فرج سواہما فهو حرام۔

روایت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے اوائل میں متعہ مباح تھا۔ ایک شخص کسی شہر میں آتا، وہاں اس کی جان پہچان نہیں ہوتی تھی تو وہ اس موقع پر جتنا قدر اس نے وہاں قیام کرنا ہوتا، وہ ان ایام کے موافق کسی عورت سے تزوج کر لیتا۔ تو وہ عورت (منکوحہ) اس کے سامان اور مال و متاع کی حفاظت کرتی۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی آیت الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم (یعنی ان پر ان کے ازواج اور باندیاں حلال ہیں نازل ہوئی) تو ابن عباس نے فرمایا: ان دو قسم کی عورتوں کے ماسوا باقی تمام قسم کی عورتیں حرام ہیں۔

- (۱) الجامع الترمذی ص ۱۸۱ ج ۱، کتاب النکاح باب ما جاء فی نکاح المتعہ، طبع قدیم لکھنؤ۔
- (۲) السنن الکبریٰ للبیہقی، ص ۲۰۵-۲۰۶ ج ۲، بحث متعہ۔
- (۳) مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۳، تحت اعلان النکاح الفصل الثالث، طبع دہلی۔
- (۴) نصب الراية للزیلعی ص ۱۸۲ ج ۳، بحث متعہ، طبع مجلس علمی، ڈابھیل۔
- (۵) شرح ہدایہ فتح القدیر ص ۳۸۶ ج ۲، تحت کتاب النکاح المتعہ، طبع مصر، معہ العنایہ۔
- (۶) روح المعانی ص ۶۹ ج ۵، تحت الآیۃ۔

پس روایت ہذا کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک متعہ کے حرام ہونے کے متعلق واضح ہو گیا۔ نیز یہ روایت جواز متعہ کے قول سے ان کے رجوع کر لینے پر عمدہ قرینہ ہے۔

آیت و روایت کی مزید تشریح

شارحین حدیث کے کبار علماء نے اس مقام میں مندرجہ ذیل وضاحت ذکر کی ہے۔ اس کو ہم بطور تائید نقل کرتے ہیں:

... قال الطیبی یرید ان اللہ تعالیٰ وصفہم یحفظون فروجہم عن جمیع الفروج الا عن الازواج والسراری... والمتمتعہ لیست منہما لان حکم الازواج من التوریث والا یراث غیر جار علیہا ولا ہی مملوکہ بل ہی مستاجرہ نفسہا ایامہ معدوتہ فلا یدخل تحت الحکم۔ (الطیبی)

یعنی شارح الطیبی کہتے ہیں کہ آیت ہذا کی وضاحت میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کی توصیف میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ اپنے ازواج و گولیوں کے بغیر تمام فروج سے اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور متعہ والی عورت نہ ازواج سے ہے نہ گولیوں میں سے ہے کیونکہ ازواج کے احکام وراثت وغیرہ اس پر جاری نہیں ہوتے اور نہ ہی مملوکہ اور باندی ہے۔ بلکہ

شرح مشکوٰۃ ص ۲۶۳، ج ۶، تحت الحدیث یہ چند اوقات یا چند ایام تک اپنی ذات کو (ابن عباس رضی اللہ عنہ، شرح مشکوٰۃ مرقات) اُجرت و کرایہ پر دیئے ہوئے ہے۔ فلہذا یہ ص ۲۲۰، ج ۶، تحت حدیث ابن عباس) زوجہ کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت ہذا پیش کر کے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا موقف واضح کر دیا کہ زوجہ اور گولی کے ماسوا تمام عورتیں حرام ہیں، حلال نہیں اور متعہ والی عورت بھی انہی میں سے ہے۔

آیت فما استمتعتم بہ منہن... الخ کی تشریح

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمودات کی روشنی میں

(۱) علماء میں ”تنویر المعباس عن تفسیر ابن عباس“ کے نام سے ایک تفسیر کی کتاب مشہور ہے۔ اس میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذکورہ بالا آیت کے تحت درج ذیل تشریح منقول ہے۔

... فما (استمتعتم) ای
استنفعتم (بہ منہن) بعد
النکاح (فاتوہن) فاعطو من
اجورہن مہورہن کاملہ
(فریضہ) من اللہ علیکم ان
تعطوا المہر تاما... الخ۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ نکاح کے بعد جن عورتوں سے تم نے نفع اٹھایا، پس ان کو ان کے کامل مہر دے دو۔ یہ اللہ کی طرف سے تم پر لازم ہے کہ مہر تمام ان کو دو۔

(تنویر المعباس من تفسیر ابن عباس ص ۵۵، تحت الآیہ فما استمتعتم... الخ، طبع قدیم مصر) آیت ہذا کی اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت میں نکاح کے بعد عورتوں سے نفع اٹھانا مراد ہے اور پھر ان کو کامل مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اور متعہ معروفہ مراد نہیں)

(۲) اور ایک مشہور قدیم مفسر ابو جعفر النخاس المتوفی ۳۳۸ھ اپنی تصنیف ”الناسخ والمنسوخ“ میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا آیت ہذا کے تحت قول نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

... عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال و قوله (فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضه يقول انا تزوج الرجل المراه فنكحها مره واحده وجب لها الصداق كله، والا ستمتع النكاح- قال وهو قوله عزوجل (واتوا النساء صدقاتهن نحله) فبين ابن عباس ان الاستمتاع هو النكاح باحسن بيان-

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت فما استمتعتم به... الخ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص عورت کو تزوج کرے اور اس سے ایک بار نکاح کرے تو اس پر عورت کے لیے تمام مہر واجب ہو جاتا ہے اور اس آیت میں استمتاع سے مراد نکاح ہے۔ ابو جعفر النخاس کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عمدہ بیان کے ساتھ بتلایا کہ استمتاع سے مراد نکاح ہے۔ (یعنی متعہ مراد نہیں ہے)

(کتاب الناسخ والمنسوخ لابی جعفر النخاس ص ۱۰۵، تحت ذکر آیت السادسة، طبع قدیم مصر) جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے آیت ہذا کی اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ آنمو صوف رضی اللہ عنہما کے نزدیک آیت میں استمتاع سے مراد نکاح ہے، معروفہ متعہ مراد نہیں۔

قراۃ ”الی اجل مسمی“ کا حکم

گزشتہ سطور میں آیت فما استمتعتم به منهن... الخ کی تشریح کے سلسلہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ ”استمتاع“ سے مراد ”نکاح کی صورت میں فائدہ اٹھانا“ ہے، متعہ مراد نہیں۔

اس مقام میں بطور معارضہ کے ہماری کتب سے یہ پیش کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں ”الی اجل مسمیٰ“ کی قرأت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس سے اس عقد میں مدت مقررہ معلوم ہوتی ہے تو یہ چیز مذکورہ بالا حوالہ جات کے خلاف پائی گئی۔

تو اس شبہ کے رفع کرنے کے لیے کبار علماء نے مندرجہ ذیل امور ذکر کیے ہیں:

(۱) چنانچہ علامہ ابن عربی اپنے احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ

مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو الی اجل مسمیٰ کی قرأت مروی ہے یا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ دونوں چیزوں کا انتساب صحیح نہیں اور ان کی طرف التفات نہ کیا جائے، یہ قابل قبول نہیں۔ (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۶۲ ج ۱، تحت المسئلہ السابعہ عشر، طبع مصر)

... روی عن ابن عباس انه سئل عن المتعہ فقرا فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی۔ قال ابن عباس واللہ لانزلها اللہ کذالك وروی عن حبیب بن ثابت قال اعطانی ابن عباس مصحفا قال هذا قراہ ابی وفيه مثل ما تقدم ولم یصح ذالك عنهما فلا تلتفتوا الیه۔

(۲) نیز اس مقام میں مفسرین علماء ایک ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک ضابطہ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ قراۃ شاذہ ہے اور جو شاذ قرأت ہو، اس پر کوئی حکم مبنی نہیں ہوتا، اس بنا پر کہ اس کے لیے کوئی

... والقراہ الشانہ لا یبنی علیہا حکم لانہ لم یثبت لہا اصل۔ (احکام القرآن لابن العربی

ص ۳۴، ج ۱، تحت وعلى الذين يطيعونه اصل ثابت نہیں۔
ندیہ، طبع مصر

(۳) اور یہ چیز تسلیم شدہ ہے کہ قرأه شاذہ قرأه متواترہ کے مقابلہ میں متروک اور ناقابل عمل ہوتی ہے۔ امام النووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ
... وقراه... شاذہ لا یحتج بها قرانا ولا خبرا ولا یلزم العمل بها۔

(شرح مسلم شریف للنووی ص ۴۵۰، ج ۱، تحت باب نکاح المتعد، طبع دہلی)
حاصل یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں ”الی اجل مسی“ والی قرأه ناقابل اعتماد ہے اور غیر مقبول ہے۔ اس کو قبول نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، دونوں حضرات کی قرأت الی اجل مسی کے متعلق درج ذیل قاعدہ ذکر کیا ہے:
... روایت شاذہ منسوخہ رادر مقابلہ قرآن متواتر و محکم آوردن و قرآن متواتر محکم بالیقین را گذاشتہ بایں روایت شاذہ کہ بہ ہیچ سند صحیح تاحال ثابت نہ شدہ تمسک کردن برچہ چیز حمل توایں کرد؟

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰۳، تحت طعن یازدہم (فاروقی) طبع لاہور)

تنبیہ

گزشتہ سطور میں ہم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأه (الی اجل مسی) کا ضمناً حکم درج کیا ہے لیکن یہاں مستقل طور پر بھی اس کا جواب پیش کرنا مناسب خیال کیا ہے۔

تفسیر الطبری کے جس مقام سے معترض دوستوں نے مواد لے کر اعتراض قائم کیا ہے، وہیں اس کا جواب بھی مذکور ہے۔ السائل کالاعلیٰ کے موافق انہوں نے معاملہ کیا۔ قابل اعتراض مواد لے لیا اور قابل جواب مواد ترک کر دیا، جیسا کہ ان

لوگوں کا شیوہ ہے۔

چنانچہ الطبری لکھتے ہیں:

...اما ما روی ابی بن کعب
وابن عباس من قراتهما فما
استمتعتم به منهن الی اجل
مسمی۔ فقراہ بخلاف ما
جاءت به مصاحف
المسلمین۔ وغیر جائز لاحد
ان یلحق فی کتاب اللہ شیا
لم یات به الخبر القاطع۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابی بن کعب
رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ
سے جو قرأت ”الی اجل مسمی“ کی مروی
ہے۔ وہ تمام مصاحف اہل اسلام کے
برخلاف پائی گئی ہے اور کسی شخصیت کے
لیے یہ بات جائز نہیں کہ کتاب اللہ میں وہ
ایسی چیز کا الحاق کرے جو قطعی الثبوت نہ ہو
اور یقینی خبر کے ذریعے ثابت شدہ نہ ہو۔

(تفسیر الطبری ص ۹۰ ج ۵، تحت الآیۃ بما شبہ النیشاپوری، طبع قدیم مصری)
نیز ابن العربی نے بھی (جیسا کہ ہم نے قبل ازیں درج کر دیا ہے) ابن عباس
رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ دونوں کی قرأت (الی اجل مسمی) کے حق میں ذکر کیا ہے۔
ولم یصح ذالک عنہما فلا تلتفتوا الیہ۔

(احکام قرآن لابن العربی ص ۶۶۲ ج ۹، تحت الآیۃ، طبع قدیم مصر)
یعنی مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو الی اجل مسمی کی قرأت مروی
ہے یا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، ان دونوں چیزوں کا انتساب صحیح
نہیں اور ان کی طرف التفات نہ کیا جائے، یہ قابل قبول نہیں۔
ان تشریحات کے بعد دونوں بزرگوں کی قرأت شاذہ کے ساتھ استدلال کرنے
کا جواز نہ رہا۔

مسئلہ متعہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف

ما قبل میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مسئلہ

متعہ کی روایات و آیت اور قرآنہ مخصوصہ کی متعلقہ تشریحات بقدر ضرورت بیان کی ہیں۔

اس کے بعد مسئلہ ہذا میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا آخری موقف جو علمائے کبار نے ذکر کیا ہے، وہ تحریر کیا جاتا ہے۔ یعنی انہوں نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ ناظرین کرام کے اطمینان کی خاطر چند عبارات پیش کی جاتی ہیں، جو اثبات مسئلہ کے لیے صریح ہیں۔ اس چیز کو بے شمار علماء نے اپنی تصانیف میں اپنی اپنی عبارات میں تحریر کیا ہے۔ ان تمام کو یکجا ذکر کر دینا موجب تطویل اور باعث ملال ہے۔

اختصاراً بعض عبارات لکھی جاتی ہیں:

شمس الائمہ ابو بکر السرخسی اپنے ”اصول“ میں لکھتے ہیں کہ

...وابن عباس کان يقول باباحه المتعه ثم رجع الى قول الصحابه ويثبت الاجماع برجوعه لامحاله ولم يكن ذلك موجبا تضليله فيها كان يفتى به قيل هذا۔

(اصول السرخسی ص ۳۲۱، جلد اول، فصل فی الحكم، طبع معارف النعمانیہ، دکن)

(۲) نیز ابو بکر شمس الائمہ السرخسی نے المبسوط میں تحریر کیا ہے:

...وقال جابر بن يزيد رضي الله عنه ما خرج ابن عباس رضي الله عنهما من الدنيا حتى رجع عن قوله في الصرف والمتعه فثبت النسخ باتفاق الصحابه رضي الله عنهم۔

(المبسوط لابن بکر محمد بن سهل السرخسی ص ۱۵۲، جلد خامس (۵) باب نکاح المتعہ)

(۳) اور محی السنہ امام البغوی نے اپنی مشہور تصنیف ”شرح السنہ“ میں اس مسئلہ کو بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

...وروی عن ابن عباس رضي الله عنهما شئ عن الرخصة للمضطره

اليه بطول لغربه ثم رجع عنه حيث بلغه النهي۔

(شرح السنہ الامام البغوی (الحسین بن مسعود) ص ۹۰۰ جلد تاسع (۹) باب نکاح

المتعہ، طبع جدید، بیروت)

(۴) اور مشہور محدث ابوبکر محمد بن موسیٰ الہمدانی الحازمی (۵۸۴ ہجری) نے اپنی تصنیف ”الاعتبار للناسخ والمنسوخ“ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا رجوع مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

... واما یحکی عن ابن عباس فانه کان یتاول فی اباحتہ للمضطربین الیہ بطول الغربہ وقلہ اليسار والحدہ ثم توقف عنہ وامسک عن الفتوی بہ۔

(الاعتبار للناسخ والمنسوخ من الآثار للحازمی ص ۱۴۱ تحت ماورد فی المتعہ)

(۵) اسی طرح فاضل القرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن العربی کے حوالہ سے اس مسئلہ کو اس طرح ذکر کیا ہے:

... قال ابن العربی وقد کان ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول بحوازمہا ثم ثبت رجوعہ عنہا فانه قد الاجماع علی تحریمہا۔

(تفسیر القرطبی ص ۱۳۲-۱۳۳ ج ۵، تحت الآیۃ فما استتم بہ منہن)

(۶) اور صاحب ہدایہ ”اور اس کے شارح علامہ بدر الدین العینی رحمۃ اللہ علیہ نے متعہ کے مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کو بالفاظ ذیل لکھا ہے:

م - وابن عباس صح رجوعہ الی قولہم۔

ش - هذا جواب عما یقال این الاجماع؟ وقد کان ابن عباس رضی اللہ عنہما مخالفاً۔ فاجاب بقولہ وابن عباس رضی اللہ عنہما صح رجوعہ عن اباحتہ المتعہ الی قول الصحابۃ فی تحریمہا وروی جابر بن یزید ان ابن عباس ما خرج من الدنیا حتی رجع عن قولہ فی الصرف والمتعہ فتقرر

الاجماع - ش - ای جماع الصحابہ فی تحریمہا -
 (یعنی شرح بدایہ ص ۸۴، ج ۶، کتاب النکاح، تحت نکاح المتعہ، طبع جدید، ملتان)
 اسی طرح متعدد کبار علماء نے ابن عباس کے مسئلہ ہذا میں رجوع کر لینے کو ذکر
 کیا ہے، ہم نے صرف چند حوالے پیش کر دیئے ہیں۔

حاصل مطلب

مندرجہ بالا حوالہ جات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک جناب
 عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعہ النساء کے جواز کا قول کرتے تھے اور اس کی
 رخصت کے قائل تھے۔

لیکن وہ بھی ان لوگوں کے لیے جو مجرد و بے زوجہ ہونے کی وجہ سے اور
 قلت مال کی بنا پر اس عقد کی طرف مجبور ہوں۔ (یعنی ہر شخص کے حق میں جواز کا
 حکم نہیں دیتے تھے)

پھر اس کے بعد (متعدد وجوہ کی بنا پر جس طرح کہ قبل ازیں بیان کیا گیا) اس
 موقف سے رجوع کر لیا اور سابق فتویٰ سے رک گئے۔

پس جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے رجوع کر لینے سے متعہ کے عدم جواز پر صحابہ
 کا اتفاق پایا گیا اور اس کی تحریم و حرام ہونے پر اجماع ہو گیا۔

ازالہ شبہات

شیعہ صاحبان جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بعض اقوال ہماری کتابوں
 سے پیش کرتے ہیں جن سے جواز متعہ کی تائید حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا مقصود ہوتا ہے، مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ

... انه كان يراها الان حلالا قال وقال ما كانت المتعه الا

رحمته من الله - يرحم الله على عباده - ولولا نهى عمر ما

احتج الى الزنا ابدا۔

(رسالہ ”جواز متعہ“ از سید خادم حسین بخاری شیعہ ص ۳۲، ۳۱ صدر مبلغ ادارہ تبلیغ

شیعہ، جعفریہ کالونی، وزیر آباد)

اسی طرح اس نوع کی دیگر روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، جن کا ما حاصل یہ ہے

کہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ متعہ کو حلال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت جانتے تھے

جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہے۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ اس کی ممانعت نہ کرتے تو کوئی شخص

سوائے شقی کے زنا کی طرف محتاج نہ ہوتا۔ (اور زنا نہ کرتا)

جواب

ان پیش کردہ روایات میں ہماری جستجو کی حد تک روایات کی سند میں ایک

راوی ”ابن جریج“ پایا جاتا ہے۔ (جو ان روایات کا ناقل ہے)

ابن جریج کے متعلق ہم نے قبل ازیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مرویات

کے تحت شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے کلام کیا ہے اور یہ بات ذکر کی ہے کہ

ابن جریج کی توثیق اور مدح رجال کی کتابوں میں مذکور ہے۔ تاہم علمائے

رجال نے اس پر نقد بھی کیا ہے اور اس کی عملی تصویر کا دو سرائخ پیش کرتے ہوئے

لکھا ہے کہ

یعنی دارقطنی کہتے ہیں کہ ابن جریج

مدلس ہے (یعنی اپنے شیخ کو بیان نہیں کرتا)

اس کی تدلیس سے اجتناب کرنا چاہیے

کیونکہ ابن جریج قبیح تدلیس کرتا ہے اور

اس موقع پر کرتا ہے جہاں اس نے مجروح

شیخ سے سماعت کی ہو۔

(۱) ... قال الدارقطنی

تجنب تدلیس ابن جریج

فانه قبیح التدلیس۔ لا یدلس

الا فی ما سمعه من مجروح۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر

ص ۴۰۵، ۴۰۶، ج ۶، تحت ابن جریج)

اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ایک دوسرے مقام میں ابن جریج کا طریق کار ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

... بعض تلک الاحادیث
التي كان يرسلها ابن جريج
احاديث موضوعه - كان ابن
جريج لا يبالى عن من اخذها -
یعنی ابن جریج جن بعض روایات میں
ارسال کرتا ہے تو وہ بعض روایات
”موضوع“ ہوتی ہیں اور ابن جریج اس
بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیسے شخص
سے روایت لے کر بیان کر رہا ہے۔

(۱) تہذیب التہذیب للابن حجر ص ۴۴۲، ۴۰۶، ج ۴، تحت منید بن داؤد المصیفی۔

(۲) میزان الاعتدال للذہبی ص ۶۵۹، جلد ثانی، طبع بیروت، تحت عبد الملک (ابن جریج)

مطلب یہ ہے کہ ابن جریج کی روایات پر علی الاطلاق اعتماد نہیں کیا جاسکتا
اور اس کی مرویات بغیر تحقیق و تنقیح کے قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پر طعن کی روایات جو ابن جریج سے منقول ہیں، اسی
نوع کی معلوم ہوتی ہے اور ان پر مذکورہ وجوہ کی بنا پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ابن جریج کا ایک دیگر کردار

نیز کبار علماء نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ابن جریج کے متعلق
ایک عجیب انکشاف کیا ہے کہ

امام شافعی فرماتے ہیں... استمتع ابن جریج بسبعین امراہ۔

(۱) تہذیب التہذیب للابن حجر ص ۴۰۵، ۴۰۶، تحت ابن جریج، طبع اول، دکن۔

(۲) میزان الاعتدال للذہبی ص ۶۵۹، جلد ثانی بیروت، تحت عبد الملک بن عبد العزیز بن

جرىج۔

مطلب یہ ہے کہ ابن جریج جواز متعہ کا نہ صرف قائل تھا بلکہ خود فاعل بھی
تھا اور اس نے ستر عورتوں کے ساتھ متعہ کیا۔

ابن جریج کا رجوع

علماء نے لکھا ہے کہ ابن جریج متعہ کے جواز کا قائل تھا اور اس نے اباحت متعہ کے متعلق اٹھارہ حدیثیں بصرہ میں بیان کیں لیکن اس کے بعد اس نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے جواز متعہ کے فتویٰ کو واپس لے لیا اور ابن جریج نے بصرہ میں یہ رجوع علی الاعلان کیا تھا۔

اس چیز پر حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ... ویحکی عن ابن جریج جوازها وقد نقل ابو عوانہ فی صحیحہ عن ابن جریج انه رجع عنها بعد ان روی بالبصرہ فی اباحتها ثمانیہ عشر حدیثا۔

(۲) ... قال (ابن جریج) بالبصرہ اشهدوا انی قد رجعت عنها یعنی عن الفتوی بحل المتعہ بعد ان حدثهم ثمانیہ عشر حدیثا انه لا بأس به۔

(۱) فتح الباری شرح بخاری ص ۹۴۲ ج ۹، تحت باب نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن النکاح المتعہ۔

(۲) تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی ج ۷، ج ۲، تحت الآیۃ فما استمتعتم

بہ۔ (پ ۵)

مندرجہ بالا روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

ابن جریج جواز متعہ کا قائل تھا، اباحت متعہ پر اس نے اٹھارہ احادیث نشر کیں، خود کثیر عورتوں سے متعہ کیا اور پھر علی الاعلان جواز متعہ کے قول سے اس نے رجوع کر لیا۔

فلذا ایسے شخص سے منقول بے اصل روایات کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشدین پر طعن قائم کرنا ہرگز درست نہیں اور وہ روایات ناقابل قبول ہیں۔

شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کے قول پر ابن عباس کا اعتماد

متعہ کے مسئلہ میں ہم نے قبل ازیں منع اور عدم جواز کی مرفوع روایات ذکر کی ہیں اور اس میں اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمر فاروق و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ ان تمام میں متعہ کا عدم جواز صریحاً ثابت ہو چکا ہے۔

اور اس مسئلہ میں معارضہ کے طور پر جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان پر حسب قواعد نقد و جرح کر دی ہے اور ان کے عدم قبول کی نوعیت واضح کر دی ہے۔

اب بحث ہذا کے آخر میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مسائل شرعی میں طریق کار ہم نقل کرتے ہیں جو علماء نے ان سے بطور ضابطہ کے ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی سنن الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ

... عن عبداللہ بن ابی یزید

قال سمعت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہما اناسئل عن شیئی ہو

فی کتاب۔ قال بہ وانا لم یکن

فی کتاب اللہ وقالہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم قال بہ

وان لم یکن فی کتاب اللہ ولم

یقلہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم وقالہ ابوبکر و

عمر رضی اللہ عنہما قال بہ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب کسی مسئلہ کو دریافت کیا جاتا، وہ اگر کتاب اللہ میں ہوتا تو کتاب اللہ سے بیان کرتے تھے، اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور حدیث نبوی ﷺ میں پایا جاتا تو حدیث سے بیان کرتے اور اگر کتاب و سنت میں نہ موجود ہوتا تو اسے حضرات شیخین (ابو بکر و عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا ہوتا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کے قول کے مطابق بتلاتے۔ اور اگر یہ صورت بھی نہ ہوتی تو اس کے بعد اپنی مجتہدانہ رائے

والا اجتہد رایہ۔ سے مسئلہ ذکر کرتے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۱۵ ج ۱۰ جلد ہاشم، کتاب ادب القاضی، طبع دکن، جامع بیان لا علم و فضلہ لابن عبدالبر، ص ۵۸-۵۷، جلد ثانی، طبع مصر)
یہاں سے ابن عباس کا شرعی مسائل میں طریق کار واضح ہوا کہ وہ حضرات شیعین رضی اللہ عنہ کے اقوال کے ساتھ استدلال کرتے تھے اور مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں متعہ کے مسئلہ میں اس کے عدم جواز اور منع کے ساتھ فیصلہ ہو چکا تھا پس ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی فیصلہ کے مطابق عمل پیرا تھے، ان کے خلاف نہیں تھے۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مسائل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فیصلہ شدہ چیز ثابت ہو جاتی تو اس پر اعتماد کر کے اس کو اخذ کرتے تھے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کو ابن عبدالبر نے اپنی تصنیف جامع بیان العلم و فضلہ میں ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

... عن میسرہ عن المنہال عن سعید بن جبیر عن ابن

عباس قال کنا انا اتانا الثبت عن علی لم نعدل بہ۔

(جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر ص ۵۸ تحت باب اجتہاد الرا۱ علی الاصول

عند عدم النصوص)

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک فیصلہ شدہ اور ثابت شدہ چیز ہمارے پاس پہنچ جائے تو ہم اس کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔
اور واضح بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے متعہ کے بارہ میں متعہ کے عدم جواز کا فیصلہ دے دیا ہوا ہے۔ (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے) تو معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی فیصلہ کے موافق قول کرتے تھے، اس کے خلاف نہیں تھے۔

اور لوگوں نے جو روایات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف نقل کی ہیں، وہ ان کے قول و عمل کی روشنی میں مرجوح و متروک قرار دی جائیں گی اور قابل التفات نہ ہوں گی۔

جواز متعہ کی روایات کے عدم قبول پر قرائن

ناظرین کرام کے افادہ کے لیے اس بحث کے آخر میں یہ چیز مختصراً پیش کی جاتی ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو اقوال جواز متعہ کے متعلق بطور اعتراض کے پیش کیے جاتے ہیں، ان کے متعلق چند گزارشات قابل ذکر ہیں، ان کو ملحوظ رکھنا درکار ہے۔

○ ان میں سے بعض چیزیں روایات کے متعلق ہیں۔ ان پر گزشتہ صفحات میں ہم نے حسب قواعد نقد و جرح درج کر دی ہے اور ان کے عدم قبول کی نوعیت واضح کر دی ہے۔

دیگر قابل توجہ یہ بات ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی منقولہ روایات اور مسئلہ ہذا میں ان کے اقوال (ما قبل میں جو بیان کیے گئے ہیں) وہ تمام عدم جواز متعہ کی تائید کرتے ہیں اور جواز اقوال کے بالکل برعکس پائے جاتے ہیں۔ گویا کہ مسئلہ ہذا میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال باہم متعارض و متقابل پائے گئے۔

تو یہاں مرفوع روایات اور جمہور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرمودات کے موافق جو ان کے اقوال ہوں گے، انہی کو اخذ کیا جائے گا اور ان پر ہی اعتما ہوگا اور اس کے خلاف اقوال غیر معتمد اور متروک ہوں گے۔

○ نیز اس مقام میں کبار علماء نے بعض ہدایات ذکر کی ہیں، ان کو پیش نظر رکھنے سے، روایت کے رد و قبول کے بارے میں مزید رہنمائی ہوتی ہے لیکن اس سے قبل ہم ایک یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے وہ تلامذہ اور شاگرد جو حجاز اور مکہ شریف کے علاقہ میں مقیم تھے، انہوں نے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کی

طرف سے جواز متعہ کی روایات کی بہت تشہیر کی ہے اور پھیلایا ہے۔

○ اور کبار علماء نے اہل حجاز کے بارے میں بطور ضابطہ کے یہ بات ذکر کی ہے کہ اہل الحجاز کی پانچ چیزوں سے اجتناب کیا جائے اور انہیں اخذ نہ کیا جائے۔

...قال سمعت الاوزاعی
يقول يجتنب اويترك...ومن
قول اهل الحجاز خمس...
ومن قول اهل الحجاز استماع
الملاهی والجمع بين
الصلاتين من غير عذر
والمتعہ النساء والدرهم
بالدرهمين والدينار
بالدينارين...الخ۔

مطلب یہ ہے کہ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اہل حجاز کی مندرجہ ذیل چیزوں سے اجتناب کیا جائے اور ان کو متروک قرار دیا جائے۔ گانے بجانے کا سنتہ، بلاغذر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا، عورتوں کے ساتھ متعہ کے جواز کا قول کرنا، ایک درہم کو دو درہموں کے ساتھ یا ایک دینار کو دو دیناروں کے ساتھ تبدیل کرنے کا قول کرنا... الخ۔

(معرفہ علوم الحدیث للحاکم نیشاپوری، ص ۶۵ تحت ذکر نوح العشرین۔۔۔ الخ)

○ اسی طرح علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف کتاب التعمید میں بطور ہدایت کے مندرجہ ذیل چیز ذکر کی ہے کہ

...وقد كان العلماء قديما
وحديثا يحذرون الناس من
مذهب المكيين اصحاب
ابن عباس رضي الله عنهما ومن سلك
سبيلهم في المتعہ
والصرف۔

یعنی قدیم اور جدید علماء لوگوں کو خوف دلاتے ہوئے اجتناب کی تاکید کرتے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب جو مکہ والے ہیں، ان کے اقوال جو متعہ النساء اور صرف کے متعلق ہیں، ان کو اخذ نہ کیا جائے۔

(کتاب التعمید لابن عبدالبر ص ۱۱۵ ج ۱، طبع اول، مکتہ المکرمہ)

مختصر یہ ہے کہ جواز متعہ کے متعلق اہل حجاز اور اہل مکہ کی جو روایات ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، ان کے رد و قبول کے متعلق علماء کرام کی مذکورہ بالا ہدایات کی روشنی میں عمل درآمد کیا جائے گا اور مندرجہ قرائن کو ملحوظ رکھا جائے گا اور جواز متعہ النساء کی ان روایات کو متروک اور مرجوح قرار دیا جائے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شیعہ کی طرف سے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعہ کے جواز کے قائل تھے اور اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں:

مفہوم یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شامل ہوتے اور ہمارے ہمراہ خواتین نہیں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم خصی ہونا اختیار نہ کر لیں؟ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے ہمارے لیے رخصت دی کہ عورت کے ساتھ کپڑے اور پارچہ کے بدلے میں نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ روایت جواز متعہ پر دال ہے۔

... قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کنا نغزو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وليس لنا شیی۔ فقلنا الا نستخصی فنہانا عن ذالک ثم رخص لنا ان تنکح المراه بالشوب ثم قرا علينا یاہا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ (بخاری شریف، ص ۷۵۹، ج ۲، تحت باب ما یکرہ من التبتل والمحصاء، طحاوی شریف ص ۱۳، ج ۲، باب

(نکاح المتعہ)

الجواب

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ متعہ کے متعلق ہماری کتابوں سے جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان کے جوابات علماء کرام نے متعدد طریقہ سے ذکر کیے ہیں۔

○ پیش کردہ روایت اس دور سے تعلق رکھتی ہے، جس دور میں متعہ کی رخصت تھی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ سے منع نہیں فرمایا تھا۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا آیت سے استشہاد اور استدلال کرنا اس بات کی اطلاع دیتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جواز متعہ کے قائل تھے در آنحالیکہ انہیں نسخ نہیں پہنچا تھا۔

پھر جب ان کو متعہ کے متعلق نسخ پہنچا تو انہوں نے جواز متعہ سے رجوع کر لیا۔۔۔ اور جواز متعہ کے قول کو ترک کر دیا۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے یہی چیز بالفاظ ذیل ذکر کی ہے۔

... وظاہر استشہاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہذہ الایہ ہذا
یشعر بانہ کان یری بجواز المتعہ۔ فقال القرطبی لعلہ
لم یکن حینئذ الناسخ۔ ثم بلغہ فرجع بعد... ففعلہ ثم
ترک ذالک... ثم جاء تحريمها بعد... ثم نسخ... الخ۔

(فتح الباری شرح بخاری للابن حجر ص ۹۷، ج ۹، تحت باب ما یکرہ من التبتل والحصاء)

مسئلہ ہذا میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف جو سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے، اس پر قرائن موجود ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

○ ابن مسعود رضی اللہ عنہ متعہ النساء کے مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ

... عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی
متعہ النساء قال انما
یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے متعہ النساء
کے مسئلہ میں فرمایا کہ غزوات کے موقعہ

رخصت لاصحاب محمد ﷺ فی غزاه لهم شکوا الیہ فیہا العزوبہ ثم نسختہا آیہ النکاح والمیراث والصداق۔ (کتاب الآثار لابن عبد اللہ محمد بن الحسن اثیانی ص ۹۳، باب من تزوج المتعہ روایت نمبر ۴۳۲، طبع کراچی، کتاب الآثار الامام ابی یوسف ص ۱۵۲، روایت ۶۹۸، طبع بیروت)

میں صحابہ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں العزوبہ (بغیر زوجہ) ہونے کی شکایت کی تو ان کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (متعہ) کی رخصت دے دی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نکاح اور میراث اور مہر کی آیت نے متعہ کی رخصت کو ختم کر دیا۔

○ نیز کبار محدثین اور فقہاء نے متعہ النساء کے مسئلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے موقف کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

الف... وکان ابن مسعود رضی اللہ عنہ یقول نسختہا ایہ الطلاق والعدہ والمیراث۔

(المبسوط لشمس لائئہ السرخسی ص ۱۵۲، ج ۵، باب نکاح المتعہ، طبع اقل، مصر)

ب... عن اصحاب عبد اللہ بن مسعود قال المتعہ منسوخہ نسخہا الطلاق والصداق والعدہ والمیراث۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۰۷، ج ۷، تحت ابحاث متعہ النساء، طبع دکن)

ج... وعن ابن مسعود قال المتعہ منسوخہ نسخہا الطلاق والعدہ والمیراث۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۲۰، تحت الآیۃ فبا استمتعتم بہ منہن، پ ۵)

مندرجہ بالا حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ طلاق، عدت اور میراث اور صداق (مہر) کے احکام نے متعہ النساء کو منسوخ کر دیا۔ مختصر یہ ہے کہ متعہ کے مسئلہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

موقف کو کبار محدثین اور فقہاء نے اپنی اپنی عبارات میں واضح طور پر درج کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک:

متعہ النساء کے جواز کا حکم منسوخ اور متروک ہو چکا ہے۔ اور ان کی وہ روایت سلفاً پیش کی گئی ہے، وہ اس دور کے متعلق ہے جس وقت متعہ مباح تھا، ممنوع نہیں ہوا تھا۔

الحازمی کی تحقیق

بحث ہذا کے آخر میں مشہور محدث حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی (المتوفی ۵۸۴ھ) کی متعہ النساء کے مسئلہ میں تحقیق پیش کی جاتی ہے جسے اعظم علماء نے قبول کیا ہے۔ الحازمی ”الاعتبار“ میں ذکر کرتے ہیں کہ

... وهذا الحكم كان مباحا
مشروعاً في صدر الاسلام
وانما اباحه النبي صلى الله
عليه وسلم لهم للسبب
الذي نكره ابن مسعود رضي الله
وانما كان ذلك يكون في
اسفارهم ولم يبلغنا ان النبي
صلى الله عليه وسلم اباحه
لهم وهم في بيوتهم ولهذا
نهاهم منه غير مره ثم اباحه
لهم في اوقات مختلفه حتى
حرمه عليهم في آخر ايامه
صلى الله عليه وسلم في
متعہ کی اباحت کا حکم ابتداء اسلام میں
مشروع اور مباح تھا اور جناب نبی اقدس
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صحابہ
کرام کے لیے اس سبب کی بنا پر مباح فرمایا
تھا جس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت
میں ذکر کیا ہے اور متعہ کی اباحت صحابہ
کرام کے لیے ان کے اسفار میں مباح تھی
اور یہ بات ہمیں جناب نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی
کہ ان کے لیے حضر میں اور گھروں میں
قیام کے دوران متعہ النساء کو مباح فرمایا
ہو۔ فلذا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے متعدد بار متعہ النساء سے منع

حجۃ الوداع۔ وکان تحریم
تابید لا تاقت فلم یبق الیوم
فی ذالک خلاف بین فقہاء
الامصار وائمہ الامہ الا شیاء
ذهب الیہ بعض الشیعہ۔
(الاعتبار فی النسخ والمنسوخ من الآثار
للحازمی ص ۱۳۸، ۱۳۹، تحت باب نکاح
المتعہ، طبع مصر)

فرمایا اور پھر مختلف اوقات میں مباح فرمایا حتیٰ
کہ آخری ایام میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر
آنجناب ﷺ نے متعہ النساء کو حرام قرار
دے دیا اور یہ حرمت متعہ وقتی نہیں بلکہ
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تھی۔ پس اب ملت کے
فقہاء اور ائمہ اسلام کے نزدیک اس کی
حرمت میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا مگر
بعض شیعہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

تائید و توثیق

الحازمی کی مندرجہ بالا تحقیق کی تائید اور توثیق علماء کرام نے مندرجہ ذیل الفاظ
میں تحریر کی ہے:

... قال الحازمی انه صلی
اللہ علیہ وسلم لم یکن
اباحہا لہم وہم فی بیوتہم
واوطانہم وانما اباحہا لہم
فی اوقات بحسب الضرورات
حتی حرما علیہم فی آخر
سنیہ فی حجۃ الوداع۔ وکان
تحریم تابید لا خلاف فیہ بین
الائمہ و علماء الامصار الا
طائفہ من الشیعہ۔

صاحب فتح القدیر (ابن ہمام) اور الزیلعی
وغیرہما الحازمی کے کلام کا اختصار ذکر کرتے
ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ
نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اوطان
اور گھروں میں قیام کے دوران میں انہیں
متعہ کی اجازت نہیں دی اور اباحت نہیں
فرمائی بلکہ ضرورتوں کے مطابق بعض
اوقات سفروں میں اجازت دی تھی حتیٰ کہ
آخری سالوں میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر
متعہ النساء کو حرام قرار دیا اور یہ تحریم ابدی
تھی۔ (وقتی نہیں تھی)

(نصب الراية للزيلي ص ۹۸۱ ج ۳، بحث متعہ، مجلس علمی ذابھیل، فتح القدير شرح ہدایہ ص ۳۸۶ ج ۲، تحت نکاح المتعہ، طبع مصر، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ لعلی القاری ص ۲۱۳ ج ۶، طبع لبنان)

اس مسئلہ میں بعض شیعہ کے ماسوا باقی تمام بلاد و امصار کے علماء اور ائمہ متعہ کے حرام ہونے پر متفق ہیں اور اس میں اختلاف نہیں رکھتے۔

قرأت ”الی اجل مسمی“ کا جواب

دیگر یہ چیز شیعہ کی طرف سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پیش کی جاتی ہے کہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، آیت ”فما استمتعتم به منهن...“ الخ (پ ۵) میں کلمہ ”الی اجل مسمی“ کے ساتھ قرأت کرتے تھے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرح متعہ کی حلت کے قائل تھے۔

(جواز متعہ از سید خادم حسین وزیر آبادی الشیعی ص ۳۴، ۳۵)

اس چیز کے متعلق اہل سنت والجماعۃ کے کبار علماء نے اپنی کتابوں میں تشریح اور وضاحت ذکر کر دی ہے۔

ذیل میں ان کی عبارات پیش کرتے ہوئے اعتراض مذکور کا جواب مکمل کیا جاتا ہے۔

(۱) امام النواویؒ نے شرح مسلم شریف میں لکھا ہے کہ

... وقرأ ابن مسعود شاذہ۔

لا یحتج به قرانا ولا خبرا ولا یلزم العمل بها۔ (شرح مسلم

النواوی ص ۳۵۰ ج ۱، باب نکاح المتعہ،

طبع نور محمد، دہلی)

یعنی ”الی اجل مسمی“ کا کلمہ قرأت

شاذہ ہے (مشہور قرأت نہیں) اس کے

ساتھ باعتبار قرآن ہونے کے اور روایت

ہونے کے احتجاج اور دلیل پکڑنا درست

نہیں اور اس پر عمل درآمد کرنا لازم نہیں۔

(۲) اور اسی طرح ابن العربی نے احکام القرآن میں آیت ”کتب علیکم الصیام“ (پ ۲) مسئلہ نمبر ۱۳ کے تحت قرآن شاذہ کا حکم بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

...والقراء الشاذہ لا یبنی علیہا حکم لانہ لم یثبت لہا اصل۔ (احکام القرآن لابن العربی المالکی ص ۳۴، ج ۱ ذل تحت الآیہ کتب علیکم الصیام، طبع مصر)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو قرآن شاذہ ہو (یعنی مشہور قرات کے خلاف ہو) اس پر کوئی حکم مبنی نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی اصل ثابت نہیں۔

(۳) اور سید محمود آلوسیؒ نے روح المعانی میں ”قرآن شاذہ“ کا مسئلہ منقح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

... والقراء التي يتقلونها عن تقدم من الصحابه شاذہ (وما دل علی التحريم کایہ الا علی الزواجهم اور ما ملکتم ایمانهم۔ قطعی فلا تعارضہ) (تفسیر روح المعانی السید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۷، ج ۵، تحت الآیہ (الاستمتاع)

مطلب یہ ہے کہ جو قرآن ”الی اجل مسی“ کی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی جاتی ہے (یعنی عام قرآن میں نہیں پائی جاتی) وہ ”شاذ“ ہے اور جو حکم آیت ”الا علی ازواجہم... الخ“ سے حرمت پر دلالت کرتا ہے، وہ قطعی ہے اور قرآن منقولہ (شاذہ) قطعی حکم کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ (فلہذا وہ متروک العمل ہے)

نیز شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے بھی مسئلہ ہذا کی تشریح و توضیح اسی طرح ذکر کی ہے۔

ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰۳، تحت طعن یازدہم (۱۱) (فاروقی)

تنبیہ

قرآن شاذہ کے متعلقہ یہی حوالہ جات قبل ازیں ہم نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ

کی قرآنہ ”ابی اجل مسی“ کے تحت ذکر کر دیئے ہیں، یہاں ان کا اعادہ مسئلہ کی وضاحت کے لیے کیا ہے۔

آخر کلام

گزشتہ صفحات میں جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کے جوابات روایت کے اعتبار سے ذکر کیے گئے ہیں۔ اب ہم یہاں روایت کے اعتبار سے ایک چیز پیش کرتے ہیں جو اعتراض کے ازالہ کے لیے مفید ہے۔

اکابر علماء احناف نے اپنی سند کے ساتھ یہ چیز ذکر کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں باہم فقہی اور علمی مذاکرات ہوتے تھے اور اس مقصد کے لیے دو طرح کے حلقے پائے جاتے تھے۔

ایک حلقہ جناب علی بن ابی طالب ابی بن کعب اور ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شمار ہوتا تھا۔

اور دوسرا حلقہ جناب عمر بن الخطاب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل تھا۔

مذکورہ بالا چھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنے اپنے مقام پر علمی اور فقہی مسائل پر باہمی گفتگو ہوتی تھی، چنانچہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں حضرات نے مذکورہ بالا علمی و فقہی مذاکرات کے حلقوں کا ذکر ذیل عبارت میں کیا ہے:

قال محمد اخبرنا ابو حنیفہ عن الہیثم عن الشعبي
(عامر) قال ستنہ من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
یتذکرون الفقه منہم علی بن ابی طالب وابی و ابو موسی
علی حدہ وعمر وزید (بن ثابت) وابن مسعود رضی اللہ
عنہم۔

(کتاب الآثار الامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ ص ۹۹۰ روایت ۸۶۶، طبع کراچی)

کتاب الآثار لامام ابی یوسفؒ، ص ۲۱۲، روایت ۹۴۲، طبع بیروت)

یہاں سے واضح ہے کہ جناب عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمر فاروق اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مسائل پر علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں متعہ کے حرام ہونے کا اعلان فرمادیا تھا۔

ان واقعات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ متعہ کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہوگا۔ پس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر مسئلہ ہذا کیسے مخفی رہا؟؟؟
حاصل مقصد یہ ہے کہ روایت کے اعتبار سے بھی اور درایت کے لحاظ سے بھی متعہ کی حرمت کا مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر مخفی نہیں تھا اور وہ اس مسئلہ میں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ متفق تھے اور ان کے ساتھ مسئلہ ہذا میں اختلاف نہیں رکھتے تھے۔

جناب جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

اس مقام میں شیعہ نے دونوں مذکورہ اصحاب سے جواز متعہ کے متعلق درج ذیل روایت نقل کی ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب جابر و سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں اصحاب کا بیان ہے کہ ہم ایک جیش (لشکر) میں تھے۔ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرستادہ آیا۔ اس نے آکر کہا کہ متعہ کرنے کی تم کو اجازت دے دی گئی ہے، تم متعہ کر سکتے ہو۔

... عن جابر بن عبد اللہ
وسلمہ بن الاکوع قال کنا فی
جیش فاتانہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم انہ قد آذن
لکم ان تستمتعوا
فاستمتعوا۔

الجواب

یہ بات متعدد بار ذکر کی گئی ہے کہ اسلام میں کچھ مدت تک متعہ کی اجازت تھی، پھر بعد میں اس سے منع کر دیا گیا۔ اسے متعہ کے لیے اباحت کا دور کہا جاتا ہے۔ اس اباحت کے دور کے متعلق کئی روایات حدیث میں موجود ہیں۔ ان کا تعلق اس سابق دور کے ساتھ ہے۔

حضرت جابر اور سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی اباحت کے دور کے متعلق ہے۔ متعہ سے امتناع کا حکم بعد میں فرمایا گیا۔ پس اس روایت کو جواز متعہ کے دلائل میں ذکر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ جن صاحبان نے اسے اباحت کے لیے پیش کیا ہے، انہوں نے چشم پوشی کرتے ہوئے حقیقت واقعہ سے رُوگردانی کی ہے۔

اسی طرح مسلم شریف میں بحث ہذا میں سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے۔ اس میں عام اوطاس میں تین روز کے لیے جواز متعہ کا مسئلہ درج ہے لیکن ساتھ فرمان ہے... ثم نہی عنہا یعنی مذکورہ اجازت سہ روز کے بعد متعہ سے منع فرمادیا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے متعہ کی اباحت ہے تو ساتھ ہی انہوں نے منع بھی نقل کر دی ہے تو اس نوع کی روایات معترضین کو مفید نہیں اور ہمارے لیے مضر نہیں۔

نیز جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک دیگر روایت نقل کی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مکہ میں عمرہ کے لیے تشریف لائے تو روایت کرنے والا راوی (عطاء) کہتا ہے کہ آنمو صوف رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے مسائل دریافت کیے اور ان میں متعہ النساء کے بارے میں بھی سوال کیا تو جواب میں حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا:

... فقال نعم استمتعنا یعنی (حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ

علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاں! جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ علیہ وسلم وابی بکر کے عہد میں ہم نے متعہ کیا اور ابو بکر رضی اللہ
وعمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی متعہ کیا۔

(رسالہ جواز متعہ از سید خادم حسین بخاری الشیعی، وزیر آبادی، ص ۳۶)
اس روایت کے پیش نظر معترض اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ
بمع دیگر صحابہ کے عہد نبوی اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں متعہ کیا
کرتے تھے، فلذا متعہ کرنا درست ہے۔

الجواب

مندرجہ بالا اعتراض کے جواب میں ہم یہاں چند گزارشات پیش کرتے ہیں۔
ناظرین کرام توجہ فرمائیں:

○ علماء کرام نے مذکورہ روایت کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ

(الف) ... هذا محمول على ان الذي استمتع في عهد

ابی بکر وعمر لم يبلغه النسخ۔

(۱) شرح مسلم للتواوی ص ۴۵۱، حاشیہ مسلم شریف، جلد اول، طبع دہلی۔

(۲) تفسیر روح المعانی ص ۶ ج ۵، تحت الآیہ، پ ۵، طبع مصر۔

(ب) ... ان يقال لعل جابرا ومن نقل عنه استمرارهم

على ذلك بعده صلى الله عليه وسلم الى ان نهى عنها

عمر لم يبلغهم النهى۔

(۱) فتح الباری شرح بخاری ص ۴۱ ج ۹، تحت بات نھی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم عن النکاح المتعہ اخر۔

(۲) فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۴۴۲ ج ۳، تحت باب نکاح المتعہ،

طبع اول۔

(۳) شرح معانی الآثار للحاوی ص ۹۵ جلد ثانی، باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔

مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ان سے نقل کرنے والے حضرات نے جو متعہ کا استمرار بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کیا ہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے منع کا اعلان فرما دیا۔ تو ان حضرات کو متعہ کا نسخ اور اس کی حرمت نہیں پہنچی تھی، اس بنا پر ان سے یہ قول صادر ہوا۔

نیز اعتراض مذکورہ بالا کے ازالہ کے لیے اکابر علماء نے اس طریقہ سے بھی جواب پیش کیا ہے۔ ابن القیم لکھتے ہیں کہ

مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

والی روایت (جس میں انہوں نے متعہ

کرنے کی خبر دی ہے) کا محمل یہ ہے کہ ان

کو تحریم متعہ کی خبر نہیں پہنچی تھی۔

(زاد المعاد لابن القیم الجوزیہ ص ۵۶۳-۴۶۴)

ج ۳، طبع بیروت)

... فوجب حمل حدیث

جابر رضی اللہ عنہ علی ان النبی اخبر

عنها بفعلها لم يبلغه

الحريم ولم يكن قد اشتهر

حتى كان زمن عمر رضي الله

عنه فلما وقع فيها النزاع

ظهر تحريمها واشتهر۔

اور یہ منع کا فرمان نبوی پوری طرح مشہور نہیں ہوا تھا، حتیٰ کہ فاروقی عہد

خلافت آگیا اور پھر جب اس دور میں مسئلہ ہذا نزاع پیش آیا اور بحث و تبحیث ہوئی تو متعہ کی حرمت پوری طرح ظاہر ہوئی اور مشہور ہو گئی۔

اور اسی مسئلہ کی وضاحت میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عسقلانی نے ایک

دوسرے مقام میں حضرت جابر کے قول کے تحت دو چیزوں پر بحث کی ہے۔ ان میں

ایک متعہ ہے، دوسری طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ... رائج اس

مقام میں یہ بات ہے کہ متعہ کی تحریم اس

اجماع کی بنا پر ہے جو عہد فاروقی میں منعقد

... فالراجع فی ... تحریم

المتعہ... للاجماع الذی

انعقد فی عہد عمر علی

ذالك ولا يحفظ ان احدا في
عهد عمر خالفه، في واحده
منهما۔ قد دل اجماعهم
على وجود ناسخ وان كان
خفى عن بعضهم قبل ذالك
حتى ظهر لجمعهم في عهد
عمر فالمخالف بعد هذا
لاجماع منا بذله والجمهور
على عدم اعتبار من احدث
الاختلاف بعد الاتفاق۔ والله
اعلم۔

ہو گیا تھا اور اس عہد میں اکابر صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم میں سے کسی صاحب کا مسئلہ
ہذا کے متعلق خلاف کرنا منقول نہیں پایا
گیا۔ اس اجماع کے ذریعے معلوم ہوا کہ
ان حضرات کے پاس تحریم متعہ کے لیے
دلیل نسخ موجود تھی۔ اگرچہ بعض حضرات
پر قبل ازیں یہ ناسخ مخفی تھا حتیٰ کہ اب عہد
فاروقی میں سب کے سامنے نسخ واضح ہو گیا۔
پس اب اس اجماع کے بعد جو شخص اس کا
خلاف کرے وہ اس کو گرانے والا ہو گا اور
اس نوع کے مسائل میں اتفاق کے بعد
اختلاف پیدا کرنا جمہور علماء کے نزدیک
قابل اعتبار نہیں۔

(فتح الباری لابن حجر ص ۲۹۹، ج ۹، تحت من جوز الطلاق الثلاث، بذل البھود فی حل الی
داؤد البجستانی ص ۶۴، ج ۳، باب فی نسخ المراجعة، الخ)

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ جناب جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جس قول کو معترض پیش کرتے
ہیں، اس کا پس منظر سابق حوالہ جات میں بیان کر دیا ہے۔ یعنی بعض حضرات پر متعہ
کی منسوخی کا حکم تاحال مخفی تھا اور مسئلہ مستقیم ہو کر سامنے نہیں آیا تھا۔
لیکن جب عہد فاروقی میں اس پر بحث ہوئی اور اس کے نسخ پر صحابہ کا اجماع
منعقد ہو گیا تو اس کی تحریم واضح ہو گئی۔

اب اس اجماع و اتفاق کے بعد کسی شخص کا اختلاف اور خلاف کرنا معتبر

نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا مذکور قول اس صورت میں واقع ہوا ہے کہ تاحال مسئلہ ہذا کی تفصیلات ان کے سامنے نہیں آئی تھیں۔ جب اس کی تحریم پر اجماع واقع ہو گیا تو جناب جابر رضی اللہ عنہ نے بھی اس میں خلاف نہیں کیا اور اتفاق کر لیا۔ اندریں حالات حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے ساتھ جواز متعہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

معرض لوگوں نے مشہور صحابی عمران بن حصین سے جواز متعہ کے متعلق درج ذیل روایت پیش کی ہے کہ

یعنی عمران بن حصین کہتے ہیں کہ آیت متعہ اللہ کی کتاب میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد اس کو منسوخ کر دینے والی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور ہمیں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا امر فرمایا۔ ہم نے تمتع کیا، پھر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو آنجناب ﷺ نے ہم کو منع نہیں فرمایا، إلخ۔

... نزلت آیه المتعہ فی کتاب اللہ ولم یمنزل بعدہا آیہ تنسخہا وامرنا بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتمتعنا بہا ومات ولم ینہنا عنہ ثم قال رجل برایہ ماشاء۔ (رسالہ جواز متعہ از سید خادم حسین بخاری الشیعی ص ۳۳)

الجواب

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہذا معرضین نے ہماری تفسیر کی کتابوں سے پیش کی ہے۔

اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ اس روایت میں متعہ سے مراد متعہ الحج

ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں حج کو فسخ کر کے عمرہ ادا کرنے اور احرام حج سے نکل کر عمرہ کے افعال میں بغیر عذر داخل ہونے میں اختلاف ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو سختی کے ساتھ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے منع فرماتے تھے۔ صرف تمتع یعنی عمرہ کو اشہر الحج میں ادا کرنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے تحفہ اثنا عشریہ میں یہی توجیہ نقل کی ہے:

قال القاضي عياض ظاهر حديث جابر و عمران بن حصين و ابي موسى رضي الله تعالى عنهم ان المتعه التي اختلفوا فيها انما هي فسخ الحج الى العمره - قال ولهذا كان عمر رضي الله عنه يضرب الناس عليها ولا يضربهم على مجرد التمتع اى العمره في اشهر الحج - قوله فسخ الحج الخ يعني فسخ حج بسوء عمره و خروج از احرام حج بافعال عمره بے عذر و برہمیں است اجماع امت کہ متعہ الحج بلا عذر حرام است و جائز نیست۔

(تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیزؒ ص ۳۰۴، تحت طعن یازدہم، فاروقی)

اب اس چیز پر قرینہ پیش کیا جاتا ہے کہ روایت مذکورہ میں متعہ سے مراد متعہ الحج ہے۔ (متعہ النساء نہیں)

چنانچہ مسند امام احمدؒ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اپنی مرویات مرفوعہ موجود ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد جمع بين حج وعمره ثم لم ينه عنه حتى مات ولم ينزل القرآن فيه يحرمه... الخ

اسی مقام میں دوسری جگہ عمران بن حصین ذکر کرتے ہیں:

... ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد جمع بین
حجہ وعمرہ ثم لم یُنزل فیہا کتاب ولم ینہ عنہا النبی
صلی اللہ علیہ وسلم... الخ

(مسند امام احمد ص ۳۲۷ ج ۳، تحت مسندات عمران بن حصین)

... مندرجہ بالا ہر دو روایات کا مفہوم یہ ہے:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اور عمرہ کو جمع کر کے ادا فرمایا۔
پھر اس سے منع نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا
اور قرآن مجید میں بھی کچھ نازل نہیں ہوا جو اس (متعہ الحج) کو حرام قرار دے۔
مذکورہ بالا روایات کے ذریعہ صاف طور پر ثابت ہوا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ
سے جو روایت متعہ کے متعلق پیش کی گئی ہے۔ وہاں متعہ الحج مراد ہے۔ (متعہ النساء
مراد نہیں)

معارض دوستوں نے مندرجہ بالا قابل اعتراض روایت تفسیر کبیر للرازی اور
تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری سے نقل کی ہے۔

اصولی طور پر اس کا جواب ہم سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں۔ تاہم اس کے
متعلق چند ایک امور ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔ ناظرین کرام توجہ فرمائیں۔
تفسیر کبیر للرازی میں روایت مذکورہ بالا کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن ماخذ کا حوالہ
دیئے بغیر اور بغیر کسی محدث کے حوالہ کے اور بغیر کسی سند کے ایک قول کے درجہ
میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کو درج کر دیا گیا ہے اور صاحب غرائب القرآن
نیشاپوری نے بھی اس روایت کو تفسیر کبیر ہی سے نقل کیا ہے اور روایت ہذا کا کوئی
جدید ماخذ نہیں بتایا۔ تفسیر نیشاپوری تفسیر کبیر رازی کا اختصار اور خلاصہ ہے اور یہ چیز
اہل علم کو معلوم ہے۔

فلذا اس کا علیحدہ جواب دینے کی ضرورت اور حاجت نہیں، بالفرض اگر
روایت مندرجہ بالا درست ہے تو اس کا محمل وہی ہے جو ہم نے اکابر علماء کے حوالہ

جات کی روشنی میں بیان کر دیا ہے۔

علی سبیل التسنل

اگر بالفرض پیش کردہ روایت کو متعہ النساء کے متعلق تسلیم کر لیا جائے تو یہ روایت مفہوماً صحیح نہیں ہوگی، اور اس کا مضمون (کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو متعہ النساء سے منع نہیں فرمایا) بالکل واقعات کے برخلاف ہے۔

وجہ یہ ہے کہ سابقہ صفحات میں ہم متعدد بار درج کر چکے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند ایام کی اباحت کے بعد فتح مکہ کے موقع پر اور پھر حجۃ الوداع میں صریحاً عورتوں کے ساتھ متعہ سے منع فرمادیا اور حرام قرار دیا تھا۔ حرمت متعہ کے اس فرمان کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے شمار احادیث میں ذکر فرمایا ہے اور ان روایات میں سے ہم نے چند ایک ماقبل میں ذکر کر دی ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت سبرۃ بن معبد الجھنی حضرت ابو ہریرہ وغیرہم سے مروی ہیں اور ان کے حوالہ جات سابقاً درج کر دیئے ہیں۔ بنا بریں روایت کو متعہ النساء کے متعلق محمول کرنا قطعاً درست نہیں۔

”الاعتباہ“

اہل علم کے افادہ کے لیے عرض کر دینا مناسب ہے کہ تفسیر نیشاپوری کے اس مقام (بحث متعہ) کے آخر میں لکھا ہے کہ... واكثر الروایات انه صلی اللہ علیہ وسلم اباح المتعہ فی حجۃ الوداع وفی یوم الفتح --- الخ۔

(تفسیر غرائب القرآن علی تفسیر الطبری ص ۹۸ جلد خامس، تحت الآیۃ تالیف نظام الدین

حسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری المتوفی ۷۱۰ھ)

یعنی حاصل یہ ہے کہ اس مقام کی اکثر روایات اس طرف ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع اور فتح مکہ کے موقعہ پر متعہ النساء کو مباح قرار دیا۔

مصنف نے اس قول کو کسی صحابی یا مشہور تابعی یا دیگر کسی نامور عالم کی طرف نسبت کیے بغیر یہاں درج کر دیا ہے۔

اہل علم پر واضح ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر صرف چند روز (غالباً ۳ یوم) متعہ کی اباحت فرمائی گئی لیکن اس کے بعد انہی ایام میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے پاس متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا اور اسے ممنوع قرار دیا۔

پھر حجۃ الوداع ۱۰ھ میں تو اس کی اجازت فرمائی ہی نہیں بلکہ واضح الفاظ میں اس کو حرام کہا اور منع فرمادیا۔

حیرت کی بات ہے کہ صاحب تفسیر ہذا نے یہ اکثر الروایات کہاں سے اخذ کی ہیں؟؟ مصنف تفسیر کے مذکورہ کلمات احادیث صحیحہ مشہورہ کے بالکل برخلاف اور واقعات کے برعکس ہیں۔

فلذا یہ عبارت اس مقام کی الحاقی ہے اور کسی صاحب نے یہاں از خود اضافہ کر دی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر

معرض دوستوں کی طرف سے ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی جواز متعہ کی قائل تھیں اور ان سے مندرجہ ذیل روایت منقول ہے:

فَقَالَتْ (اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا) فَعَلَنَاهَا عَلٰی عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي اَسْمَاءُ كَهْتِي هِيَ كَهْ نَبِي كَرِيم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَ عَهْدٍ مِثْلُ هَمٍ نَ مَتَعَهُ كَيَا اَوْرَ بَعْضٌ وَغَيْرُ رَوَايَاتٍ مِثْلُ حَضْرَتِ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَا قَوْلِ يَه

ہے کہ قد کان ذالک تو اس میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ یہ فعل اس دور میں ہوا تھا۔ (رسالہ جواز متعہ از سید خادم حسین شیعہ بخاری، ص ۳۶)

الجواب

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے جو کلمات روایات مذکورہ میں منقول ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ جس دور میں متعہ کے لیے اباحت تھی، اس دور میں ہم مسلمان عورتوں سے یہ فعل صادر ہوا۔ ان کلمات کا ذکر کرنے سے آئندہ کے لیے متعہ کا جواز لازم نہیں آتا اور اس فعل کے نہ منسوخ ہونے پر یہاں کوئی الفاظ دلالت نہیں کرتے اور ظاہر بات ہے کہ متعہ کے لیے پہلے اباحت تھی لیکن بعد میں یہ فعل منسوخ ہو گیا پھر منسوخ شدہ فعل سے جواز کے لیے استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟؟ پس اس صورت حال میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے کلمات سے جواز متعہ کے لیے تائید حاصل کرنا بے جا ہے اور درست نہیں۔

ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ

مقرضین احباب کہتے ہیں کہ ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بھی جواز متعہ کے قائل تھے اور ان سے مروی روایت اس طرح ہے کہ

... قال (ابو سعید) كنا	یعنی ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی
نتمتع على عهد رسول الله	اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں
صلی الله عليه وسلم	ہم ایک کپڑے کے عوض میں متعہ کر لیا
بالثوب۔	کرتے تھے۔

(کنز العمال ص ۲۹۵، جلد اول)

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ

... عن ابی سعید لقد کان احدنا يتمتع علی القدح سوليقا۔
اور اس طرح بھی ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ ہمارا ایک آدمی ستو کے ایک پیالہ کے عوض میں بھی متعہ کر لیا کرتا تھا۔

(کنز العمال ص ۲۹۵ ج ۸، بحوالہ (عب) بحوالہ ابن جریر)

الجواب

ناظرین کرام توجہ فرمائیں کہ جناب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ان اقوال میں صرف یہ چیز بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یعنی جن ایام میں متعہ کے لیے اباحت تھی، اس دور میں ہم لوگوں نے قلیل شے (مثلاً کپڑا، ستو کا پیالہ وغیرہ) کے بدلہ میں متعہ کا فعل کیا تھا۔ یہ دور اباحت متعہ کا تھا، اس میں یہ فعل پایا گیا۔ اب یہ روایات دواماً جواز متعہ کے لیے کیسے پیش کی جاسکتی ہیں؟؟ یہ تو سابق دور کے متعلق روایات ہیں، ان کو بطور اعتراض پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

مقرضین کے لیے یہ روایات مفید نہیں اور ہمارے لیے مضر نہیں، پس اس نوع کی روایات کو پیش کرنا بالکل بے فائدہ کار روائی ہے اور ضابطہ کے اعتبار سے درست نہیں۔

خلاصہ

مقرض لوگوں نے جواز متعہ (النساء) کے استدلال میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جن روایات کو پیش کیا ہے۔ ہم نے ان مرویات کا سابقہ صفحات میں بقدر کفایت جواب درج کر دیا ہے۔

عموماً ان مرویات کی صورت حال اس طرح پائی جاتی ہے کہ ان کا تعلق اس دور کے ساتھ ہے جس دور میں متعہ مباح تھا اور تاحال اس سے منع وارد نہیں ہوئی

تھی۔ یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ صاحب روایت یا صاحب واقعہ کو قبل ازیں امتناع متعہ کا صحیح علم نہیں تھا اور اس کے ممنوع ہونے کی یقینی خبر حاصل نہیں تھی۔ اس بنا پر وہ اس کی اباحت کے قائل تھے۔

پھر امتناع متعہ کا مسئلہ جب واضح طور پر ان حضرات کے سامنے آگیا اور منقطع ہو گیا تو انہوں نے اس کو متروک العمل قرار دے کر اس سے اجتناب اختیار کر لیا اور اپنے موقف سے رجوع فرما لیا۔

اگر بالفرض والتقدیر ان صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت یا واقعہ پایا گیا تو وہ شاذ کے درجہ میں ہوگا۔ اس کو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و عمل کے برخلاف ہونے کی بنا پر ترک کر دیا جائے گا۔

اور فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے: ”فعلیکم بالجماعہ“ یعنی جماعت کے ساتھ رہنا لازم ہے، الخ۔

...وایاکم الفرقہ۔ جماعت سے افتراق مت اختیار کرو۔۔۔

الخ۔

پس ان ہدایات کی روشنی میں دینی مسائل کے معاملہ میں کثیر جماعت کے ساتھ متفق رہنا اسلام کا حکم ہے۔ ان مسائل میں متعہ بھی ہے اور متعہ کے مسئلہ میں کثیر جماعت کا جو طریقہ ہے، وہی ٹھیک ہے۔ افتراق سے اجتناب کرتے ہوئے اسی کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

ائمہ اربعہ حضرات کے اقوال نقل کرنے سے قبل ہم اس مقام میں جناب امام جعفر صادق بن امام محمد باقر کا فرمان نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

محدثین نے اس فرمان کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ

... عن بسام الصيرفي قال
سالت جعفر بن محمد عن
المتعہ فوصفتها۔ فقال لی
ذالك الزنا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی
ص ۲۰۷، ج ۷، تحت باب نکاح المتعہ)
اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ بسام
الصیرفی نے جناب امام جعفر صادق رحمۃ
اللہ علیہ سے متعہ کے متعلق سوال کیا۔ پھر
وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب امام صاحب
کے سامنے متعہ کی تشریح بیان کی تو
آنموصوف نے فرمایا کہ یہ تو زنا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو مشہور و معروف متعہ ہے، اسے ائمہ حضرات زنا کے درجہ
میں شمار کرتے ہیں۔

فقہائے امت کا موقف متعہ کے مسئلہ میں

متعہ کے ممنوع ہونے کے متعلق چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرفوع
روایات گزشتہ صفحات میں درج کی ہیں جن کے ذریعے متعہ کا امتناع واضح طور پر
ثابت کر ہو گیا اور ساتھ ہی بطور طعن پیش کردہ روایات کا جواب بھی احسن طریق
سے بیان کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور اکابر تابعین کے
آثار بھی موجود ہیں جن میں متعہ کی حرمت واضح طور پر پائی جاتی ہے لیکن یہ سلسلہ
بہت طویل ہے جس کا مفصل ذکر کرنا موجب طوالت ہے۔

فلذا اختصار کے پیش نظر یہاں صرف فقہ کے ائمہ اربعہ کے چند اقوال ذکر
کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ ”ائمہ اربعہ“ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام
احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کے اکابر فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔
ان کا موقف متعہ کے متعلق اختصاراً پیش کیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا موقف

امام ابو حنیفہؒ (نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ) کے شاگرد امام ابو یوسف اپنی تصنیف ”کتاب الآثار“ میں ذکر کرتے ہیں کہ

... حدثنا يوسف عن ابيه
عن ابي حنيفة عن حدثه
عن الزهري انه قال: نهى النبي
صلى الله عليه وسلم عن
المتعہ يوم فتح مكة -
مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کو اس
شخص نے بتایا جس کو علامہ الزہری نے بیان
کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فتح مکہ کے دن متعہ کرنے کو منع
فرمادیا۔

(کتاب الآثار لامام ابی یوسف ص ۱۵۲، روایت نمبر ۷۷، طبع بیروت، جامع مسانید لامام
الاعظم ص ۸۶، ج ۲، طبع اول، حیدر آباد دکن)

روایت ہذا کے ذریعے متعہ کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا
مسلك واضح ہو گیا کہ آنمو صوف رحمۃ اللہ علیہ تحریم متعہ کے قائل ہیں۔

تنبیہ

احناف کے نزدیک اس مسئلہ کے متعلق بہت کچھ تفصیلات ہیں۔ ان حضرات
کے موقف کو واضح کرنے کے لیے ہم نے یہاں صرف ایک روایت مذکورہ پر اکتفا کیا
ہے اور یہ اثبات مدعی کے لیے کافی ہے۔

امام مالکؒ کا موقف

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۷۹ھ نے اپنے مسلک و مذہب کی
مشہور تصنیف الموطاء میں ایک مستقل عنوان ”باب نکاح المتعہ“ قائم کیا ہے۔ اس
میں حرمت متعہ کے لیے درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

(الف) ... عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعہ النساء یوم خیبر وعن لحوم الحمر الانسیہ۔

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ النساء اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

(موطاء امام مالک ص ۵۰۷، تحت باب نکاح المتعہ، طبع کراچی)

(ب) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی مشہور کتاب ”المدونہ الکبریٰ“ میں بھی آنمو صوف نے متعہ کی حرمت کے متعلق ایک سوال کا جواب ارشاد فرمایا کہ

(قلت) ارایت ان قال تزوجک شہراً یبطل النکاح ام یجعل النکاح صحیحاً ویبطل الشرط؟ (قال) قال مالک النکاح باطل ویفسخ وهذه المتعه۔ قد ثبت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحريمها۔ (المدونہ الکبریٰ ص ۱۹۷، جز ثالث (جلد ثانی) فی نکاح الی اجل، طبع مصر)

روایت مذکورہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ایک آدمی ایک عورت کو کہتا ہے کہ میں ایک مہینہ کے لیے تیرے ساتھ نکاح کرتا ہوں۔ کیا یہ نکاح باطل ہو جائے گا یا نکاح صحیح ہوگا؟ اور شرط (شہر) باطل ہوگی؟؟ یا نہیں؟؟۔۔۔ اس استفسار کے جواب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نکاح باطل ہے اور یہ متعہ ہے اور تحقیق جناب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعہ کا حرام ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

تنبیہ

مندرجات بالا سے امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک متعہ کا عقد ناجائز اور حرام ہے۔

ایک غلط انتساب کا ازالہ

فقہ کی بعض کتب میں یہ قول پایا جاتا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ متعہ کا نکاح جائز ہے۔

نکاح المتعہ جائز عند مالک۔

اس کے متعلق ذیل میں چند ایک چیزیں بطور جواب ذکر کی جاتی ہیں۔

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سہواً منسوب کیا گیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ متعہ کے عدم جواز اور ممنوع ہونے کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول آنمو صوف کے مسلک وہ مذہب کی مشہور کتب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور المدونہ الکبریٰ سے حوالہ نقل کیا ہے۔

(ب) دوسری گزارش یہ ہے کہ اس فن کے کبار علماء (مثلاً بدر الدین العینی شارح الہدایہ) وغیرہ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جواز متعہ کی نسبت کرنا سہو ہے۔ کیونکہ مالکیوں کی کتابوں میں نکاح متعہ کی حرمت اور عدم جواز مذکور ہے۔

شرح ہدایہ للعینی کی عبارت میں یہ مسئلہ بالفاظ ذیل درج ہے کہ

... قال مالک رحمۃ اللہ علیہ ہو جائز (ش) ای نکاح

المتعہ جائز۔ قال الکاکي هذا سهو فان المذكور في

کتب مالک رحمۃ اللہ علیہ حرمة نکاح المتعہ وقال

في المدونه ولا يجوز النکاح الى اجل قريب او بعيد وان

سمى صداقا وهذه المتعہ۔

(العینی شرح الہدایہ ص ۷۸، ج ۲، کتاب النکاح، تحت مسئلہ متعہ)

اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ

... قال ابن ہمام نسبتہ الی
مالک رحمہ اللہ علیہ غلط۔
یعنی ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ (متعہ کے)
جواز کے قول کی امام مالکؒ کی طرف نسبت
کرنا بالکل غلط ہے۔

(۱) مرقۃ المفاتیح لملا علی القاری ص ۲۱۳ ج ۷، باب اعلان النکاح، طبع ملتان، فتح القدر
(شرح ہدایہ) ص ۳۸۵ ج ۲، تحت النکاح الموقت۔

(۲) فتح القدر شرح الہدایہ ج ۲ ص ۳۸۵، تحت النکاح الموقت۔

نیز تفسیر روح المعانی میں پارہ پنجم کی آیت فما استمتعتم --- الخ کے
تحت علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ...

... ونقل الحل عن مالک
رحمہ اللہ علیہ غلط لا اصل
لہ۔
یعنی (متعہ کے) حلال ہونے کے
قول کی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف
نسبت کرنا بالکل غلط ہے اور اس کی کوئی
بنیاد نہیں اور بے اصل ہے۔

علی سبیل التنزیل

جواز متعہ کا انتساب جو امام مالک کی طرف کیا گیا ہے، اسے اگر بالفرض تسلیم کر
لیا جائے تو بھی یہ بات امام مالک کے اپنے فرمودات کے خلاف اور ان کے اپنے بیان
کردہ قواعد کے برعکس ٹھہرے گی۔ وہ اس طرح ہے کہ ابن عبدالبر المالکی نے امام
مالک کا قول اپنی سند کے ساتھ درج کیا ہے کہ

... حدثنا معن بن عیسیٰ
قال سمعت مالک بن انس
يقول انما انا بشر اخطی
واصیب فانظروا فی رابی
یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ میں ایک
بشر ہوں، خطاء و صواب کر سکتا ہوں، پس
میری رائے کی طرف نظر کرو جو کتب اللہ
و سنت نبوی ﷺ کے موافق پائی جائے،

فكلما وافق الكتاب والسنة اس کو قبول کرلو، اور جو میری رائے کتاب
فخذوا به وكلما لم يوافق وسنت کے خلاف ہو اور موافق نہ ہو تو اس
الكتاب والسنة فاتركوه۔ کو ترک کر دو۔

(جامع بیان العلم وفضلہ لالین عبدالبر ص ۳۲، ج ۲، تحت القول بالرای فی دین اللہ)
حاصل یہ ہے کہ اس ضابطہ کی روشنی میں یہ چیز ثابت ہوئی کہ امام مالک کا
جو قول کتاب و سنت کے خلاف پایا جائے وہ قابل قبول نہیں۔

اسی سلسلہ میں متعہ کا مسئلہ بھی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ممنوع ہے
اور خود امام مالک کے فرمودات کی بناء پر (جیسا کہ ماقبل میں بیان کر دیئے گئے ہیں)
ناجائز اور باطل ہے، فلہذا امام مالک کی طرف جواز متعہ کا انتساب غلط ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

متعہ کے متعلق امام محمد بن ادریس شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے اپنی کتابوں میں
بالوضاحت تحریر کیا ہے کہ متعہ کی حلت اور تحلیل قرآن و سنت اور قیاس کے دلائل
کے ساتھ ساقط ہو چکی ہے اور ہم نے اس مسئلہ کو اس وقت ذکر کر دیا ہے جب اس
کے متعلق ہم سے سوال کیا گیا۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف اختلاف الحدیث میں مذکور ہے کہ

... سقط تحليلها بدلائل القرآن والسنة والقياس۔

وقد نكرنا ذلك حيث سئلنا عنه۔

(کتاب اختلاف الحدیث للشافعی رحمۃ اللہ علیہ بھامش علی کتاب الام ص ۲۵۵)

ج ۷، باب نکلح المتعہ)

تنبیہ

مسئلہ ہذا کے متعلق شوافع کی کتابوں میں بہت کچھ مواد موجود ہے لیکن ہم

نے یہاں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صرف ایک کتاب سے حوالہ پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے جس میں متعہ کے جواز کا ساقط ہونا آنمو صوف رحمۃ اللہ علیہ نے صاف طور پر لکھا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (الممتونی ۲۲۰ھ) کا موقف

ائمہ اربعہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا آخری دور ہے۔ ان کے مسلک کی مشہور تصنیف میں عقد متعہ کے متعلق لکھا ہے کہ

...القسم الثالث۔۔ ما يبطل النكاح من اصله مثل ان يشترطا تاقيت النكاح ونكاح المتعه او ان يطلقها في وقت بعينه او يعلقه على شرط مثل ان يقول زوجتك ان رضيت امها... فهذه شروط باطله في نفسها ويبطل بها النكاح۔

جو چیزیں نکاح کو دراصل باطل کر دیتی ہیں مثلاً نکاح میں وقت کی شرط لگانا۔ متعہ کی صورت میں نکاح کرنا... پس فی نفسہ یہ شرائط باطل ہیں اور ان شرطوں کی وجہ سے نکاح فاسد اور باطل ہو جاتا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ص ۱۶ ج ۷، تحت ابحاث النکاح)

(۲) ابن قدامہ حنبلی اپنی اسی تصنیف ”المغنی“ میں آگے چل کر مستقل عنوان کے تحت متعہ کی تعریف اور توضیح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

... فهذا نكاح باطل - نص عليه احمد رحمه الله عليه فقال نكاح المتعه حرام۔

یعنی یہ نکاح باطل ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ متعہ کا نکاح حرام ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ص ۹۰۳ ج ۷، تحت عنوان ولا يجوز نكاح المتعه، طبع مصر)

سطور بالا میں ائمہ اربعہ کے فرمودات حرمت متعہ کے متعلق ذکر کیے گئے

ہیں۔

اب اس بحث کے آخر میں علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ذکر کیا جاتا ہے۔ جس میں انہوں نے متعہ کے متعلق اکابر فقہاء کے موقف کو یکجا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کا قول ابن قدامہ حنبلی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

... قال ابن عبدالبر وعلی
تحریم المتعہ مالکؒ واهل
مدینہ وابوحنیفہ فی اہل
کوفہ والاوزاعی فی اہل الشام
واللیث فی اہل مصر
والشافعی وسائر اصحاب
الاثار۔
یعنی ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مندرجہ
ذیل تمام مشاہیر حضرات متعہ کے حرام
ہونے پر متفق ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
اور اہل مدینہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
اہل کوفہ میں، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ
اہل شام میں، لیث بن سعدؒ اہل مصر میں،
امام شافعیؒ اور باقی اصحاب آثار۔

(۱) المغنی لابن قدامہ ص ۹۰۳ ج ۷، تحت عنوان ولا یجوز نکاح المتعہ، طبع مصر۔

(۲) کتاب التعمید لما فی الموطاء من المعانی والاسانید ص ۱۲۱ ج ۱۰، تحت روایت ابن شہاب
عن عبداللہ والحسن ابن محمد بن الحنفیہ، طبع مراکش۔

مطلب یہ ہے کہ یہ تمام حضرات متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہیں اور اسی
پر اتفاق رکھتے ہیں۔

اہل ظواہر کا موقف

اسی طرح اہل ظواہر حضرات کا بھی متعہ کے متعلق یہی فیصلہ ہے۔ چنانچہ
علامہ ابن حزم الظاہری اپنی مشہور تصنیف ”المحلی“ میں تحریر کرتے ہیں کہ

... ولا یجوز نکاح المتعہ وهو نکاح الی اجل وکان حلا

لا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ۔ ثم نسخها اللہ

تعالیٰ علی لسان رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم نسخا
باتا الی یوم القیامہ۔

(المحلّ لابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ) ص ۵۱۹،
ج ۹، تحت مسئلہ نمبر ۹۸۵۴ احکام النکاح، جلد تاسع)

روایت بالا کا مفہوم یہ ہے کہ متعہ کا نکاح ناجائز ہے۔ وہ نکاح ایک وقت
معین تک ہوتا ہے۔

اور یہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں (بعض اوقات) حلال
تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک
کے ذریعے قطعاً تاقیامت منسوخ کر دیا۔

گزشتہ سطور میں حرمت متعہ کے متعلق فقہائے امت کے اکابرین کا موقف
مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

اس میں ملت اسلامیہ کے نامور علماء کرام کا مسلک و مذہب واضح ہو گیا اور
متعہ کے حرام ہونے کے متعلق کوئی خفاء باقی نہیں رہا۔

تحریم متعہ کا اہم واقعہ

مامون خلیفہ عباسی کے دور میں ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک شخص
محمد بن منصور کہتا ہے کہ سفر شام میں ہم لوگ مامون کی معیت میں تھے۔ ایک مقام
میں مامون نے اعلان کرایا کہ متعہ النساء حلال ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم ساتھ تھے۔
انہوں نے مجھے اور ابو العیناء کو کہا کہ تم دونوں کل مامون کے ہاں حاضر ہونا۔ اگر تم
لوگ اس پر کچھ کلام کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے اگر نہیں کر سکتے تو خاموش رہنا یہاں تک
کہ میں خود خلیفہ کے پاس حاضر ہوں گا۔ (دوسرے روز) جب ہم خلیفہ موصوف کے
ہاں حاضر ہوئے تو وہ مسواک کر رہا تھا۔ غصہ کی کیفیت میں کہنے لگا کہ عہد نبوی اور
عہد ابوبکر میں دو عدد متعہ جاری تھے۔ (عمر رضی اللہ عنہ نے) آکر کہا ”میں ان دونوں کو منع

کرتا ہوں۔ ”کون ہو تم منع کرنے والے؟... (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں خلیفہ مامون کے یہاں سخت کلمات ہیں) اس چیز سے جس کو رسول خدا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جائز رکھا ہے، تم کون ہو منع کرنے والے؟؟

محمد بن منصور اور اس کے ساتھی کچھ بات کرنے سے رک گئے کہ خلیفہ غیظ و غضب میں ہے۔ اس اثناء میں قاضی یحییٰ بن اکثم آئے اور مجلس میں بیٹھ گئے۔

مامون قاضی صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ چہرہ متغیر ہے، کیا بات ہے؟ تو قاضی یحییٰ نے کہا کہ یا امیر المومنین! اسلام میں ایک حادثہ پیش آ گیا ہے، اس وجہ سے مغموم ہوں۔ خلیفہ مامون نے کہا کہ وہ کیا واقعہ ہے؟ تو قاضی یحییٰ نے کہا کہ زنا کے حلال ہونے کی منادی کرائی گئی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ زنا کی منادی؟ تو قاضی صاحب نے کہا کہ متعہ زنا ہے، اس کی حلت کی منادی کرائی گئی ہے۔

مامون نے کہا، کیسے زنا ہے؟ اور آپ کیسے اس کو زنا قرار دے رہے ہیں؟؟ تو قاضی یحییٰ نے کہا کہ قرآن مجید اور سنت نبوی کے فرمان سے!!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یعنی فلاح یافتہ ہیں وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کو نگاہ رکھتے ہیں، مگر اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر تو ان پر کچھ الزام اور ملامت نہیں۔ پس جو کوئی طلب کرے اس کے ماسوا، سو وہ لوگ حد سے بڑھنے والے اور حدود شریعت سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

قد افلح المومنون... الی
والذین ہم لفروجہم
حافظون الا علی ازواجہم او
ما ملکت ایمانہم فانہم
غیر مملومین۔ فمن ابتغی وراء
ذالک فاولئک ہم العادون۔
(ابتداء پارہ نمبر ۱۸، سورہ مومنون)

قاضی صاحب نے کہا: اے امیر المومنین متعہ والی عورت کیا ملک یمن کے

(باندی و لونڈی) حکم میں ہے؟

تو مامون نے کہا کہ نہیں!!

پھر قاضی نے کہا کہ یہ ممتوعہ عورت زوجہ منکوحہ کے حکم میں ہے؟ جو (بوقت موت) بحکم خدا وارث ہوتی ہے اور وارث بنائی جاتی ہے اور اپنی شرائط کے ساتھ اولاد اس کے ساتھ لاحق ہوتی ہے۔ امیر المومنین نے کہا، نہیں!!

اس بناء پر قاضی یحییٰ نے کہا کہ جب دونوں صورتوں میں (متعہ والی) عورت داخل نہیں تو متعہ کرنے والا شخص العادین یعنی حدود شرع سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔

اے امیر المومنین! یہ الزہری ہیں جنہوں نے محمد بن حنیفہ کے فرزندوں (عبداللہ و حسن) سے نقل کیا ہے اور دونوں نے اپنے والد محمد بن الحنیفہ سے اور ابن الحنیفہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں منادی کروں کہ متعہ کی پہلے اجازت فرمائی تھی لیکن اب آنجناب نے اس سے منع فرمادیا ہے اور حرام کر دیا ہے۔

اس وقت مامون ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ حدیث الزہری سے محفوظ طریقہ سے مروی ہے؟ ہم نے کہا کہ بالکل صحیح ہے اور اس کو ایک جماعت نے ذکر کیا ہے، ان میں امام مالک بھی ہیں۔ یہ بات سن کر مامون استغفار کرنے لگا اور وہیں حکم دیا کہ متعہ کے حرام ہونے کا اعلان کر دو۔ پس اس وقت متعہ کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا۔

ذیل میں ابن خلکان کی عبارت ذکر کی گئی ہے اور خطیب بغدادی اور علی بن ابراہیم الحلی نے بھی یہ واقعہ درج کیا ہے:

وهذا الزهري يا امير المومنين روى عن عبد الله
والحسن ابني محمد بن الحنفية عن ابيهما عن علي
ابن ابي طالب رضي الله عنه قال امرني رسول الله صلى
الله عليه وسلم ان انادي النهي عن المتعة وتحريمها
بعد ان كان قد امر بها۔ فالتفت الينا المامون فقال

امحفوظ هذا من حديث الزهري؟ فقلنا نعم
يا امير المؤمنين رواه جماعه منهم مالك رضي الله عنه
فقال استغفر الله نادوا بتحريم المتعه فنادوا بها۔
(۱) تاريخ بغدادی للخطيب جلد نمبر ۱۲، ص ۱۹۹-۲۰۰، تحت تذکرہ قاضی یحییٰ بن
اکثم التمیمی۔

(۲) تاريخ ابن خلکان ص ۲۱۸، ج ۲ تحت تذکرہ ابو محمد یحییٰ بن اکثم التمیمی حکیم
العرب، طبع قدیم مصری۔

(۳) سيرت حلیہ ص ۵۳، ج ۳، تحت احوال خیر۔

آخر بحث

مختصر یہ ہے کہ یہ ایک مباحثہ بھی ہے اور تاریخی واقعہ بھی ہے۔۔۔ جو مامون
خلیفہ عباسی (المتوفی ۲۱۸ھ) کے عہد میں پیش آیا۔ اس میں مسئلہ متعہ کے متعلق فیصلہ
کر دیا گیا کہ یہ فعل اسلام میں منع ہے اور امتناع کی دلیل جناب علی المرتضیٰ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو قرار دیا۔

اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی شیعہ و سنی دونوں
طبقات کے لیے لائق اعتماد ہے اور ان کا قول و فعل قابل استدلال ہے۔

نیز دوستوں کے ہاں ایک ضابطہ بھی ہے کہ ”الحق مع علی رضی اللہ عنہ“ تو اس
صورت میں اب مزید کسی بحث کی حاجت نہیں۔ اہل اسلام کو خداوند کریم ہدایت
بخشے اور آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے قول اور فعل پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب
فرمائے۔ واللہ الہادی۔



طلاق ثلاثہ کا مسئلہ

(اسلامی روایات کی روشنی میں)

اسلام کے فقہی مسائل میں سے ایک مسئلہ طلاق ثلاثہ کا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ

اگر ایک شخص اپنی منکوحہ کو ایک مجلس میں یکبارگی تین طلاق دے دے تو کیا وہ طلاق تینوں واقع ہو جاتی ہیں؟ یا وہ تین طلاق ایک ہی طلاق شمار ہوگی اور ایک طلاق واقع ہوگی؟؟ اور کیا بغیر تحلیل کے اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟؟

مسئلہ ہذا میں شیعہ کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں یکبارگی تین طلاق دی جائے تو وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ اور بعض شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

تین طلاق بیک وقت دینے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

ہکذا فی کتاب شرائع الاسلام۔

(شیعہ ص ۵۷، ج ۲، کتاب الطلاق تحت النظر الثانی فی اقسام الطلاق، طبع بیروت)

اور اس مسئلہ میں اہل الطواہر کا بھی یہی مسلک ہے کہ بیک وقت اور بیک بار طلاق ثلاثہ دینے سے ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے اور بغیر تحلیل کے اسی عورت کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہے۔

موجودہ دور میں شیعہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہ عبارت ذیل طعن قائم کرتے ہیں:

چنانچہ ڈاکٹر نور حسین جھنگوی نے لکھا ہے کہ

”زمانہ نبوت میں طلاق ثلاثہ ایک طلاق شمار ہوتی تھی... سیاست جمانے کے واسطے حضرت عمر نے اپنا حکم جاری کر دیا کہ جو شخص ایک ہی وقت میں تین دفعہ عورت کو طلاق دے گا، عورت مطلقہ (مغلظہ) ہو جائے گی۔ اس رواج سے مسلمانوں کے کئی خاندان ویران ہو گئے اور کئی عیال و اطفال تباہ ہو گئے۔ حضرت عمر کا یہ حکم خلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔“

(”آئینہ مذہب سنی“ از ڈاکٹر حاجی نور حسین صابر جھنگوی شیعہ ص ۱۴۹، تحت عنوان

طلاق ثلاثہ، طبع چہارم، لاہور)

”طلاق ثلاثہ“ کے مسئلہ کی وضاحت جمہور صحابہ کرام اور کبار علمائے ملت کے فرمودات کی روشنی میں

مسئلہ ہذا کی وضاحت میں یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ پہلے اس مسئلہ میں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک اور ائمہ اربعہ کے موقف پر دلائل پیش کیے جائیں گے۔

اس کے بعد ان روایات کا جواب ذکر کیا جائے گا جن سے معترضین حضرات اپنے موقف پر استدلال پیش کرتے ہیں اور اس طریقہ سے شبہات کا ازالہ بھی ہو جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں کا جواب بھی پورا ہو جائے گا۔

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں بیک وقت اپنی منکوحہ کو تین بار طلاق دے دے تو طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے اور بغیر تحلیل کے طلاق دہندہ کے ہاں وہ عورت واپس نہیں ہو سکتی۔

اور ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) اور دیگر کبار علمائے امت کا بھی مسلک و مذہب یہی ہے کہ طلاق ثلاثہ مجتمعاً واقع ہوں تو وہ تین طلاق ہی شمار ہوں گی، ایک نہ ہوگی اور منکوحہ عورت مطلقہ مغلطہ ہو جائے گی اور مغلطہ طلاق کے احکام یہاں جاری ہوں گے۔

اگرچہ بعض صحابہ اور تابعین کے بعض اقوال اس مسلک کے خلاف پائے جاتے ہیں لیکن جمہور صحابہ اور اکثر علمائے امت کا مسلک و مذہب وہی ہے جو سطور بالا میں ذکر کر دیا ہے اور اسی پر ان کا اجماع ہے۔ چنانچہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ

...وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث-

(فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص ۲۵، ج ۳، تحت قوله وطلاق البدع، طبع مصر) اور امام نوای نے شرح مسلم میں یہی مسئلہ کچھ تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے:

...قال الشافعي ومالك وابو حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع ثلاث-

(شرح مسلم النوای ص ۴۷۸، جلد اول، طبع دہلی)

اسی طرح علامہ ابن المنذر النیشاپوری (المتوفی ۳۱۸ھ) نے اپنی تالیف ”الاجماع“ میں مسئلہ ہذا پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

۴۱۰ - واجمعوا على ان

الرجل اذا طلق امراته ثلاثا

انها لا تحل له الا بعد زوج

على ما جاء به حديث النبي

صلى الله عليه وسلم-

(الاجماع لابن بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری ص ۹۲، طبع مکران)

یعنی اس بات پر علماء نے اتفاق و اجماع کیا ہے کہ جب ایک شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں رہتی مگر کہ وہ دوسرے زوج کے ساتھ نکاح کرے جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے۔

قال طاؤس وبعض اهل الظاهر لا يقع بذلك الا واحده۔

(شرح مسلم للنوای ص ۴۷۸، جلد اول، طبع نور محمد دہلی)

مذکورہ بالا دونوں حوالہ جات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور جمہور علمائے امت سلف و خلف اسی طرف ہیں کہ یکجا تین طلاق مجتمعا دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔۔۔ مگر طاؤس اور بعض اہل الظاہر کہتے ہیں کہ اس طرح تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ (تین نہیں ہوتیں)

ذیل میں ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس مسئلہ میں فرامین ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مسئلہ ہذا کی وضاحت معلوم ہو سکے گی اور اکثر حضرات کا جو فیصلہ ہے، وہ سامنے آ جائے گا اور مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فیصلہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ امت کے لیے حجت شرعی ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور خادم جناب نافع رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

... قال ابن عمر طلق امراته ثلاثا فقد عصی ربه وبانت

امراته۔ (المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۱، ج ۵، کتاب الطلاق تحت من کرہ ان

یطلق امراته ثلاثا فی مقعد واحد)

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند سالم اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ

... عن ابن عمر قال من طلق امراته ثلاثا طلقت وعصی

ربه۔ (المصنف لعبد الرزاق ص ۳۹۵، ج ۶، روایت نمبر ۱۱۳۴۳ طبع مجلس علمی)

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں تو وہ عورت اس سے جدا ہو گئی۔ (تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں) اس صورت میں طلاق دہندہ نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جناب عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے واقع (بن سحبان) نے سوال کیا:

مفہوم یہ ہے کہ عمران بن الحصین سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں تو جناب عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس پر اس کی عورت حرام ہو گئی۔

... عن واقع (بن سحبان)
قال سئل عمران بن الحصین
عن رجل طلق امراته ثلاثاً فی
مجلس قال: اثم بربه وحرمت
عليه امراته۔ (المصنف لابن ابی شیبہ
ص ۱۰، ج ۵، کتاب الطلاق، تحت من کرہ ان
یطلق الرجل امراته ثلاثاً مقعد واحد)

عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

داؤد بن عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ

داؤد بن عبادہ کہتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی زوجہ کو ایک ہزار طلاق دی۔ پھر میرے والد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ہزار طلاق دینے کا واقعہ عرض کیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

... عن مبراہیم عن داود بن
عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال
طلق جدی امرأه الف تطليقه
فانطلق ابی الی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فذكر ذالك
له۔ فقال النبی صلی اللہ

عليه وسلم اما اتقى الله
جدك۔ اما ثلاث فله واما
تسع مائه وسبعه وتسعون
فعدوان وظلم ان شاء الله
عذبه وان شاء الله غفرله۔

نے فرمایا: کیا تیرے جد نے اللہ سے خوف
نہیں کیا؟ پھر فرمایا کہ ہزار طلاق میں سے
تین تو اس کے لیے واقع ہو گئیں اور باقی نو
صد ستانوے (۹۹) طلاقیں دینے میں اس
نے تجاوز اور ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو
اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف
فرمادے۔

- (۱) المصنف لعبد الرزاق ص ۳۹۳، ج ۶، روایت نمبر ۱۱۳۳۹، مجلس علمی۔
- (۲) السنن للدارقطنی ص ۲۰، ج ۳، جلد رابع ابحاث الطلاق، طبع مصر۔
- (۳) تفسیر مظہری لقاضی ثناء اللہ پانی پتی ص ۲۸۰، ج ۱، تحت الآیۃ الطلاق مرتان، پ ۲، طبع
دہلی۔

(۴) فتح القدیر شرح ہدایہ ص ۲۶، ج ۳، تحت قولہ طلاق البدعۃ، طبع مصر

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن علقمہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے
پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں
نے اپنی زوجہ کو ننانوے (۹۹) طلاقیں دے
دی ہیں اور میں نے لوگوں سے اس بارے
میں دریافت کیا ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ
میری زوجہ مجھ سے جدا ہو گئی (مجھ پر حرام
ہو گئی) تو اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا
کہ لوگ تیری زوجہ اور تیرے درمیان
تفریق کرنا پسند کرتے ہیں۔ اور پھر اس

عن علقمہ قال جاء
رجل الى ابن مسعود رضی اللہ عنہ
فقال انی طلقت امراتی تسعه
و تسعين وانی سالت فقیل
لی قد بانت منی۔ فقال ابن
مسعود رضی اللہ عنہ لقد احبوا ان
يفرقوا بینک وبينهما قال
فما تقول رحمک اللہ فظن
انه سيرخص له فقال ثلاث

شخص نے کہا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے
بتائیے آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟؟ سائل کہتا
ہے کہ مجھے گمان تھا کہ آنمو صوف شاید
مجھے اس معاملہ میں رعایت دیں گے مگر
جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین
طلاقوں سے تیری زوجہ تجھ سے جدا ہوگئی
(تجھ پر حرام ہوگئی) اور زائد طلاقیں تیری
طرف سے تجاوز اور عدوان ہے۔

تبينها منك وسائرها
عدوان۔ (۱) المصنف لعبد الرزاق،
ص ۳۹۵، ج ۶، روایت نمبر ۱۱۳۴، طبع
مجلس علمی۔ (۲) فتح القدير لابن ہمام شرح
ہدایہ ص ۲۵، ج ۳، تحت قولہ طلاق
البدعۃ، طبع مصر) ... عن علقمہ
عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ،
انہ سئل عن رجل طلق امراته
مائه قال ثلاث تبينها منك
وسائرها عدوان۔ (شرح معانی
الآثار للحاوی ص ۳۴، ج ۲، باب
الطلاق ثلاثہ وفتحہ)

تنبیہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مندرجہ بالا روایات جو درج کی ہیں،
ان میں اس بات کا اجمال ہے کہ یہ حکم عورت غیر مدخولہ کے لیے ہے یا مدخولہ کے
لیے ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ
مطلب یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ کے حکم
کے اعتبار سے عورت مدخولہ اور غیر مدخولہ
دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ طلاق ثلاثہ کی
صورت میں دونوں کا ایک حکم ہے کہ وہ
عورت اس شخص پر حرام ہو جاتی ہے۔

... عن زر عن عبد اللہ (بن
مسعود رضی اللہ عنہ) قال المطلقہ
ثلاثا قبل ان یدخل بہاء
بمنزلہ التی قد دخل بہا۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۳۵، ج ۷،

تحت کتاب الحلع والطلاق باب امضاء
الثلث وان كن مجموعات)
(اور بغیر تحلیل کے اس شخص کے نکاح میں
نہیں آسکتی)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کا فرمان

ایک دوسرے مقام میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ
... وفي الموطاء ايضا بلغه
ان رجلا جاء الى ابن مسعود
رضي الله عنه فقال اني طلقت امراتي
ثمانى تطلقات فقال ما
قيل لك؟ فقال قيل لي بانت
منك قال صدقوا هو مثل ما
يقولون وظاهره الاجماع على
هذا الجواب - (۱) الموطاء الامام
مالك، ص ۵۱۰-۵۱۱، كتاب الطلاق ما جاء
في التبت، طبع كراچی - (۲) فتح القدير لابن
همام شرح ہدایہ ص ۲۵، ج ۳، تحت قوله
وطلاق البدعة، طبع مصر
مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جناب
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور
اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو آٹھ (۸)
طلاقیں دے دی ہیں تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ
نے دریافت فرمایا کہ اس مسئلہ میں
دوسرے حضرات نے تیرے لیے کیا حکم دیا
ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرے لیے یہ کہا گیا
ہے کہ تیری عورت تجھ سے جدا ہو گئی ہے
تو جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان
حضرات نے سچ کہا ہے، یہ مسئلہ اسی طرح
ہے جس طرح انہوں نے کہا۔ صاحب فتح
القدير کہتے ہیں کہ ظاہرات یہ ہے کہ اس
جواب پر اس وقت اجماع ہو گیا تھا۔

ابو ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

محدثین نے مسئلہ ہذا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کا ایک واقعہ ذکر کیا
ہے کہ
معاویہ بن ابی عیاش الانصاری جناب عبداللہ بن الزبیر اور عاصم بن عمر کے

پاس بیٹھا ہوا تھا تو ان کے پاس محمد بن ایاس بن بکیر آیا اور اس نے کہا کہ اہل بادیہ میں سے ایک شخص نے اپنی عورت کو جو غیر مدخولہ ہے، تین طلاقیں دے دیں۔ آپ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟؟ تو عبداللہ بن الزبیر نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے متعلق ہمارے پاس کوئی قول نہیں پہنچا۔ تم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ۔ میں ان کو حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ جا کر ان دونوں سے سوال کرو اور پھر ہمارے پاس آنا اور ان کے جواب سے ہمیں مطلع کرنا۔ پس وہ شخص چلا گیا اور جا کر اس نے دونوں حضرات سے مسئلہ دریافت کیا۔

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! آپ اس مسئلہ کا فتویٰ دیں۔ یہ ایک مشکل چیز آپ کے سامنے آئی ہے۔ تو جواب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک طلاق عورت کو جدا کر دیتی ہے اور جو تین ہیں وہ عورت کو مرد پر حرام کر دیتی ہیں حتیٰ کہ وہ عورت ایک دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق حکم دیا۔ (اور اس کی تصدیق کی)

... فقال ابن عباس لابی ہریرہ افته یا اباہریرہ۔ فقد جاء تک معضله فقال ابوہریرہ الواحدہ تبینہا والثلاث تحریمہا حتی تنکح زوجا غیرہ۔ وقال ابن عباس مثل ذالک... الخ۔ (۱) موطا امام مالک ص ۲۰۸، طبع مجبائی دہلی ص ۵۲۱، طبع کراچی تحت طلاق البکر۔ (۲) موطا امام محمد ص ۲۵۹، طبع مصطفائی، باب الرجل مطلق امراتہ ثلاثا قبل ان یدخل بها۔ (۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۳۵، ج ۷، ماجاء فی امضاء الطلاق

(الثلاث، طبع دکن)

واقعہ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ اصغر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اکابر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے عند الضرورت مسائل میں رجوع فرمایا کرتے تھے اور ان کی تحقیق کو مقدم رکھتے تھے۔۔۔ اس موقعہ میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی اور اکابر کے فتویٰ پر اعتماد کیا۔

اور اس مقام میں امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں محمد بن ایاس بن البکیر والی روایت کے بعد اس بات کی تصریح کی ہے کہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ کو نقل کرنے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

(۱) سعید بن جبیر (۲) عطاء بن رباح (۳) مجاہد (۴) عکرمہ (۵) عمرو بن دینار (۶) مالک بن الحارث (۷) اور محمد بن ایاس بن البکیر وغیرہ۔

یہ تمام حضرات جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ یکجا و یکبارگی تین طلاق کو آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں ہی قرار دیا اور ان کا امضاء اور اجراء کیا (یعنی تین طلاقوں کو اس صورت میں ایک طلاق قرار نہیں دیا)

...فہذہ روایہ سعید بن جبیر وعطاء بن رباح ومجاہد وعکرمہ وعمر بن دینار ومالك بن الحارث ومحمد بن ایاس بن البکیر ورویناہ عن معاویہ بن ابی عیاش الانصاری کلہم عن ابن عباس انہ جاز الطلاق الثلاث وامضاہن۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۳۸، ج ۷، تحت باب من جعل الثلاث واحدۃ)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان

اسی سلسلہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزید چند ایک روایات محدثین نے ذکر کی ہیں، جن میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مسئلہ دریافت کیا گیا

تو آنجناب نے جواب میں فرمایا کہ جس شخص نے تین طلاقیں دی ہیں اس سے وہ عورت جدا ہو چکی ہے۔ جس شخص نے اپنی عورت کو تین یا اس سے زیادہ طلاقیں دیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہ عورت اس سے جدا ہو گئی۔ چنانچہ سعید بن منصور محدث نے اپنے السنن میں اس روایت کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

... عن الاعمش عن مالک بن الحارث قال جاء رجل الى ابن عباس رضي الله عنهما فقال ان عمه طلق امراته ثلاثا فاکثر فقال عصيت الله عزوجل وبانت منك امراتک ولم تنتق الله عزوجل فيجعل لک مخرجاً۔

(السنن لسعيد بن منصور الخراساني المكي المتوفى ۲۲۷ھ ص ۲۸۵ تحت باب التحدی

فی الطلاق، القسم الاول من المجلد الثالث طبع مجلس علمی کراچی)

روایت ہذا میں مدخولہ یا غیر مدخولہ کے لیے (طلاق ثلاث کا) ایک ہی حکم ہے کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ

اسی طرح دیگر محدثین نے بھی جناب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ اس مسئلہ میں ذکر کیے ہیں۔

چنانچہ ابو داؤد شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مجاہد سے روایت ذکر کی گئی ہے کہ

روایت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد

کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا۔ ان کے ہاں ایک شخص آیا اور اس نے آکر کہا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو ابن عباس

... عن مجاهد قال كنت

عند ابن عباس فجاءه رجل فقال انه طلق امراته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم

فیرکب الحموقہ ثم یقول
یا ابن عباس یا ابن عباس وان
اللہ قال ومن یتق اللہ یجعل
لہ مخرجاً وانک لم تتق اللہ
فلا اجد لک مخرجاً۔
عصیت ربک وبانت منک
امراتک... الخ۔ (۱) ابوداؤد شریف
ص ۳۰۶، تحت بقیہ نسخ المراجعہ بعد
التعلیقات الثلاث، طبع دہلی۔ (۲) فتح
القدیر شرح ہدایہ ص ۲۵، ج ۳، تحت قولہ
وطلاق البدعۃ، طبع مصری۔

رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ میں نے گمان کیا کہ
آپ رضی اللہ عنہ اس کو رد کر دیں گے۔ پھر ابن
عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص سواری
پر سوار ہو کر آتا ہے پھر کہتا ہے کہ اے ابن
عباس، اے ابن عباس۔ پس اللہ تعالیٰ نے
فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف کرے اور
ڈرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے خروج کی کوئی
صورت پیدا کر دیتے ہیں اور اے شخص تو
نے اللہ سے خوف نہیں کیا، پس میں تیرے
لیے کوئی مخرج نہیں پاتا۔ اپنے رب کی تو نے
نافرمانی کی ہے اور تیری عورت تجھ سے جدا
ہو چکی ہے۔ (حرام ہو گئی ہے)

یہاں محدث ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے مذکورہ روایت میں راوی مجاہد مذکور کے بہت
سے متابعات (قریباً چھ سات) ذکر کیے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ان سب متابعات
میں یہ مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے
تینوں طلاقوں کو جائز رکھا اور فرمایا کہ
عورت تجھ سے جدا ہو چکی ہے (اور یہ حکم
نہیں دیا کہ یہ ایک طلاق ہے)

... کلہم قالوا فی الطلاق
الثلاث انہ اجازہا قال وبانت
منک۔ (۱) امصاھا ولم یقل
انہا واحده (ابوداؤد شریف
ص ۳۰۶، تحت بقیہ نسخ المراجعہ بعد
التعلیقات الثلاث، طبع مجبائی، دہلی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ، کافرمان

نیز الموطاء لامام مالک میں اور معانی الآثار للحاوی دونوں میں ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ کلمات ذیل کے ساتھ مذکور ہے:

... مالک انہ بلغہ ان رجلا
قال لابن عباس انی طلقت
امراتی مائہ تطلیقہ فماذا
تری علی۔ فقال له ابن عباس
طلقت منک ثلاث وسبع
وتسعون اتخذت بها آیات
اللہ ہزوا۔

مطلب یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ
علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی
روایت میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت
میں آکر کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو عدد
طلاق دی ہے۔ آپ میرے متعلق کیا حکم
دیتے ہیں تو آنجناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
فرمایا کہ تین طلاقوں کے ساتھ تجھ سے
عورت جدا ہوگئی اور باقی ستانوے عدد
طلاق سے تو نے اللہ کی آیات کا تمسخر کیا۔

(۱) (الموطا للامام مالک ص ۹۹۹ کتاب الطلاق ما جاء فی البیت، طبع مجتبائی دہلی۔

(۲) شرح معانی الآثار الطحاوی ص ۳۳ ج ۲، باب التعلیقات ثلاث دفعات۔

(۳) تفسیر مظہری ص ۲۸۰ ج ۱ تحت الآیۃ الطلاق مرتان، طبع دہلی (از قاضی ثناء اللہ پانی

پتی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

اب اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک دوسرے شاگرد عطا
سے روایت ذکر کی جاتی ہے کہ

... عن عطا عن ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال
اتاہ رجل فقال انی طلقت
امراتی ثلاثا قال یذهب

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس
رضی اللہ عنہ کے شاگرد عطا جناب ابن عباس
رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس
ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے

ایک تائید

ما قبل میں ہم نے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد اقوال و فرائین ذکر کیے ہیں اور جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فرمودات آئندہ سطور میں پیش کر رہے ہیں۔ ان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ مذکور ہے کہ طلاق دہندہ اگر یکدم ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں (ان کو ایک طلاق قرار نہیں دیا جاسکتا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایسے مواقع میں فرمایا کرتے تھے کہ

...عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال کنا اذا اتانا الثبت عن علی رضی اللہ عنہ لم نعدل بہ۔
مطلب یہ ہے کہ جب ہمیں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک فیصلہ شدہ اور ثابت شدہ چیز حاصل ہو جائے تو ہم اس کے برابر کسی چیز کو قرار نہیں دیتے۔

(جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر ص ۵۸ تحت باب اجتہاد الرا۱ علی الاصول، الخ) یہاں سے واضح ہوا کہ مسئلہ مذکورہ طلاق ثلاثہ کے معاملہ میں بھی جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو مقدم جانتے تھے۔

مزید تائید

عبداللہ بن عباس کا شرعی مسائل میں طریق کار

علامہ بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ میں مسئلہ ذکر کیا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ہاشمی) سے جب کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو آپ اس کا فیصلہ اگر کتاب اللہ میں موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں ہے اور سنت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا تو سنت نبوی کے مطابق قول کرتے اور اگر وہ مسئلہ نہ تو کتاب اللہ میں ہوتا اور

نہ ہی سنت رسول اللہ میں پایا جاتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمودات میں پایا جاتا تو آنمو صوف ان حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق عمل کرتے۔

اور اگر مذکورہ بالا تینوں صورتیں موجود نہ ہوتیں تو پھر اپنی مجتہدانہ رائے پر عمل کرتے تھے۔

..... عن عبید اللہ بن ابی یزید قال سمعت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا سئل عن شیئی ہو فی کتاب اللہ قال بہ - واذا لم یکن فی کتاب اللہ وقالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بہ - وان لم یکن فی کتاب اللہ ولم یقلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما قال بہ - والا اجتہد رایہ -

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۹۱۵ ج ۲، کتاب آداب القاضی، طبع قدیم، دکن)

مطلب یہ ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس طریق کار کے ذریعہ ثابت ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے فیصلوں پر عمل درآمد کرتے تھے اور یکبارگی طلاق ثلاثہ کو تین طلاقیں ہی شمار کرتے تھے، ان کو ایک طلاق قرار نہیں دیتے تھے۔

تنبیہ

ہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ اور فرامین کو گزشتہ صفحات میں متعدد باسند محدثین اور فقہاء کرام کے ذریعے نقل کیا ہے۔

اس میں مقصد یہ ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مسئلہ میں فیصلہ یہ ہے کہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ جب اس کو تین طلاقیں یکجا مجتمعاً اپنا

خلوند دے دے تو وہ ایک طلاق نہیں ہوتی بلکہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے اور بغیر تحلیل کے اس کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔

علامہ زاہد الکوثریؒ نے الاشفاق میں لکھا ہے کہ

... وقد تواتر عن ابن عباس
انہ یری ان الطلاق الثلاث
بلفظ واحد يقع ثلاثا وقد
سبق روايته ذالك عنه۔
بطریق عطاء وعمر بن دینار
وسعید بن جبیر ومجاہد
وغیرہم۔ بل بطریق طاوس
نفسہ۔ (الاشفاق علی احکام الطلاق
علامہ زاہد الکوثریؒ، ص ۵۵، طبع کراچی)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس
رضی اللہ عنہ سے یہ بات بہ تواتر منقول ہے کہ
ایک لفظ سے تین طلاق دینے سے تین
طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں اور یہ مسئلہ
جناب ابن عباس سے نقل کرنے والے
عطاء عمرو بن دینار، سعید بن جبیر، مجاہد
وغیرہم ہیں بلکہ ایک طریق سے ابن عباس
رضی اللہ عنہ سے طاوس خود بھی اسی مسئلے کے
ناقل ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محدث عبدالرزاق نے اپنے تصنیف میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ
ہذا میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ

... ابراہیم بن محمد عن
شریک بن ابی نمر قال جاء
رجل الی علی فقال انی
طلقت امراتی عدد العرفج۔
قال تاخذ من العرفج ثلاثا
وتدع سائرہ۔ قال ابراہیم

روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ شریک
بن ابی نمر کہتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ
رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا
اور کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو عرفج کے عدد
کے برابر طلاق دے دی ہے۔ (عرفج ایک
پودا ہے جو بہت جلدی جلنے والا ہے اور

ابو الحویرث عن عثمان بن عفان مثل ذالك۔
(المصنف لعبد الرزاق ص ۳۹۴، ج ۶،
روایت نمبر ۱۱۳۴، طبع مجلس علمی، کراچی)
یہاں اس سے مراد کثیر تعداد ہے) اس پر
جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا کہ اس تعداد
میں سے تین طلاق تو نے اخذ کر لی ہیں اور
باقی تمام تو نے ترک کر دی ہیں۔
ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے ابو الحویرث نے بتایا کہ جناب عثمان بن عفان رضی
اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مسئلہ اسی طرح منقول ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا فرمان

کتاب الکفایہ للعلیہ بغدادی میں روایت ہے کہ اعمش کہتے ہیں کہ کوفہ کے
ایک شیخ نے ایک تحریر میرے سامنے پیش کی اس میں درج تھا کہ

... فاخرج الی کتابہ اذا فیہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم ہذا
ما سمعت من علی بن ابی
طالب رضی اللہ عنہ یقول اذا
طلق الرجل امراتہ ثلاثا فی
مجلس واحد فقد بانت منه
(ولا تحل لہ حتی تنکح زوجا
غیرہ)
روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مسئلہ
راوی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا
ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب ایک آدمی اپنی
عورت کو مجلس واحد میں تین طلاق دے
دے تو وہ عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے
(اور وہ عورت اس شخص پر حلال نہیں ہے
جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے
نکاح کر لے)

(کتاب الکفایہ فی علم الروایۃ للعلیہ بغدادی ص ۱۵۰، تحت باب روحدیث من عرف،
قبول للتلقین)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا فرمان دیگر

صاحب فتح القدیر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک دیگر روایت بہ

عبارت ذیل نقل کی ہے کہ

...وروی وکیع عن الاعمش
ان حبیب بن ثابت قال جاء
رجل الی علی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ بن ابی طالب فقال
انی طلقت امراتی الفافقال
لہ علی بانت منک بثلاث
واقسم لسائرہن علی
نسائک۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حبیب بن ثابت
کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر
ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی عورت
کو ایک ہزار طلاق دی ہے تو جناب علی
المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فرمایا
کہ تیری عورت تجھ سے تین طلاق سے
جدا ہو چکی ہے اور باقی طلاقوں کو اپنی
دوسری عورتوں پر تقسیم کر دے۔

(۱) فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص ۲۵-۲۶ ج ۳، تحت قولہ طلاق البدعۃ، طبع مصر۔

(۲) سنن کبریٰ بیہقی ص ۳۳۵ جلد سابع میں بھی قلیل تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تین طلاق یکجا اور یکبارگی دی جائیں تو وہ تین طلاق ہی واقع
ہو جاتی ہیں، ایک طلاق شمار نہیں کی جاتی۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نیز اسی مقام میں ابن ہمام نے اس مسئلہ کے متعلق جناب عثمان بن عفان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

...وروی وکیع ایضا عن
معاویہ بن ابی یحییٰ قال جاء
رجل الی عثمان بن عفان
فقال طلقت امراتی الفاف۔
فقال بانت منک بثلاث۔

مطلب یہ ہے کہ معاویہ بن ابی یحییٰ
کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص
حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو ہزار
طلاق دے دی ہے تو جواب میں جناب

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیری زوجہ تجھ سے
تین طلاق سے ہی جدا ہو گئی۔

- (۱) فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص ۲۶، ج ۳، تحت قولہ طلاق البدعۃ، طبع مصر۔
(۲) مرقات شرح مشکوٰۃ لعلی القاری ص ۲۹۵، ج ۶، باب الحلع والطلاق الفصل الثالث، طبع
ملتان۔

حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا فرمان اور فیصلہ

محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض وجوہ
کی بنا پر اپنی ایک بیوی کو تین طلاق دے دی پھر اس کے بعد انہیں اس بات پر
افسوس ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے عدم رجوع پر مندرجہ ذیل روایت ذکر
فرمائی:

مطلب یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے باپ سے یا
جد سے یہ بات نہ سنی ہوتی کہ وہ فرماتے
تھے کہ جس شخص نے اپنی عورت کو تین
طہروں میں تین طلاقیں دے دیں یا یکبار
تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت اس کے
لیے حلال نہیں رہتی حتیٰ کہ دوسرے زوج
کے ساتھ نکاح کرے تو میں رجوع کر لیتا۔

...ثم قال لولا انی سمعت
جدی او حدثنی ابی انه سمع
جدی یقول ایما رجل طلق
لأمراته ثلاثا عند الأقراء او ثلاثا
مبهمه لم تحل له حتی
تنکح زوجا غیره لراجعتهـ

(۱) السنن للدارقطنی ص ۲۳۷-۲۳۸، طبع دہلی، ص ۳۰، ۳۱، طبع مصر، جلد چہارم۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۳۶، ج ۷، تحت باب امضاء الثلاث وان کن مجموعات

مطلب یہ ہے کہ تین طلاق یکبارگی تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ وہ ایک طلاق شمار
نہیں ہوتی اور بغیر تحلیل کے زوج اول کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔

اس بنا پر رجوع کرنے کی اب کوئی صورت نہیں رہی۔

الانتباہ

مسئلہ طلاق ثلاث کے متعلق ہم نے گزشتہ صفحات میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال فرامین اور ان کے فتاویٰ درج کیے ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں طلاق ثلاث کو ایک کلمہ کے ساتھ واقع کر دے تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (ان کو ایک طلاق نہیں قرار دیا جاتا)

اور ان حضرات کا اس فیصلہ پر اجتماع کر لینا ہمارے لیے دلیل اور حجت شرعی ہے۔ چنانچہ اس دور کے نامور عالم کبیر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے یہی تحقیق بہ عبارت ذیل درج کی ہے:

... فہولاء فقہاء الصحابہ امثال عمرو علی و عثمان
وابن مسعود وابن عمرو و عبداللہ بن عمرو و عبادہ بن
الصامت و ابی ہریرہ و ابن عباس و ابن الزبیر و عاصم بن
عمرو و عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کلہم متفقون
علی وقوع الثلاث ولو نطق بہا الرجل فی مجلس واحد
وکفی بہم حجتہ واستنادا۔

(عکملہ فتح الملہم از حضرت مولانا تقی عثمانی ص ۱۵۸ ج اول تحت مسئلہ ہذا، طبع کراچی)

جمہور صحابہ کرام کے مسلک کی تائید

گزشتہ صفحات میں مسئلہ طلاق ثلاثہ کے متعلق جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں ایک کلمہ سے ایک ہی وقت میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دے تو وہ تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

(وہ ایک طلاق شمار نہیں کی جاتی)

اس موقف کی تائید میں بعض مرفوع احادیث دستیاب ہوتی ہیں۔ ان احادیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک مرفوع روایت درج ذیل ہے:

مسلم شریف میں ہے کہ

اس مرفوع روایت کا مطلب یہ ہے کہ ... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دیں تو اس نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا مگر اس دوسرے خاوند نے اس عورت کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دی۔ ان حالات میں اس عورت کے پہلے خاوند نے اس سے دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ جب اس سلسلہ میں جناب نبی اقدس ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آنجناب ﷺ نے فرمایا، بالکل نہیں۔ زوج اول اس عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ دو سرا زوج اس عورت سے جماع نہ کر لے۔

... عن عائشہ قالت طلق رجل امراته ثلاثا فتزوجها رجل ثم طلقها قبل ان يدخل بها۔ فاراد زوجها الاول ان يتزوجها۔ فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال لا۔ حتى يذوق الاخر من عسلتها۔ ما ذاق الاول۔ (مسلم شریف ص ۴۶۳، جلد اول، باب لا تحل المعلقة ثلاثا لمطلقها حتى يتكح زوجها غيره، دہلی)

اس روایت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں (یکبارگی) واقع اور نافذ ہو جاتی ہیں اور تین ہی شمار ہوتی ہیں اور وہ عورت طلاق دہندہ اول پر حرام ہو جاتی ہے کیونکہ آنجناب ﷺ نے ان تین طلاقوں پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی رد فرمایا بلکہ ان کا نفاذ برقرار رکھا اور حکم مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔ اگر تین طلاقیں اجتماعی

طور پر ناجائز اور حرام ہوتیں تو جناب نبی کریم ﷺ اس پر خاموشی اختیار نہ فرماتے۔
 نیز اسی مضمون کی ایک روایت بخاری شریف جلد ثانی صفحہ ۷۹۱، باب من
 اجاز طلاق الثلاث میں موجود ہے اور السنن الکبریٰ للبیہقی جلد سابع، صفحہ ۳۳۴ پر
 باب ما جاء فی امضاء الطلاق الثلاث۔۔۔ الخ میں بھی موجود ہے۔ ناظرین کرام تسلی
 خاطر کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

ازالہ شبہات

بحث ہذا کے سلسلے میں اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے احباب اپنی تائید
 میں بعض روایات پیش کرتے ہیں اور عہد نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
 کے عہد کے بعض واقعات ذکر کرتے ہیں۔۔۔ ان کے زعم میں یہ ان کے مؤید ہیں۔
 پس ان روایات کے جواب میں رفع شبہات کے طور پر کلام کرنا مناسب خیال کیا
 ہے۔

اکابر علماء کرام نے جو چیزیں ان روایات کے جوابات کے درجہ میں ذکر کی ہیں
 ان کو ایک ترتیب کے ساتھ ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ قابل جواب روایات پہلے
 ملاحظہ فرمادیں۔ چنانچہ طاؤس سے مروی روایات اس طرح ہیں کہ

○ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد شاگرد ہوئے ہیں۔ ان
 میں سے ایک شاگرد طاؤس بن کیسان ہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ ہذا کو
 آنمو صوف کے دیگر شاگردوں اور راویوں کے برخلاف بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ طاؤس بن کیسان جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں ذکر کرتے ہیں کہ
 ابوالصبراء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ پر ایک موقعہ پر بطور سوال کہا کہ آپ جانتے نہیں کہ
 جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور
 عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد کے ابتدائی سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا
 جاتا تھا؟؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔

○ اور ایک دوسری روایت میں طاؤس جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر کے عہد میں اور دو تین سال تک خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”لوگوں نے اس معاملہ میں جلد بازی اختیار کر لی ہے۔“ الخ۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کی بجائے تین طلاق ہی کا نفاذ اور اجراء کر دیا۔

الجواب

اکابر علماء نے طاؤس بن کسبان کی جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان مرویات کا متعدد طریق سے جواب ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ان میں سے چند ایک چیزیں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، ان پر غور فرمائیں ان شاء اللہ تعالیٰ موجب اطمینان ہوں گی۔

مفسرین میں ایک قدیم عالم ابو جعفر النحاس المتوفی ۳۳۸ھ انہوں نے النسخ والمنسوخ میں یہ چیز اس طرح لکھی ہے کہ طاؤس اگرچہ صالح شخص ہے لیکن اس کے ہاں بعض منکر روایات بھی ہیں جن کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کردی ہے اور اہل علم نے ان منکر روایات کو قبول نہیں کیا۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ طاؤس ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتا ہے کہ ایک شخص نے اگر اپنی زوجہ کو کہا کہ تجھے تین طلاق ہیں تو اس صورت میں زوجہ کو ایک طلاق پڑے گی۔

طاؤس کے بغیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا آدمی اس کو نہیں نقل کرتا۔ حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں سے صحیح یہ بات مروی ہے کہ اس عورت کو تین طلاقیں ہو گئی ہیں۔ (ایک طلاق نہیں ہے) جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد۔۔۔ الخ

...وطاؤس ان کان رجلاً صالحاً فعنده عن ابن عباس

رضی اللہ عنہ مناکیر یخالف علیہا ولا یقبلہا اہل العلم منها
انہ روٰی عن ابن عباس انہ قال فی رجل قال لامراتہ انت
طالق ثلاثا انما تلزمہ واحدہ ولا یعرف ہذا عن ابن عباس
الا من روایتہ والصحیح عنہ وعن علی بن ابی طالب رضی
اللہ عنہ انہا ثلاث کما قال اللہ (فان طلقہا فلا تحل لہ
من بعد) الثالثہ۔

(النسخ والمنسوخ لابی جعفر النخاس ص ۶۹ تحت باب ذکر الآیہ الثالثہ والعشرین محمد

بن احمد بن اسماعیل الصفار)

مندرجہ بالا روایت کے ذریعے واضح ہو گیا کہ طاؤس کے ذریعے جناب ابن
عباس رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں جو مرویات ہیں، انہیں قدیم زمانہ سے علماء نے قبول
نہیں کیا اور ان کے منکر ہونے کا قول کر دیا ہے اور معروف روایات کے مقابلہ میں
منکر روایت کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ طاؤس کی روایت کو ثقات کے مقابلہ میں شاذ کہا
جائے گا اور الثقہ اذا شذ لا یقبل ما شذ فیہ۔

○ پانچویں صدی ہجری کے مشہور فاضل ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ

... وروٰی عن ابن عباس	اس کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق ثلاث کے
جماعہ من اصحابہ خلاف ما	مسئلہ پر طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو
روی طاؤس فی طلاق ثلاث۔	نقل کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دیگر
انہا لازمہ فی المدخول بہا	شاگردوں کی ایک جماعت نے اس کے
وغير المدخول بہا انہا ثلاث	خلاف ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورت
لا تحل لہ حتی تنکح زوجا	مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اس کے حق میں
غیرہ۔ وعلیٰ ہذا جماعہ	طلاق ثلاثہ تین ہی واقع ہو جاتی ہیں اور وہ
العلماء والفقہاء بالحجاز	دوسرے شخص سے نکاح کیے بغیر طلاق
والعراق والشام والمشرق	دہندہ کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ طلاق

والمغرب عن اهل الفقه والحديث وهم الجماعه والحجه... الخ
(التمیذ لابن عبدالبر ص ۳۷۸، ج ۲۳، طبع مکہ مکرمہ)
کے ثلاث ہونے پر حجاز عراق اور شام کے علماء اور فقہاء کی ایک جماعت متفق ہے اور اسی طرح مشرق و مغرب کے اہل فقہ اور اہل حدیث اس کے قائل ہیں اور وہ ایک جماعت ہیں اور حجت ہیں۔

اور امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی اس جماعت کی تفصیل دی ہے جنہوں نے طاؤس کی روایت کے خلاف ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہیں:

سعید ابن جبیر، عطاء بن رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار، و مالک بن الحارث، محمد بن ایاس بن البکیر، معاویہ بن ابی عیاش الانصاری۔۔۔ کلہم عن ابن عباس انہ اجاز الطلاق الثلاث وامضاهن۔

(السنن الکبریٰ ص ۳۳۸، ج ۷، طبع دکن اور ابن قدامہ نے المغنی ص ۳۰۳، جلد سابع میں تحت مسئلہ ہذا کی یہی تحقیق نقل کی ہے) یعنی اب سب حضرات نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں اور ان کو نافذ کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طاؤس کے بغیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے باقی شاگردوں کی اس جماعت کثیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان یہی نقل کیا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی شمار جاتی ہیں۔ (ان کو ایک طلاق نہیں بتایا گیا)

گویا کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی جماعت کثیرہ کے مقابلہ میں طاؤس کا یہ بیان متفردانہ ہے اور دوسرے ثقات کے مقابلہ میں افراد کو شاذ کہا جاتا ہے۔

طاؤس کی روایت کاشدوز

○ ابن عبدالبر نے اس مقام میں ایک دیگر اہم چیز ذکر کی ہے کہ طاؤس (ابن کیسان) اپنی جلالت شان کے باوجود بعض دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شاذ روایات بھی ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں اس نے دو عدد روایتیں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شاذ نقل کی ہیں۔ ایک روایت خلع کے مسئلہ میں ہے اور دوسری روایت اجتماعی طلاق ثلاثہ کو ایک قرار دینے کے معاملہ میں ہے۔

... ولطاؤس مع جلالتہ روایتان شاذتان عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ہذہ احداہما فی الخلع والاخری فی الطلاق الثلاث المجتمعات انہا واحدہ۔

(کتاب التمهید لما فی الموطاء من المعانی والاسانید ص ۳۷۸، ج ۲۳، طبع مکتہ المکرّمہ) معلوم ہوا کہ اس فن کے علماء کے نزدیک اجتماعی طلاق ثلاثہ کو واحد قرار دینے والی طاؤس کی یہ روایت بمنزلہ شاذ کے ہے اور شاذ روایت کے متعلق علماء نے یہ قاعدہ لکھا ہے کہ

...الثقة اذا شذ لا يقبل ما یعنی اگر ثقہ راوی شاذ روایت لائے تو شذ فیہ۔ وہ قبول نہیں کی جاتی۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸، ج ۶، طبع مکتان)

دیگر طریقہ

طاؤس کی مذکور روایت کے متعلق علماء نے ایک دوسرے طریقہ سے کلام کیا ہے۔ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں لکھا ہے کہ

... وافتی ابن عباس رضی اللہ عنہ بخلاف ما رواہ عنہ طاؤس۔

(المغنی لابن قدامہ الحنبلی ص ۳۰۳-۳۰۴، ج ۳، طبع قدیم، مصری)

... فاما حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ، فقد صحت الروایتہ عنہ

بخلافہ وافتی ایضا بخلافہ۔

(تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص ۲۷۹، جلد اول، تحت الطلاق مرتان، طبع دہلی)
مطلب یہ ہے کہ طاؤس کی روایت کے خلاف خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ موجود ہے۔ اور ان کا قول بھی اس کے برعکس پایا جاتا ہے۔ (جیسا کہ اقوال صحابہ کے مقام میں گزشتہ صفحات میں اس چیز کو تفصیلاً درج کر دیا گیا) وہاں حوالہ جات ہم نے درج کر دیئے ہیں۔

پس جبکہ طاؤس کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ اور قول کے خلاف پائی گئی تو یہاں ترجیح قائم کرنا متعین ہوگی۔ اس بنا پر کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی چیز انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہنچی ہو اور پھر اس کے خلاف کر دیں۔

چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ

...عن ابن المنذر انه لا يظن بابن عباس انه يحفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم شيئا ويفتي بخلافه فتعين المصير الى الترجيح والاخذ بقول الاكثر اولى من الاخذ بقول الواحد اذا خالفهم۔
یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اکثر شاگردوں اور راویوں کے قول کو لیا جائے گا اور ایک راوی کے قول کو (جبکہ وہ اکثر کی مخالفت میں ہے) مرجوح قرار دے کر متروک سمجھا جائے گا۔

(۱) فتح الباری ص ۲۹۸ جلد تاسع، تحت من جوز طلاق الثلاث۔

(۲) بذل الجہود (فی حل ابی داؤد) ص ۶۳ ج ۳، تحت بحث ہذا

حاصل یہ ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کا طاؤس والی روایت کے خلاف فتویٰ کا پایا جانا یہ اس بنا پر ہے کہ ان کے لیے اصل معنی ظاہر اور واضح ہو گیا تھا کیونکہ روایت کا راوی اعلم ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ جو اس نے روایت کی ہے۔

صاحب روایت کا اپنی مروی کے خلاف قول و عمل

جب صاحب روایت سے اپنی مروی کے خلاف قول و عمل پایا جائے تو ایسے مواقع میں علمائے اصول اس کو مستقل بحث کی صورت میں ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ شمس الائمہ السرخی نے یہ چیز اپنے اصول میں بہ عبارت ذیل ذکر کی ہے کہ

... او یکون ذالک منہ علی انہ علم انتساخ حکم

الحديث۔ وهذا احسن الوجوه۔ فيجب الحمل عليه

تحسينا للظن براويته وعمله..... وعلم انه منسوخ

فافتى بخلافه او عمل بالناسخ دون المنسوخ۔

(اصول السرخی ص ۶۹ ج ۲، فصل فی الخبر ملحقہ التکذیب... الخ، طبع دکن)

اس کا حاصل یہ ہے کہ راوی کا قول و عمل اپنی مروی چیز کے برخلاف پایا جائے تو اس کو اس چیز پر محمول کرنا واجب ہے کہ راوی کو سابق حدیث کے حکم کے منسوخ ہونے کا علم ہو گیا ہے۔ یہ ایک بہتر توجیہ ہے کہ راوی کی روایت اور اس کے عمل کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس طرح روایت کا محمل بنایا جائے۔

تھوڑا سا آگے چل کر پھر یہی مسئلہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

جب صاحب روایت کو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کا حکم منسوخ ہو گیا ہے تو اس بنا پر اس نے سابق حکم کے مخالف فتویٰ دے دیا یا یوں کہیے کہ راوی نے نسخ پر عمل کیا اور منسوخ کو ترک کر دیا۔

یہ توجیہ اس مقام میں اس صورت میں کی جائے گی جبکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بقول طاؤس ابن عباس سابقا اس مسئلہ میں ایک طلاق کے جواز کے قائل تھے اور بعد میں انہوں نے اس مسئلہ میں یہ قول اختیار کیا کہ تین طلاق یکبارگی کہنے سے تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آنمو صوف کو سابق قول کے متروک و منسوخ ہونے کا علم ہو گیا۔ تو اس بنا پر انہوں نے بعد میں یہ صورت اختیار کی اور سابق قول کو ترک کر دیا۔

علماء کا کلام

طاؤس کی وہ روایت جس میں الصبیاء کا سوال ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے۔۔۔ اس روایت پر کبار علماء کا کلام پایا جاتا ہے۔

چنانچہ صاحب الجوہر النقی نے مندرجہ ذیل عبارت میں اس پر بحث کی ہے۔

...وذكر صاحب الاستذكار

ان هذه الروايه وهم وغلط - لم

يعرج عليها احد من

العلماء - وقد قيل

ابو الصهباء لا يعرف في

موالي ابن عباس وطاوس يقول

ان ابو الصهباء مولا له ساله عن

ذاك - ولا يصح ذاك عن

ابن عباس لروايه الثقات عنه

خلافه - ولو صح عنه ما كان

قوله حجه على من هو من

الصحابه اجل واعلم منه وهم

عمر و عثمان و علي و ابن

مسعود و ابن عمر رضي الله

تعالى عنهم وغيرهم - (الجوهر

النقي لعلی بن عثمان المارونی

ص ۳۳۷-۳۳۸، ج ۷، تحت باب من

حمل الثلاث واحدة)

فرماتے ہیں کہ صاحب "استذکار" نے

یہ بات درج کی ہے کہ اس روایت میں

وہم راوی ہے اور اس میں انتساب غلط

ہے۔ اور بعض کی طرف سے یہ بات کہی گئی

ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موالی میں

ابو الصهباء غیر معروف شخص ہے۔ اور

طاؤس کہتا ہے کہ ابو الصهباء ابن عباس کا

مولیٰ ہے اور اس نے اس مسئلہ میں ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ یہ بات صحیح

نہیں اس لیے کہ ابن عباس سے ثقات

راوی اس کے خلاف ذکر کرتے ہیں۔ اور

بالفرض یہ بات جو طاؤس نے ابن عباس

سے نقل کی ہے اگر صحیح ہو تب بھی ان کا

قول قابل حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں پر جو

مرتبے میں ان سے بڑے اور علم میں زیادہ

ہیں وہ حضرات یہ ہیں: عمر، عثمان، علی، ابن

مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مختصر یہ ہے کہ ان اکابر حضرات کے قول کو ترجیح ہوگی اور ان کے قول کو مقدم رکھا جائے گا۔

ایک انکشاف

○ اور الفاضل زاہد بن الحسن الکوثری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”الاشفاق علی احکام الطلاق“ میں مزید ایک عجیب بات کا انکشاف کیا ہے کہ

... قال الحسين بن علي الكرابيسي ”في ادب القضاء“ اخبرنا علي بن عبد الله (وهو ابن المديني) عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاوس عن طاوس انه قال من حدثك عن طاوس انه كان يروي طلاق الثلاث واحده كذبه۔

دوسرے مقام میں بھی یہ ذکر کیا ہے کہ

... ابن طاوس (عبد الله) راوی هذا الخبر عن ابيه كذب من نسب الى والده ان الثلاث واحده۔

(الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۳۹، و ص ۵۵، طبع کراچی)

فاضل الکوثریؒ کی ان ہر دو عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ... ”طاؤس کے فرزند (عبد اللہ) اپنے مخاطب کو کہتے ہیں کہ جس شخص نے تجھے میرے والد (طاؤس) سے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے تھے تو اس نے جھوٹ کہا ہے اور غلط انتساب کیا ہے۔“

گویا کہ خبر ہذا کے راوی نے اس کے انتساب کی تغلیط کر دی کہ طاؤس اس بات کے قائل نہ تھے، بلکہ وہ تینوں کو تین طلاق ہی کہتے تھے۔

یہ چیز نہایت قابل غور ہے کیونکہ اس طریقہ سے تو طاؤس کی ان مرویات کی

بحث ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حاجت ہی نہیں رہتی۔

روایات رکنہ پر بحث

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات میں سے ایک وہ مرفوع روایت بھی ہے جسے حدیث رکنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رکنہ بن عبد یزید نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر وہ اپنے اس فعل پر نادم اور متاسف ہوا۔ اس کے بعد رکنہ نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکنہ سے حلف کے ساتھ استفسار فرمایا کہ تو نے اپنے الفاظ کے ساتھ کیا ارادہ کیا تھا؟ تو رکنہ نے عرض کیا کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ تو اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نکاح جدید کے ساتھ رجوع کرنے کی اجازت دے دی۔

اس روایت کی روشنی میں بعض لوگ یہ مسئلہ تجویز کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو یکبارگی تین طلاق دے دے تو وہ نکاح جدید کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے۔ (تحلیل کی ضرورت نہیں)

الجواب

رکنہ کی روایت کے متعلق علماء نے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں، ان میں سے امام النووی کا کلام جو انہوں نے اس روایت پر کیا ہے، وہ پہلے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)

امام النووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ

... واما الراویہ التی رواها
المخالفون ان رکانه طلق
ثلاثا فجعلها واحده فراویہ
ضعیفہ عن قوم مجهولين
وانما الصحيح منها ما
قدمناه انه طلقها البتہ ولفظ
البتہ محتمل للواحدہ
وللثلاث ولعل صاحب هذه
الروایہ الضعیفہ اعتقد ان
لفظ البتہ يقتضی الثلاث
فرواه بالمعنی الذی فهمہ
وغلط فی ذالک۔ (النواوی شرح
مسلم شریف ص ۴۷۸، ج اول، تحت
روایت مذکورہ باب طلاق الثلاث، طبع
نور محمدی، دہلی)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ رکانہ کی
روایت جس میں اس نے تین طلاق دے
دی تھیں اور پھر اس نے اس کو ایک طلاق
بنایا۔ مخالفین نے اپنی تائید میں یہ روایت
پیش کی ہے۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے
اور مجہول لوگوں سے منقول ہے۔۔۔ اس
میں صحیح بات یہ ہے جو ہم نے قبل ازیں
ذکر بھی کی ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو
”البتہ“ کے لفظ کے ساتھ طلاق دی تھی۔
البتہ کا لفظ ایک طلاق اور تین طلاق دونوں
معانی کے لیے محتمل ہے۔۔۔ تو اس ضعیف
روایت کے راوی نے اعتقاد کیا کہ لفظ
”البتہ“ تین طلاق کا مقتضی ہے۔ چنانچہ
اس نے بالمعنی روایت کرتے ہوئے یہی
سمجھا اور اس میں غلطی کی۔

مطلب یہ ہے کہ رکانہ نے تین طلاق نہیں دی تھیں بلکہ البتہ کے لفظ سے
طلاق دی اور ایک طلاق کا ارادہ کیا۔



جس طرح امام النواوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت (رکانہ والی) پر کلام کیا ہے
اسی طرح صاحب فتح القدیر ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کبار نے بھی اس
پر نقد کیا ہے اور دیگر روایات کی روشنی میں انہوں نے روایت کی عمدہ تشریح کر دی
ہے جس سے اصل واقعہ کی حقیقت سامنے آ جاتی ہے اور اس کا صحیح موقعہ و محل

واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فتح القدير میں ہے کہ

... واما حديث ركانه فمكرر والاصح ما رواه ابو داود
والترمذی وابن ماجه ان ركانه طلق زوجته البتہ فحلفه
رسول الله صلى الله عليه وسلم انه ما اراد الا واحده فردها
اليه - فطلقها الثانيه في زمن عمر رضي الله عنه الثالثه
في زمن عثمان رضي الله عنه - قال ابو داود وهذا اصح -

(۱) فتح القدير شرح ہدایہ ص ۲۶، ج ۳، تحت بحث ہذا۔

(۲) تفسیر مظہری ص ۲۸۰-۲۸۱، ج ۱، تحت بحث الطلاق مرتان، پ ۱۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ

... عن نافع بن عجير بن عبد يزيذ بن ركانه ان ركانه بن
عبد يزيذ طلق امراته سهيمه البتہ فاخبر النبي صلى
الله عليه وسلم بذلك وقال والله ما اردت الا واحده فقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اردت الا واحده فقال
ركانہ والله ما اردت الا واحده فردها اليه رسول الله صلى
عليه وسلم - فطلقها الثانيه في زمان عمر والثالثه في
زمان عثمان -

(ابوداؤد شریف ص ۳۰۷، ج ۱، باب فی البتہ، طبع مجبائی، دہلی)

اس روایت سے ما قبل ص ۳۰۶، ج اول پر نافع بن عجير کی روایت ہذا کو

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ ركانہ والی

روایت (معروف روایات کے مقابلہ کی بنا

پر) منکر کے درجہ میں ہے اور اس واقعہ میں

زیادہ صحیح وہ روایت ہے جسے محدث

... حديث نافع اصح لانهم

ولد الرجل واهله اعلم به ان

ركانہ انما طلق انما طلق

امراته البتہ فجعلها النبي

صلی اللہ علیہ وسلم واحدہ۔ ابو داؤد اور امام ترمذی اور ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے۔

(ابو داؤد شریف ص ۳۰۶، ج ۱، باب بقیہ نسخ المراجعہ بعد التعلیقات الثلاث، طبع مجبائی، دہلی) وہ یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو لفظ ”البتہ“ کے ساتھ طلاق دی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنے اس فعل کی اطلاع کی تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکانہ کو حلف دے کر دریافت فرمایا کہ اس لفظ ”البتہ“ سے تیرا ارادہ کیا تھا؟؟ تو اس نے جواب میں حلف کے ساتھ کہا کہ میں نے اس میں صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی زوجہ کو اس کی طرف لوٹا دیا۔ (یہ عہد نبوی کا واقعہ تھا) اس کے بعد رکانہ نے عہد عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب میں اس کو طلاق ثانیہ دی اور پھر عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں رکانہ نے تیسری طلاق دی۔

محدث ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ بات زیادہ صحیح ہے۔

تشریح

حاصل مقصد یہ ہے کہ محدث ابو داؤد کی تصریح کے مطابق رکانہ نے اپنی زوجہ کو ”البتہ“ کے لفظ کے ساتھ طلاق دی تھی جیسا کہ رکانہ کے خاندان کے لوگ بیان کرتے ہیں اور گھر والے بہ نسبت دوسروں کے اصل واقعہ کے ساتھ زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ”البتہ“ کے اس لفظ کو بعض رواۃ نے ثلاث کا ”ہم معنی“ و ”ہم مفہوم“ قرار دے کر لفظ ”ثلاث“ سے تعبیر کر دیا۔ رکانہ نے طلاق ثلاث نہیں دی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ واقعہ رکانہ کے ساتھ بعض لوگوں کا استدلال کرنا اور اپنے مدعا کے لیے دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ اصل واقعہ میں تین طلاق کا وقوع ہی نہیں ہے بلکہ لفظ ”البتہ“ کہہ کر

ایک طلاق کا قصد کیا گیا تھا۔

فلذا اس روایت کو طلاق ثلاثہ مجموعاً کے جواز و نفاذ کے لیے استدلال بنانا اور طلاق ثلاثہ کے بعد رجوع کر لینے کا حق اس کو دینے پر دلیل کرنا بالکل صحیح نہیں ہے اور بے محل اور بے موقعہ ہے۔

ابن حجر کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی مشہور تصنیف ”تلخیص الحیر ص ۲۱۳، ج ۳، کتاب الطلاق میں روایت ہذا البتہ“ کے الفاظ سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ روایت رکنہ کے مسندات میں سے ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ روایت رکنہ سے مرسل ہے۔ ابوداؤد، ابن حبان اور الحاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاریؒ نے اس روایت کے متن میں اضطراب کی وجہ سے اس روایت کو معلول کہا ہے جبکہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ علماء نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

... واختلفوا هل هو من مسند ركانه او مرسل عنه وصححه ابوداود وابن حبان والحاكم اعلاه البخاري بالاضطراب - وقال ابن عبدالبر في التمهيد ضعفه... الخ -

حاصل کلام

یہ ہے کہ روایت رکنہ پر علمائے کبار نے جو کلام کر دیا ہے، اسے باحوالہ ہم نے پیش کیا ہے کہ بقول محدثین ضعیف ہے، مجہول رواۃ سے مروی ہے، منکر ہے، باعتبار متن کے معلول ہے وغیرہ۔

تو ایسی روایت کو اثبات مدعا کے لیے دلیل بنانا درست نہیں ہے اور اگر اس نقد و جرح سے صرف نظر کر لی جائے، تب بھی اس سے استدلال ٹھیک نہیں۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ صاحب واقعہ نے ”طلاق ثلاثہ“ کے الفاظ کے ساتھ طلاق نہیں دی (البتہ) کے لفظ کے ساتھ طلاق کا ارادہ کیا تھا۔

اب اس چیز کو تین طلاقوں کو ایک قرار دینے پر حجت و دلیل بنانا کسی صورت میں درست نہیں۔ یہ تو ان دوستوں کی غلط فہمی ہی کہی جاسکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پر الزام

بعض لوگوں نے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور ابتدا عہد فاروق رضی اللہ عنہ میں طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے اور اپنی سیاست جمانے کے لیے تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہونا ہی قرار دے دیا۔

اس اعتراض کے رفع کرنے کے لیے ذیل میں کلام کیا جاتا ہے جس سے یہ طعن زائل ہو جائے گا اور مسئلہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

الجواب

اصل بات یہ ہے کہ طلاق کے معاملہ میں شرعی احکام کی رو سے تاخیر اور ترک عجلت کا حکم ہے۔

یعنی حتی المقدور بلا ضرورت ایقاع طلاق کی طرف اقدام ہرگز نہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں نے طلاق دینے کے معاملہ میں عجلت سے کام لیا اور تین طلاقیں بیک وقت اور ایک کلمہ کے ساتھ دینے لگے۔ حالانکہ شریعت کی طرف سے اگر مجبوراً طلاق دینا پڑے تو الگ الگ طہر میں ایک ایک طلاق دینے کا

حکم ہے۔ یعنی تین طلاقیں یکبارگی دینے کا کوئی جواز نہیں لیکن اگر کوئی شخص غلطی سے ایسا کر گزرے تو تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب لوگوں کو اس مسئلہ میں عجلت اختیار کرتے دیکھا تو آنمو صوف نے لوگوں کی ایک جماعت کو خطاب کرتے ہوئے مسئلہ ہذا کی وضاحت فرمائی۔

اس دوران کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی جماعت موجود تھی جو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے گزشتہ واقعات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ ان کی موجودگی میں یہ حکم جاری کیا گیا اور حاضرین میں سے کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے خلاف کوئی انکار نہیں کیا اور کسی صاحب نے جواب میں مدافعت نہیں کی۔

یہ صورت حال اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اس سے قبل مسئلہ ہذا کی جو صورت تھی، وہ منسوخ اور متروک ہو چکی تھی۔ (اور وجہ نسخ ان پر ظاہر ہو گئی تھی)

(۱) اسی چیز کو امام الطحاویؒ نے یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

... فخطب عمر رضی اللہ عنہ بذالك الناس جميعا
وفيهما أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ورضي
عنهم الذين قد علموا ما تقدم من ذلك في زمن رسول
الله صلى الله عليه وسلم فلم ينكر عليه منهم منكر
ولم يدفعه دافع فكان ذلك أكبر الحجج في نسخ ما
تقدم من ذلك...

(شرح معانی الآثار للطحاویؒ ص ۳۲، ج ۲، تحت باب الطلقات الثلاثہ وفتحہ)

(۲) ماقبل میں اس مسئلہ پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حوالہ درج کیا ہے۔

اب اس کے بعد ابن حجر عسقلانی کا فتح الباری سے ایک عمدہ بیان تائیداً پیش کیا جاتا

ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحریم متعہ کے مسئلہ اور ایقاع الثلاث (فی الطلاق) کے مسئلہ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں اجماع منعقد ہوا تھا اور اس کے بعد میں ان دونوں مسائل پر کسی ایک شخص نے بھی مخالفت نہیں کی تھی۔

یہ چیز اس بات پر دلیل ہے کہ ان مسائل میں وجود ناسخ کے پائے جانے کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق ہوا تھا۔ اگرچہ یہ بات قبل ازیں بعض حضرات سے مخفی تھی، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں آکر تمام حضرات پر یہ بات واضح ہو گئی۔

پس اس اجماع کے بعد جو مخالفت کرنے والا ہے، وہ اس کو گرا دینے والا ہوگا۔

(قاعدہ یہ ہے کہ) جمہور علماء کے نزدیک مسئلہ پر اتفاق کر لینے کے بعد اختلاف کھڑا کرنے کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (واللہ اعلم)

... فالراجع فی الموضعین تحریم المتعہ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عہد عمر علی ذلک ولا یحفظ ان احدا فی عہد عمر رضی اللہ عنہ خالفہ فی واحدہ منہما وقدول اجماعہم علی وجود ناسخ وان کان خفی عن بعضہم قبل ذلک حتی ظہر لجمیعہم فی عہد عمر رضی اللہ عنہ فالمخالف بعد هذا الاجماع منا بذلہ والجمہور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق۔ واللہ اعلم۔

(۱) فتح الباری لابن حجر عسقلانی ص ۲۹۹، ج ۹، تحت من جوز الطلاق الثلاث۔

(۲) بذل الجہود شرح ابی داؤد ص ۶۳، ج ۳، نسخ فی المراجعة بعد... الخ۔

(نوٹ) ابن حجر العسقلانی نے مسئلہ ہذا میں فتح الباری کے اس مقام میں بڑے مفصل جوابات درج کیے ہیں، اہل علم رجوع فرما سکتے ہیں۔

تائید

(۳) جس طرح سابق حوالہ جات میں یہ بات مذکور ہے کہ عہد فاروقی میں ایقاع الثلاث (فی الطلاق) کے مسئلہ میں صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا اور وہ نسخ کے پائے جانے کی بنا پر ہوا۔

اس مضمون کو ابن ہمام نے اپنی تصنیف فتح القدر میں اور ملا علی القاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں درج کیا ہے۔ عبارت ذکر کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ اس بنا پر اہل علم کے لیے صرف حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) (فتح القدر شرح الہدایہ لابن ہمام ص ۲۵، ج ۳، تحت بحث ہذا (طلاق البدعۃ) طبع مصر (معہ العنایہ)

(۲) (مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی القاری ص ۲۹۴، ج ۶، طبع ملتان، تحت روایت ابن عباس از موطا مالک، باب المخلع والطلاق، الفصل الثالث)

مزید تائید

(۳) جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں یہی بیان درج کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

... وما ذکر من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، فیہ دلالت علی ان الحدیث منسوخ فان امضاء عمر الثلاث بمحضر من الصحابہ وتقرر الامر علی

عبارت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس کی روایت جو مذکور ہے، اس میں اس چیز پر دلالت پائی جاتی ہے کہ یہ روایت منسوخ ہے۔ جماعت صحابہ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا طلاق ثلاث کا امضاء و

نفاذ کرنا اور اس امر کا تقرر ہو جانا، یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک ناسخ کا ثبوت موجود تھا۔ اگرچہ یہ بات قبل ازیں عہد صدیقی میں مخفی تھی، اور پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کا اپنی روایت کے خلاف پایا جانا صحیح طریقہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ (پس ان امور کے پیش نظر واضح ہو گیا کہ ان حضرات کے سامنے ثبوت نسخ موجود تھا)

ذالك يدل على ثبوت النسخ عندهم وان كان قد خفي ذلك قبله في خلافه ابي بكر- وقد صح فتوى ابن عباس على خلاف ما رواه... الخ (تفسير الخطري ص ۲۷۹، ج ۱، تحت الآيه الطلاق مرتان، پ ۲)

(۵) اور اہل علم کی تسلی کے لیے یہ بات ذکر کر دینا مفید ہے کہ صحیح مسلم شریف کے حواشی میں علامہ ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ پر (کہ صحابہ کرام کو وجود نسخ معلوم ہو گیا تھا) نفیس پیرایہ میں بحث کی ہے۔ مسئلہ ہذا کے شائق مقام ذیل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

(الحاشیہ لابی الحسن السندھی علی مسلم ص ۵۴-۵۵، کتاب الطلاق، مطبوعہ ملتان، طبع قدیم) خلاصہ بحث یہ ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق ثلاثہ کے نفاذ کا حکم دیا تو وہ کوئی تفرد نہیں تھا اور نہ ہی وہ کوئی سیاسی حکمرانی تھی، نہ وہ حکم بدعت تھا اور نہ ہی قضاء نبوی کے خلاف تھا۔

وجہ یہ ہے کہ:

کسی صحابی نے (ابن عباس رضی اللہ عنہ سمیت) اس حکم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

بلکہ سب اس پر رضامند ہو گئے، بس یہی بات حق ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حق کے خلاف کسی چیز پر خاموش نہیں ہوتے اور ناحق بات پر اجماع نہیں کرتے اور ان کا فعل حجت شرعی ہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام کا دفاع

مخالفین صحابہ کی طرف سے مشہور صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کیا جاتا ہے کہ وہ زنا کے مرتکب ہوئے تھے اور ان کے اس فعل پر گواہوں نے گواہی دی تھی۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آخری گواہ کے حق میں دعائمانگی اور ایک طریقہ سے اس کو تلقین بھی کی تاکہ اس کی شہادت نامکمل پائی جائے۔ اس ذریعہ سے انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حد زنا لگنے سے بچا لیا۔

گویا کہ مخالفین صحابہ کی طرف سے دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما پر طعن قائم کیا گیا ہے۔ حضرت مغیرہ کو بدکاری کی تہمت کے ساتھ مطعون کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرعی حد رائیگاں کرنے میں ملوث کیا گیا۔

الجواب

اس سلسلہ میں چند چیزیں قابل وضاحت ہیں، ان کو ایک ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس الزام کا جواب تمام ہوگا۔

ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ

واقعہ مختلف روایات میں پایا جاتا ہے جن کے اسانید پر محدثانہ طریق پر کلام کرنے کے بہت سے مواقع موجود ہیں اور اس کی تفصیلات میں جانا ایک طویل بحث کا موجب ہے۔

بالفرض روایات کے اسناد پر نقد اختیار کرنے سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر اس واقعہ کو کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس امر کو دیکھنا ہوگا کہ یہ واقعہ کن حالات میں پیش آیا اور اس کا پس منظر کیا تھا؟

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جس دوران حاکم بصرہ متعین تھے، وہاں بعض لوگ ان کے خلاف تھے ان میں ابوبکرہ آنمو صوف کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

بقول بعض مورخین مثلاً الطبری والبلاذری کے، مخالفین نے مناقشہ اور محاصرت کی بنا پر آنمو صوف پر بدکاری کا الزام لگا دیا۔

اور پھر ان مخالفین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شہادتیں دیں جو اپنی جگہ پر اس الزام کے ثبوت میں نامکمل تھیں۔ اس وجہ سے آنمو صوف رضی اللہ عنہ پر جرم ثابت نہ ہو سکا اور الزام لگانے والوں پر حد قذف لگائی گئی۔

یہ طریقہ شرعی قواعد کے موافق سرانجام پایا اس کو حیلہ بازی پر محمول کرنا اور جانبداری قرار دینا سراسر ناانصافی ہے۔

نیز مخالفین صحابہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شواہد کو تلقین کرنے کا طعن بھی تجویز کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے اور یہ طعن رواۃ کی طرف سے روایات میں اور اج کلمات کی بنا پر تیار کیا گیا ہے۔ فلہذا یہ طعن حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان صریح ہے۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

...وتلقین شاہدا افتراء محض وبہتان صریح است۔

اور دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ

مطلب یہ ہے کہ راویوں کی طرف
سے روایت میں ایسے کلمات درج کر دیئے
گئے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بالکل افتراء
کے درجہ میں ہیں۔

... و آنچه گفته اند که عمر رضی اللہ عنہ، این
کلمہ گفت (اری وجہ رجل لا
يفضح الله به رجلا من
المسلمين) غلط صریح و افتراء قبیح بر
عمر رضی اللہ عنہ است۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۹۷، تحت طعن ششم مطاعن فاروقی، طبع سہیل اکیڈمی لاہور)
اس چیز پر قرینہ یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت
میں جب پیش ہوا تو اس وقت وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد کبار
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے اور کسی امر ناحق پر انکار کرنا اور جہاراً اس
پر نکیر کرنا ان حضرات کا شیوہ تھا پھر وہ کس طور پر اس معاملہ میں خاموش رہے اور
سکوت اختیار کیے رکھا؟؟ اور ناحق بات کو رد نہیں کیا؟؟
یہاں سے معلوم ہوا کہ اس موقع پر کوئی خلاف شرع یا خلاف حق بات
سامنے نہیں آئی اور نہ ہی کوئی قابل اعتراض چیز پائی گئی۔

ایک توجیہ

اور بعض علماء نے اس واقعہ کے متعلق مندرجہ ذیل توجیہ ذکر کی ہے۔
چنانچہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے اپنی تالیف ”تلخیص الحیر“ میں البلاذری کے
حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ

یعنی البلاذری کہتے ہیں کہ وہ عورت
جس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ پر
الزام لگایا گیا، اس کا نام ام جمیل بنت مجن
الہلالیہ تھا اور کہا گیا ہے کہ اس عورت کے

... وافاد البلاذری: ان المراه
التي رمى بها: ام جميل بنت
مجن بن الافقم الهلاليه
وقيل ان المغيرة كان تزوج بها

سرا۔ وکان عمر لا یحیز نکاح
السز ویوجب الحد علی
فاعله۔ فلہذا سکت المغیرہ
وہذا لم ارہ منقولاً باسناد وان
صح کان عذراً حسناً لہذا
الصحابی۔

ساتھ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے
پوشیدہ نکاح کیا ہوا تھا اور حضرت عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ پوشیدہ نکاح کو جائز قرار نہیں
دیتے تھے اور ایسا کرنے والے کو سزا دیتے
تھے، اس وجہ سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس
بات کے اظہار سے خاموش رہے اور
پوشیدہ نکاح کو ظاہر نہیں کیا۔

(۱) تلخیص الحیر لابن حجر ص ۶۳ ج ۳، تحت کتاب حد القذف۔

(۲) فیض الباری علی صحیح البخاری از حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری ص ۳۸۶

ج ۳، باب شہادۃ القاذف، قولہ جلد عمر رضی اللہ عنہ، ابابکرہ... الخ۔

مختصر یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کو غیر صحاح کے
بعض مولفین نے ذکر کیا ہے لیکن حسب عادت مورخین نے زیادہ تفصیلات ذکر کر
دی ہیں، پھر رواۃ کے باہم بیانات یہاں بہت کچھ مختلف پائے جاتے ہیں۔

ان پر اعتماد کر کے ایک مشہور صحابی (جو حدیبیہ کے شامل ہونے والوں میں
سے ہیں) کو مطعون قرار دینا درست نہیں۔

یہ اعدائے صحابہ کا طریق کار ہے کہ الزام ثابت نہ ہو سکنے کی صورت میں بھی
صحابہ کی پوزیشن داغدار کرنے کے درپے رہتے ہیں اور غیر ثابت شدہ بات کے نشر
کرنے میں پوری قوت صرف کرتے ہیں یہاں بھی یہی صورت انہوں نے اختیار کی
ہے۔

درایت کے اعتبار سے

اس مسئلہ میں درایت کے اعتبار سے بھی نظر کرنے کی ضرورت ہے وہ اس

طرح کہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام میں ایک اہم مقام و مرتبہ ہے۔ آنمو صوف رضی اللہ عنہ، عام المحدث ۵ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعدہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حاضر تھے۔

چنانچہ جب ذوالقعد ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کفار کی طرف سے عروہ بن مسعود اہل اسلام سے گفتگو کرنے کے لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو اس موقعہ پر باہمی گفتگو کے دوران جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حاضر باش خادم کی حیثیت سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں خود پہنے ہوئے تلوار سے مسلح کھڑے تھے۔

عروہ بن مسعود اپنی گفتگو کے دوران جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کی نیام سے اس کے ہاتھ کو دور کرتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک سے دور رکھ۔ اس پر عروہ بن مسعود نے سراٹھا کر پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟؟ تو حاضرین نے کہا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔ الخ۔

اسی واقعہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

... وجعل (عروہ بن مسعود) یکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکلما کلمہ اخذ بلحیتہ والمغیرہ بن شعبہ قائم علی راس النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ السیف وعلیہ المغفر۔ فکلما اھوی عروہ بیدہ الی لحیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرب یدہ بنعل السیف وقال اخریدک عن لحیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرفع راسہ فقال من هذا؟ قالوا المغیرہ بن شعبہ... الخ (بخاری شریف ص ۳۷۸-۳۷۹، جلد اول، کتاب الشروط،

باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب، طبع دہلی)

مقصد یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ صلح ہدیہ کے حاضرین میں یقیناً شامل تھے اور اہل حدیبیہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں بہت سے فضائل اور محامد ذکر کیے ہیں۔

مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

... فانزل اللہ سکینتہ علی
رسولہ وعلی المومنین
والزمہم کلمہ التقوی وکانوا
احق بہا و اہلہا وکان اللہ
بکل شی علیما۔ (پ ۲۶، الفتح)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور
مومنین پر سکینہ نازل فرمائی اور ان کے لیے
کلمہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہ اس کلمہ کے
زیادہ اہل اور حقدار تھے اور اللہ تعالیٰ ہر
ایک چیز کو جانتے ہیں۔

فلذا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی ان فضائل میں شامل اور محامد کے حامل
ہیں اور یہ چیز اس بات کے شواہد میں سے ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا کردار صحیح
تھا، غلط نہیں تھا اور مطاعن کی جو چیزیں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ان کا
انتساب بے جا ہے اور وہ ان کے شایان شان نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں ان کو
مناصب دیئے جاتے رہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے نقاد، عادل اور منصف
خلیفہ کے دور خلافت میں بھی ان کو ولایت و امارت کا مرتبہ دیا جاتا رہا، جیسا کہ ان
کے تراجم میں مذکور ہے اور مذکورہ الزام (جو صحیح ثابت نہ ہوا) کے بعد بھی حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ پر والی اور حاکم قائم رکھا۔ یہ چیزیں بھی جناب مغیرہ بن
شعبہ رضی اللہ عنہ کے اعمال صالحہ اور عمدہ اخلاق کے قرائن میں سے ہیں۔

اگر مغیرہ رضی اللہ عنہ کا کردار داغدار تھا تو عالی مناصب سے ان کو برطرف کیوں نہیں
کر دیا گیا؟؟؟

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں آنمو صوف رضی اللہ عنہ

امیر و حاکم کے مناصب پر قائم رہے۔

بعدہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ پر حاکم تھے لیکن جنگ جمل و صفین میں ان باہمی تنازعات سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے فریقین میں سے کسی فریق کی جانب داری نہیں کی اور جمل و صفین میں حصہ نہیں لیا۔ بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے والی اور حاکم رہے۔

خلفائے راشدین کا مغیرہ بن شعبہ سے تعامل اور باعزت معاملہ اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ آنمو صوف صحیح کردار کے شخص تھے، غلط کار اور بد عمل ہرگز نہیں تھے۔

دیگر یہ بات بھی اس چیز کا قرینہ ہے کہ روایت حدیث کے باب میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین اپنے اپنے دور میں جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نبوی نقل کرتے رہے ہیں، چنانچہ چند ایک کے اسماء بطور مثال ذکر کیے جاتے ہیں:

المسور بن مخزمہ رضی اللہ عنہ، ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ، قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ، مسروق، ابو وائل، عروہ بن الزبیر عامر الشعی، ابو اوریس الخولانی وغیرہم۔

مذکورہ بالا حضرات کا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث لینے کا یہ معاملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہ صحیح العمل اور نیک کردار کے مالک تھے کیونکہ بد اخلاق، بُرے کردار اور بُرے اعمال کے انسان سے دینی روایات نہیں لی جاتیں اور دین کے معاملہ میں بد عمل انسان پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاتا۔

نیز محدثین نے لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو چھتیس احادیث نبوی منقول ہیں۔ ان میں سے بارہ احادیث نبوی تو صرف صحیحین (بخاری و مسلم) میں موجود ہیں۔

یہ چیز بھی ان کی عدالت و ثقاہت پر دال ہے اور نیک کردار ہونے کا عمدہ

قرینہ ہے۔

مختصر یہ ہے کہ

ان مذکورہ بالا قرائن و شواہد کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام میں صاحب کردار صاحب دیانت اور باوقار صحابی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کی ولایت کے دوران ۵۰/۵۱ ہجری میں فوت ہوئے۔

جن لوگوں نے غیر ثابت شدہ واقعہ کے اعتبار سے ان پر بد اعمالی کا طعن قائم کیا ہے اور ان کو بدنام کرنے کی سعی نامشکور کی ہے، وہ سراسر غلط ہے اور وہ اس دور کے واقعات کے برخلاف ہونے کی بنا پر قابل رد ہے، کوئی ہوش مند اور صاحب رائے شخص اس کو باور نہیں کر سکتا۔

ناظرین کرام مندرجات بالا کے حوالہ کے لیے درج ذیل مقامات کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

- (۱) بخاری شریف جلد اول، ص ۳۷۸، ۳۷۹ کتاب الشروط۔
- (۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی، جلد ثالث، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔
- (۳) تہذیب الاسماء للنواوی، جلد اول، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔
- (۴) البدایہ والنہایہ لابن کثیر، جلد ثامن، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔
- (۵) تاریخ الاسلام للذہبی، جلد ثانی، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔

الحاق

جس طرح سابقہ اوراق میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفائی کے طور پر چند معروضات پیش کیے ہیں، اسی طرح ایک دیگر مشہور صحابی جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی چند گزارشات یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی مخالفین لوگ کئی قسم کے اعتراضات قبیح الفاظ کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے دفاع کے طور پر چند کلمات تحریر کیے گئے ہیں، قارئین کرام ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔



حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام کی نظروں میں

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اہم شخصیت، اسلام کے نامور مجاہد اور فہم و فراست کے اعتبار سے باکمال زیرک بزرگ ہیں۔ فروغ اسلام میں ان کے عظیم کارنامے پائے جاتے ہیں۔

سطور ذیل میں جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے حالات اور ملی خدمات بالا اختصار ہم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

بعض لوگ اکابر صحابہ کرام کے خلاف

اپنے دیرینہ شیوہ کے تحت ان کی خامیوں اور کوتاہیوں کو ذکر کرتے ہوئے تنقیص شان میں کوشاں رہتے ہیں اور خلاف واقعہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کر کے عوام الناس کو ان سے متنفر اور بدظن کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مخالفین صحابہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بہت کچھ غلط اور بے سروپا چیزیں نشر کر کے ان کے خلاف بدظنی پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

فلذا یہ لوگ اپنی عبارات میں آنمو صوف میں کو دغا باز، مکار اور فریب کار

وغیرہ جیسے قبیح الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مخالفین صحابہ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف جو کچھ ذکر کرتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

آنمو صوف رضی اللہ عنہ مال و دولت کے حریص، طمع و لالچ کے مریض تھے اور دجل و فریب کے عادی تھے اور مالی مفاد حاصل کرنے کی خاطر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی ہو گئے تھے اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس چیز پر ندامت اور اظہار افسوس کرتے تھے وغیرہ۔

...فلک النجاة فی الامامة والصلوة - (۹۳/۹۴ جلد اول، طبع

ثانی از مولوی علی محمد شیعہ و امیر دین صاحب حکیم شیعہ جھنگوی)

مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر ہم ذیل میں جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ضروری احوال بالا جمال ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ان پر نظر انصاف کرنے سے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کا اسلام میں مقام و مرتبہ واضح ہوگا اور طاعنین کے عائد کردہ الزامات کا دفاع بھی بہتر طریق سے ہو سکے گا۔ (بعونہ تعالیٰ)

نام و نسب

اسم گرامی عمرو بن العاص بن وائل القریشی السہمی ہے اور ان کی کنیت ابو عبد اللہ اور بعض کے نزدیک ابو محمد بھی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ کا نام النابغہ بنت حرمہ سیہ ہے۔

عمرہ بن العاص کے خاندان کو بنو سہم کہتے تھے اور دور جاہلیت میں یہ بڑا معزز اور باوقار خاندان سمجھا جاتا تھا اور مقدمات کے فیصلہ کرنا ان لوگوں کا منصب تھا۔

قبل از اسلام ان کا کردار

عمرو بن العاص جب تک اسلام نہیں لائے، اسلام کی مخالفت اور عداوت میں

پیش پیش رہتے تھے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں جب اہل مکہ کی مخالفت زوروں پر تھی، اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق چند مسلمانوں کا ایک قافلہ ہجرت کر کے حبشہ میں النجاشی کے ہاں گیا تھا۔

اس قافلہ کے سرگروہ عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ، اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، تھے۔ یہ لوگ حبشہ میں چند ایام کے لیے مقیم ہوئے تو اس دوران قریش مکہ کی طرف سے ایک وفد عمرو بن العاص کی سربراہی میں شاہ حبشہ النجاشی کے پاس اس مقصد کے لیے پہنچا کہ مسلمانوں کے اس قافلہ کہ حبشہ سے نکال دیا جائے اور انہیں ان کے سپرد کر دیا جائے۔

چنانچہ اس کام کے لیے عمرو بن العاص جو سرگرم رکن تھے۔ انہوں نے النجاشی کے پاس پہنچ کر حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی پوری سعی کی اور ساتھ ہی شاہ حبش کی خدمت میں رنگے ہوئے چمڑے کے چند تحائف پیش کیے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کو یہاں پناہ نہ دی جائے اور ان کا اخراج کر دیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں عمرو بن العاص کی النجاشی کے ساتھ جو باہمی گفتگو ہوئی، اس کی وضاحت میں سیرۃ لابن ہشام سے ایک حوالہ درج ذیل ہے اور اس کی تائید بعض دیگر کتب میں بھی دستیاب ہے۔

یاد رہے کہ یہ مذاکرات ناکام ہو گئے تھے، النجاشی ناراض ہو گیا تھا اور عمرو بن العاص کی تمام مساعی بے سود ٹھہریں، ابن ہشام نے لکھا ہے کہ

... ثم قلت (عمرو بن	مندرجہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے
العاص) له ايها الملكا والله	کہ عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے
لو ظننت انك تكره هذا ما	نجاشی کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے
سالتك قال اتسالني ان	بادشاہ! واللہ! اگر مجھے یہ گمان ہوتا کہ آپ

اعطیک رسول رجل یایتہ
الناموس الاکبر الذی کان
یاتی موسی لتقتله قال قلت
ایہا الملکا کذا لک ہو؟ قال
ویحک یا عمرو اطعنی
واتبعہ فانہ واللہ لعلی الحق
ولیطہرن علی ما خالفہ کما
ظہر موسی علی فرعون و
جنودہ، قال قلت افتبا یعنی
لہ غلی الاسلام؟ قال نعم
فبسط یدہ فبايعته علی
الاسلام ثم خرجت الی
اصحابی وقد حال رائی عما
کان علیہ وکتمت اصحابی
اسلامی - (۱) السیرۃ النبویہ لابن ہشام
ج ۲، ص ۲۷۷، تحت اسلام عمرو بن
العاص رضی اللہ عنہ - (۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی
ج ۳، ص ۴۰-۴۱، تحت ترجمہ عمرو بن
العاص رضی اللہ عنہ - (۳) اسد الغابۃ لابن اثیر
الجزری ج ۴، ص ۱۱۶، تحت عمرو بن العاص
رضی اللہ عنہ -

اس بات کو مکروہ اور ناپسند جانتے ہیں تو میں
آپ سے اس کا تقاضا نہ کرتا۔ نجاشی نے کہا
کہ کیا تم مجھ سے اس شخص کے قاصد کے
متعلق سوال کرتے ہو (کہ میں اس کو
تمہارے حوالے کر دوں) جس شخص کے
پاس وہی الناموس (فرشتہ) آتا ہے جو جناب
موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ عمرو
بن العاص نے کہا کہ اے بادشاہ! یہ بات
اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کی
ہے؟؟ النجاشی بولا کہ ویحک یا عمرو!
(یہ کلمہ ترحم و شفقت ہے) تم میری بات
مان لو اور تابعداری اختیار کرو۔ اللہ کی قسم!
(یہ پیغمبر) حق پر ہیں اور جو ان کی مخالفت
کرے گا اس پر یہ غالب آ جائیں گے۔
جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون اور
اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے اس کے
بعد میں نے حقانیت اسلام کو تسلیم کر لیا، پھر
میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گیا۔
اس وقت میری رائے تبدیل ہو چکی تھی،
مگر میں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔

ہجرت حبشہ کے واقعہ میں بڑی تفصیلات پائی جاتی ہیں، لیکن یہاں ہم نے
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلقہ امور کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

قبول اسلام

جناب عمرو بن العاص، شاہ حبشہ سے ملاقات کے بعد واپس ہوئے۔ قریش مکہ سے مسلمانوں کی مصالحت کے دور میں فتح مکہ سے چھ ماہ قبل ماہ صفر ۸ھ میں عمرو بن العاص جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ بھی اسلام کے مقصد سے ان کے ساتھ ہی حاضر ہوئے تھے۔

پہلے خالد بن ابولید نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد عمرو بن العاص نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا حضرت آپ اپنا دایاں ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں لیکن جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک پھیلایا تو عمرو نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور عرض کی کہ میں جناب کی خدمت میں قبول اسلام سے پہلے شرط لگانا چاہتا ہوں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا شرط ہے؟ تو عمرو بن العاص نے عرض کی کہ میرے سابق معاصی سب معاف ہو جائیں تو اس وقت جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

... اما علمت یا عمرو! ان
الاسلام یهدم ما کان قبلہ وان
الہجرہ تہدم ما کان قبلہا
وان الحج یتهدم ما کان قبلہ۔
یعنی اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ
اسلام لانا ما قبل کی سب چیزوں (معاصی) کو
گرا دیتا ہے اور ہجرت کرنا ما قبل کی سب
خطاؤں کو گرا دیتا ہے اور حج کرنا ما قبل کی
سب غلطیوں کو گرا دیتا ہے۔

(۱) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ج ۳، ص ۱۱۶، تحت ترجمہ عمرو بن العاص۔

(۲) مسلم شریف ج ۱، ص ۷۶، تحت باب کون الاسلام یهدم ما کان قبلہ۔

(۳) تہذیب الاسماء واللغات للتواوی ص ۳۰، جلد اول، تحت عمرو بن العاص۔

اس باہمی گفتگو کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت

اسلام قبول کر لیا۔

اسلام لانے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قلب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور محبت اس قدر جاگزیں ہوئی کہ آنمو صوف کہتے ہیں کہ

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر مجھے کوئی شخصیت محبوب نہیں رہی۔ میری نظروں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی جلیل القدر نہیں رہا حتیٰ کہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت کی وجہ سے انہیں آنکھ بھر کر دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اگر مجھے آنجناب ﷺ کی بیان صفت کے متعلق سوال کیا جائے تو میں بیان کی طاقت نہیں رکھتا۔

... وما كان احدا يحب الى من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا اجل في عيني منه وما كنت اطيق ان املاء عيني منه اجلالا له ولو سئلت ان اصفه ما اطلقت لاني لم اكن املاء عيني منه... الخ (مسلم شریف ج ۱، ص ۷۶، تحت باب كون الاسلام يهدم ما قبله --- الخ)

ایمان کی شہادت

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور ان کا اسلام لانا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبول ہوا، اور ان کا شمار مخلصین مومنین میں ہوا۔ چنانچہ اس چیز پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے شہادتیں پائی جاتی ہیں۔

محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوت نقل کرتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاص بن وائل کے دونوں فرزندوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ مومن ہیں: ہشام بن العاص اور عمرو بن العاص (رضی اللہ تعالیٰ

عنما

... عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ابنا العاص مومنان ہشام وعمرو۔

(۱) المستدرک للحاکم ص ۴۵۲، ج ۳، ذکر مناقب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) سیر اعلام النبلا للذہبی ص ۳۸، ج ۳، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

ایک دیگر شہادت

اسی طرح محدثین کرام نے ایک دیگر واقعہ ذکر کیا ہے جس میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخلص مومن ہونے کی توثیق پائی جاتی ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ”السنن الکبریٰ“ میں اپنے اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ایک بار مدینہ منورہ میں ایک قسم کا خوف و ہراس طاری ہوا اور لوگ متفرق ہو گئے۔ اس وقت میں نے جناب سالم (موالی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ وہ اپنی تلوار لگائے مسجد نبوی میں بیٹھے تھے۔ جب میں نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو میں نے بھی تلوار لگالی اور ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھ گیا۔

اس دوران جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے مجھے اور سالم کو اس حالت میں دیکھا۔ پھر آپ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور آجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم گھبراہٹ اور خوف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف کیوں نہیں آئے اور تم نے ایسا کیوں نہیں کیا جیسا کہ ان دو مومن شخصوں نے کیا ہے۔

... فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرانی

وسالما واتی الناس فقال یا ایہا الناس الا کان مفزعکم

الى الله ورسوله الا فعلتم كما فعل هذان الرجلان
المؤمنان - (السنن الكبرى للنسائي ص ۸۱-۸۲، ج ۵، كتاب المناقب، طبع
مئتان، سير اعلام النبلاء للذهبي ص ۴۳، ج ۳، تحت ترجمه عمرو بن العاص رضي الله عنه)

صلاح و نیکی کی شہادت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا قبول ہوا اور وہ اسلام
میں بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عزت بخشی کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی زبان مبارک سے ان کے حق میں صلاح اور نیکی کی شہادت پائی گئی۔

چنانچہ مشہور صحابی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے
حاضرین سے فرمایا کہ میں تمہیں وہی بات سناتا ہوں جو میں نے جناب نبی اقدس صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عمرو بن العاص قریش کے
صلاح افراد میں سے ہیں۔

اور ایک دیگر روایت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ
ابو عبد اللہ (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) ام عبد اللہ اور عبد اللہ (بن عمرو بن العاص) یہ
تینوں عمدہ اور بہترین گھرانہ ہے۔

... قال طلحه لا حدثكم عن رسول الله صلى الله

عليه وسلم شيئا الا اني سمعته يقول عمرو بن العاص من

صالحى قریش وفى روايه نعم اهل البيت ابو عبد الله ام

عبد الله وعبد الله۔

(۱) فضائل الصحابة الامام احمد "ص ۹۱، ج ۲، روایت نمبر ۱۷۴۲-۱۷۴۳، تحت

فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۸، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

بعض دیگر خصائل

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کبار تابعین بعض فضیلت کی چیزیں ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے یہاں قیسہ بن جابر کا بیان ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ جس میں آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے عمدہ خصال ذکر کرنے کے ساتھ ان کے اعلیٰ کردار کی نشاندہی کی گئی ہے۔

چنانچہ علامہ اشعبی نقل کرتے ہیں کہ

قیسہ بن جابر کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی صحبت اختیار کی۔ وہ قرآن مجید کے ساتھ ذوق رکھتے تھے اور میں نے قرآن مجید کو واضح بیان کرنے والا، کریمانہ اخلاق کا حامل اور ایسا شخص جس کا باطن اس کے ظاہر کے ساتھ زیادہ مشابہ اور یکساں ہو، ان سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

...عن الشعبي، عن قبيصة بن جابر صحبت عمرو بن

العاص فما رايت رجلا ابين قرانا ولا كرام خلقا ولا اشبه سريرة بعلانيه منه۔

(۱) الاصابہ لابن حجر ص ۲، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ معہ

الاستيعاب۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۸، جلد ثالث تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

روایت حدیث

علماء حدیث نے جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث و مرویات کی تعداد بیان کی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث

کی تعداد بھی نقل کی ہے۔

چنانچہ علامہ الحزرجی نے تہذیب تہذیب الکمال میں آنمو صوف رضی اللہ عنہ کی روایات کی تعداد (۳۹) انتالیس ذکر کی ہے۔

..... له تسمعه وثلاثون حديثا۔

(خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال للحزرجی ص ۲۸۸، ج ۲، تحت عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہ، طبع مکتبہ الاثریہ، سانگلہ ہل، لاملام صفی الدین احمد بن عبد اللہ الحزرجی)

مقصد یہ ہے کہ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طرح ملکی فتوحات میں حصہ وافر لیا اور جنگی خدمات سرانجام دیں۔ اس طرح انہوں نے نشر حدیث کے معاملہ میں بھی قابل قدر دینی خدمات بجالائیں اور امت کو فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کیا۔

حربی امور میں صلاحیت

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعاً حربی امور میں بہترین صلاحیت کے حامل تھے۔

چنانچہ جب آنمو صوف رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کی اس فطری صلاحیت کی قدردانی فرمائی۔ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

... عن عمرو بن العاص قال: ما اعدل بي رسول الله صلى الله عليه وسلم وبخالد بن الوليد احدا من اصحابه في حربه منذ اسلمنا۔

یعنی جب سے میں نے اور خالد بن ولید نے اسلام قبول کیا ہے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی معاملات میں کسی کو ہمارے برابر قرار نہیں دیا۔ (گویا کہ اس معاملہ میں ہماری یہ عزت افزائی فرمائی)

(۱) المستدرک للحاکم ص ۳۵۵، ج ۳، تحت ذکر مناقب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۴، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

تائید

علمائے تاریخ و تراجم کی عبارات میں حضرت عمرو بن العاص کے مذکورہ بالا اعزاز کی تائید پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مورخین اور اہل تراجم نے آنمو صوف کی قابلیت اور صلاحیتوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:

...وکان من رجال قریش رایا
ودہاء وحزما وكفاءہ وبصیرا
بالحروب۔ ومن اشراف
ملوک العرب۔ ومن اعیان
المہاجرین۔ (۱) سیر اعلام النبلاء
للذہبی، ص ۴۰، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن
العاص رضی اللہ عنہ۔ (۲) تاریخ اسلام للذہبی،
ص ۳۹، ج ۲، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جناب
عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریش کے صاحب
الرأے، زیرک اور عقل مند افراد میں
سے تھے اور حزم و احتیاط کے حامل تھے اور
(اپنے ہم عصروں کے ساتھ) مساوات اور
برابری قائم رکھنے والے تھے اور جنگی
معاملات میں صاحب بصیرت بزرگ تھے۔
عرب کے اشراف میں شمار ہوتے تھے اور
اکابر مہاجرین حضرات میں سے تھے۔

غزوۃ ذات السلاسل

اس سلسلہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ذات السلاسل نامی غزوہ کے لیے امیر جیش بنا کر بھیجا
گیا۔ وہاں آپ کے والد عاص بن وائل کے ماموں کا خاندان آباد تھا۔ آپ وہاں
دعوت اسلام کے لیے پہنچے اور اسلام کے بعد انہیں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے
کی دعوت دی۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہ اسلامی لشکر قریباً تین سو مجاہدین پر مشتمل تھا۔ جب یہ

مجاہدین ان کے علاقے میں داخل ہوئے تو انہیں مزید کمک کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکابر مہاجرین کی ایک جماعت کو ان کی معاونت اور امداد کے لیے روانہ فرمایا۔ اس دستہ میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام بھی شامل تھے اور اس دستہ کے امیر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا گیا تھا۔

... ثم امره رسول الله صلى الله عليه وسلم في عزوه

ذات السلاسل على جيش هم ثلثمائه - فلما دخل

بلادهم استمدده بجيش من المهاجرين الاولين فيهم

ابوبكر وعمر رضي الله عنه واميرهم ابو عبیده بن الجراح

رضی اللہ عنہم۔

(۱) تہذیب الاسماء وللغات للنواوی، ص ۳۰، ج ۱، القسم اول تحت ترجمہ عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ص ۱۱۶، ج ۴، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۳) سیرۃ النبویہ لابن ہشام ص ۶۲۳، ج ۲، تحت غزوہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ،

ذات السلاسل کے تحت بھی مضمون ہذا دستیاب ہے)

اخلاص فی الدین اور محبت نبوی ﷺ

جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بار ایک جنگی مہم درپیش تھی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف فرمان دے کر قاصد بھیجا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ تیاری کے ساتھ اپنے ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر ہمارے پاس پہنچے۔ ہم نے ان کو ایک مہم میں روانہ کرنا ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں حسب فرمان حاضر خدمت ہوا تو

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ میرے حاضر ہونے پر ارشاد فرمایا کہ ہم تجھے ایک خاص مہم پر بھیجنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس میں تجھے سلامت رکھے گا اور مال غنیمت بھی ملے گا۔ ہم اس مال سے تجھے عنایت کریں گے۔

تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ میں نے مال کے لیے نہیں بلکہ جہاد کی رغبت اور آنجناب کی معیت حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاک اور حلال مال نیک صالح شخص کے لیے عمدہ ہے۔

...وقال يا عمرو! انی ارید ان ابعثک وجہا فی سلمک
 اللہ ویغنمک ارغب لک من المال رغبہ صالحہ قال
 قلت یا رسول اللہ! انی لم اسلم رغبہ فی المال انما
 اسلمت رغبہ فی الجہاد والکینونہ معک۔ قال یا عمرو!
 نعم بالمال الصالح، للمرا الصالح۔

(۱) فضائل الصحابہ لامام احمد "ص ۹۱۲" ج ۲، روایت نمبر ۱۷۳۵، تحت فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، طبع مکہ مکرمہ۔

(۲) مسند لامام احمد "ص ۹۹۷" ج ۲، تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۳) مسند لامام احمد "ص ۲۰۲" ج ۲، تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۴) سیرۃ المعاوینہ از مولف کتاب ہذا ص ۲۳۹، جلد اول، طبع اول۔

بُت شکنی

۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہو گیا تو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف علاقوں میں بُت شکنی کے لیے کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روانہ فرمایا۔

چنانچہ قبیلہ ہذیل میں ایک سواع نامی بُت نصب شدہ تھا۔ اس کے گرانے کے

لیے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں ایک سادون (مجاور) بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا تم کس ارادہ سے یہاں آئے ہو؟ تو جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بُت کے گرانے کا حکم فرمایا ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ تو اس چیز پر قادر نہیں ہو سکتا۔ میں نے پوچھا، کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بُت خود مانع ہو گا۔ میں نے کہا کہ تو اب تک باطل گمان میں ہے اور کیا یہ بُت سنتا ہے یا کچھ دیکھ سکتا ہے؟؟

اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس بُت کے قریب گیا اور اسے پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کے خزانہ کے کمرہ کو بھی گرا دو لیکن اس میں سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ پھر میں نے اس سادون سے کہا کہ تو نے کیا دیکھا (بُت کی طاقت کے متعلق) تو اس نے کہا کہ اسلمت للہ اور وہ مسلمان ہو گیا۔

... قال فدنوت منه فكسرتہ وامرت اصحابی فهدموا

بیت خزانته فلم يجدوا فيه شيئا ثم قلت للسادن كيف

رايت؟ قال اسلمت للہ۔

(طبقات لابن سعد ص ۹۰۵، ۹۰۶ ج ۲، تحت سریرہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، الی سواع،

طبع لیدن)

طبعی صلاحیت اور دینی اعتماد

اس سلسلہ میں محدثین کرام نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا ایک باہمی تنازع لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً حضرت عمرو

بن العاص رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان دو متنازعین کے درمیان تم فیصلہ کرو۔ تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس معاملہ میں مجھ سے زیادہ فائق اور حقدار ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ میں زیادہ اولیٰ ہوں (پھر بھی تم ہی فیصلہ کرو) اس کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بطور استفادہ کے اور حصول وضاحت کے طور پر عرض کیا کہ اگر ان کے مابین متنازع کا میں فیصلہ کروں تو یہ میرے لیے کس طرح سودمند ہو گا تو ان کی اس گزارش پر بطور قاعدہ کے ارشادِ نبوی ﷺ ہوا۔

... قال ان انت قضيت
بينهما فاصبت القضاء
فلک عشر حسنات وان انت
اجتهدت فاحططت فلک
یعنی اگر تم نے ان کے مابین درست
اور صحیح فیصلہ کیا تو تمہارے لیے دس نیکیاں
ہوں گی اور اگر تم نے اپنے اجتہاد میں خطا
کی تو پھر بھی تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔
حسنہ۔

(مسند امام احمد ص ۲۰۵، ج ۴، تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، طبع مصر)
اس سے واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نہایت باصلاحیت، مخلص اور دیانت دار شخص تھے اور ان کی طبعی صلاحیت پر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعتماد تھا، اسی بنا پر ان کو اس واقعہ میں فیصلہ قرار دیا۔

نوٹ: واقعہ ہذا قبل ازیں سیرت امیر معاویہ جلد اول، ص ۲۴۰-۲۴۱ پر ہم ذکر کر چکے ہیں۔

مکتوب نبوی اور عمان کی امارت

اہل سیرت نے لکھا ہے کہ ذوالقعدہ ۸ ہجری میں سید الکونین صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے جناب عمرو بن العاص کو ایک دعوتی مکتوب دے کر عمان کے دو بادشاہوں (جیفر و عبد) کی طرف روانہ فرمایا۔

یہ دونوں الجندی کے فرزند تھے اور قبیلہ ”ازد“ سے تھے اور عمان پر دونوں برادران میں سے جیفر بادشاہ حکمران تھا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان دونوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے روانہ کیے گئے۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں بھائیوں کی طرف ایک دعوتی مکتوب لکھوایا اور اس پر مہر نبوی تھی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عمان پہنچا۔ دونوں بھائیوں میں زیادہ حلیم اور نرم اخلاق عبد تھا۔ اس کی طرف قصد کیا اور میں نے کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے تم دونوں کے پاس پیغام رساں بن کر آیا ہوں۔

تو اس نے کہا کہ میرا برادر بڑا ہے اور بادشاہ ہے۔ میں اس سے تیری ملاقات کراتا ہوں، وہ آپ کا مکتوب پڑھے گا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کئی ایام میں وہاں ان کے مقام پر ٹھہرا رہا، پھر انہوں نے مجھے دعوت دی، میں ان کے پاس داخل ہوا اور میں نے دعوتی مکتوب ان کے ہاں پیش کیا، مہر لگی ہوئی تھی اس نے اس کو کھولا اور خط پڑھا اور تمام پڑھا۔ پھر اس نے یہ خط اپنے بھائی کو دیا تو اس کے برادر نے بھی تمام خط پڑھا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے معلوم کیا کہ اس کا برادر زیادہ نرم طبع کا آدمی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ ٹھہریے، کل آجانا۔ پھر دوسرے روز میں ان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں نے اس دعوت میں خوب غور و فکر کیا ہے اور میں عرب میں کمزور آدمی ہوں گا، اگر اپنے تمام ملک کو ایک شخص کی ملکیت میں دے دوں، پھر میں نے کہا کہ کل میں واپس ہو جاؤں گا۔ جب اس کو میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس پر دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا اور پیغمبر اسلام کی تصدیق کی اور مجھے اس علاقہ سے صدقہ وصول کرنے کی رخصت دے دی اور مانع نہیں ہوئے۔

اور اگر کسی نے اس کام میں میری مخالفت کی تو وہ دونوں حضرات اس مسئلہ میں میرے معاون ہوئے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس علاقہ کے اغنیاء لوگوں سے صداقت وصول کیے اور وہاں کے فقراء اور حاجت مند لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ اس سلسلہ میں وہاں مقیم رہا حتیٰ کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی خبر موصول ہوئی۔

... فلما ايقن بمحزجي اصبحت فارسل الى فدخلت عليه فاجاب الى الاسلام هو واخوه جميعا وصدق بالنبى صلى الله عليه وسلم وخليا بينى وبين الصدقه وبين الحكم فيما بينهم وكانالى عوناً على من خالفنى فاخذت الصدقه من اغنياءهم فردوتها فى فقراءهم فلم ازل مقيماً فيهم حتى بلغنا وفاه رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(۱) الطبقات لابن سعد ص ۱۸، جلد ۱، ق ثانی تحت ذکر بعثت رسول اللہ الرسل بکتبہ، طبع قدیم، لیدن۔

(۲) سیرت ابن ہشام جلد ۲، ثانی ۶۰۷ میں بھی واقعہ ہذا اپنی عبارت میں مذکور ہے۔

صدیقی اور فاروقی عہد میں فتوحات اور شام میں ملی خدمات

ما قبل میں جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملی خدمات جو عہد نبوت میں پیش آئیں، ان کا بالاختصار ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد صدیقی عہد خلافت میں بھی ان کے بہت وقیع کارنامے اسلامی خدمات کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔

مثلاً جس وقت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۳ ہجری میں حج ادا کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو اس وقت علاقہ شام میں اسلامی افواج بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام (فلسطین) کی طرف عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا۔ اس وقت متعدد حضرات یزید بن ابی سفیان، ابو عبیدہ بن الجراح اور شرحبیل بن حسنہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اپنے اپنے دستہ فوج پر امیر بنا کر روانہ فرمایا اور ان تمام امراء کو بلقاء کے مقام کی طرف پہنچنے کی ہدایت فرمائی۔

... لما قفل ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) عن الحج (۱۳)

ہجری) بعث عمرو بن العاص قبل فلسطین ویزید بن ابی سفیان و ابا عبیدہ بن الجراح شرحبیل بن حسنہ۔
وامرہم ان یسلکوا علی البلقاء۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۸۶، ج ۱، تحت سنہ ۱۳ ہجری)

اور خلیفہ بن خیاط نے ابن اسحاق کے حوالہ سے مزید اس مقام میں یہ وضاحت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق یہ تمام حضرات فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے اور اجنادین کے مقام پر جمع ہوئے اور ہر ایک امیر اپنے اپنے دستہ پر نگران تھا۔

اور بعض مورخین اس طرح بھی ذکر کرتے ہیں کہ ان تمام پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر الامراء تھے۔ اس میں دیگر اقوال بھی پائے جاتے ہیں۔

ان کے مقابل رومیوں کے لشکر کا امیر قیقلاء تھا۔ وہ اس جنگ میں قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی (اور اہل اسلام کو فتح نصیب ہوئی) یہ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری کا واقعہ ہے۔

خلیفہ ابن خیاط نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اجنادین کی اس جنگ میں حضرت عمرو

بن العاص رضی اللہ عنہ کے برادر ہشام بن العاص السہمی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے۔
 ... قال ابن اسحق ثم ساروا جميعا قبل فلسطين -
 فالتقوا باجنادين... والامراء كل على جنده يزعم بعض
 الناس ان عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ كان عليهم جميعا -
 وعلى الروم القيقلاء فقتل القيقلاء وهزم الله
 المشركين وذلك يوم السبت الثلاث يقين من جمادى
 الاولى سنة ثلاث عشر -

(تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۸۷، ج ۱، تحت سنہ ثلاث عشر، طبع اول)

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں شریک و شامل ہوئے اور بڑی
 مشکلات اور آزمائشوں میں مبتلا رہے، مگر اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے مقابلہ میں
 مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔

... وشهد عمرو يوم اليرموك وابلى يومئذ بلاء حسنا -

(سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۶، ج ۲، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ)

اور بعض مورخین نے اس طرح لکھا ہے کہ بعد میں حضرت ابو عبیدہ بن
 الجراح نے آپ رضی اللہ عنہ کو حلب رے انطاکیہ وغیرہ کی طرف بھیجا اور انہوں نے صلح کر
 لی۔

اس کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر تھبرین کے علاقے
 کو فتح کیا۔

... وقيل: بعثه ابو عبیده (بن الجراح) فصالح اهل

حلب وانطاکیه وافتتح سائر قنسرین عنوه -

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۶، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ -

(۲) الاصابہ لابن حجر مع الاستیعاب ص ۲، ج ۳، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ -

خلیفہ ابن خیاط نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو

بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین اور اردن کے علاقہ جات کا والی بنایا۔
 وولی عمر رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فلسطین
 والاردن۔

(۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۲۹ ج ۱ تحت الشامات۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۶ ج ۳ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

علاقہ مصر میں ملی خدمات

پھر اس کے بعد اہل تاریخ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کی طرف مکتوب ارسال فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ مصر کی طرف اقدام کریں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کی امداد کے لیے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی مصر کی طرف روانہ کیا گیا اور ان حضرات کی مساعی سے مصر فتح ہوا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک مصر کے والی اور حکمران رہے۔

... وكتب الى عمرو بن العاص رضي الله عنه فسار الى مصر

فافتتحها فلم يزل واليا حتى مات عمر۔

(۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۰ ج ۱ تحت الشامات (۲۳ ہجری) ص ۱۱۴ ج ۱

تحت ۲۰ ہجری فتح مصر۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۶ ج ۳ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

مورخین کی تصریحات کے مطابق جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ۲۱ ہجری میں اسکندریہ فتح کیا اور اس سے قبل ۲۰ ہجری میں ایون نامی علاقہ کو فتح کیا۔

اس کے بعد آپ طرابلس کی طرف متوجہ ہوئے اور ۲۳، ۲۴ ہجری میں اسے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کیا۔

... فتح عمرو بن العاص الا سکندریہ سنہ احدى

وعشرين... وقال النسوي كان فتح ليون سنه عشرين
واميرها عمرو- وقال خليفه افتتح عمرو طرابلس الغرب
سنه اربع وعشرين وقيل سنه ثلاث-

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی، ص ۴۶-۴۷، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۹۲۵ ج ۹، تحت عنوان فتح طرابلس والاسکندریہ۔

امام النووی نے اپنی تصنیف تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ فتح مصر کے بعد
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہاں مصر کے والی اور حاکم رہے، حتیٰ کہ حضرت عمر
فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔

بعدہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف
سے چار سال تک والی مصر رہے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ولایت مصر سے معزول کر دیا تو
آنمو صوف فلسطین میں مقیم ہو گئے اور وقتاً فوقتاً مدینہ طیبہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔

... ثم ارسله عمر رضي الله عنه في جيش الى مصر ففتحها ولم
يزل واليا عليها حتى توفي عمر ثم اقره عثمان عليها
اربع سنين ثم عزله - فاعتزل عمرو بفلسطين وكان ياتي
المدينه احيانا-

(۱) تہذیب الاسماء واللغات للنووی ص ۳۰، جلد اول، القسم الاول ترجمہ عمرو بن

العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ص ۹۷ ج ۴، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

الانتباه

ما قبل کے صفحات میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق حربی امور کا
ذکر اختصاراً پیش کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیلات مفصل تاریخوں میں دستیاب ہو سکتی

ہیں، ان کے جنگی کارنامے اور متعدد علاقوں کی فتوحات میں ان کی مساعی بہتر طریقہ سے صفحات تاریخ پر پائی جاتی ہیں، اس سے اشاعت اسلام میں ان کا مقام واضح ہوتا ہے اور فروغ دین میں ان کا کردار آشکارا ہوتا ہے۔

واقعہ تحکیم

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ولایت مصر سے معزولی کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عموماً فلسطین یا بعض دیگر مقامات میں مقیم رہے۔ جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین واقع ہوئی تو اس وقت دونوں فریقین نے اپنے اپنے حالات کے تقاضوں کے تحت مصالحت کے لیے حکمین تجویز کیے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ حکم منتخب ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکم منتخب کیے گئے۔

صفر ۳۷ھ میں ملک شام کی سرحد پر دومتہ الجندل کے قریب اذرح کے مقام پر حکمین کا اجتماع ہوا۔ وہاں فریقین کے درمیان مصالحت کے موضوع پر باہم گفتگو ہوئی۔ (جس کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں اور ہم نے بھی سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیرۃ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد اول میں بحث ہذا کے تحت ذکر کی ہیں) اور دونوں حکمین حضرات کی رائے میں اختلاف واقع ہوا اور وہ کسی متفقہ فیصلہ پر مجتمع نہیں ہو سکے۔ اس وجہ سے تحکیم میں ناکامی ہوئی۔

خليفة بن الخياط لکھتے ہیں کہ

... وفيها (صفر ۳۷ھ) اجتمع الحکمان ابو موسیٰ

الاشعري رضي الله عنه من قبل علي رضي الله عنه وعمرو بن العاص رضي الله عنه من

قبل معاوية رضي الله عنه بدومة الجندل في شهر رمضان ويقال

باذرح وهى من دومة الجندل قريب - فبعث على ابن عباس ولم يحضر وحضر معاويه - فلم يتفق الحكمان على شئى... الخ -

(تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد اول، ص ۹۷۴ تحت سنہ سبع و ثلاثین)

مختصر یہ ہے کہ واقعہ تحکیم میں کسی مخادعت اور شاطرانہ طریقہ کو دخل نہیں تھا (جیسا کہ مؤرخین مثلاً طبری متوفی ۳۱۰ھ نے واقعہ ہذا میں طول طوال چیزیں بڑھا چڑھا کر ذکر کی ہیں) بلکہ اس میں حکمین کے مابین اختلاف رائے ہو گیا تھا یعنی ایک صاحب کی رائے دوسری شخصیت کی رائے سے متعارض ہوئی، اس بنا پر مسئلہ کا کوئی متفقہ حل سامنے نہ آ سکا اور جانبین کی مصالحانہ مساعی ناکام ہو گئیں۔

اس چیز پر ہم نے طبری سے قدیم تر مورخ خلیفہ ابن خیاط المتوفی ۲۴۰ھ کا مندرجہ بالا فیصلہ بلغہ ذکر کر دیا ہے جو نہایت قابل توجہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شانِ دیانت اور شانِ عدالت کے پیش نظر یہی چیز درست اور صحیح ہے۔

قاتلانہ حملہ

واقعہ صفین کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مصر میں مقیم تھے اور وہاں کے والی اور حاکم بنائے گئے تھے۔

جنگ نہروان کے بعد رمضان المبارک ۴۰ھ میں بعض خارجی افراد (عبدالرحمن بن ملجم المرادی، عمرو بن بکیر، برک بن عبداللہ) حرم کعبہ میں مجتمع ہوئے اور انہوں نے باہم فیصلہ کیا کہ --- ان تین اشخاص (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اور جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دینا چاہیے تاکہ لوگوں کو ان کے مظالم سے نجات مل سکے اور یہ کام ایک ہی تاریخ میں پورا کیا جائے۔

عبدالرحمن بن ملجم المرادی نے کہا کہ علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے قتل کا میں ذمہ

لیتا ہوں اور برک بن عبد اللہ نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو میں قتل کروں گا اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کا عہد کیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے واقعات قبل ازیں ہم سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد اول میں بحث ہذا کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

ابن ملجم المرادی کے حملہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے اور برک بن عبد اللہ نے حملہ کیا مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ اب اس مقام میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کا واقعہ بالا اختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

(عمرو بن بکر) یا عمرو بن بکیر اس مقصد کے لیے مصر پہنچا اور اس کا ارادہ تھا کہ صبح کی نماز کے موقعہ پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ اس روز حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی پیٹ کے مرض کے باعث فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف نہیں لا سکے اور اپنے قائم مقام کے طور پر اپنے پولیس افسر خارجہ بن ابی حبیبہ (یا خارجہ بن حذافہ) کو نماز پڑھانے کے لیے بھیجا۔

عمرو بن بکیر مسجد میں پوشیدہ ہو کر بیٹھا تھا تاکہ جب آنمو صوف نماز کے لیے پہنچیں تو ان پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ جب خارجہ نماز کے لیے پہنچے تو اس نے ان پر حملہ کر کے قتل کر دیا اور اسے گمان تھا کہ یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب یہ خارجی پکڑا گیا تو کہنے لگا کہ میں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خارجہ کی موت کا ارادہ کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر فرمایا تھا۔ اس کے بعد اس خارجی برک بن عبد اللہ کی گردن اڑادی گئی۔

...فحمل علیہ الخارجی فقتله وهو یعتقد عمرو بن

العاص فلما اخذ الخارجی قال اردت عمرواً واراد الله

خارجہ۔ فارسلہا مثلاً وقتل قبحہ اللہ۔ وقد قيل ان الذي قالها عمرو بن العاص رضي الله عنه و ذالك حين جئى بالخارجى فقال ما هذا؟ قالوا قتل نائبك خارجہ۔ ثم امر به فضربت عنقه۔“

(۱) البدایہ للین کثیر ج ۷، ص ۳۲۹، تحت مقتل علی رضی اللہ عنہ۔

(۲) مجمع الزوائد للیثی ج ۹، ص ۱۳۲-۱۳۱، باب آخر احوال علی رضی اللہ عنہ۔

(۳) کتاب الخبر لابن جعفر بغدادی ص ۲۹۳، طبع دکن۔

آخری احوال

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک مدت تک مصر کے والی رہے اور اس علاقہ میں عمدہ انتظام قائم رکھا اور اسلام کے فروغ اور بقا کے لیے مساعی جاری رکھیں۔ ان کی عمدہ صلاحیتوں کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کرنے یا انہیں تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ان کی عمر کا بیشتر حصہ مصر میں ہی پورا ہوا۔

آخر میں عمر رسیدہ ہو کر طبعاً علیل ہو گئے۔ ان اوقات میں ایک صاحب ابن شماس المہدی آنمو صوف رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ شدت مرض کی وجہ سے پریشانی کی حالت میں تھے۔

○ ابن شماس کہتے ہیں کہ اس وقت آپ بہت روئے اور گریہ کی حالت میں دیوار کی طرف رخ کر لیا۔

○ آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ بن عمرو اس وقت موجود تھے، وہ کہنے لگے: اے والد! آپ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارت نہیں فرمائی؟؟ تو آنمو صوف اپنے فرزند کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: سب سے بہتر چیز جو میں شمار کرتا ہوں وہ توحید و رسالت کی شہادت ہے۔ (جو مجھے حاصل ہے)

میری عمر کے تین دور گزرے ہیں:

○ میری حالت قبول اسلام سے قبل یہ تھی کہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت رکھتا تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا متمنی تھا۔ اگر اس وقت مجھے موت آ جاتی تو یقیناً اہل جہنم میں سے ہوتا۔

○ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی صداقت ڈال دی اور میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قبول اسلام کے لیے اپنے سابقہ معاصی کی مغفرت کی شرط پیش کی۔ (اس موقعہ کی باہمی گفتگو کی تفصیلات مسلم شریف وغیرہ میں مذکور ہیں اور ہم نے قبل ازیں ”قبول اسلام“ کے عنوان کے تحت اسے مختصراً ذکر کیا ہے)..... اس حالت میں اگر میری موت واقع ہو جاتی تو میں یقیناً اہل جنت میں شمار ہوتا۔

○ اس کے بعد کئی امور کا مجھے والی بنایا گیا۔ میں نہیں جانتا کہ ان امور کا انجام میرے حق میں کس طرح رہا؟؟؟... الخ۔

(۱) مسلم شریف ج ۱، ص ۷۶، تحت کتاب الایمان باب کون الاسلام یجہد... الخ۔

(۲) حاشیہ تہذیب الاسماء واللغات للنواوی ص ۳۱، ج ۱، ق ۱، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

روایت مندرجہ بالا کے علاوہ بھی علماء کرام نے بعض چیزیں ذکر کی ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آنمو صوف اپنی پریشانی کی حالت میں اپنے مالک حقیقی کی جناب میں عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

اللهم امرت بامور ونہیت عن امور۔ ترکنا کثیرا مما

امرت ورتعنا فی کثیر مما نہیت۔ اللهم لا اله الا انت

..... فلم یزل یهلل حتی فاض رضی اللہ عنہ۔

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۳، ص ۵۱، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) تہذیب الاسماء واللغات للنواوی جلد اول، ص ۳۰، القسم الاول تحت عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ میں اسی مفہوم کی روایت درج ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اے اللہ! تو نے ہمیں کئی امور کا حکم دیا اور کئی امور سے ہمیں منع فرمایا۔ ہم نے بہت سے احکام کو چھوڑ دیا اور بہت سے ممنوعات کے ہم مرتکب ہوئے۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ آنمو صوف لا الہ الا اللہ کا ذکر بار بار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

چنانچہ حدیث شریف میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔

..... عن معاذ رضی اللہ عنہ (بن جبل) قال قال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ رواہ ابو داؤد والحاکم وقال صحیح الاسناد۔

(ریاض الصالحین ص ۳۷۶، تحت باب تلقین المحتضر لا الہ الا اللہ)

لہذا جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا کلمہ توحید کا ورد کرتے ہوئے انتقال ہونا خاتمہ بالخیر کی واضح دلیل ہے اور اخروی نجات اور دخول جنت کی علامت ہے۔

تاریخ وفات

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال قریباً ستر برس کی عمر میں ہوا اور آنمو صوف عید الفطر کی شب میں فوت ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ عید الفطر ۴۳ھ کی نماز کے بعد آپ کے فرزند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور مقسم میں سپرد خاک کیے گئے۔

(۱) تہذیب الاسماء واللغات للتواوی جلد اول، ص ۳۰، القسم الاول تحت ترجمہ عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہ۔

(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ج ۴، ص ۱۷۱ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

ایک اشتباہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آخری اوقات میں پریشانی اور اضطراب کے بعض کلمات صادر ہوئے ہیں مثلاً بعض روایات کے اعتبار سے آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(۱) ... اللہم امرت بامور ونہیت عن امور۔ ترکنا کثیرا

مما امرت ورتعنافی کثیر ممانہیت۔

(۲) ... ثم ولیت اشیاء ما ادری ما حالی فیہا۔

مذکور بالا کلمات کی بنا پر بعض لوگ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات کے کلمات ہیں جن میں انہوں نے اپنی غلطیوں اور قصور کا اعتراف کیا ہے اور مغفرت سے مایوسی کا اظہار کیا ہے اور آنمو صوف اپنی زندگی کے آخری اوقات میں اپنے افعال و اعمال پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتے تھے۔ یہ چیز سوء انجام کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

رفع اشتباہ

اس سلسلے میں چند چیزیں درج ذیل ہیں، ان پر نظر انصاف کرنے سے مذکورہ بالا اعتراضات دُور ہو جائیں گے اور شبہات رفع ہو سکیں گے۔

قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بعض اوقات فکر آخرت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت کے طالب ہوتے ہیں۔ ایسی کیفیت میں ان حضرات سے جو کلام صادر ہوتا ہے اسے تواضع اور انکساری پر محمول کیا جاتا ہے اور یہ چیز خشیت الہی کے غلبہ کی وجہ سے

پیش آتی ہے۔

اس مسئلہ پر چند نظائر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں جن میں ہماری مندرجہ بالا گزارش کی تصدیق موجود ہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام میں یہی مضمون بہ عبارات ذیل منقول ہے:

(۱) ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اس امت کے سب سے بہترین افراد ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، پھر فرمایا:

...انا قد احدثنا بعدہم احداثا یقضى اللہ تعالیٰ فیہا

ماشاء۔

(مسند امام احمد "جلد اول"، ص ۱۱۵، تحت مسندات علی رضی اللہ عنہ،)

یعنی..... ان کے بعد ہم سے کئی جدید چیزیں صادر ہوئیں، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جو چاہے گانفیصلہ فرمائے گا۔

(۲) ابو نعیم الاصفہانی اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار خطبہ دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے سب سے خیر اور افضل تھے، پھر ان کے بعد امت کے بہترین شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں..... آگے فرمایا:

...ثم احدثنا امورا یقضى اللہ فیہا ما شاء۔

• (اخبار اصفہان لابن نعیم اصفہانی جلد اول، ص ۳۳۵، طبع لیدن)

یعنی..... پھر ہم نے کئی نئے امور سرانجام دیئے، اللہ تعالیٰ ان میں جو چاہیں گے فیصلہ فرمائیں گے۔

(۳) خطیب بغدادی نے اپنی تصنیف میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر فرمایا:

...واحدثنا احداثا بعدہم يفعل الله ما يشاء۔

(موضح اوہام الجمع والتفريق للعلیپ بغدادی ج ۲، ص ۹، تحت ذکر خالد بن علقمہ)

یعنی فرمایا..... پھر ان حضرات (سیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بعد ہم سے کئی

چیزیں صادر ہوئیں، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ جو چاہیں گے معاملہ فرمائیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا تمام اقوال کا مفہوم یہی

لیا جاتا ہے کہ انہوں نے خشیت الہی کے غلبہ کے تحت یہ کلمات ادا فرمائے اور خطایا

اور کوتاہیوں کو ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا۔ لہذا ان کلمات کو جناب علی المرتضیٰ رضی

اللہ عنہ کے معاصی اور عیوب پر محمول کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

اسی طرح ایک دیگر مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے بھی اسی طرح کا کلام منقول ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ

...العلاء بن المسيب عن ابيه قال لقيت البراء بن

عازب رضی اللہ عنہ، فقلت طوبى لك۔ صحبت رسول الله

صلى الله عليه وسلم وبايعته تحت الشجرة۔ فقال يا ابن

اخي انك لا تدري ما احدثنا بعده (صلى الله عليه وسلم)

(بخاری شریف ج ۲، ص ۵۹۹، باب غزوة حديبية، طبع دہلی، نور محمدی)

یعنی المسیب کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی

اور میں نے عرض کیا کہ آپ کے لیے عمدہ خوشخبری حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جناب

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے

شجرہ کے نیچے بیعت کی۔ تو اس کے جواب میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اے برادر زادے! تو نہیں جانتا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے کیا کچھ

نئے کام کر ڈالے۔

اس کلام میں بھی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے عجز و انکسار کے پیش نظر یہ کلمات فرمائے اور اپنے اضطراب کا اظہار فرمایا۔ لیکن ان کلمات سے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے خدا و رسول کے نافرمان ہونے اور معاصی کے مرتکب ہونے کا مفہوم نہیں لیا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مندرجات بالا کے پیش نظر یہ چیز واضح ہوئی کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا آخری اوقات میں اس نوع کے کلمات ادا کرنا ان کے فکرِ آخرت اور خشیتِ الہی کے غلبہ کی وجہ سے تھا۔

فلذا ان مضطربانہ کلمات کی بنا پر آنمو صوف رضی اللہ عنہ پر نقد کرنا اور اعتراض قائم کرنا بے جا ہے اور ہرگز درست نہیں بلکہ یہ چیز تو ان کی شانِ اتقاء اور شانِ دیانت کی اعلیٰ صفت ہے جو ان سے صادر ہوئی۔ یہ چیز خاتمہ بالخیر اور حسن انجام کی علامات میں سے ہے۔

اختتامی کلمات

ناظرین کرام کی توجہ اس چیز کی طرف دلائی جاتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے لوگوں نے جو اعتراضات آپ کی شخصیت پر وارد کیے ہیں (جیسا کہ ان کا اجمال اول بحث میں درج کیا گیا ہے) ان کو پیش نظر رکھئے اور پھر جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے احوالِ زندگی اور ان کی ملی خدمات کو ملحوظ رکھئے اور ان کی سرگزشت کے ایک ایک عنوان پر منصفانہ نظر کیجئے۔ (جو صفحات بالا میں بالاختصار پیش کیے گئے ہیں) بشرط انصاف اس طرح موازنہ کرنے سے اعتراضات کا جواب بہ اسانی حل ہو سکے گا اور مزید کوئی بحث ذکر کرنے کی حاجت نہ رہے گی۔

آنمو صوف کے اول دور کے حالات پھر اس کے بعد اسلامی دور کے واقعات پھر ان کے اختتامی ایام کے کوائف ان سب ادوار کے نشیب و فراز سامنے رکھنے کے بعد کسی دیگر صفائی پیش کرنے اور دفاع ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

بعد از اسلام ان کی پوری زندگی کا کردار تمام سوالوں کا جواب ہے اور اگر ان تمام چیزوں کو پس پشت ڈال کر اعتراض کرنا ہی مقصود ہے تو پھر یہ صرف کینہ و عناد کی وجہ سے ہوگا جس کا کوئی علاج نہیں۔ واللہ الہادی، اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔



فصل سوم

عثمانی مطاعن کے جوابات

تمہیدی کلمات

سید دو عالم نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ”خیر امتہ“ ہیں اور بہترین قوم ہیں۔ ان کی توصیف و مدح کلام اللہ میں بے شمار مقامات میں مذکور ہے۔

اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ان حضرات کی فضیلت صحیح روایت میں بے شمار مرتبہ منقول و مروی ہے۔

اس کے باوجود لوگ اس بہترین جماعت کے متعلق طعنہ زنی کرتے ہیں اور شکوہ و شکایت اور اعتراضات و مطاعن کی ایک طویل فہرست تیار کرتے ہیں اور یہ ان کا قدیمی شیوہ ہے۔

پھر ہر دور میں علمائے حق ان کے جوابات دیتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، ختم نہیں ہوا۔

اس دور میں بھی مخالفین صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہی و طیرہ برابر چلا آ رہا ہے، چنانچہ حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قدیم و جدید طعن وارد کیے گئے ان کے جوابات کے لیے ہم نے اپنے مقدور کے مطابق کچھ حقیر سی کوشش

کی ہے جو پیش خدمت ہے۔ البتہ یہاں یہ بات ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و کمالات اور ملی خدمات کا مفصل تذکرہ یہاں ذکر نہیں کیا۔ اس وجہ سے کہ وہ ایک مستقل کتاب اور مبسوط تصنیف کا متقاضی ہے۔

تاہم آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے فضائل اور کمالات اور دینی و قومی خدمات کا اجمالی خاکہ بالاختصار پیش کر دینا مفید خیال کیا ہے۔ اس طریقہ سے آنجناب رضی اللہ عنہ کے رفیع مقام کا نقشہ سامنے آسکے گا اور عظیم المرتبہ ہونا واضح ہوگا۔

اسم گرامی، قرب قرابت داری، فضائل و مناقب اور ملی خدمات

نام مبارک عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے اور لقب ”ذوالنورین“ ہے اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ سلسلہ نسب پانچویں پشت میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشترک ہے۔ (عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف)۔۔۔ عبد مناف دادا مشترک ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی طرف سے بھی خاندان نبوت کے ساتھ قریب تر ہیں اور آپ کی والدہ بنی ہاشم کی نواسی ہے۔

اس طرح کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام اروئی بنت کریز ہے اور اروئی کی والدہ ام حکیم بنت عبدالمطلب ہیں جو جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمہ محترمہ ہیں اور جناب کے والد شریف (عبد اللہ) کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں اور ام حکیم البیضاء کے نام سے مشہور ہیں۔

(۱) حاصل یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھوپھی زاد بہن کے فرزند ہیں اور عمہ زاد برادر ہیں۔

تنبیہ

اس قرابت داری کی مزید تفصیل مطلوب ہو تو ہماری تصنیف رحماء بینہم حصہ عثمانی، ص ۲۴ سے ۳۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) اعلان نبوت کے ابتدائی دور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہنمائی سے مشرف باسلام ہوئے اور قبیلہ کی ایذاؤں سے دین اسلام کو ترک نہیں کیا بلکہ اس پر ثابت قدم رہے۔

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اسلام کے السابقون الاولون میں ہے اور ان کی فضیلتیں ان کو حاصل ہیں اور مشہود لہ بالجنتہ ہیں (یعنی زبان نبوت سے ان کے لیے جنت کی بشارت حاصل ہے) اور عشرۂ مبشرہ میں ان کا شمار ہے۔

(۴) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ پھر ان کے انتقال کے بعد دوسری صاحبزادی ام کلثوم ان کے نکاح میں دے دی۔ اس بنا پر حضرت عثمانؓ کو لقب ذوالنورین حاصل ہوا۔

(۵) کفار مکہ نے جب مسلمانوں کو سخت ایذا رسائی کی تو ہجرت حبشہ (ملک حبش کی طرف) پیش آئی۔ حضرت عثمان نے اپنی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہا سمیت ہجرت اختیار کی۔

پھر اس کے بعد جب ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حبش سے واپس ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ اس طریقہ سے آنجناب رضی اللہ عنہ دو ہجرتوں کی فضیلت سے مشرف ہوئے۔

(۶) غزوہ بدر (۶۲ھ) میں پیش آیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ بحکم آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بدریوں میں شمار فرما کر غنائم بدر سے حصہ عنایت فرمایا اور اجر و ثواب میں شریک قرار دیا۔

(۷) کاتب وحی ہونے کی سعادت ان کو حاصل تھی اور اس کے علاوہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط تحریر کرنا بھی ان کے متعلق تھا۔

(۸) ۶ھ میں واقعہ حدیبیہ پیش آیا، اس کا اختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

قریش مکہ نے جب مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا۔

اندریں حالات آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو آنجناب نے عثمان کے قتل کا انتقام لینے کے لیے صحابہ کرام سے ایک شجر کے تحت موت کی بیعت لینی شروع کی۔

پھر اثنائے بیعت میں خبر ملی کہ عثمان زندہ ہیں البتہ ان کو قید کر لیا گیا ہے۔ اس وقت نبی اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور اسے اپنے دوسرے ہاتھ مبارک پر رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔

گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ ”عظیم فضیلت“ ثابت ہوئی، انہوں نے رسول خدا کے ہاتھ مبارک سے رسول خدا کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی۔

اس بیعت کا نام اسلام میں ”بیعت الرضوان“ ہے۔ خداوند کریم نے قرآن مجید میں اس بیعت سے مشرف ہونے والوں کے حق میں فرمایا ہے کہ ”پختہ بات ہے کہ ان مومنین سے اللہ راضی ہو گیا جنہوں نے شجر کے تحت آپ کے ساتھ بیعت کی... الخ۔“ (پ ۲۶، سورۃ الفتح)

(۹) غزوہ تبوک ۹ھ میں ہوا تھا۔ ان ایام میں اہل اسلام پر سخت افلاس اور معیشت کی تنگی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ مسلمانوں کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر بھی آنمو صوف نے بے مثل ایثار کرتے ہوئے مالی خدمات سرانجام دیں۔

سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیش ہذا کی تیاری کے لیے مسلمانوں کو متعدد بار مالی تعاون کی خاطر ارشاد فرمایا۔ تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

نے تین صد اونٹ بمع ساز و سامان کے پیش کیے اور مزید برآں ایک ہزار اشرفیاں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں لا کر رکھ دیں۔
آنجناب ﷺ نہایت مسرور ہوئے اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تحسین و بشارت کے کلمات ارشاد فرمائے۔

”ماضر عثمان ما عمل بعد اليوم۔“

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بالفرض عثمان سے آج کے بعد کوئی فعل سرزد ہو جائے تو وہ اس کو نقصان نہ دے گا۔

(۱۰) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے انتخاب خلافت اس طرح ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری اوقات میں چھ حضرات (حضرت عثمان غنی، حضرت علی، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، سعد بن ابی الوقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے حق میں فرمایا تھا کہ ان میں سے جس شخص پر اتفاق ہو جائے، اس کو خلیفہ منتخب کر لیں لیکن یہ فیصلہ تین یوم کے اندر کیا جائے، چنانچہ ان حضرات کی باہم گفت و شنید کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بغیر کسی نزاع و اختلاف کے منصب خلافت کے لیے منتخب کر لیا گیا اور باقی حضرات نے جناب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔ پس آنمو صوف اسلام کے تیسرے خلیفہ راشد قرار پائے۔

عثمانی خلافت ابتدا محرم الحرام ۲۴ھ سے شمار ہوتی ہے اور اس کا اختتام ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ پر ہے۔

(۱۱) خلافت عثمانی کے ایام میں بڑے بڑے عظیم ملی کارنامے پائے جاتے ہیں۔ اس عہد کا ایک اہم اور بے مثال کارنامہ یہ ہے کہ ۲۴ھ کے اواخر اور ۲۵ھ کے اوائل میں آرمینہ اور آذر بایجان کے علاقوں میں کفار کے خلاف اہل اسلام کی جنگیں جاری تھیں، افواج میں مختلف قبائل شامل تھے، وہاں قرآن مجید میں اختلاف فی القراءۃ کا مسئلہ پیدا ہوا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (مشہور صحابی) کو یہ بات

شدت سے محسوس ہوئی۔ معاملہ ہذا کی اہمیت کے پیش نظر وہ فوراً مدینہ شریف واپس پہنچے اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں الفاظ ذیل کے ساتھ اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ یا امیر المومنین!!

ادرك هذه الامه قبل ان
يختلفوا في الكتاب اختلاف
اليهود والنصارى - (مشکوٰۃ شریف
ص ۱۹۳، تحت فضائل القرآن، الفصل
الثالث، طبع دہلی)

مطلب یہ ہے کہ پیشتر اس کے کہ لوگ
کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگیں، اس
امت کو سنبھال لیجئے ایسا نہ ہو جیسا کہ یہود و
نصارئیں اپنی آسمانی کتب میں اختلاف کرنے
لگ گئے۔ (اور اصل دین سے برگشتہ
ہو گئے) پھر یہ اختلاف ان کے مذاہب میں
فساد و افتراق کا باعث ہوا۔

مختصر یہ ہے کہ جناب سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حالات کے پیش
نظر مسئلہ ہذا کے حق میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا (جن میں
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شامل تھے) ان حضرات کے فیصلہ کی روشنی میں یہ صورت
کی گئی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن مجید کا جو نسخہ جمع شدہ تھا، وہ
حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا۔ ان سے وہ نسخہ عاریتاً حاصل کر
کے (لغت قریش پر) ایک نسخہ قرآن مجید کا مرتب کرایا اور حرف واحد پر مصحف ہذا کو
لکھوایا گیا۔ باقی قرأت مختلفہ کو متروک قرار دے کر تلف کر دیا گیا۔

حافظ الذہبی نے اس چیز کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ

... من جمع الامه على
مصحف واحد بعد
الاختلاف - (تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد
اول، ص ۸، تحت امیر المومنین عثمان
رضی اللہ عنہ، طبع بیروت)

یعنی اختلاف واقع ہونے کے بعد
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کو
ایک مصحف پر جمع کر دیا اور اختلاف فی
الکتاب سے ملت اسلامیہ کو بچالیا۔

تنبیہ

مسئلہ ہذا کی مزید تفصیل آئندہ ”احراق مصاحف“ طعن کے جوابات کے تحت آرہی ہے، انتظار فرمائیں۔

(۱۲) جس طرح عہد فاروقی میں ملکی فتوحات کا سلسلہ بڑی کوشش سے جاری تھا۔۔ اسی طرح عہد عثمانی میں فروغ اسلام کی خاطر یہ سلسلہ قائم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بعض مفتوحہ ممالک نے بغاوت اختیار کی تھی (مثلاً ہمدان، ری، آذربائیجان، آرمینیا وغیرہ) تو خلافت عثمانی میں ان ممالک کو دوبارہ فتح کیا گیا اور بغاوتیں فرو کر دی گئیں۔

اور مزید برآں مشرق میں خراسان، طبرستان، بیہق، نیشاپور، ہرات، بلخ وغیرہ وغیرہ ممالک مفتوح ہوئے۔

اور مغرب کی طرف مراکش و طرابلس (اندلس) وغیرہ میں اسلام کا غلبہ ہوا اور یہ علاقے اسلامی حکومت کے تحت آ گئے۔

اور افریقہ میں ”حرب العبادہ“ کے نام سے ایک بڑی جنگ لڑی گئی۔ اس کے ذریعہ افریقہ کے بہت سے علاقے اسلام کے ماتحت ہو گئے۔

اور خاص طور پر بحری جنگوں کا آغاز عہد عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے ہوا۔ ان کے ذریعہ متعدد جزائر مفتوح ہوئے (جزیرہ قبرص وغیرہ) اور رومیوں کو شکستیں ہوئیں۔ قیصر روم کا اقتدار ختم ہوا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مغرب میں مراکش سے لے کر مشرق میں کابل تک حجاز، یمن، مصر، شام، عراق، (فارس) وغیرہ وغیرہ تمام ممالک پر حکومت اسلامی قائم ہوئی۔

احیائے اسلام اور فروغ دین کے لیے آنمو صوف کے یہ ملی کارنامے کتب حدیث و تاریخ میں بالتفصیل درج ہیں۔ ہم نے یہاں ان کا اجمال و اختصار پیش کیا ہے۔

اب اس کے بعد آنجناب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مشہور اعتراضات کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔ اس تحریر سے کوئی بحث و مباحثہ کھڑا کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرام اور رفقاء عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے ان کی صداقت و عدالت اور صفائی بیان کرنا اور ان کی جانب سے دفاع کرنا مطلوب ہے تاکہ اہل اسلام ان اعتراضات پر نظر کرنے کی وجہ سے ان حضرات کے متعلق سوء ظنی اور بدگمانی کا شکار نہ ہوں اور اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔



غزوہ بدر میں عدم شرکت کے اعتراض کا جواب

خليفة ثالث سيدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان کے مخالفین یہ طعن قائم کرتے ہیں کہ اسلام میں غزوہ بدر بہت بڑی فضیلت اور اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک نہیں ہوئے اور اس طرح فضائل غزوہ بدر اور اس کے فوائد سے محروم رہے۔

الجواب

غزوہ بدر کے موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں) بیمار تھیں۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمیت غزوہ بدر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں قیام کا ارشاد فرمایا۔ اتفاق قدرت سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا اسی دوران انتقال ہو گیا۔ جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح بدر کی خوشخبری مدینہ شریف لائے تو لوگ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دفن سے فارغ ہو چکے تھے۔

اس کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحین بدر کے لیے جب غنائم تقسیم فرمائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فاتحین بدر کے مساوی حصہ عطا کیا اور اس کی فضیلت میں بھی آپ کو شریک فرمایا۔

اسی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شاہدین بدر میں شمار کیا جاتا ہے۔
اس مسئلہ پر تراجم اور سیرۃ کے دو عدد حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) ... عن عبد اللہ بن مکنف بن حارثہ الانصاری قال لما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بدر خلف عثمان علی ابنتہ رقیہ وكانت مریضہ فماتت رضی اللہ عنہا یوم قدم زید بن حارثہ المدینہ بشیرا بما فتح اللہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببدر۔ وضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان بسهمہ واجره فی بدر فکان کمن شهدھا۔

(طبقات ابن سعد ص ۳۸، ج ۳، تحت ذکر اسلام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، طبع لیدن)
(۲) ... عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، تخلف علی امراتہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وكانت مریضہ فتوفیت وجاءت البشیر بالفتح حین دفنت۔ فضرب لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسهمہ من الغنیمہ وباجره من المشہد فہو بدری۔

(جوامع السیرۃ لابن حزم الاندلسی ص ۱۱۵، تحت تسمیہ من شہد بدر من المسلمین مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

فلذا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ بذات خود غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تاہم جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ فضائل بدر سے محروم نہیں ہیں اور انہیں غنائم بدر اور اس کے اجر میں سے برابر کا

حقہ عطا فرمایا گیا اور آل موصوف رضی اللہ عنہ اہل بدر کے فضائل میں شریک ٹھہرے۔

ایک فہمائش

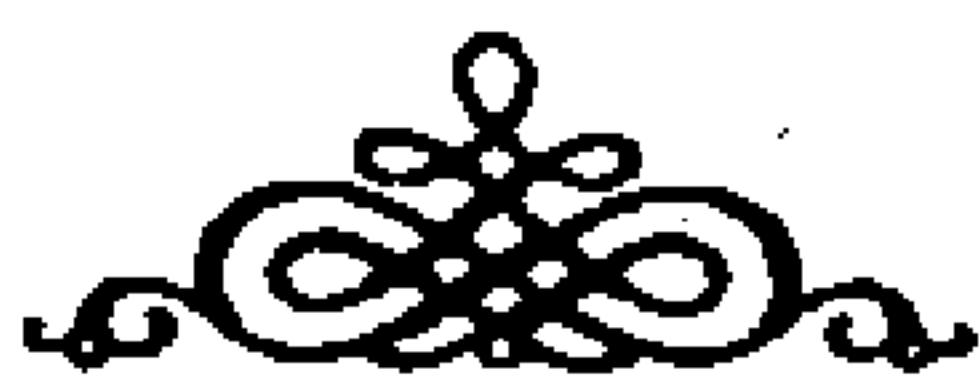
اس مقام میں معترض احباب کی فہمائش کے لیے یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غزوہ بدر میں عدم شمولیت کا مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح غزوہ تبوک میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عدم شمول ہے۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے تحت مدینہ منورہ میں ٹھہرائے گئے تھے اور غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے تحت غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے بلکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ میں ٹھہرائے گئے تھے۔

یہ دونوں واقعات یکساں حکم رکھتے ہیں اور دونوں حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر غزوات میں عدم شرکت کا طعن قائم کرنا صحیح نہیں ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پہنچتا تھا کہ اپنے ہر داماد کو اپنے گھر کے کاموں کے لیے، وہ بدر ہو یا تبوک، خدمت پر مامور فرماویں۔

مزید اس مسئلہ کی تفصیل اور حوالہ جات کے لیے ہماری درج ذیل تالیفات کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ ہم نے قبل ازیں اس مسئلہ کو ذیل مقامات میں بقدر ضرورت ذکر کر دیا ہے۔

(۱) بنات اربعہ رضی اللہ عنہن ص ۱۹۴ تا ۱۹۷۔

(۲) رجاء نینم (حقہ عثمانی) ص ۳۴-۳۵۔



غزوہ احد سے فرار کا جواب

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرنے والوں نے ایک یہ طعن بھی شمار کیا ہے کہ احد میں جو صحابہ میدان جنگ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے، ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور اسلام میں میدان جنگ سے فرار ہونا ممنوع ہے۔

الجواب

سیرت کے اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ غزوہ احد میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد پہاڑ کے ایک درہ پر مسلمان تیراندازوں کی ایک جماعت کو متعین فرمایا اور انہیں کسی صورت میں بھی اس مقام کو نہ چھوڑنے کا حکم صادر فرمایا لیکن ابتداء میں مسلمانوں کی فتح کو دیکھ کر اس جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مقررہ مقام کو چھوڑ دیا اور غنائم اکٹھے کرنے میں شریک ہو گئے۔ ان حالات میں پشت کی طرف سے کفار نے اہل اسلام پر زبردست حملہ کر دیا۔ ان نازک حالات میں بعض مسلمانوں کے قدم اکٹڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے نکل کھڑے ہوئے۔ ان لوگوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کو باختصار قرآن مجید میں ذکر فرمایا اور ان لوگوں کی

اس لغزش کو معاف فرما دیا:

... قوله تعالى، انما
استزلهم الشيطان ببعض ما
كسبوا- ولقد عفا الله
عنهم- ان الله غفور حلیم-
یعنی ان لوگوں کو شیطان نے (اس
معاملہ میں) پھسلا دیا اور یہ ان کے پہلے
بعض اعمال کی وجہ سے تھا، تحقیق اللہ تعالیٰ
نے ان کو معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت
(آل عمران: ۵۵، پ ۳) فرمانے والے بڑا بار ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سمیت جن مسلمانوں سے یہ
فروگزاشت ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ اب ان حضرات پر اس کا
کوئی گناہ نہ رہا۔ حق تعالیٰ کیلئے ان کی تفسیر معاف فرما چکا، اب کسی کو ان پر طعن
کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ملامت کرنے کا کوئی جواز ہے۔



بیعت رضوان میں عدم شمولیت کے اعتراض کا جواب

طاعنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پر تیسرا طعن یہ کرتے ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، بیعت رضوان میں شامل نہیں ہوئے تھے فلہذا وہ اس اہم فضیلت سے محروم رہے۔

الجواب

یہ اعتراض عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی حضرت عثمان پر لوگ کرنے لگ گئے تھے اور اس کا جواب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود ہی دے دیا ہے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں واقعہ درج ہے کہ اہل مصر سے ایک شخص حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں آیا اس نے کچھ لوگوں کا ایک جگہ اجتماع دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ لوگ کون ہیں؟؟ تو جواب دیا گیا کہ یہ قوم قریش سے ہیں اور ان کے درمیان مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ تو وہ شخص حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آل موصوف رضی اللہ عنہ سے بعض چیزوں کے متعلق سوالات کیے، کہنے لگا کہ

(۱) مجھے بتائیے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، احد سے فرار ہو گئے تھے؟ تو ابن عمر

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں؟

(۲) پھر کہنے لگا کہ آپ جانتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ، بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے،

عائب رہے تھے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہاں۔

(۳) پھر وہ کہنے لگا کہ وہ بیعت رضوان میں عائب تھے اور اس بیعت میں شامل نہیں تھے؟؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ بات بھی درست ہے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان تینوں سوالات کے جواب ارشاد فرمانے کے لیے اسے قریب بلایا اور فرمایا کہ میں ان کے جواب ذکر کرتا ہوں، غور سے سن لو۔

○ یوم احد سے فرار جو تو نے ذکر کیا ہے تو اس کے متعلق میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف فرما دیا ہے۔

(ولقد عفا اللہ عنہم۔۔۔ الخ، آل عمران آیت ۵۵، پ ۴)

○ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یوم بدر سے عائب رہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) ان کی زوجیت میں تھیں اور وہ ان دنوں شدید بیمار تھیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تم اس کی تیمارداری میں رہو۔ تمہارے لیے حاضرین بدر جیسا غنائم اور اجر دونوں میں حصہ ہوگا۔

○ باقی رہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں غیر حاضر تھے تو اس کے متعلق تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیعت رضوان سے عائب رہنا اس وجہ سے تھا کہ اگر وادی مکہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کوئی اور باعزت شخص ہوتا تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے اسے بھیجتے (لیکن اس کام کے

...اما تغيبه عن بيعه
الرضوان فلو كان احدا عز
ببطن مكة من عثمان بعثه
مكانه - فبعث رسول الله ﷺ
عثمان وكانت بيعه الرضوان
بعد ما ذهب عثمان الى
مكة - فقال رسول الله ﷺ

لیے اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کوئی موزوں شخص نہیں تھا) پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور آنمو صوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ مکرمہ چلے جانے کے بعد بیعت رضوان پیش آئی۔ تو اس موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیعت ہذا میں شامل کرنے کے لیے) فرمایا کہ یہ میرا دایاں ہاتھ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہے اور اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر بیعت فرمائی اور فرمایا کہ میں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بیعت کر رہا ہوں۔

بیدہ الیمنی ہذہ ید عثمان۔
فضرب بها علی یدہ فقال
ہذہ لعثمان۔ (۱) مشکوٰۃ شریف
ص ۵۶۲، تحت مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، الفصل
الثالث بحوالہ بخاری شریف۔ (۲) بخاری
شریف ص ۵۲۳، جلد اول تحت مناقب عثمان
رضی اللہ عنہ، طبع دہلی۔ (۳) بخاری شریف
ص ۵۸۱، ۵۸۲، جلد ثانی باب غزوہ احد تحت
آیت ان الذین تولوا منک یوم التمی الممعان،
الخ۔ (۴) المستدرک للحاکم ص ۹۸، جلد
ثالث تحت ذکر بعض خصوصیات عثمان رضی اللہ عنہ،
طبع حیدرآباد دکن۔ (۵) الاستیعاب لابن
عبدالبر (معہ الاصابہ) ص ۷۱، جلد ثالث، تحت
تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ (۶) تاریخ یعقوبی الشیعی
ص ۱۶۹، جلد ثانی، تحت ایام عثمان رضی اللہ عنہ، طبع
بیروت۔ (۷) روضہ کافی بمع فروغ کافی
ص ۱۵۱، تحت غزوہ حدیبیہ، طبع قدیم لکھنؤ۔

یہ جوابات ارشاد فرمانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے معترض مخاطب سے فرمایا کہ تمہارے سوالات کے یہ جوابات ہیں اور اب تم جاسکتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مذکورہ بالا روایت میں تینوں اعتراضات کے یکجا جوابات موجود ہیں۔ اہل السنہ اور شیعہ کے اکابر علماء نے ان ہر سہ جوابات کو بالوضاحت درج کر دیا ہے، اب مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔

منیٰ میں چار رکعت نماز ادا کرنے کے اعتراض کا جواب

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حج کے موقع پر آں موصوف رضی اللہ عنہ نے منیٰ کے مقام پر چار رکعت نماز ادا کی حالانکہ مسافر کے لیے چار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔

الجواب

یہ ایک قدیم اعتراض ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر کیا جاتا ہے۔ اس مقام میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ احکام حج کے معاملہ میں مسائل حج کے زیادہ واقف تھے اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے مسائل میں زیادہ معلومات رکھتے تھے۔ گویا آپ ان مسائل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسرے نمبر پر ہیں، چنانچہ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ

...كان اعلمهم بالمناسك ابن عفان وبعده ابن عمر۔

(طبقات ابن سعد ص ۴۱، جلد ثالث تحت ذکر لباس عثمان رضی اللہ عنہ)

اس کے بعد محدثین نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر اس اعتراض کے جواب میں خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا بیان بسند ذکر کیا ہے جسے معلوم

کر لینے کے بعد اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

چنانچہ مسند الحمیدی میں ہے کہ

... عن عثمان (بن عفان)

رضی اللہ عنہ، انه قال: صلی باہل منی

اربعا فانکر الناس علیہ

ذالک فقال: انی تاہلت بہا

لما قدمت۔ وانی سمعت

رسول اللہ ﷺ یقول اذا تاہل

الرجل فی بلد فلیصل بہ

صلاہ المقیم۔ (۱) مسند الحمیدی

ص ۲۱، ج ۱، تحت احادیث عثمان بن عفان

رضی اللہ عنہ۔ (۲) مسند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۱۵۷

مسند احمد ج ۱، تحت مسندات عثمان بن عفان

رضی اللہ عنہ۔ (۳) المصنف لعبد الرزاق ص ۵۱۶

جلد ثانی، تحت باب العلوة فی السفر۔ (۴) قرۃ

العینین از شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۲۷۴، تحت

جوابات مطاعن عثمانی

یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے منیٰ کے مقام میں لوگوں کو

چار رکعت کے ساتھ نماز پڑھائی تو اس پر

لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ نے متعرضین کے جواب میں فرمایا کہ

میں جب سے مکہ میں آیا ہوں تو میں نے

مکہ میں اقامت کا قصد کر لیا ہے اور اس

مسئلہ کے متعلق میں نے جناب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

کہ جب کوئی شخص کسی شہر میں اقامت کا

ارادہ کر لے تو وہ وہاں مقیم کی نماز (چار

رکعت) ادا کرے، چونکہ میں نے یہاں

اقامت کا قصد کر لیا تھا اس لیے میں نے

چار رکعت نماز ادا کی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے بیان

کے بعد کسی دیگر جواب کی حاجت نہیں اور اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔

علماء کرام نے اس مسئلہ میں توجیہات بھی ذکر کی ہیں تاہم مذکورہ بالا دلیل کے

بعد ہم نے ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔



جمعہ میں اذانِ ثانی کے ایزاد کرنے کا جواب

مقرضین نے اس مقام میں عبارت ذیل نقل کی ہے:

...فی هذه السنه (۳۰ھ) زاد
عثمان النداء الثالث على
الزوراء... الخ۔
یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے ۳۰ھ میں الزوراء کے مقام پر ندائے
ثالث کا ایزاد کیا۔

(تاریخ طبری ص ۶۸ جلد خامس آخر سنہ ثلاثین، طبع قدیم مصر)
یہاں سے معترض لوگ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ جمعہ میں حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایک اور اذان کا اضافہ کیا، حالانکہ اس سے قبل یہ اذان
نہیں پڑھی جاتی تھی اور مسائل شرعی میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا مذموم ہے۔

الجواب

اس مسئلہ کی تفہیم کے لیے یہ مختصر سی بات تمہیداً معلوم ہونی چاہیے کہ خلیفہ
اسلام اپنی جگہ صاحب اجتہاد ہوتا ہے اور اس کے لیے اسلامی مسائل میں اجتہاد کا
اختیار حاصل ہوتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کی تعداد کثیر ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس دور میں دعوت الی الصلوٰۃ کی خاطر اس اذان کو اجتہاداً۔۔۔ اختیار فرمایا تاکہ لوگ اذان کے ذریعے جمعہ کے لیے جلد پہنچنے کی سعی کریں اور یہ اضافہ وقت کی ملی و شرعی ضرورت کے تحت کیا گیا۔

اس دور میں بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے اور ان حضرات نے اذان ہذا کے اضافہ کے مسئلہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا اور کوئی اختلاف کھڑا نہیں کیا۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجماع سکوتی ہے اور یہ اس اذان کے جواز کے لیے صحیح دلیل ہے۔ (حواشی البخاری ص ۹۲۳ ج ۹، باب لا اذان یوم الجمعہ، طبع دہلی)

دیگر اہم بات یہ ہے کہ یہ واقعہ ۳۰ھ کا ہے، اس کے بعد اواخر ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہو گئی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، خلیفہ رابع منتخب ہوئے اور ۳۶ھ تا ۴۰ھ تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ اب اس تمام عرصہ میں یہ ایذا شدہ اذان جاری رہی۔ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (تقریباً چھ ماہ) یہ اذان ثانی دواماً کی جاتی رہی۔

ان اکابر ہاشمی حضرات کا یہ تعامل اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل شرعاً درست تھا اور قابل عمل تھا، بدعت نہیں تھا۔ اگر یہ اذان شرعاً ناجائز تھی تو یہ حضرات اس مسئلہ کی برملا مخالفت کرتے اور اس کو اپنے دور خلافت میں روک دیتے۔

اسلام میں اصل عبادت نماز ہے اور اذان نماز کی طرف بلانے کا ایک عمل ہے۔ جو اعمال ذرائع کے درجہ میں ہوں، ان میں مجتہد کے لیے نظر و فکر کی بہت وسعت ہوتی ہے بشرطیکہ اسے دوسرے مجتہد حضرات بھی قبول کر لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اذان کے اجراء سے لے کر آج تک اس پر اہل اسلام عمل درآمد کرتے آئے ہیں اور کسی نے اسے ترک نہیں کیا۔ پس اس مسئلہ پر تواتر طبقاتی پایا گیا ہے۔

نیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ
 ... لا تجتمع امتی علی
 یعنی میری امت کسی گمراہی پر مجتمع اور
 الضلالہ۔ متفق نہیں ہوگی۔

فلذا اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ شرعاً درست ہے، بدعت
 اور گمراہی نہیں ہے کئی مسائلِ تعالٰی امت سے ثابت ہوتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی
 اسی نوعیت کا ہے۔



مدینہ کی چراگاہیں مخصوص کر لینے کا جواب

قدیم مورخین نے یہ تصریح کی ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بعض مفسد مصرکوفہ اور بصرہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے آکر دار عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا تو اس موقع پر ان فتنہ پردازوں کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بے جا اعتراض اٹھائے گئے۔

ان اعتراضات کا جواب بعض دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دیا اور بعض اوقات خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جوابات ارشاد فرمائے۔ ان اعتراضوں میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں ایک چراگاہ کو صرف اپنے اونٹوں کے لیے مخصوص اور متعین کر دیا ہے اور یہ کام شرعاً جائز نہیں ہے۔

الجواب

معتزمین کے اس اعتراض کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ جواب ذکر کیا ہے کہ

”یہ چراگاہ عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف صدقہ کے جانوروں اور بیت المال کے اونٹوں کے لیے متعین کی ہے (ذاتی جانوروں کے لیے نہیں) اور اس سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی صدقہ کے اونٹوں کے لیے ایک چراگاہ متعین کی تھی۔“

چنانچہ قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے اس اعتراض کا جواب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبانی بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے۔
حضرت عثمان نے فرمایا:

... فاما الحمى فان عمر بن الخطاب حماه قبلى لابل الصدقه
فلما ولت زادت ابل الصدقه فزدت فى الحمى لما زاد من
ابل الصدقه۔

(۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۶ ج ۱، تحت سنہ ۳۵ھ، قتنہ زمن عثمان۔
(۲) تاریخ طبری ص ۹۰۷ جلد خامس تحت روایت مناظرۃ القوم عثمان رضی اللہ عنہ و
سب حصارہم، طبع قدیم، مصر۔

○ اور حافظ ذہبیؒ نے اسی جواب کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

... فاما الحمى فوالله ما حميته لا بلى ولا لغنمى
وانما حميته لا بلى الصدقه۔

(تاریخ الاسلام للذہبیؒ ص ۱۲۱ جلد ثانی، تحت سنہ ۳۵ھ)
اسی طرح اس اعتراض کا جواب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو ارشاد فرمایا
تھا، اسے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:
... واما الحمى فانما حماه لا بلى الصدقه لتسمن ولم
يحمه لا بلى ولا لغنمه قد حماه عمر بن الخطاب قبله۔
(البدایہ والنہایہ لابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۱ ج ۷، تحت سنہ ۳۵ھ)

حاصل کلام

یہ ہے کہ ان قدیم مورخین کے بیانات کی روشنی میں یہ چیز ثابت ہوتی ہے
کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جانوروں کے لیے اس چراگاہ کو

مخصوص و متعین نہیں کیا تھا، سو یہ طعن بالکل بے جا اور بے اصل ہے۔
 صدقات کے جانور اونٹوں وغیرہ کی تعداد کثیر ہو گئی تو اس وقتی ضرورت کے
 تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان چراگاہوں میں اضافہ بھی کیا اور تخصّص بھی کر دیا تھا
 لیکن یہ چراگاہیں ان کے ذاتی جانوروں کے لیے ہرگز نہیں تھیں۔

نیز یہ بات بھی مورخین نے واضح کر دی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ اس معاملہ میں خود ابتداء کرنے والے نہیں تھے بلکہ ان سے قبل حضرت عمر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیت المال کے جانوروں کے لیے مدینہ منورہ کے قرب و
 جوار میں چراگاہیں مخصوص کی تھیں، فلذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرنا کسی
 طرح بھی درست نہیں۔



حکم بن العاص کی جلاوطنی کے اعتراض کا جواب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کنندگان آنمو صوف کے چچا حکم بن ابی العاص کے متعلق یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کو بعض خطاؤں کی بنا پر مکہ مکرمہ سے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا اور حکم مذکور عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں بھی وہیں رہے لیکن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے اپنے چچا مذکور طرید رسول کو واپس مدینہ بلا لیا۔ اس طرح انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

الجواب

یہاں چند ایک چیزیں قابل وضاحت ہیں جو اعتراض ہذا کے ازالہ کے لیے

مفید ہیں:

(۱) کبار علماء نے تصریح کر دی ہے کہ حکم کی جلاوطنی کا قصہ احادیث صحاح کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس کے ثبوت کے لیے کوئی (صحیح اسناد) کے ساتھ معروف اور مشہور روایت ملتی ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

(۱) منہاج السنہ لابن تیمیہ ص ۹۹۶ جلد ثالث، بحث طرد حکم بن ابی العاص۔

(۲) المستقی للذہبی ص ۳۹۵ الفصل الثالث تحت بحث نفی حکم بن ابی العاص۔

(۲) اگر جلاوطنی کا یہ واقعہ درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کے متعلق علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کردہ اجازت سے ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم کو واپس بلا لیا تھا۔ (از خود یہ کام نہیں کیا تھا)

(۱) تاریخ طبری ص ۱۰۲-۱۰۳ ج ۵، تحت آمد وفود مصری و عراقی برمدینہ تحت سنہ ۳۵ھ۔

(۲) تاریخ طبری ص ۱۳۵ ج ۵، تحت ذکر بعض سیر عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۳) البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ص ۱۷۱ ج ۷، در ابتدا ۳۵ھ۔

(۴) کتاب التعمید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ، ص ۸۳-۸۴، طبع بیروت۔

مذکورہ بالا مقامات میں اس مسئلہ کے جوابات مکمل طور پر موجود ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے والے ہرگز ثابت نہیں ہوتے۔

تنبیہ

اس مسئلہ کے مالہ و ما علیہ کو قبل ازیں ہم نے اپنی تالیف ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں ص ۲۷۲ تا ۲۷۹ مفصل بیان کر دیا ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو وہاں ملاحظہ فرمائیں، حوالہ جات کی بلغۂ عبارتیں وہاں ذکر کر دی ہیں۔



احراقِ مصاحف کے طعن کا جواب

خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کے مخالفین یہ اعتراض بھی قائم کرتے ہیں کہ آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جلوا دیا تھا اور یہ فعل کلام اللہ کے حق میں استخفاف اور اہانت کا باعث ہے جو شریعت میں منع ہے۔

الجواب

اس اعتراض کے جواب سے قبل مسئلہ کی تفہیم کے لیے واقعہ ہذا کا پس منظر معلوم ہونا از بس ضروری ہے۔ جس دور کا یہ واقعہ ہے اس دور میں مختلف علاقوں کے مختلف قبائل اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور ابتدائے اسلام میں قرآن مجید کو قبائل کی اپنی لغت میں ادا کرنے کی اجازت تھی۔ جو بعد میں ختم کر دی گئی تھی اور تمام مسلمانوں کو ایک ہی لغت قریش پر قرات کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔

یہ چیز ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں ”عہد عثمانی میں جمع قرآن کے مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعاون“ کے عنوان کے تحت ذکر کر دی ہے۔ اس کی متعلقہ تفصیلات وہاں مذکور ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت ۲۴ھ اور ۲۵ھ میں مسلمانوں کی افواج میں عرب کے مختلف قبائل جمع ہوئے اور لوگ اپنے اپنے قبائل کی لغت کے لحاظ سے قرآن مجید کی قرات میں اختلاف کرنے لگے۔ آرمینہ اور آذر بایجان کے علاقہ میں یہ واقعہ پیش آیا۔

مشہور صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے قرأت کے باہمی اختلاف کو نہایت ناپسند کیا اور محسوس کیا کہ اگر یہ اختلاف قائم رہا تو جیسے یہود و نصاریٰ نے آسمانی کتابوں میں اختلاف کیا تھا، اسی طرح اہل اسلام قرآن مجید میں اختلاف نہ پیدا کر لیں اور امت میں افتراق و انتشار کا باعث نہ بن جائے۔

چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، اس مقام سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس واپس تشریف لائے اور خلیفہ وقت کو ان الفاظ کے ساتھ اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی۔

یعنی اے امیر المومنین! اس امت کو

... یا امیر المومنین! ادرك

اس سے پیشتر کہ وہ کتاب اللہ میں اختلاف

هذه الامه قبل ان يختلفوا في

کرنے لگیں، سنبھال لیجئے، ایسا نہ ہو جیسا

الكتاب اختلاف اليهود

کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتب

والنصاری۔

میں اختلاف کر لیا (اور اس وجہ سے ان کے

(مکتوۃ شریف ص ۱۹۳، تحت

بہت سے فرقے بن گئے)

فضائل قرآن، الفصل الثالث، طبع دہلی)

ان حالات کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ

تعالیٰ عنہم بشمول سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور اس کے بعد یہ تدبیر اختیار

فرمائی کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور کا مدون شدہ قرآن مجید کا نسخہ جو

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا وہ عاریتاً منگوا یا اور اس کے قریباً سات

عدد نسخے (نقول) لغت قریش پر مدون کرائے اور وہ مصاحف اہل شام، اہل مصر، اہل

بصرہ، اہل کوفہ، اہل مکہ مکرمہ اور اہل یمن کی طرف ارسال کروائے اور ایک نسخہ

مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا۔

(۱) البدایہ والنہایہ للابن کثیر ص ۲۱۶، جلد سابع، فصل فی مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری ص ۹۷، جلد تاسع، تحت باب جمع القرآن۔

اور شیعہ علماء نے اس مقام میں اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح درج کی ہے:

... وبعث بمصحف الى الكوفه ومصحف الى البصره ومصحف الى المدينه ومصحف الى المكه ومصحف الى مصر ومصحف الى الشام ومصحف الى البحرين ومصحف الى اليمن ومصحف الى الجزيره - وامر الناس ان يقرأ وعلى نسخه واحده وكان سبب ذلك انه بلغه ان الناس يقولون قرآن آل فلان - فاراد ان يكون نسخه واحده - (تاريخ يعقوبی الشیعی ص ۱۷۰، جلد ثانی، تحت ایام عثمان بن عفان، طبع

بیروت، سن طباعت ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نو عدد مصاحف کے نسخے تیار کروا کر کوفہ، بصرہ، مدینہ، مکہ، مصر، شام، بحرین، یمن اور الجزیرہ کے اہالیان کی طرف ارسال فرمائے اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس مرتب شدہ نسخہ کے مطابق تلاوت کریں اور اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات پہنچی تھی کہ لوگ آل فلاں کا قرآن، آل فلاں کا قرآن (الگ الگ) کہنے لگے ہیں۔ پس ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ (تمام مسلمانوں کے لیے) قرآن مجید کا ایک ہی نسخہ ہونا چاہیے تاکہ آل فلاں کے قرآن آل فلاں کے نام سے تفریق و تقسیم پیدا نہ ہو سکے۔

ناظرین کرام کی معلومات میں اضافہ کے لیے یہ بات تحریر کی جاتی ہے کہ کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس مصحف کی متعدد نقول تیار کروانے پر ۲۵ھ سے ۳۰ھ تک قریباً پانچ سال صرف ہوئے۔ پھر ان مصاحف کو اہل اسلام کے مختلف شہروں کی طرف ارسال کیا گیا (جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا) ان میں سے ایک مصحف اہل مدینہ کے لیے اور ایک مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے محفوظ رکھا۔ ان مصاحف کی تدوین مشہور اور ماہرین قراء حضرات کی نگرانی میں ہوئی تھی اور امت مسلمہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عظیم کارنامہ پر ن کا شکریہ ادا

کیا۔

تاریخ الاسلام للذہبی کے حواشی میں منقول ہے کہ

...وقد استمر علی الجماعہ فی نسخ المصاحف مدہ
خمس سنین من سنہ خمس وعشرین الی سنہ ثلاثین فی
التحقیق۔ ثم ارسلوا المصاحف المکتوبہ الی الامصار۔
وقد احتفظ عثمان بمصحف منها لاهل المدینہ
بمصحف لنفسہ۔ وكانت تلک المصاحف تحت
اشراف قراء مشہورین فی الاقراء والمعارضہ بها
فشکرت الامہ صنیع عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(حواشی تاریخ الاسلام للذہبی ص ۹۰۳ جلد ثانی تحت احوال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)
اور مشہور عالم بدر الدین زرکشی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عظیم
کدنامے کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

...ولقد وفق لامر عظیم
ورفع الاختلاف وجمع
الکلمہ وراح الامہ۔ (تفسیر البرہان
فی علوم القرآن للزرکشی ص ۳۳۹، جزو
اول، تحت نوع نمبر ۱۳، طبع اول)
یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ
تعالیٰ نے اس عظیم خدمت سرانجام دینے،
رفع اختلاف کرنے اور امت کو ایک کلمہ پر
جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور
آئمہ صوفیہ رضی اللہ عنہ نے اہل اسلام کو (افتراق
و انتشار کی مصیبت سے) راحت پہنچائی اور
امت مسلمہ کو یکسوئی نصیب ہوئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عظیم کارنامے پر مخالفین لوگ معترض
ہوتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید جلوا دیئے تھے اور اس طرح کلام اللہ کے
ساتھ استخفاف و حقارت کا معاملہ کیا۔ یہ بات اسلام میں ممنوع ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باغیوں نے پہلے

اٹھایا تھا اور بعد والے طاغین اسی کو دہراتے اور بڑھاتے چلے آ رہے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں ہی دے دیا گیا تھا اور واضح کر دیا گیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو چیزیں جلوا دی تھیں، وہ قرآن مجید کے ساتھ تفسیری الفاظ تھے یا آیت کے معنی و مفہوم کے لیے ذاتی یادداشتیں تھیں۔ علاوہ ازیں بعض لوگوں نے اپنے اپنے مصاحف میں منسوخ التلاوة آیات قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ملا کر لکھ لی تھیں۔

اس وقت تو ان لوگوں کو کسی قسم کے اشتباہ کا اندیشہ نہ تھا لیکن اگر وہ مصاحف باقی رہ جاتے تو آئندہ نسلوں کو بہت اشتباہ ہوتا۔ پتا نہ چلتا کہ اصل الفاظ قرآنی کون سے ہیں؟ اور تفسیری الفاظ کون سے ہیں؟؟

منسوخ التلاوة کون سی آیات ہیں اور غیر منسوخ آیات کون سی ہیں؟؟؟ فلہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشورہ سے (جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے) ان چیزوں کو تلف کروا دیا اور معدوم کر ڈالا اور وہ متن قرآن کے الفاظ نہیں تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ میں مسئلہ ہذا کو بالاختصار بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

...واما المصاحف فانما حرق ما واقع فيه اختلاف
وابقى لهم المتفق عليه كما ثبت في العرضه الاخيره۔
(یعنی التی درسہا جبریل علیہ السلام علی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی اخر سنی حیاتہ)

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۱۷۱ ج ۷، تحت سنہ ۳۵ھ)

نیز اس مسئلہ کی تائید احادیث کی روایات سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے قرآن مجید کے ماسوا جو کچھ صحیفوں اور
مصاحف میں لوگوں نے لکھا ہوا تھا اسے
جلائے کا حکم فرمایا۔

...وامر عثمان بما سواه من
القرآن فی کل صحیفہ او
مصحف ان یحرق... الخ۔
(بخاری شریف، ص ۷۴۶، جلد ثانی،

باب جمع القرآن، طبع دہلی)

نیز خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں لوگوں کے
اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے اس مسئلہ کی وضاحت بالفاظ ذیل ارشاد فرمائی:

یعنی (سوید بن غفلہ) کہتے ہیں کہ میں
نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ فرماتے
تھے اے لوگو! عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے
حق میں غلو نہ کرنا اور ان کے متعلق خیر و
بہتر چیز کے بغیر کوئی بات نہ کہنا۔ مصاحف
کے معاملہ میں اور احراق مصاحف کے
متعلق جو کچھ انہوں نے کیا وہ ہم لوگوں کی
جماعت کے مشورہ کے بغیر ہرگز نہیں کیا۔

...یقول یا ایہا الناس! لا
تغلوا فی عثمان رضی اللہ
تعالیٰ عنہ ولا تقولوا لہ الا
خیرا فی المصاحف واحراق
المصاحف فواللہ ما فعل
الذی فعل فی المصاحف الا
عن ملامنا جمیعا۔

(کتاب المصاحف للحافظ ابی بکر عبد اللہ بن ابی داؤد السجستانی ص ۲۲-۲۳، تحت عنوان اتفاق

الناس مع عثمان علی جمع المصاحف)

فلذا اس کام کی وجہ سے ان کی طرف کوئی طعن منسوب نہ کیا جائے۔

روایت ہذا میں تھوڑا سا آگے چل کر سوید بن غفلہ نے پھر حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی ذکر کیا ہے کہ

یعنی حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم
فرمائے، اگر میں والی و حاکم ہوتا تو مصاحف

...سمعت علیا یقول رحم
اللہ عثمان لو ولیتہ لفعلت
ما فعل فی المصاحف۔

(کتاب المصاحف لابن لابی کے متعلق میں بھی وہی معاملہ کرتا جو عثمان داؤد البجستانی ص ۲۳) رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اسی طرح مشہور عالم بدرالدین زرکشی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ امام عادل تھے، ان میں بالکل عناد نہ تھا۔ تدوین قرآن میں انہوں نے کوئی سرکشی اور بے راہ روی اختیار نہیں کی۔ جن چیزوں کی سوخت لازم تھی، وہی کی۔ اسی وجہ سے ان پر کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ اس فعل کو پسند کیا اور اس چیز کو ان کے مناقب میں شمار کیا حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

... لو ولیت ما ولی عثمان یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا
لعملت بالمصاحف ما عمل - (تفسیر البرہان فی علوم القرآن، ص ۲۳۰، ج ۱)
کہ جس چیز کے والی عثمان رضی اللہ عنہ ہوئے اگر میں اس کا والی ہوتا تو میں بھی مصاحف کے بارے میں وہی عمل در آمد کرتا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو چیزیں تلف کرائی تھیں، وہ قرآن کے ماسوا چیزیں تھیں (قرآن مجید نہیں جلویا تھا) اور اس معاملہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے موید و معاون تھے اور ان حضرات کی رائے کے مطابق مصاحف سے متعلق یہ عمل کیا گیا اور امت مسلمہ کو افتراق فی الکتاب سے بچانے کے لیے یہ اہم کام سرانجام دیا گیا۔

فلذا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملہ میں کلام اللہ کی تحقیر اور استخفاف کے مرتکب نہیں ہوئے اور انہیں مورد الزام ٹھہرانے کا کوئی جواز نہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کار جوع

یہاں قابل وضاحت ایک یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے پہلے مصاحف کے اس مسئلہ میں اختلاف کیا تھا اور اپنی مخالفانہ رائے پر اصرار کیے ہوئے تھے (جیسا کہ بعض روایات میں ہے) لیکن بعد میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کی طرف رغبت دلائی اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دی تو آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کرتے ہوئے جمہور صحابہ کرام کی متابعت اختیار کر لی تھی اور اس مسئلہ میں مخالفت ترک کر دی تھی۔

چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ میں یہ تفصیل بہ عبارت ذیل نقل کی ہے:

... فكتب اليه عثمان رضي الله عنه
يدعوه الى اتباع الصحابه
فيما اجمعوا عليه من
المصلحه في ذلك وجمع
الكلمه وعدم الاختلاف
فاتاب واجاب الى المتابعه
وترك المخالفه رضي الله
عنهم اجمعين۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعوت پر لبیک کہا اور مخالفانہ رائے سے رجوع کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مسئلہ میں اتفاق کر لیا اور اختلاف ترک کر دیا اور جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کے ساتھ متفق ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۲۱۷، جلد ۷، تحت مناقبہ الکبار... الخ)

مصحف عثمانی پر صحابہ کرام کا اجماع

مالکی علماء میں مشہور عالم ابن عبدالبر ہیں۔ انہوں نے اپنی معروف و مشہور تالیف کتاب التمهید لما فی الموطاء من المعانی والاسانید کے جلد چہارم میں مصحف عثمانی پر امت کے علماء کا اجماع ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اقطار الارض میں جو مصحف مسلمانوں کے پاس آج تک موجود ہے وہ مصحف عثمانی ہے۔ اور یہی قرآن مجید محفوظ

ہے اور کسی ایک شخص کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اس سے تجاوز کرے اور کسی مسلمان کی نماز اس مصحف کی قرأت کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی۔

مصحف عثمانی کو جو یہ (مقبولیت کا) مقام و مرتبہ حاصل ہوا ہے تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امت مسلمہ کے اس اجتماعی عمل کی بدولت ہے اور اس کے ماسوا پر اجماع نہیں ہو سکا۔ وباللہ التوفیق۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ

... واجمع العلماء ان ما في مصحف عثمان بن عفان وهو الذي بايدى المسلمين اليوم في اقطار الارض حيث كانوا- هو القرآن المحفوظ الذي لا يجوز لاحد ان يتجاوزہ- ولا تحل الصلاة لمسلم الا بما فيه-... انما حل مصحف عثمان رضی اللہ عنہ هذا المحل لاجماع الصحابة وسائر الامه عليه- ولم يجمعوا على ما سواه وباللہ التوفیق- الخ۔

(کتاب التمهید لما فی الموطاء من المعانی والاسانید لابن عبد البر ص ۲۷۸-۲۷۹ ج ۳، تحت حدیث نمبر ۲۱ زید بن اسلم، طبع مکہ مکرمہ)

تنبیہ

اس مقام میں یہ بات نہایت قابل توجہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ کی خلافت حقہ قائم ہوئی تو آں موصوف رضی اللہ عنہ نے ان سابق خلفاء کے اعمال اور کارناموں کو بعینہ قائم رکھا۔ ان میں یہ بات بھی تھی کہ آں موصوف رضی اللہ عنہ نے مصحف عثمانی کو اپنی ہیئت پر قائم رکھا اور اپنی خلافت کے تمام بلاد و امصار میں اس کی تلاوت کو جاری رکھا اور ہر سال رمضان المبارک میں اسی مصحف عثمانی کو ہی تراویح میں پڑھا اور سنا جاتا رہا اور کسی دیگر

قرآن کی تلاوت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں نہیں کی گئی۔ پس اس وجہ سے صدر اقل میں اہل اسلام کا اس مصحف عثمانی پر اجماع منقہ ہو گیا اور اسے تواتر طبقاتی حاصل ہو گیا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ

...وقد تولى الخلافه بعد هولاء الشيوخ الثلاثه
اميرالمومنين على - فامضى عملهم وافر مصحف
عثمان برسمه وتلاوته فى جميع امصار ولايته وبذلك
انعقد اجماع المسلمين فى صدر الاول... الخ -

(حواشی العواصم من القواصم از محب الدین الخلیب ص ۶۹، تحت بحث المصاحف،

طبع لاہور)

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا یہ اجتماعی عمل اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے متعلق جو عمل درآمد کیا ہے، وہ بالکل صحیح تھا گویا مرتضوی دور خلافت کا یہ عمل اس مسئلہ کی صحت کی بین دلیل ہے اور اس پر شہادت کاملہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر مصحف عثمانی کے درست اور صحیح ہونے پر کسی گواہی کی حاجت نہیں رہتی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک مشہور عالم محمد بن یحییٰ بن ابی بکر نے اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے کہ

یعنی (مصحف کے بارہ میں) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو معاملہ کیا اگر وہ منکر اور غلط ہوتا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب خلافت حاصل ہوئی تھی تو وہ اس (مصحف) کو تبدیل کر دیتے اور جب حضرت علی مرتضیٰ نے اسے متغیر اور تبدیل نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ

... فعل ذالك عثمان ولو
كان منكرا لكان على رضي الله
غیره لما صار الامر الیه - فلما
لم یغیره علم ان عثمان كان
مصبیا فی ما فعل - (کتاب التمهید
والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ، محمد بن
یحییٰ الاشعری المالکی ص ۱۸۵، تحت ذکر

الاسباب التي تقومها على عثمان رضي الله عنه حضرت عثمان رضي الله عنه اس معاملہ میں مصیب
والجواب عنها، طبع بیروت) تھے اور صحیح العمل تھے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ایک
عظیم کارنامہ سرانجام دیا اور امت مسلمہ کو اختلاف فی الکتاب کے فتنہ سے بچانے کی
مفید ترین تدبیر کی اور کتاب اللہ کی حفاظت کے بارے میں اہم کردار ادا کیا اور یہ
تمام کام اس عہد کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعاون اور اتفاق سے بجا
لائے (جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ جات میں ذکر کیا گیا ہے) اور صحابہ کرام رضی اللہ
تعالیٰ عنہم نے اس عمل کو صحیح قرار دیا، غلط نہیں کہا اور اس کے ساتھ اختلاف نہیں
کیا۔ پس یہ بات تعالٰیٰ صحابہ میں داخل ہے اور اس چیز کو تواتر طبقاتی سے بھی تعبیر کیا
جاتا ہے۔ فلہذا تعالٰیٰ صحابہ اور تواتر طبقاتی کی بنا پر یہ مسئلہ اجماعی قرار دیا گیا اور فرمانِ
نبوت ہے کہ

... لا تجتمع امتی علی
یعنی گمراہی اور غلط کام پر میری امت
الضلالہ۔ جمع نہیں ہوگی۔

اس اعتبار سے بھی یہ فعل صحیح ہے، قبیح نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض ہذا کی متعلقہ چیزیں ہم نے بقدر ضرورت ذکر
کر دی ہیں اور مسئلہ ہذا پر ہم نے قبل ازیں ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں
ص ۱۹۱ تا ۲۰۴ مفصل بحث کر دی ہے۔

اندریں حالات قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے اس عظیم کام کے مالہ وما علیہ پر نظر غائر کریں اور خود فیصلہ کریں کہ معترضین
کا یہ اعتراض کہاں تک درست ہے؟؟ کہیں اس مقولہ کا مصداق تو نہیں کہ
ہنر پچشمِ عداوت بزرگ تر عیب است

اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو ہدایت نصیب فرمائے اور متفق علیہ مسائل پر اتفاق قائم رکھنے کی توفیق بخشے۔ واللہ الہادی۔



صحابہ سے بد سلوکی و مظالم کے اعتراضات کا جواب

خلیفہ ثالث امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق معترضین نے یہ مشہور کیا ہوا ہے کہ انہوں نے مشاہیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مختلف قسم کے مظالم کیے اور ان کے ساتھ کئی قسم کی بد سلوکی روا رکھی جبکہ ان کا یہ رویہ شرعاً صحیح نہیں تھا۔

ان ستم رسیدہ حضرات میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کے اسماء نمایاں طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔

پس اس سلسلہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف سے صفائی کے بیانات اور دفاع کے لیے چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اصل واقعہ کی حقیقت حال معلوم ہو سکے گی اور ان اعتراضات کا خلاف واقعہ اور بے جا ہونا واضح ہو سکے گا۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اہل تاریخ یہ ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض مسائل میں اختلاف کیا چنانچہ اس کی

وجہ سے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے زد و کوب کیا گیا اور کوفہ میں ان کے منصب سے معزول کر دیا نیز بہت المال سے ان کا وظیفہ روک لیا۔
اور منہاج الکرامہ میں ابن مطہر الحلی شیعہ نے لکھا ہے کہ ضربہ حتی مات۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود کو شدید زد و کوب کیا حتیٰ کہ ان کی موت واقع ہو گئی۔

الجواب

مذکورہ بالا اعتراضات کی صفائی میں ہم کبار علماء کے بیانات ذکر کرتے ہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے واقعہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور معترضین کے اعتراضات کا بے جا ہونا معلوم ہو سکے گا۔

(الف) چنانچہ ابوبکر ابن عربی اپنی تصنیف ”العواصم من القواصم“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو زد و کوب کرنا اور ان کا وظیفہ روک دینا بالکل جھوٹ ہے اور خلاف واقعہ ہے...

...واما ضربہ لابن مسعود ومنعه عطاء فزور۔

(العواصم من القواصم لابن عربی ص ۹۳ تحت مسئلہ ہذا)

(ب) اور فاضل الذہبی اپنی تصنیف المستقی میں تحریر کرتے ہیں کہ... ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مارنا پیٹنا حتیٰ کہ ان کی موت واقع ہو جانا۔ یہ خالص دروغ اور واضح جھوٹ ہے۔

...واما قولک ضرب ابن مسعود حتی مات فهذا من

اسمج الکذب المعلوم۔

(۱) المستقی للذہبی ص ۹۳ تحت مسئلہ ہذا۔

(۲) الصواعق المحرقة لابن حجر المکی ص ۱۱۴ تحت جواب مطاعن عثمانی۔

(ج) اور مورخ دریا بکری نے اسی مسئلہ کو اپنی تالیف ”تاریخ الحمیس“ میں لکھا

ہے کہ مور خین جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی غلام کو حکم دیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو زد و کوب کیا جائے، یہ بالکل بہتان ہے اور خود ساختہ داستان ہے۔ اس میں کچھ صحت نہیں۔ جاہل مور خین جو یہ بات روایت کرتے ہیں، اس میں جھوٹ سے بچاؤ نہیں کرتے اور اپنی اغراض کے موافق اس کو روایت کر دیتے ہیں اور ان میں کچھ دیانتداری نہیں ہے جو ان کو اس بات سے روک دے۔

... اماما رووہ مما جرى على عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ من عثمان رضی اللہ عنہ وامره غلامه بضربه الى اخر ما قرروه فكله بهتان واختلاق۔ لا يصح منه شئ۔ هولاء الجھلہ لا يتحامون الكذب فيما يروونه موافقا۔ لا غراضهم اذ لا ديانہ تردہم لذلك۔ (تاریخ الخلفاء لمدنی ص ۴۷۰ ج ۲ تحت بحث ہذا)

اور علماء نے لکھا ہے کہ بالفرض اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض امور کی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یا حضرت عمار بن یاسر کو تنبیہ یا زجر و توبیخ کی ہو تو وہ خلیفۃ المسلمین اور امام وقت تھے، ان کے لیے اپنے اجتہاد کی بنا پر ان پر تعزیر جاری کرنے کا اختیار تھا۔

اور اسی طرح بالفرض انہوں نے اگر ان میں سے کسی صاحب کو اپنے منصب سے معزول کر کے دوسرے مناسب شخص کو والی اور حاکم بنا دیا ہو تو یہ بھی ان کی صوابدید کی ایک بات ہے اور وہ ان امور کے شرعاً مجاز ہیں اور اپنی مجتہدانہ بصیرت کی بنا پر عزل و نصب کا حق رکھتے ہیں۔

چنانچہ اس مسئلہ کو کبار علماء نے بطور قاعدہ کے تحریر کیا ہے کہ

... ان من طعن على عثمان رضی اللہ عنہ انما كان لعزله اياه وتوليہ غیرہ وقطع عطایاہ و ذالك سائغ للامام اذا ادى اجتہاده اليہ۔ (تاریخ الخلفاء لمدنی ص ۴۷۱ ج ۲ تحت مسئلہ ہذا)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بالفاظ

ذیل نقل کیا ہے:

... قولہ امیر گردانید ایشانرا بر
امصار۔ میگویم نصب و عزل مفوض
است برائے خلیفہ اگر اجتہاد خلیفہ
مودی شود بآنکہ از فلاں شخص کار
امت سرانجام می یابد لازم می شود
بروی نصب او۔ (قرۃ العینین از شاہ ولی
اللہ دہلوی ص ۲۷۲، تحت مسئلہ ہذا)

مندرجہ بالا عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ
خلیفہ وقت کو عزل و نصب کا اختیار ہوتا
ہے۔ اسی طرح ان کے وظائف دینے اور
روکنے کا مجاز بھی خلیفہ ہوتا ہے۔ اگر خلیفہ
کا اجتہاد اس بات کی طرف رہنمائی کرے
کہ فلاں شخص سے امت کا کام بہتر طریقہ
سے سرانجام پاسکتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ
اس شخص کو اس کام پر نصب کرے۔

فلذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اگر کسی صاحب کو عزل یا نصب کیا ہے یا کسی کو
تنبیہ کی ہے تو یہ ان کی مجتہدانہ رائے کے موافق تھا اور وہ اس کے شرعاً مجاز تھے۔
اس معاملہ میں کسی کو ان پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

تنبیہ

مورخین مندرجہ بالا اشیاء کو ان حضرات کے مابین مناقشہ کے طور پر ذکر
کرتے ہیں اور ان اعتراضات میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں۔ پھر بد سلوکی کی یہ
چیزیں جس درجہ کی ہیں، ان کے جوابات علماء نے دے دیئے ہیں، جن کا خلاصہ ہم
نے مندرجہ بالا سطور میں پیش کر دیا ہے۔

اب ہم ان حضرات (حضرت عثمان اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے
درمیان بہتر تعلقات اور خیر سگالی کی چند چیزیں مختصراً درج کرنا چاہتے ہیں تاکہ واضح
ہو سکے کہ ان حضرات کا انجام کار ایک دوسرے کے ساتھ بہتر سلوک تھا اور اسی پر
ان کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

بالفرض سابقہ ایام میں اگر کوئی نزاع یا مناقشہ کا معاملہ پیش آیا بھی تھا تو یہ وقتی

تقاضوں کے تحت تھا اور وہ ان حالات کے گزر جانے پر ختم ہو گیا۔ یہ کوئی دوائی منازعات نہیں تھے جو مدت العمر جاری رہے ہوں۔

ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، کا تعلق بالاختصار ذکر کرنا مفید ہے جس سے ان دونوں حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک دوسرے کے حق میں بہتر نظریات واضح ہو سکیں گے۔

----- (I) -----

جس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا تو اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

... انا اجتمعنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
فلم نال عن خیر ناذی فوق فبايعنا امیر المومنین
عثمان فبايعونه۔۔۔۔۔

(طبقات ابن سعد، ص ۳۳، ج ۳، قسم اول تحت ذکر بیعت عثمان رضی اللہ عنہ، طبع لیدن)
نیز محدث طبرانی نے نزال بن سبرہ سے روایت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

... قال لما استخلف عثمان رضی اللہ عنہ قال عبد اللہ بن
مسعود رضی اللہ عنہ، امرنا خیر من بقی ولم نالوا۔

(مجمع الزوائد للیثی ص ۸۸، ج ۹، بحث فضائل عثمان، باب افضلیتہ)

مندرجہ بالا ہر دو روایات کا مفہوم یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اپنے مخاطبین کو فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہم مجتمع ہوئے۔ پس ہم نے اپنی جماعت میں سے فائق اور بہترین شخصیت کے انتخاب کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پس ہم سب نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی۔ اے مخاطبین تم بھی عثمان

رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لو۔

اس واقعہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریات واضح ہو گئے کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک فائق شخصیت تھے اور اس منصب خلافت کے صحیح اہل تھے۔

----- (۲) -----

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کے موقعہ پر منیٰ میں قصر کرنے کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی۔

حالانکہ ان سے قبل خلفاء حضرات منیٰ میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ اس موقعہ پر جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی چار رکعت نماز پڑھی۔ تو بعض لوگوں نے کہا کہ آپ تو اس مسئلہ میں اس بات کے خلاف تھے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خلیفہ وقت کی مخالفت کو ناپسند کرتا ہوں یا یہ فرمایا کہ خلیفہ کا خلاف کرنا شر ہے۔

... فقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ انی اکره الخلاف - وفی

روایۃ --- الخلاف شر۔

(البدایہ لابن کثیر جلد سابع، ص ۲۱۷، طبع اول، مصری تحت فصل جمع الناس

علی قراۃ واحده)

واقعہ ہذا سے واضح ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں تھے۔۔۔ بلکہ مسائل میں بعض دفعہ اپنی رائے ترک کر دیتے اور خلیفہ اسلام کی اقتداء کو ترجیح دیتے تھے۔

----- (۳) -----

یہاں یہ چیز واضح کرنے کے لائق ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جمع مصاحف کا معاملہ پیش آیا تو اس مسئلہ میں جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے مختلف تھی۔

تاہم اس مسئلہ میں بھی بالآخر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے اپنی رائے کو ترک کر دیا تھا۔

فلذا مسئلہ مصحف میں بھی حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان مناقشہ اور اختلاف ختم ہو گیا تھا۔
ہم نے قبل ازیں ”احراق مصاحف“ کے عنوان کے تحت اس مسئلہ کو بالوضاحت تحریر کر دیا ہے۔

----- (۴) -----

اور اس مقام میں مورخین نے دیگر چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وقتی تقاضوں کے تحت کسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ بند کر دیا تھا۔

اس مسئلہ کی صحیح تفصیلات تو معلوم نہیں ہو سکیں۔ مورخین نے اس معاملہ میں بہت افراط و تفریط کی ہے کہ ان کا وظیفہ کس بنا پر روکا گیا؟ اور کیا حالات اس وقت پیش آئے تھے؟؟ یہ سب باتیں تحقیق طلب ہیں۔ تاہم یہ بات اہل تاریخ نے درج کی ہے کہ وظیفہ کے یہ بقایا جات جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے ورثاء کو ادا کیے گئے اور جناب زبیر بن العوام کے ذریعہ ان وظائف کو اہل حق کی طرف پہنچایا گیا۔

(۱) طبقات ابن سعد ص ۱۱۳-۱۱۴، تحت تذکرہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(۲) تاریخ الاسلام للذہبی ص ۹۰۴، ج ۲، تحت سنہ ۳۲ھ، تذکرہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

----- (۵) -----

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں اقامت پذیر تھے اور ایک مدت تک وہاں اشاعت اسلام میں مصروف اور دینی کاموں میں مشغول رہے اور بعض روایات کے مطابق کوفہ کا بیت المال ان کی نگرانی اور تحویل میں تھا لیکن بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بیت المال کوفہ سے الگ کر دیا اور ان کی جگہ عقبہ بن عمرو کو متعین فرمایا اس کے بعد ان کو کسی کام پر والی اور حاکم نہیں بنایا گیا لیکن آپ وہاں بغیر کسی منصب کے مقیم تھے اور لوگوں کو دینی تعلیم دیتے تھے۔

اندریں حالات ایک مدت کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طبائع میں تشرد اور تمرد معلوم کیا اور فتنہ فساد کے حالات پیدا ہونے لگے تو اہل کوفہ سے دل برداشتہ ہو کر مدینہ شریف کی طرف واپسی کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے تو واپسی کی اجازت نہیں دی لیکن بعد میں وقتی تقاضوں کے تحت مدینہ منورہ میں واپسی کی اجازت دے دی۔

چنانچہ بقول مورخین آپ رضی اللہ عنہ اپنی وفات سے چند ماہ قبل مدینہ طیبہ واپس پہنچے اور یہیں ۳۲ھ میں آں موصوف کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔
(التعمید والبیان فی مقتل الشہید عثمان ل محمد بن یحییٰ بن ابی بکر اللاندلسی، تحت ذکر خروج ابن

مسعود رضی اللہ عنہ میں الکوفہ، ص ۶۵)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات

اور اہل تاریخ اس طرح بھی ذکر کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آخری ایام میں کوفہ سے واپس آ کر مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان ایام میں آپ پر بیماری کا حملہ ہوا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی ناسازی طبع کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ

ان کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کی بیمار پر سی کی۔ چنانچہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ

...ثم قدم الى المدينة فمرض بها فجاءه عثمان بن عفان عائدا۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ، ص ۱۶۳، ج ۷، تحت تذکرہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

اور ابن سعد نے اپنے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ

... صلی علیہ عثمان بن عفان واستغفر کل واحد منهما لصاحبه قبل موت عبدالله (بن مسعود رضی اللہ عنہ) قال وهوا ثبت عندنا ان عثمان بن عفان صلی علیہ۔" (طبقات ابن سعد ص ۱۱۳، ج ۳، قسم اول تحت وصایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، طبع لیدن)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں حضرات نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے پہلے (ایک دوسرے کے حق میں استغفار کیا اور معاف کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اور ابن سعد کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ وہ بات قابل اعتماد نہیں بلکہ زیادہ صحیح اور درست بات یہ ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اور اس قول کی وجہ صحت اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ اسلام کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین احق بالصلوة ہوتا ہے جبکہ خلیفہ وقت موجود ہو تو نماز کا حقدار وہی ہوتا ہے الا کہ وہ کسی دیگر شخص کو اپنی طرف سے اجازت دے دے۔

مذکورہ بالا مندرجات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ان دونوں بزرگواروں کا آخری اوقات میں مناقشہ ختم ہو گیا تھا (جیسا کہ روایت مذکورہ بالا میں

منقول ہے) پس یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھتے تھے۔
اب ظاہریات یہی ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، خلیفہ وقت نے جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں ان کا دفن ہوا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو زود و کوب کرنے حتیٰ کہ اس سے موت واقع ہو گئی، یہ محض جھوٹا پروپیگنڈہ ہے، اس میں کوئی صداقت نہیں۔ ان کے آخری اوقات کے صحیح حالات ہم نے ذکر کر دیئے ہیں جو ان کی باہمی صلح جوئی اور عدم کدورت پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) جناب ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا اسم گرامی جندب بن جنادہ ہے۔ غفاری قبیلہ کی طرف نسبت ہے اور سابقین اولین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بڑے عابد زاہد تھے اور صاحب العلم والفضل تھے۔ لیکن طبیعت پر صفت زہد اور ترک دنیا کا غلبہ تھا جیسا کہ بعض حضرات کے مزاج پر بعض مسائل کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان کی بھی وہی کیفیت تھی اور یہ ایک فطری اور طبعی چیز ہے۔ اور اہل ایمان کی صفت ”ولا یخافون لومہ لائم“ کے صحیح مصداق تھے۔ نیز مسئلہ میں اپنی تحقیق کے خلاف بات برداشت نہیں کرتے تھے اور طبیعت مغلوب الغضب تھی اور ”جمع مال“ کے مسئلہ میں ان کا یہ مسلک علماء نے لکھا ہے کہ

اس کا حاصل یہ ہے کہ جمع مال کے مسئلہ میں ان کا مذہب یہ تھا کہ جو مال انسان کی حاجت و ضرورت سے زائد پایا جائے اس کو صرف کر دینا چاہیے (جمع کر کے نہیں رکھنا چاہیے) اور ضرورت سے وافر مال کو روک کر رکھنا (ان کے نزدیک) کنز

... وکان مذہبہ بذل ما فضل عن الحاجہ وان امسا کہ کنزیکوی بہ صاحبہ۔ ویتلوا آیہ والذین یکنزون الذہب والفضہ ولا ینفقونها فی سبیل اللہ

فبشرهم بعذاب الیم۔۔۔ الخ۔ اور خزانہ کے حکم میں تھا جس پر وعید شرعی (المستقی للذہبی ص ۳۹۶، تحت جوابات مطاعن عثمانی) ہے کہ اس مال کو (آخرت میں) گرم کر کے مالک مال کو دانا جائے گا... الخ۔

اور آپ اپنے مسئلہ کی تائید میں اسی قرآنی آیت والذین یکنزون للذہب والفضہ... الخ سے استدلال کرتے تھے۔

چنانچہ اسی مسئلہ میں ان کے متعلق متعدد واقعات پائے جاتے ہیں، ان میں سے صرف دو یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر ربذہ کا واقعہ ہے جس کی وجہ سے طاغین نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سخت اعتراضات وارد کیے ہیں۔

ایک واقعہ

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان کی مفردانہ رائے کا ایک واقعہ اس طرح منقول ہے کہ

جس وقت آنمو صوف بلاد شام میں مقیم تھے اور اس علاقہ کے امیر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ ۳۰ھ میں ایک فقہی اختلاف رونما ہوا کہ جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سیم و زر ہو یا دیگر اموال ہوں، ان کو جمع کرنا اور جمع رکھنا ناجائز اور منع ہے۔ فرماتے تھے کہ ضرورت سے زائد مال کو صدقہ کر دیا جائے اور جمع نہ کیا جائے اور استدلال میں قرآن کریم کی آیت والذین یکنزون الذہب والفضہ ولا ینفقونها فی سبیل اللہ فبشرهم بعذاب الیم۔۔۔ الخ تلاوت کرتے تھے اور عوام میں اس مسئلہ کو اعلانیہ بیان فرماتے تھے۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی رائے یہ تھی کہ مال سے صدقات واجبہ ادا کرنے کے بعد اموال کو جمع رکھنا جائز ہے اور مباح ہے۔

ان حالات میں عام لوگوں کے لیے پریشانی رونما ہونے لگی اور شدید اضطراب

پیدا ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف یہ تمام حالات و کوائف لکھ کر حکم طلب کیا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ منورہ بھیج دیا جائے اور جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو بھی مکتوب ارسال فرمایا کہ آپ واپس مدینہ منورہ آ جائیں (تاکہ اس طرح وہاں عام لوگوں میں اضطراب و انتشار پیدا نہ ہو)

چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا گیا۔ جب آل موصوف رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے بتقاضائے وقت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مقام ربذہ میں رہائش پذیر ہونے کا مشورہ دیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۱۰-۱۱۱ جلد یازدہم، طبع کراچی تحت کتاب الامراء۔

(۲) طبقات ابن سعد ص ۶۶۶ ج ۴، قسم اول، تحت ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ، طبع لیدن۔

اس مقام میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بعض اوقات آپ کو مدینہ منورہ میں آمد و رفت رکھنی چاہیے تاکہ آپ میں بدویت اور اعرابیت کے آثار لوٹ کر نہ آ جائیں۔ انہوں نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور قیام ربذہ کے دوران مدینہ طیبہ میں بعض اوقات آمد و رفت جاری رکھی۔

..... وامرہ (عثمان لابی ذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان يتعاہد المدینہ فی بعض الاحیان حتی لا یرتد اعرابیا بعد ہجرته ففعل۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ص ۱۵۵-۱۵۶ ج ۷، تحت سنہ ۳۰ھ)

ایک دیگر واقعہ

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے قیام ربذہ کے دوران جب حضرت عبدالرحمن

بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا تو آپ اس موقع پر یہاں تشریف لائے۔ اس موقع پر حافظ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

...ولما توفی عبدالرحمن بن عوف ونحلف ما لا عد ذالك ابوذر رضی اللہ عنہ من الكنز الذي يعاقب عليه و عثمان يناظره في ذالك حتى دخل كعب (احبار) فوافق عثمان فضربه ابوذر رضی اللہ عنہ۔

یعنی جب مشہور صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے تو انہوں نے اپنے ترکہ میں بہت کچھ اموال چھوڑے۔ ان متروکہ اموال کے حق میں جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ کنز اور خزانہ کے حکم میں ہیں جن کے متعلق وعید شرعی موجود ہے۔

(۱) المستقی الذہبی ص ۳۹۶، ۳۹۷ تحت بحث جوابات مطاعن عثمانی۔

(۲) مسند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۱۵۷-۱۵۸ جلد اول، تحت مسندات عثمان رضی اللہ عنہ۔

خليفة وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسئلہ پر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو ہوئی اور جناب کعب رضی اللہ عنہ بھی اس موقع پر اتفاقاً آ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے جناب ابوذر رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی اور فرماتے تھے کہ یہ اموال کنز کے حکم میں داخل نہیں بلکہ یہ اموال حسب قاعدہ میراث ان کے وارثوں میں تقسیم ہوں گے۔ اس بحث میں جناب کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کی تصدیق و تائید کی تو جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ طیش میں آ گئے اور مغلوب الغضب ہو کر کعب رضی اللہ عنہ کو اپنی (لاٹھی) دے ماری۔

اس مقام میں مورخین لکھتے ہیں کہ

..... ونزل الربذه وبنى بها مسجدا واقطعه عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرمه من الابل واعطاه مملوكين

مفہوم یہ ہے کہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مقام ربذہ میں فروکش ہوئے اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ امیر المومنین

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے چند شتر (اونٹوں کا ایک گلہ) ان کو دے دیا گیا (اور بروایت طبری انہیں بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ بھی دیا گیا) اور ساتھ ہی دو خادم (ایک غلام اور ایک خادمہ) بھی عطا کیے گئے۔ نیز بقدر کفایت ان کے لیے بیت المال سے باقاعدہ وظیفہ جاری کر دیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً مدینہ منورہ میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ (یعنی مرکز کے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے) مقام ربذہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان قریباً تین میل کا فاصلہ تھا۔

واجری علیہ رزقا وکان یتعاہد المدینہ و بین المدینہ والربذہ ثلاثہ امیال۔ (۱) تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۲۹، جلد ثانی، تحت عنوان بدۃ الانتقاض علی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طبع بیروت۔ (۲) التہمید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۷۳ تا ۷۶، تحت بحث ہذا)

علماء کی طرف سے نقد و تنقید

تاریخ کے راویوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ربذہ کے مقام پر تشریف لے جانے اور وہاں مقیم ہونے کے واقعہ میں بڑی رنگ آمیزی کی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو خراب کرنے کی خاطر یہاں امور شنیعہ اور قبیحہ ذکر کئے ہیں۔ ساتھ ہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی اس واقعہ کے متعلق بہت سی غلط چیزیں منسوب کی ہیں۔ چنانچہ:

(الف) رطب و یابس ہر قسم کی روایات لانے والا مورخ الطبری بھی اس واقعہ کے تحت لکھتا ہے کہ

یعنی (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ کی طرف خروج کے واقعہ میں) لوگوں نے

...و اما الاخرون فانہم روا فی سبب ذالک اشياء کثیرہ

وامورا شنیعہ کرہت بہت سی چیزیں اور بڑی باتیں ذکر کردی ہیں
ذکرہا۔۔۔ الخ۔ جن کے بیان کرنے کو میں مکروہ جانتا ہوں۔

(تاریخ الطبری ص ۶۷ ج ۵، تحت اخبار ابی ذر، ۳۰ھ، طبع قدیم، مصر)

(ب) اور صاحب کتاب التہمید والبیان نے تحریر کیا ہے کہ

...واما ما ذکر فی سبب
اخراجہ من الامور الشنیعہ
وسب معاویہ ایاہ و تہدیدہ
بالقتل وحملہ من الشام الی
المدینہ بغیر وطا و نفیہ فلا
یصح النقل بہ بل ہوا من
اکاذیب الرافضہ قبحہم اللہ
تعالیٰ۔ (کتاب التہمید والبیان فی مقتل
الشہید عثمان ل محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاشعری
ص ۷۴، طبع بیروت)

یعنی جناب ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف
اخراج کرنے میں بہت سی بری چیزیں مذکور
ہیں اور جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب ابوذر
رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنا اور قتل کی دھمکی
دینا اور ان کو بلاد شام سے مدینہ طیبہ کی
طرف بغیر سواری کے نکال دینا وغیرہ ایسی
چیزوں میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں
بلکہ یہ باتیں روافض کے اکاذیب میں سے
ہیں اور زیب داستان کے طور پر ایزاد کی
گئی ہیں۔

کبار علماء امام بخاری وغیرہ نے اس مقام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دفاع
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک بار غالب القطان نے حسن بصری سے سوال کیا کہ کیا
حضرت عثمان نے ابوذر رضی اللہ عنہ کا مدینہ سے اخراج کر دیا تھا؟ قال معاذ اللہ! (یعنی
اللہ کی پناہ! ایسا ہرگز نہیں ہوا)

(تاریخ الکبیر للبخاری ص ۱۰۰ جلد ۴، ق اول، تحت غالب الخ)

مورخین کے مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ اس واقعہ
میں مورخین نے بہت کچھ غلط سلط روایات بڑھادی ہیں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کے مخالفین خصوصاً روافض نے ان چیزوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت
معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب نشر کیا ہے۔

حالانکہ بات اس طرح نہ تھی اور واقعہ کے خلاف چیزیں انہوں نے پھیلا دیں۔

نوٹ

واقعہ ہذا کو ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف ”سیرت حضرت امیر معاویہ“ جلد اول میں ”ایک فقہی اختلاف“ کے عنوان کے تحت ص ۱۷۹ تا ۱۸۳ مفصل درج کر دیا ہے۔ اس مقام پر واقعہ ہذا کے متعلق حوالہ جات بھی درج کر دیئے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سے جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مقام ربذہ میں مقیم ہو گئے تھے اور ان کی ضروریات کے موافق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے سہولتیں فراہم کر دی تھیں اور وظیفہ بھی جاری کر دیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے انتقال کے اوقات قریب آ پہنچے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ۳۲ھ میں ان کا مقام ربذہ میں انتقال ہوا۔ اس وقت آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی اولاد اور اہلیہ کے علاوہ اتفاقاً کوئی دیگر شخص موجود نہیں تھا۔ اندریں حالات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عراق کی طرف سے اتفاقاً وہاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ پہنچے اور انہوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے غسل اور کفن و دفن کا انتظام کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جب جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو انہوں نے آنمو صوف کے اہل و عیال کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور ان کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

..... وقد ارسل عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه

الى اهله فضمهم مع اهله۔

(۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۷، ص ۱۶۵ تحت تذکرہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، ۳۲ھ۔

(۲) التہمید والبیان فی مقتل الشہید عثمان ص ۷۹، تحت واقعہ ہذا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلقہ حالات و کوائف جو اصل واقعہ کے مطابق ہیں وہ ہم نے تاریخ کے صفحات سے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔

اس صورت میں ان دونوں حضرات (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ) کے درمیان کوئی مناقشہ باقی نہ رہا تھا اور نہ ہی یہ دونوں حضرات آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔

مخالفین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے متعلق جو قابل طعن روایات چلائی ہیں وہ ہرگز صحیح نہیں۔

(۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق تاریخ کے راویوں نے ایک طویل داستان تالیف کی ہے۔ اس میں انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان کی حق گوئی پر خود انہوں نے اور ان کے خدام نے سخت زد و کوب کیا اور وہ شدید مضروب ہو گئے حالانکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر قدیم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں اور بہت سے فضائل و مناقب کے حامل ہیں اور ان کا اسلام میں بڑا اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے۔

الجواب

اس فن کے کبار علماء نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے مضروب ہونے کے واقعہ کے متعلق جو صحیح حالات بیان کیے ہیں وہ سطور ذیل میں پیش خدمت ہیں اور جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے اس واقعہ کے متعلق خلاف واقعہ داستان چلائی ہے وہ سراسر جھوٹ اور دروغ گوئی پر مشتمل ہے۔

اصل واقعہ اس طرح ہے کہ ایک بار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، ہم آپ کے ساتھ بعض امور میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواباً کہلا بھیجا کہ آج میں چند دیگر امور میں مصروف و مشغول ہوں اس لیے آپ واپس تشریف لے جائیں اور فلاں دن پھر آئیں۔ اس معذرت پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ وہیں ٹھہرے رہے اور دوبارہ اور پھر سہ بارہ حضرت عثمان کو باہر تشریف لانے کا پیغام بھیجا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی کسی مصروفیت کی بنا پر تشریف نہیں لائے اور معذرت کر دی۔ اس پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی معذرت قبول نہیں کی اور واپس جانے سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خدام نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار کرنے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت قبول نہ کرنے اور واپس تشریف لے جانے سے انکار پر برہم ہو کر انہیں زد و کوب کیا اور مسجد سے باہر نکال دیا۔

اس کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ کی خبر ہوئی تو خود حضرت عثمان تشریف لائے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے معذرت کی اور فرمایا:

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے اپنے خدام کو انہیں زد و کوب کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا (انہوں نے یہ فعل از خود کیا ہے) اور نہ ہی میں اس فعل پر راضی ہوں اور فرمایا کہ یہ میرا ہاتھ حاضر ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اگر چاہیں تو مجھ سے قصاص لے لیں۔ میں اس پر آمادہ ہوں اور یہی بات انصاف کے

..... واللہ ما امرتہ ولا

رضیت بضربہ وھذہ یدی لعمار فلیقتص منی ان شاء۔

ھذا ابلغ ما یکون من الانصاف۔۔۔ الخ (تاریخ الخلیفہ)

للشیخ حسین لدیار بکری ص ۲۷۲، ج ۲، تحت

جوابات مطاعن عثمانی (نمبر ۱۲)

قریب تر ہے۔

نیز اس مقام میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے مزید لکھا ہے کہ جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور راضی ہو گئے۔
... ایں است دست من برائے عمار رضی اللہ عنہ پس گو قصاص بگیرد از من اگر بخوابد۔ عمار دست او بوسید و راضی شد۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲۲ تحت جوابات مطاعن عثمانی، قصہ عمار بن یاسر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ، طبع لاہور)

اور صاحب تاریخ الخمیس مذکورہ بالا صحیح واقعہ بیان کرنے کے بعد اس کی صحت کے بارے میں ایک دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
جب آخری اوقات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی دار میں باغیوں کی طرف سے محصور کر دیا گیا اور پانی کی ترسیل بھی باغیوں نے روک دی تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ محاصرین کے پاس گئے اور فرمایا: ”سبحان اللہ یہ وہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا اور اب تم اس کنوئیں کا پانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روکتے ہو۔ ایسا نہ کرو اور ان تک پانی پہنچنے دو۔۔۔ اور جب باغیوں نے ان سے کوئی تاثر نہیں لیا تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے تعاون سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں پانی بھجوانے کی سعی کی۔

...ومما یوید ذالک ویوہی مارووانہ روی ابو الزناد عن

ابی ہریرہ ان عثمان لما حوصرو ومنع الماء قال لهم

عمار۔ سبحان اللہ! قد اشتري بئر رومہ وتمنعونه ماءها

خلوا سبیل الماء۔ ثم جاء الى علی رضی اللہ عنہ وساله انفاذ الماء

الیہ فامر بروایہ ماء۔ وهذا يدل علی رضاه وقد روی رضاه

عنه لما انصفه بحسن الاعتذار... الخ۔

(تاریخ الخمیس للشیخ حسین بن محمد الدیار بکری ص ۲۷۲، ج ۲، تحت جوابات

مطاعن عثمانی رضی اللہ عنہ، الثانی عشر)

مقصد یہ ہے کہ ایسے نازک اوقات میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف پانی پہنچانے کی سعی کی تھی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین اگر کوئی مناقشہ کا معاملہ پیش آیا بھی ہو تو وہ ختم ہو چکا تھا اور یہ دونوں بزرگ باہم راضی ہو گئے تھے اور ان کے مابین کسی قسم کی کدورت اور منازعت باقی نہیں تھی۔

فلہذا ان کے درمیان تنازعات اور مناقشات نشر کرنا درست نہیں اور ان کے درمیان نفرت پھیلانے کا کوئی جواز نہیں۔

(۴) محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان کے مخالفین نے اعتراض قائم کیا ہے کہ انہوں نے غدر کیا اور بد عہدی کر دی اور اپنے وعدے کے خلاف کیا، وہ اس طرح کہ جب لوگوں نے ان کے عامل مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق شکایات کیں اور اس کی تبدیلی کا شدید تقاضا کرتے ہوئے محمد بن ابی بکر کو اس کی جگہ عامل مصر بنانے پر اصرار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے محمد بن ابی بکر کو اپنی طرف سے والی مصر بنا کر روانہ کیا لیکن بقول مورخین ساتھ ہی ایک دوسرا خفیہ خط دے کر ایک شخص کو سابق عامل مصر کی طرف ارسال کر دیا۔ اس میں درج تھا کہ جس وقت محمد بن ابی بکر تمہارے پاس پہنچے تو اس کو قتل کر دو۔

الجواب

اس مسئلہ کے متعلق کبار علماء نے جواب دیا ہے کہ وہ خفیہ مکتوب جو سابق

عادل مصر کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا گیا وہ جعلی تھا اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھوایا تھا اور نہ ہی انہیں اس کا علم تھا۔

..... فحلف عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ ما فعل

ذالک وما امر بہ... الخ۔

(۱) تاریخ الخمیس للشیخ محمد بن یحییٰ دیار بکری ص ۲۵۹، ج ۲، تحت ذکر مقتل

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) العواصم من القواصم لابن العربی ص ۱۰۹-۱۱۰، تحت نمبر ۱۸، طبع لاہور۔

(۳) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۴۶، ج ۱، تحت الفتنہ فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ۔

نیز شیخ دیار بکری نے اپنی اسی تالیف میں مطاعن عثمانی کے جوابات میں لکھا ہے

کہ

..... وقد حلف علی ذالک لہم... الخ۔

(تاریخ الخمیس ص ۲۷۴، ج ۲، تحت جوابات مطاعن عثمانی، طعن نمبر ۱۹)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مکتوب کے متعلق

حلف اٹھایا، مجھے اس کا کچھ علم نہیں اور نہ ہی میں نے اس کا حکم دیا ہے۔

یہ مکتوب جعلی تھا اور اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک سازش کے

تحت مخالفین اور مفسدین نے خود مرتب کر کے ان کی طرف منسوب کر دیا تھا تاکہ

ان کے خلاف شورش برپا کی جاسکے۔

تفصیلات کے لیے ہماری تالیفات کے درج ذیل مقامات کی طرف رجوع

فرمائیں:

(۱) کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۲۸۴-۲۸۵، تحت عنوان ”ایک مصنوعی

خط۔“

(۲) کتاب ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ ص ۲۱۸، ۲۱۹، تحت عنوان ”جعلی

خطوط سے برأت۔“

حاصل کلام یہ ہے کہ معتزمین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر غادر ہونے اور وعدہ خلافی کرنے کا الزام جس واقعہ کی بنا پر وارد کیا ہے، وہ سرے سے غلط ہے اور خط جعلی تھا۔ فلہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس بنا پر اعتراض قائم کرنا کسی صورت میں درست نہیں اور یہ طعن بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔



اجرائے حدود میں کوتاہی کا الزام

خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرنے والے لوگ یہ طعن بھی بڑی آب و تاب سے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حدود کے نفاذ میں تغافل سے کام لیا اور شرعی حدود جاری کرنے میں کوتاہی کی۔

چنانچہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث ہرمزان اور جفینہ وغیرہ کو قتل کر دیا تھا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے قصاص نہیں لیا۔ اس طرح آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے شرعی حد قائم کرنے میں کوتاہی کی اور غفلت اختیار کی۔

الجواب

جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو لولو فیروز نامی مجوسی نے شہید کیا تو آنمو صوف کے فرزند عبید اللہ بن عمر نے مغلوب الغضب ہو کر ابو لولو کے ساتھیوں ہرمزان اور جفینہ وغیرہ کو قتل کر دیا۔ اس بناء پر کہ یہ لوگ بھی آنجناب رضی اللہ عنہ کے قتل کے منصوبہ میں شریک کار تھے۔

جس وقت امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر اچانک قاتلانہ حملے کا حادثہ فاجعہ پیش آیا اور تین روز کے بعد آنمو صوف رضی اللہ عنہ کا ابتدا محرم الحرام ۲۳ھ میں انتقال ہو گیا تو آنجناب رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان خلیفہ ثالث منتخب ہوئے تو آنجناب رضی اللہ عنہ کے سامنے ابتداء میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ عبید اللہ بن عمر نے جو ہرمزان اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے، اس کا کس طرح فیصلہ کیا جائے؟

بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ قتل ہذا کی بنا پر عبید اللہ بن عمر سے قصاص لیا جائے جبکہ بعض دیگر حضرات کی یہ رائے نہ تھی اور وہ کہتے تھے کہ کل ان کے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور آج ان کے فرزند کو قتل کر دیا جائے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان سخت اضطراب اور شدید پریشانی واقع ہو گئی اور حالات بہت کشیدہ ہو گئے اور قبائل میں عظیم فتنہ کھڑا ہونے کے آثار نظر آنے لگے۔ اسی کیفیت کو الشیخ حسین الدیار بکری نے اپنی تصنیف تاریخ الحمیس میں مختصراً اس طرح ذکر کیا ہے کہ

...فلما رای عثمان ذالک
اغتنم تسکین الفتنة وقال
امرہ الی سارضی اهل
الهرمزان منه۔ (تاریخ الحمیس
ص ۲۷۴، ج ۲، تحت جوابات مطاعن عثمانی
یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے جب حالات کشیدہ دیکھے تو فتنہ ہذا کی
تسکین کو غنیمت سمجھا اور فرمایا کہ یہ معاملہ
میرے سپرد ہے اور میں اہل ہرمزان کو اس
معاملہ میں راضی کروں گا۔

(نمبر ۱۶)

چنانچہ ان نازک حالات کے متعلق دیگر علماء نے بھی تحریر کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مقتولین کے ورثاء کو اپنے مال سے دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا، اس لیے کہ ان کا معاملہ خلیفہ وقت کے سپرد تھا اور خلیفہ وقت پیش آمدہ معاملہ میں بہتر فیصلہ کرنے میں با اختیار ہوتا ہے۔ فلہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقتولین کے وارثوں کو مال دے کر اس فتنہ کو فرو کرنے کی تدبیر اختیار کی اور عبید اللہ بن عمر کو چھوڑ دیا گیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام میں تحریر کیا ہے کہ

..... فودی عثمان رضی اللہ عنہ اولئک القتل من
مالہ لان امرہم الیہ اذ لا وارث لہم الا بیت المال والامام
یری الاصلح فی ذالک وخلق سبیل عبید اللہ۔

(البدایہ والنہایہ للابن کثیر، ص ۹۴۹، جلد سابع، تحت سنہ ۵۲۴ھ)

اور اسی مسئلہ کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

... میگوئیم راضی کرو اولیاء مقتول را بمال۔ و دریں صورت قصاص
ساقط شد و فتنہ مضحل گشت و این یکے از فضائل ذی النورین است۔

(قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۲۷۴، تحت جوابات مطاعن عثمانی، طبع

مجتبائی، دہلی)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیز کو اس طرح تحریر کیا ہے:

... عثمان رضی اللہ عنہ خود ورثہ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے
ہرمزان را باموال خطیرہ راضی عمدہ تدبیر کے ساتھ ایک عظیم فتنہ کھڑا
ساخت کہ اصلاً باز شکایت، نکردند۔ ہونے سے قوم کو بچا لیا اور مقتولین کے
وارثوں کو اموال کثیرہ دے کر راضی کر لیا۔

(تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز، ص ۳۲۴، تحت جوابات مطاعن عثمانی، طعن ششم، طبع لاہور)

نیز مسئلہ شرعی پر صحیح طور پر عمل درآمد ہو گیا کیونکہ ضابطہ شرعی یہ ہے کہ
مقتول کے وارثین اگر بطور ویت کے مالی معاوضہ لے کر راضی ہو جائیں تو قاتل سے
قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس معاملہ میں
کسی شرعی قاعدہ کی خلاف ورزی بالکل نہیں ہوئی اور کسی شرعی حد کو ضائع نہیں کیا

اور بہتر اسلوب کے ساتھ مسئلہ ہذا کو طے کر دیا۔

تنبیہ

بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی اور وہ چاہتے تھے کہ ہرمزان وغیرہ کے قتل کے عوض میں عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جائے۔ اسی لیے جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آنمو صوف رضی اللہ عنہ کا نظریہ معلوم کر کے ملک شام کی طرف بھاگ گئے تھے۔۔۔ الخ

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ روایات کا باب بہت وسیع ہے۔ اس میں ہر نوع کی روایات مل جاتی ہیں اور ان میں صحیح و سقیم ضعیف اور قوی رطب و یابس ہر قسم کی روایات موجود ہوتی ہیں، چنانچہ مندرجہ بالا قسم کی روایات بھی اسی زمرہ میں سے ہیں۔

اور مورخین نے یہ اپنے اپنے انداز میں درج کی ہیں۔ اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ روایت کے ساتھ ساتھ درایت سے بھی کام لیا جائے۔

اب توجہ فرمائیں کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بارہ یوم کم بارہ سال قائم رہی ہے اور اس کے ابتدائی ایام میں عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا مسئلہ پیش آیا تھا اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اپنی اپنی آراء بھی اس وقت سامنے آگئی تھیں جو باہم متعارض تھیں اور رائے میں شدید اختلاف بھی موجود تھا۔

لیکن ان نازک حالات کے پیش نظر تمام حضرات کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت ہونے کی حیثیت سے جو تدبیر اختیار فرمائی (یعنی مقتولین کے ورثاء کو بطور ویت اموال کثیرہ دے دیئے اور ان کو راضی کر لیا اور اس طرح قاتل سے قصاص ساقط ہو گیا اور عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قصاص سے بچ گئے) یہ فیصلہ

شرعاً صحیح تھا اس لیے اکابر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے بشمول حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر اعتراض نہیں کیا اور معاملہ ہذا ختم ہو گیا۔ اتنی قدر بات صحیح ہے اور درایت کے اعتبار سے بھی یہی درست ہے لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے قریباً بارہ برس کے بعد گزشتہ فیصلہ شدہ قضیہ کو از سر نو کھڑا کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، اور نہ ہی کوئی داعیہ پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے فرمودات و معمولات کبار علماء نے ذکر کیے ہیں، یہ واقعہ ان کے بھی بالکل خلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) ... محمد بن سیرین نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اپنے قاضیوں کو حکم دیتے تھے کہ جس طرح تم سابق خلفاء کے عہد میں فیصلے صادر کیا کرتے تھے، اب بھی اسی کے مطابق فیصلے کرو، تاکہ جماعتی نظم قائم رہے اور فرمایا کرتے کہ میں باہمی اختلاف سے خائف ہوں یعنی سابق اصحاب کے ساتھ اختلاف کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

... ان علیا قال اقصوا کما کنتم تقضون حتی تکونوا

جماعہ فانی اخشی الاختلاف۔

(۱) المصنف لعبد الرزاق ص ۳۲۹، ج ۱۱، تحت باب القضاۃ، طبع مجلس علمی، کراچی۔

(۲) بخاری شریف ص ۵۲۶، جلد اول، تحت باب مناقب علی رضی اللہ عنہ، طبع دہلی۔

(۲) ... اسی مسئلہ کو مشہور عالم ابن حزم اللاندلسی نے اپنی تصنیف کتاب ”الفصل

فی الملل“ میں اس طرح درج کیا ہے کہ

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ

... ثم ولی علی رضی اللہ عنہ، فما غیر

عنہ جب خلافت کے والی ہوئے تو انہوں

حکما من احکام ابی بکر

نے خلفاء ثلاثہ کے کسی حکم کو تبدیل نہیں

وعمر وعثمان (رضی اللہ

تعالیٰ عنہم) ولا یبطل عہدا
من عہودہم۔ ولو کان ذالک
عندہ باطلا لما کان فی سعة
من ان یمضی الباطل وینفذہ۔
وقد ارتفعت التقیہ منہ۔

فرمایا۔ (اور ان کے احکام کو بحال رکھا)
(الفصل فی الملل والاعواء)
والنحل ص ۹۷، ج ۴، طبع بغداد

اور ان حضرات رضی اللہ عنہ کے معاہدہ جات میں سے کسی معاہدہ کو باطل قرار نہیں دیا۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر یہ چیز باطل ہوتی تو وہ ایک باطل چیز کے اجراء و نفاذ کے حق میں نہیں تھے حالانکہ ان کے اپنے دور خلافت میں ”تقیہ“ مرتفع ہو چکا تھا اور آپ تقیہ کے حیلہ کے محتاج نہیں تھے۔

نوٹ: یہ مسئلہ قبل ازیں ہم اپنی تالیف ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ کے ص ۲۲۵ تا ۲۲۸ میں ”عہد علوی کا عملی نظم“ کے عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ ہرمزان وغیرہ والے عثمانی فیصلہ کو بھی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تبدیل نہ فرمایا اور اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔

اور جن روایات میں ہرمزان وغیرہ کے قتل کے دوبارہ قصاص لینے کا ذکر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا چاہتے تھے (حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قضیہ کا فیصلہ پہلے فرما چکے تھے) تو وہ روایات مرجوح ہیں بلکہ خلافت مرتضوی کے دور کے فیصلوں کے بھی برخلاف ہیں۔ جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں کبار علماء کی تصریحات پیش کر دی ہیں، پس اس بنا پر وہ روایات متروک ہیں اور قابل اعتناء نہیں۔

(۳) ... یہ چیز بھی بطور یاد دہانی یہاں ذکر کی جاتی ہے کہ قبل ازیں ہم اسے رحماء بینہم حصہ سوم، ص ۱۲۰، تحت عنوان ”اجرائے احکام میں عملی تعاون“ ذکر کر چکے ہیں کہ شیعہ علماء نے لکھا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے دور میں حدود اللہ جاری کرنے اور نافذ کرنے کے فرائض حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے اور اس

منصب کا تعین آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ شدہ امر تھا۔
چنانچہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ

...جعفر بن محمد عن آباء ان ابابکر وعمر وعثمان
كانوا يرفعون الحدود الى علي بن ابي طالب... الخ۔

(جعفریات بمع قرب الاسناد، ص ۱۳۳، طبع طهران)

ائمہ کے ان فرمودات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدود کے
اجراء کا مسئلہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تمام ہوتا تھا اور آنمو صوف اس
صیغہ کا اعلیٰ منصب رکھتے تھے۔ سو یہ ظاہر بات ہے کہ ہرمزان وغیرہ کے قصاص کا
مسئلہ بھی ان کے پیش نظر آیا ہوگا اور اگر بالفرض خلیفہ وقت کی رائے اس مقدمہ
میں دوسری تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی تاہم اس
کا فیصلہ ابتدائے خلافت عثمانی میں ہو گیا اور اس پر عمل درآمد بھی ہو چکا تھا۔ اس
موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس فیصلہ کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنا اس بات کا
قوی قرینہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والا فیصلہ شرعاً صحیح تھا ورنہ حضرت علی المرتضیٰ
رضی اللہ عنہ اپنے اختیارات منصبی کے تحت اس کو ناجائز اور غلط قرار دے سکتے تھے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ واقعہ ہذا میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
فیصلہ درست تھا اور شرعاً صحیح تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے شرعی حدود کو ضائع نہیں کیا اور
ان کے نفاذ میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔



”فجوة“ کے اعتراض کا جواب

بعض حلقوں کی طرف سے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت پر ایک شدید اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے عہد خلافت میں نظام اسلام صحیح طور پر قائم نہیں تھا اور اسلام کے قواعد و ضوابط پر عمل درآمد نہیں ہوتا تھا۔ آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طبعی کمزوری کی وجہ سے مروان بن الحکم کی حکمرانی رہی اور اس عہد میں دینی و شرعی نظام معطل رہا۔ چنانچہ عہد عثمانی پر ان معترض لوگوں نے طعن ہذا عبارت ذیل کے ساتھ وارد کیا ہے:

... وان عهد عثمان رضی اللہ عنہ الذی تحکم فیہ مروان کان

فجوه بینہما... الخ۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے درمیان عہد عثمانی ایک فراخ جگہ خالی پڑی ہے۔ گویا خلافت عثمانی قوانین اسلام کی ترویج اور قواعد شرعی کے نفاذ سے یکسر خالی تھی اور اس عہد کے ہر دو جانب اسلام کی صحیح حکومت مقاصد اسلام کے مطابق قائم تھی لیکن درمیانی عہد (یعنی خلافت عثمانی) میں قوانین اسلام اور قواعد شرعی مفقود ہو گئے تھے۔ ان ایام میں مروان بن الحکم کی حکمرانی تھی۔ اس مفہوم کو معترضین نے ”فجوة“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ”فجوة“ دو ٹیلوں کے درمیان کی فراخ خالی جگہ کو کہتے ہیں۔

اعتراض مذکور جن لوگوں نے بھی اٹھایا ہے، بڑا سنگین نوعیت کا ہے اور ایک مختصر سے جملہ مذکورہ میں عجیب طریقہ سے طعن کے تمام پہلوؤں کو مرکوز کر دیا ہے۔ اور اہل اسلام میں مسلمہ ”خلافت راشدہ“ کے ایک اہم اور زریں عہد یعنی بارہ سالہ خلافت عثمانی کو دینی و شرعی نظام سے معطل اور بیکار قرار دیا ہے اور یہ اعتراض معترضین کی طرف سے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر وارد ہو رہا ہے، اسی طرح اس عہد کے عمال، حکام، معاونین اور کارکنان پر بھی قائم ہوتا ہے جن میں ایک کثیر تعداد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہے اور تابعین بھی شامل ہیں۔ ان سب حضرات پر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ اس سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

طعن کرنے والوں نے اس موقع پر نہ ”خلافت راشدہ“ کا لحاظ کیا ہے، نہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اور نہ ہی اکابر تابعین کا چشم بند کر کے سب پر ایک ہی لاشی سے ضرب لگا دی ہے اور ان سب کی دینی حیثیت کو مجروح کر ڈالا ہے۔
(فیہ اسفا!!!)

الجواب

آئندہ سطور میں ہم اس طعن کو بطور اختصار کے ”فجوة“ کے نام سے تعبیر کریں گے۔

عہد عثمانی کے متعلق ”فجوة“ کا نظریہ جو اعتراض میں پیش کیا گیا ہے، اس کے غلط ہونے اور خلاف واقعہ ہونے پر ہم بطریق ذیل کلام چلانا چاہتے ہیں۔ قارئین کرام اس پر غور فرمائیں اور انصاف کے ساتھ نتائج خود قائم کریں:

(۱) ایک تو یہ نظریہ آیات قرآنی کے تقاضوں کے خلاف پایا جاتا ہے۔

(۲) دوسرا یہ تخیل فرامین نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے

متعارض ہے اور ان کے ساتھ اس کی کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔

(۳) تیسرا یہ نظریہ دور عثمانی کے دوسرے تاریخی حقائق کے بھی متضاد ہے اور اس دور کے واقعات برملا اس کی تکذیب اور تردید کرتے ہیں۔

(۴) چوتھا۔ امت مسلمہ کے اکابر علماء کے صفائی کے بیانات جو خلافت عثمانی کی صحت کے حق میں موجود ہیں وہ ”فجوة“ والے نظریات کے برعکس ثابت ہوتے ہیں، ان کے ساتھ کوئی موافقت کی صورت نہیں ہو سکتی۔

مندرجہ بالا چیزیں ہم ایک ترتیب سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں جو مسئلہ ہذا حل کرنے میں مفید ہوں گی۔

تنبیہ

جن احباب کو علم نہیں ہے، ان کی آگاہی کے لیے واضح کیا جاتا ہے کہ مصر میں جماعت ”اخوان المسلمین“ کے رئیس و امیر سید قطب مرحوم نے ”العدالة الاجتماعية“ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے مندرجہ بالا جملہ درج کیا ہے، چونکہ یہ تبصرہ واقعات کے اعتبار سے غلط ہے، اس بناء پر یہ چند سطور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں بطور صفائی کے اور دقلع کے مرتب کی ہیں۔ (مؤلف)

آیات قرآنی

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی بہت سی آیات ذکر کی جاسکتی ہیں، لیکن فی الحال ہم آیات ذیل سامنے رکھتے ہیں:

... والزمهم کلمہ التقوی وکانوا حق بها واهلها... الخ

(سورۃ فتح، پ ۲۶)

واقعہ حدیبیہ میں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل و شریک تھے، ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمول یقینی ہے اور مسلمات میں

سے ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شاملین حدیبیہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں اس موقعہ پر اپنی سیکینہ اور اطمینان نازل فرمایا اور ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے پرہیزگاری کا کلمہ (کلمۃ التقویٰ) ثابت کر دیا اور اس نے ان کو تقویٰ کا اہل بنا دیا۔ پس وہ صحیح طور پر اس کے سزاوار و حقدار تھے۔

چنانچہ آیت ہذا سے یہ بات واضح ہوئی کہ شاملین حدیبیہ کی صفات میں اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری لازم کر دی تھی اور یہ اصحاب پرہیزگاری کی صفت کے زیادہ حقدار اور اہل تھے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی صفات میں بھی پرہیزگاری اور تقویٰ کا پایا جانا ثابت ہوا اور یہ صفات ان حضرات کے لیے دائمی تھیں وقتی نہیں تھیں۔

اب اگر کوئی شخص ان اکابر کے حق میں یہ تاثر قائم کرے کہ ان لوگوں نے اپنی زندگی کے کسی مرحلہ میں پہنچ کر ضوابط شرعی اور اسلامی قواعد کو ترک کر دیا اور دین کے برخلاف ایک بے دین معاشرت اختیار کر لی تھی تو یہ نظریہ مندرجہ بالا قرآنی آیت کے تقاضوں کے برعکس ہوگا، کیونکہ یہ حضرات کسی مرحلہ میں بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کی صفات سے دست کش نہ ہوئے اور انہوں نے اپنی زندگیاں ہرگز خلاف شریعت نہیں گزاریں بلکہ اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت فرمودہ صفت ”کلمۃ التقویٰ“ اسی چیز کی متقاضی ہے۔

فلذا ان حضرات کے متعلق دینی احکام و شرعی نظام سے اعراض کرنے اور اسے عملی زندگی میں ترک کر دینے کا نظریہ صفت تقویٰ کے زائل ہو جانے کے مترادف ہے، حالانکہ فرمان خداوندی کی روشنی میں ان حضرات سے صفت اتقاء کا زوال ہرگز درست نہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ ان کی دائمی صفت ہے۔ کوئی وقتی و عارضی صفت نہیں۔

(۲) نیز اللہ تعالیٰ نے واقعہ حدیبیہ کے دوران جو ارشادات فرمائے ہیں، ان میں اس نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور ان کے اصحاب رضی

اللہ تعالیٰ عنہم اور ساتھیوں کی صفات اس طرح ذکر کی ہیں۔

...محمدرسول اللہ والذین
معہ اشداء علی الکفار
رحماء بینہم تراہم رکعا
سجدا یبتغون فضلا من اللہ
ورضوانا... الخ۔

یعنی محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور
جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت
ہیں اور انہوں کے درمیان مہربان ہیں۔ تو
دیکھئے گا ان کو رکوع کرنے والے اور سجدہ
کرنے والے۔ پھر ان کے کمال اخلاص کا
بیان فرمایا اور ریا و نمود کی ان سے نفی کرتے
ہوئے فرمایا کہ (یہ لوگ) اللہ تعالیٰ کا فضل اور
اس کی خوشنودی اور رضامندی کو طلب
کرتے ہیں اور یہ چیز ان کا شیوہ ہے۔

(سورۃ فتح، پ ۲۶)

آیت ہذا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خصوصاً وہ حضرات جو واقعہ حدیبیہ میں
شامل تھے، وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضامندی طلب کرتے ہیں۔ گویا خداوند کریم
نے ریا و نمود و نمائش کی نفی کرتے ہوئے ان کے خلوص نیت کی گواہی دی ہے اور
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مذکورہ حضرات (والذین معہ) میں یقیناً داخل ہیں۔ فلہذا
آنموصوف رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان صفات کے ساتھ موصوف تھے اور اپنی زندگی کے تمام
مراحل میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی طلب کرتے تھے۔ پھر یہ اپنی خلافت
کے دوران میں بھی اس آیت کے مصداق تھے اور ان صفات حمیدہ کے حامل تھے۔

بناء بریں حالات انہوں نے اپنے عہد خلافت میں خداوند کریم کی رضا کے
برعکس اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کے خلاف کوئی
عمل درآمد نہیں کیا اور نظام شرعی کو ہرگز ترک نہیں فرمایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ اور جناب
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکامات کے تحت تمام نظم خلافت قائم
رکھا۔

لہذا ”فجوة“ کا اعتراض آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر وارد کرنا کسی صورت میں صحیح نہیں کیونکہ یہ اعتراض تو اس شہادت اور گواہی کے برخلاف ہے جو قرآن مجید نے ان کے حق میں مخلصانہ اعمال و مومنانہ کردار پر دی ہے۔ معترض لوگوں نے اعتراض کرتے وقت اس قرآنی گواہی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کا کچھ لحاظ نہیں کیا ہے۔ (ترجیح)

(۳) مفسرین کے عام قول کے مطابق مندرجہ ذیل آیت اہل حدیبیہ کے حق میں وارد ہے اور اس میں فرمایا کہ

... كزَرَ اَخْرَجَ شَطَاہَ فَازَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی

سَوْفَہ... الخ۔ (سورۃ الفتح، پارہ ۲۶)

اس فرمانِ خداوندی میں دین اسلام کی ترقی کے مسئلہ کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے یعنی وہ مثل ایک کھیتی کے ہے جس نے اپنا اکھوا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا اور پھر وہ موٹا ہوا اور ڈنڈی کے بل کھڑا ہو گیا۔ الخ۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دینی ترقی یقیناً ہوگی اور بتدریج ہوگی جس طرح کہ کھیتی کی نشوونما بتدریج ہوتی ہے۔

(۲) اور یہ ترقی منتہائے کمال تک پہنچے بغیر نہیں رکے گی۔

(۳) نیز یہ ترقی علی الاتصال ہوگی، درمیان میں سکون یا وقفہ نہیں ہوگا اور نشوونما کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔ جس طرح کہ کھیتی کی ترقی کی حالت اپنے کمال تک پہنچنے میں مسلسل ہوتی ہے۔

اندریں حالات معترض احباب کے نظریات کو اگر پیش نظر رکھا جائے اور عہد عثمانی کو اسلامی نظام سے یکسر خالی تسلیم کر لیا جائے اور ان کے ایام خلافت میں قوانین اسلامی کو مفقود اور قواعد شرعی کو نابود مان لیا جائے تو قابل غور بات یہ ہے کہ دین اسلام کی تدریجاً ترقی کی تمثیل جو ارشادات خداوندی میں ذکر کی گئی ہے، اس کی

مثال اور مثل لہ میں مشابہت کس طرح صحیح ہوگی؟؟ اور مماثلت کس طرح قائم ہوگی؟؟

معارض دوست فرماتے ہیں کہ صدیقی و فاروقی ادوار میں اور مرتضوی عہد خلافت میں صحیح اسلامی نظام تھا لیکن درمیان میں عہد عثمانی میں شرعی نظام اور قواعد اسلامی ختم کر دیئے گئے تھے، حالانکہ قرآنی تمثیل جو کھیتی کے ساتھ دی گئی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تدریجاً ترقی مسلسل و لگاتار پائی جائے، اس میں فطور اور وقفہ نہ آنے پائے۔

لہذا عہد عثمانی کے متعلق ”فجوة“ کا نظریہ قائم کرنا ہرگز درست نہیں، اس وجہ سے کہ سابق تمثیل کے ساتھ اس کی مطابقت قائم نہیں رکھی جاسکتی اور مفسرین نے اس مثال کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے کہ

... وهذا مثل ضربه الله
یعنی اسلام کی ابتدائی حالت پھر اس کا
ترقی کرنا اور زیادہ ہو جانا یہاں تک کہ وہ
الزیادہ الی ان قوی و
قوی اور مضبوط ہو جائے، اس کی مثال
استحکم... الخ۔
خداوند کریم نے بیان فرمائی ہے۔

(تفسیر مدارک التنزیل ص ۶۲، جلد خامس تحت الآیہ، سورۃ فتح، طبع لاہور)

اور جب عہد عثمانی میں اسلام کی ترقی کو مفقود مان لیا جائے تو اس کا قوی ہونا اور مستحکم ہونا تو نہ پایا گیا، پس اس وجہ سے تمثیل ہذا درست نہیں بن سکتی تو معلوم ہوا کہ ”فجوة“ کا نظریہ قرآنی ارشادات کے مطابق قطعاً صحیح نہیں ہے، اس کو درست تسلیم کر لینے سے آیات خداوندی کی (معاذ اللہ) تکذیب لازم آتی ہے۔

احادیث نبوی ﷺ

اگرچہ اس سلسلہ میں بیشتر احادیث پائی جاتی ہیں، تاہم اس مقام میں صرف چند روایات پیش کی جا رہی ہیں، جن کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو

اعتراض بعض لوگ ”فجوة“ کے کلمہ سے عہد عثمانی پر وارو کرتے ہیں وہ حقیقتاً درست نہیں اور اعتراض کرنے والوں نے اپنے زعم و گمان سے اسے تجویز کیا ہے اور یہ ان کا نظریہ روایات صحیحہ کے بالکل متعارض ہے۔

(۱) چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ۔۔۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، (بن مالک) کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بیعت رضوان کا حکم دیا تو اس وقت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے قاصد کی حیثیت سے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے۔ جب لوگ بیعت کرنے لگے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے کام میں گئے ہوئے ہیں (اور ان کا بھی بیعت رضوان میں شامل ہونا لازم ہے) اس لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ مبارک اپنے ہی دوسرے ہاتھ مبارک پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کے لیے تھا، وہ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں سے جو اپنے اپنے لیے تھے، بدرجہا بہتر تھا۔

...عن انس قال لما امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببيعة الرضوان كان عثمان رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم الى مكة - فبايع الناس - فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان عثمان رضی اللہ عنہ فی حاجه الله وحاجه رسوله فضرب باحدى يديه على الاخرى - فكانت يد رسول الله صلى الله عليه وسلم لعثمان رضی اللہ عنہ خيرا من ايديهم لانفسهم -

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲، بحوالہ بخاری از ابن عمر رضی اللہ عنہما، تحت مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، الفصل الثالث۔

روایت ہذا کو متعدد محدثین نے ذکر کیا ہے۔ اس میں مندرجہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ اس روایت سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوئی کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ چیز جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں کمال فضیلت اور برکت کی چیز ہے۔ پس اس ہاتھ سے دین کے خلاف احکام کا صدور و نفاذ کیسے ہو سکتا ہے؟؟

نیز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیعت رضوان میں شامل و شریک ہونا بھی بالیقین پایا گیا۔ پھر شاملین بیعت کے لیے خداوند کریم کی طرف سے جو بشارتیں رضوان وغیرہ (لقد رضی اللہ عن المومنین... الخ سورۃ فتح) کی مذکور ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس کے صحیح مصداق ہیں اور ان کے اہل ہیں۔

فلذا جس شخصیت کے حق میں یہ فضائل اور بشارتیں پائی جائیں، اس کے متعلق اس طرح کے نظریات قائم کرنا کہ اس نے اپنے دور خلافت میں اسلام کے قواعد ترک کر دیئے اور دینی ضوابط کو چھوڑ دیا اور ان کے ایام خلافت اسلامی قانون سے یکسر خالی پائے گئے۔۔۔ بالکل غلط ہیں اور نصوص سے ثابت شدہ بشارتوں اور فضیلتوں کے برعکس ہیں۔ ایسے نظریات کو کوئی عقل مند اور ذی ہوش آدمی تسلیم نہیں کر سکتا۔

جس نے اس نوع کے تصورات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کے حق میں قائم کیے ہیں، وہ یقیناً حسد و کینہ و عناد کا شکار ہے اور ان حضرات سے سوء ظنی رکھنے کا مریض ہے۔

(۲) اور مشہور صحابی حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر خطبہ میں دیگر مودات کے علاوہ ایک یہ بات بھی بطور پیش گوئی کے ارشاد فرمائی کہ: یہ ہمارا دین

منقضى اور ختم نہیں ہوگا، حتیٰ کہ اس میں بارہ خلیفے گزریں گے۔۔۔ الخ۔

...ان هذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیہم اثنی عشر

خلیفہ۔۔۔ الخ۔

اور بعض دیگر روایات میں اس طرح منقول ہے کہ: یہ دین اسلام ہمیشہ غالب اور مضبوط رہے گا حتیٰ کہ بارہ خلیفے گزریں۔۔۔ اور وہ سب قبیلہ قریش سے ہوں گے۔۔۔ الخ۔

...لا یزال هذا الدین عزیزاً منیعاً الی اثنا عشر خلیفہ...

کلہم من قریش... الخ۔

(مسلم شریف ص ۱۱۹ جلد ثانی، کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش)

اس فرمانِ نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ قریش سے متعدد خلیفے یقیناً آئیں گے اور ان کے دورِ خلافت میں دین اسلام غالب رہے گا اور منقضى و منقطع نہیں ہوگا۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، یقیناً قریش کے ان خلفاء میں سے تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ پس ان کے دورِ خلافت میں بشارتِ نبوی ﷺ کے مطابق دین اسلام یقیناً غالب اور مضبوط رہے گا اور اس میں نظام اسلام جاری رہے گا۔

بنابریں خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں دین اسلام کے قواعد و ضوابط یقیناً قائم تھے اور یہ دور نظام اسلام سے ہرگز خالی نہیں تھا۔ پس جن لوگوں نے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے متعلق ”فجوة“ کا نظریہ قائم کیا ہے۔ وہ ہرگز صحیح نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ کے تقاضوں کے اعتبار سے اس دور میں دین اسلام غالب رہنے اور نظام اسلام قائم رہنے کی صحیح بشارت موجود ہے۔

(۳) اور حدیث شریف کی بعض صحیح روایات میں یہ فرمانِ نبوت اس طرح

موجود ہے کہ

...عن عرباض بن ساریہ (مرفوعاً) ...وسترور من بعدی
اختلافاً شدیداً، فعلیکم لبسنتی وسنه الخلفاء
الراشدین المہدیین وعضوا علیہا بالنواجذ... الخ۔

(۱) السنن للدارمی ص ۲۵، تحت باب اتباع السنہ، طبع نظامی، کانپور۔

(۲) المستدرک للحاکم ص ۹۶، جلد اول، طبع اول دکن۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۱۴، جلد عاشر، طبع اول، دکن۔

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد تم شدید اختلاف دیکھو گے اور میرے خلفاء الراشدین کے طریقہ کو لازم پکڑنا اور اپنی داڑھوں کے ساتھ اس کو مضبوطی سے پکڑ رکھنا۔

ان فرمودات نبوی ﷺ سے یہ بات واضح ہوئی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خلفاء کی اتباع اور اقتداء اہل اسلام پر لازم ہے اور ان کے طریق کو مضبوطی سے پکڑنے کے لیے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

ان ارشادات نبوت کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلفائے نبوی کی خلافت اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگی اور اسلامی شرعی قواعد کے موافق ہوگی۔ پس ان کی اتباع کرنا اسلام میں لازم ہے اور ان کے طریقوں پر چلنا عین مقتضائے دین ہے۔ بالفرض اگر ان خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ (مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان) کے دور میں اسلامی نظام کا ختم ہونا اور اس کا شریعت کے قواعد سے یکسر خالی ہونا تسلیم کر لیا جائے تو اس دور کو لزوم اتباع سے مستثنیٰ کرنا ضروری تھا تاکہ لوگ گمراہی میں نہ پڑ جائیں، مگر ایسا نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ دور بھی اپنے مقام پر صحیح اور قابلِ اتباع رہا ہے۔

(۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی حقانیت اور صداقت کے حق میں بیشتر روایات پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

... عن عائشة ان النبی ﷺ قال لعثمان يا عثمان ان الله قمصك قميصا فان ارادك المنافقون على خلعه فلا تخلعه حتى تلقاني، وهذا من الاحاديث الظاهره في خلافته الداله دلاله واضحه على حقيتها لنسبه القميص في الحديث الممكني به عن الخلافه الى الله تعالى - (اخرجه احمد والترمذي وابن ماجه والحاكم)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کو اللہ تعالیٰ ایک قمیص پہنائیں گے، اگر منافق لوگ اس قمیص کو تجھ سے اتارنے کا ارادہ کریں تو اسے ہرگز نہ اتارنا حتیٰ کہ تم (آخرت میں) مجھ سے آکر ملاقات کرو۔

(۱) الصواعق المحرقة لابن حجر المکی ص ۱۰۹، تحت الفصل الثانی فی فضاله۔

(۲) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۲۰۷-۲۰۸ ج ۷، تحت فضائل عثمانی۔

یہ روایت ان ظاہر روایات میں سے ایک ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت و صداقت پر واضح دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ حدیث مذکور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قمیص کا پہنایا جانا مذکور ہے جو خلافت سے کنایہ ہے اور ساتھ ہی حکم ہے کہ اس کو نہ اتارنا۔

مندرجہ بالا روایت کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت بر ملا ثابت ہوتی ہے اس خلافت حقہ صحیحہ کے حق میں اگر کوئی شخص یہ تخیل قائم کرے کہ یہ خلافت اسلامی قواعد اور شریعت کے ضوابط سے خالی تھی تو یہ تخیل قطعاً غلط ہوگا اور ان روایات صحیحہ کے تقاضوں سے متعارض اور خلاف ہوگا۔

فلذا ”فجوة“ کے نظریہ کے اعتبار سے جو اعتراض قائم کیا گیا ہے، وہ ان

احادیث صحیحہ کے مفہوم سے متصادم ہے، اس لیے ہرگز درست نہیں۔

عہد عثمانی کے چند تاریخی واقعات

اس مقام میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے چند ایک تاریخی واقعات بھی ہم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، جن سے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے عہد کی کیفیت واضح ہوتی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے عوام کے ساتھ برتاؤ اور سلوک معلوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی واضح ہو گا کہ اس وقت کس نوع کا انتظام مروج تھا؟؟ اور دینی مسائل کی رعایت کس طرح کی جاتی تھی؟ اور عوام کی اس دور میں کیا حالت تھی؟؟ اور خلیفہ اسلام کا رابطہ ان سے کس طرح کا تھا؟

عمال کے نام ایک مکتوب

(۱) ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمال (کار پردازوں) کی طرف ایک سرکاری مکتوب ارسال کیا، اس میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تدبیر حق کے ساتھ پیدا فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ حق بات کے بغیر قبول نہیں کرتا (جس سے) حق لینا ہو۔ حق ہی حاصل کرو اور (جس کو) حق عطا کرنا ہو، حق ادا کرو۔ (کی بیشی نہ کرو) امانت داری کا خیال رکھو۔ (اس پر قائم رہو۔۔۔ وفاداری کا خیال رکھو۔ وفا کرو۔ یتیم پر ظلم مت کرو۔ اور معاہدہ (جس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے) کے ساتھ ظلم نہ کرو۔ کیونکہ ظلم کرنے والے کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ خود خصم اور (مقابل) بن جاتے ہیں۔

...اما بعد فان الله خلق الخلق بالحق فلا يقبل الا

الحق خذوا الحق واعطوا الحق به والامانه الامانه قوموا

عليها ولا تكونوا اول من يسليها فتكونوا شركاء من

بعدکم الی ما اکتسبتم والوفاء الوفاء لا تظلموا الیتیم
ولا المعاهد فان الله خصم لمن ظلمهم۔

(تاریخ لابن جریر الطبری ص ۳۴-۳۵، ج ۵، تحت کتب الی عمالہ وولائہ والعامتہ
سنہ ۵۲۳، طبع قدیم مصری)

عوام سے خطاب

(۲) ایک دوسرے مقام میں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پبلک کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اے لوگو! جو ترقی اور فروغ تم کو حاصل ہوا ہے، یہ اقتداء اور اتباع کے ذریعے ملا ہے، پس تم کو اس بات سے دنیا داری پھیر نہ ڈالے اور موڑ نہ دے... الخ۔

...اما بعد فانکم انما بلغت ما بلغت بالاعتداء
والاتباع فلا تفتنکم الدنیا عن امرکم... الخ۔
(تاریخ لابن جریر الطبری ص ۳۵، ج ۵، تحت کتب عثمان الی عمالہ وولائہ والعامتہ
سنہ ۵۲۳، طبع قدیم مصری)

مکتوب مذکور۔۔۔ اور خطاب ہذا سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حکام اور عمال کو خصوصی ہدایات فرماتے تھے کہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور امانت کی رعایت کی جائے، ان کو ضائع نہ کیا جائے۔ وعدوں کی وفا کی جائے۔ یتاہی پر ظلم نہ کیا جائے۔ جن سے معاہدہ ہو چکا ہے، ان سے بد عہدی نہ کی جائے بلکہ وفا کریں۔ کسی شخص سے ظلم کا معاملہ نہ کیا جائے اور تمہیں تمام ترقی اور یہ فروغ اتباع شریعت سے حاصل ہوا ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھیں اور دنیا داری میں پڑ کر اس کو بھلانہ دیں۔

عمال کے نام ایک دیگر مکتوب

ایک دیگر موقعہ پر سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمال اور حکام کی طرف ایک مکتوب میں ہدایات تحریر کیں اور اس میں پبلک کی رعایت، حقوق کی ادائیگی اور اس کی خبرگیری کا مضمون لکھا کہ

اما بعد! حکام کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ لوگوں کے حق میں راعی اور نگران ہوں اور یہ حکم نہیں دیا کہ وہ ان کو کاٹنے والے بنیں۔

اور اس امت کے ابتدائی دور کے لوگ محافظ و نگران بنائے گئے ہیں۔ تراش کرنے والے اور کاٹ کھانے والے نہیں بنائے گئے۔ عنقریب زمانہ آئے گا کہ حکام و عمال لوگ کاٹنے والے ہو جائیں گے اور راعی و محافظ نہ رہیں گے۔ جب وہ اس طرح کے ہو جائیں گے تو اس وقت حیاء امانت اور وفا ختم ہو جائے گی۔

نہایت عادلانہ سیرت یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات اور ان کے حقوق و فرائض پر تم نظر رکھو۔ جو چیزیں ان کے حق میں قابل ادا ہوں، وہ عطا کرو اور جو چیزیں ان سے قابل وصول ہوں ان کو ان سے اخذ کرو۔ پھر اپنی ذمہ داری کی طرف توجہ کرو۔ جو چیز ان کے لیے دینے کی ہے، اس کو دے دو اور جو چیز ان سے لینے کی ہے، وہ وصول کر لو۔ پھر جو دشمن تمہارے سامنے آئے، اس کے ساتھ بھی وفا کا معاملہ کرو۔ (بد عہدی نہ کرو)

...الا وان اعدل السيره ان تنظروا في امور المسلمين
وفيما عليهم فتعطوهم مالهم وتأخذوهم بما عليهم
ثم تشنوا بالذمه فتعطوهم الذي لهم وتأخذوهم بالذي
عليهم۔ ثم العدو الذي تنتابون فاستفتحوا عليهم
بالوفاء۔

(تاریخ لابن جریر الطبری ص ۴۴، ج ۵، تحت کتب عثمان الی امامہ و ولایہ

والعامہ، سنہ ۲۴ھ، طبع قدیم، مصری)

فوجی افسروں کے نام مکتوب

(۴) سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد کے فوجی حکام کے نام جب مکتوب ارسال کیا تو اس میں انہیں ان کی ذمہ داری اور فرائض کا احساس دلاتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

اما بعد۔۔۔ تم لوگ اہل اسلام کے محافظ و حامی اور مدافعت کرنے والے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ لوگوں کی خاطر جو (حقوق و فرائض) وضع کیے تھے، وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں بلکہ وہ ہمارے جماعتی مشورہ سے ہی متعین ہوئے تھے۔ تم میں سے کسی کی جانب سے بھی اس میں تغیر و تبدل کی اطلاع مجھے نہ ملے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں متغیر فرمادے گا اور تمہیں تبدیل کر ڈالے گا۔ پس تم اپنے حالات پر نظر رکھو کہ تم کیسی حالت پر ہو؟؟ اور جن باتوں کے متعلق نظر رکھنا اور خیال کرنا اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ کیا ہے، ان کا میں خیال رکھوں گا۔

... اما بعد فانکم حماہ المسلمین وزادتهم وقد وضع
لکم عمر مال یغب عنابل کان عن ملاء منا ولا یبلغنی
عن احد منکم تغیر ولا تبدیل - فیغیر اللہ ما بکم و
یستبدل بکم غیرکم - فانظروا کیف تکنونون فانی انظر
فیما الزمنی اللہ النظر فیہ والقیام علیہ -

(تاریخ لابن جریر الطبری ص ۴۴، ج ۵، تحت کتب عثمانؓ ان عماله وولاته والعامۃ،

۵۲۳، طبع قدیم مصری)

(۵) علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے تذکرہ کے تحت لکھا ہے کہ ایک دفعہ آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں شہروں کے والیوں، اسلامی لشکر کے سرداروں، نماز کے اماموں اور بیت المال کے نگرانوں کی طرف ایک سرکاری مکتوب ارسال فرمایا جس میں یہ مضمون درج تھا کہ خلیفہ وقت تمہیں بہتر کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کریم کی اطاعت و فرمانبرداری پر براہِ نیجۃ کرتے ہیں اور اتباعِ سنت کرنے اور بدعات کو ترک کرنے پر ابھارتے ہیں۔

...ثم كتب عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) الى عماله على الامصار، امراء الحرب والائمة على الصلواة، والا مناء على بيوت المال يامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحثهم على طاعة الله وطاعة رسوله يحرضهم على الاتباع وترك الابتداع۔

(البدایہ والنہایہ للابن کثیر ص ۱۳۹ ج ۷، تحت تذکرہ خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ، طبع اول، قدیم مصری)

قابل غور

مندرجہ بالا چند ایک تاریخی حقائق ہیں۔ مورخین نے انہیں عہد عثمانی میں اپنے اپنے موقع پر درج کیا ہے اور یہ چند واقعات بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ اس نوع کے تمام واقعات کا استیعاب مقصود نہیں۔ ان پر نظر انصاف کرنے سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مندرجہ ذیل امور پر توجہ کی جاتی تھی اور ان پر عمل درآمد کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

○ مثلاً حق داروں کے حقوق کی رعایت، امانتوں کی رعایت، یتامی کے حقوق کی رعایت۔ جن اقوام سے معاہدہ ہو چکا ہو، ان سے وفا کرنا، بد عہدی نہ کرنا۔
○ اتباعِ شریعت کی ترغیب۔

○ حکام اور حکومت کے کارندوں کو ذمہ داری کا احساس دلانا کہ آپ لوگ دین اسلام کی حمایت کریں اور اس کی حفاظت میں مستعد رہیں اور اپنے اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کریں۔

○ مختصر یہ ہے کہ عہد عثمانی میں اسلامی احکام کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا، اتباع

شریعت کی ترغیب و تلقین کی جاتی تھی۔

○ یہ دور اسلامی نظام سے ہرگز خالی نہیں تھا۔

جن لوگوں نے اس دور کو اسلامی نظام سے خالی قرار دیا ہے۔ ان کا یہ نظریہ تاریخی حقائق کے بالکل برعکس اور متصادم ہے اور تاریخی واقعات اس بات کی ہرگز تائید نہیں کرتے بلکہ اس کی تکذیب کرتے ہیں، فلذا یہ نظریہ قابل تسلیم نہیں۔

اکابرین امت کی طرف سے عہد عثمانی کے حق میں صفائی کے بیانات

سابقہ سطور میں عہد عثمانی کے چند ایک ایسے تاریخی واقعات ہم نے پیش کیے ہیں، جن میں اعتراض ”فجوة“ کا جواب پایا گیا۔

اب اس اعتراض کے جواب کے لیے اکابرین امت کے بعض بیانات ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین ان پر بہ نظر انصاف غور فرما سکیں۔ اس طریقہ سے ان پر خوب واضح ہو جائے گا کہ ان اکابرین امت کی صفائی کے بیانات کی روشنی میں ”فجوة“ کا اعتراض کہاں تک درست ہے؟؟ اور اس میں فی نفسہ کیا کچھ صداقت ہے؟؟

(۱) ایک مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان پہلے ملاحظہ کریں... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص میرے پاس آیا۔ اس کی زبان میں ثقل تھا، جلدی سے پوری بات نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق اس نے میرے ساتھ طویل گفتگو کی۔ اس کا مقصد تھا کہ میں بھی اس کی ہمنوائی کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب چینی کروں۔۔۔ جب وہ اپنی ناقدانہ کلام تمام کر چکا تو میں نے کہا کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہم لوگ یہ کہا کہتے تھے کہ: سردار امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آنجناب ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام ہے پھر ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے پھر ان کے بعد

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا رتبہ ہے۔

--- ابن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو ناحق قتل کیا ہو یا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کام کیا ہو جس کو گناہ کبیرہ کہا جاسکے... الخ۔

... قال عبد الله بن عمر رضي الله عنهما جاءني رجل في خلافة عثمان فكلمني بكلام طويل يريد ان اعيب علي عثمان رضي الله عنه وهو امر افي لسانه ثقل لا يكاد يقضي كلامه في سريع - فلما قضى كلامه قلت قد كنا نقول ورسول الله صلى الله عليه وسلم حي افضل امه رسول الله صلى الله عليه وسلم ابوبكر رضي الله عنه ثم عمر رضي الله عنه ثم عثمان رضي الله عنه وانا والله! ما نعلم عثمان قتل نفسا بغير نفس ولا جاء من الكبائر شيئا... الخ۔

(کتاب التعمید والبيان ص ۱۸۴-۱۸۵ از محمد بن یحییٰ بن ابی بکر، طبع اول، بیروت)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس دور کے ایک معترض کو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو جوابات ذکر فرمائے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ

(الف) سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و مرتبہ خلافت کے اعتبار سے تیسرا ہے۔ یعنی شیخین رضی اللہ عنہ کے بعد امت مسلمہ میں ان کا مقام فیصلہ شدہ ہے۔

(ب) حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں کسی شخص کو ناحق قتل ہرگز نہیں کیا اور کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب بالکل نہیں ہوئے۔ یعنی وہ شرعاً مظالم و معاصی کے مرتکب نہیں تھے اور ان کا کردار صحیح تھا، اسلام کے خلاف ہرگز نہیں تھا۔

(ج) یہ گواہی و شہادت ایک مشہور صحابی نے دی ہے جن کی صداقت اسلام میں مسلم ہے۔ امید ہے ناظرین کرام صفائی کے اس بیان پر غور فرمائیں گے اور خود فیصلہ کریں گے کہ اس عہد عثمانی پر ”فجوة“ کا اعتراض کس حد تک درست ہے؟؟

(۲) ابن جریر الطبری اور ابن خلدون وغیرہ مورخین نے اس مقام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جسے صفائی کے بیانات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

اس واقعہ کا اختصار یہ ہے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں حکام سے متعلق پیش آمدہ شکایات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے مختلف شہروں میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بطور وفد روانہ فرمایا۔ مثلاً محمد بن مسلمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی طرف، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی طرف، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو علاقہ شام کی طرف اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر کی طرف روانہ کیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

... فقالوا ايها الناس! ما انكرنا شيئا ولا انكره اعلام

المسلمين ولا عوامهم وقالوا جميعا الامر بالمسلمين

الا ان امرائهم يقسطون بينهم ويقومون عليهم... الخ۔

(۱) الفتى ووقعه الجمل ل سيف بن عمر الفسى الاسدى، ص ۴۹-۵۰، تحت دعوة

عبد اللہ بن سبا۔

(۲) تاریخ لابن جریر الطبری ص ۹۹، ج ۵، ذکر مسير من سارا الى ذى شب

من اهل مصر، ۳۵ھ۔

(۳) تاریخ ابن خلدون المغربى ص ۹۰۲، ج ۲، تحت بد الانقاض عى عثمان

رضى اللہ تعالیٰ عنہ، طبع بیروت۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے لوگو! ہم نے کوئی بڑی بات وہاں نہیں دیکھی اور

نہ خواص اور نہ عوام نے کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز بتلائی ہے اور ان سب نے کہا کہ

مسلمانوں کا معاملہ ٹھیک چل رہا ہے۔ ان کے حکام ان میں انصاف کرتے ہیں اور ان

پر احکام جاری کرتے ہیں۔

تنبیہ

اس وفد میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مصر کی طرف تشریف لے گئے تھے اور انہوں نے اپنی واپسی میں تاخیر کی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ وہاں آنمو صوف رضی اللہ عنہ مخالفین عثمان رضی اللہ عنہ کی باتوں سے متاثر ہو کر کچھ ان کی طرف مائل ہو گئے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ اکثریت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رپورٹ کو قاعدہ (لا اکثر حکم الكل) کے مطابق صحیح تسلیم کیا جائے گا اور ایک علاقہ کی رائے کو ساری مملکت کی صورت حال نہ سمجھا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ: اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اکثریت کی رپورٹ (بیان) سے واضح ہو گیا کہ عثمانی خلافت کے عہد میں منکرات نہیں تھے۔ عوام و خواص اس دور میں کوئی بُرائی نہیں دیکھتے تھے۔ یہ سارا نظام دین اور شریعت کے ماتحت تھا یعنی اسلامی نظام رائج تھا اور لوگوں میں انصاف قائم کیا جاتا تھا اور اس دور کے عمال و حکام ظالم اور جائز نہیں تھے بلکہ عوام کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔
فلذا خلافت عثمانی کے دور کے متعلق ”فجوة“ کا نظریہ قائم کرنا کسی صورت میں درست نہیں۔

(۳) سالم بن عبد اللہ کلbian

اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فرزند سالم بن عبد اللہ کا بیان ذکر کیا جاتا ہے جسے مشہور مورخین ابن جریر الطبری وغیرہ نے اپنے اپنے مقام میں درج کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ثالث منتخب ہوئے تو اس دور کی کیفیت بیان کرتے ہوئے سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک آخری حج کے سوا تمام حج خود کرائے تھے۔

... ان کے ایام میں لوگ امن و سلامتی کے ساتھ تھے اور آنمو صوف رضی اللہ عنہ

کا طریقہ کار یہ تھا کہ:

(۱) ہر موسم حج میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکام و عمال کو حاضر ہونے کا فرمان جاری کیا جاتا تھا اور جن لوگوں کو ان سے متعلق کوئی شکایت ہوتی تھی انہیں بھی حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا تھا تاکہ ہر دو فریق کی شکوہ شکایت سن کر صحیح فیصلہ کیا جاسکے۔

(۲) تمام شہروں میں لوگوں کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تحریری حکم نامہ ارسال کیا جاتا تھا جس میں درج ہوتا تھا کہ نیکی کا حکم کیا کرو اور برائی سے باز رہا کرو۔

(۳) اور کوئی مسلمان اپنے آپ کو عاجز اور ذلیل خیال نہ کرے۔ میں قوی شخص کے مقابلہ میں ضعیف کا معاون ہوں۔ جب تک کہ اس سے ظلم کا ازالہ نہ ہو جائے۔ (انشاء اللہ)

... عن سالم بن عبد الله قال لما ولي عثمان حج سنواته كلها الا آخر حجه... وامن الناس وكتب في الامصار ان يوافيه العمال في كل موسم ومن يشكوهم وكتب الى الناس الى الامصار ان اتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر ولا يذل المومن نفسه فاني مع الضعيف على القوى مادام مظلوما... (انشاء الله) الخ۔

(تاریخ لابن جریر الطبری ص ۱۳۴ ج ۵، تحت ذکر بعض میر عثمان رضی اللہ عنہ، سنہ ۳۵ھ) اور یہی مضمون ابن کثیرؒ نے بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

... يلزم عماله بحضور الموسم كل عام ويكتب الى الرعايا من كانت له عند احد منهم مظلمة فليواف الى الموسم فاني اخذ له حقه من عامله۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۲۱۸ ج ۷، تحت فصل ومن مناقبہ۔۔۔ الخ)

جناب سالم بن عبد اللہ کے بیان ہذا سے بھی واضح ہوا کہ خلافت عثمانی میں

مظلوموں کی شکایات کے ازالہ کا باقاعدہ انتظام تھا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے احکام جاری ہوتے تھے اور ہر ضعیف کی تکلیف کو رفع کرنے کا حکم حکام کو دیا جاتا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ دین اسلام کے نظم و نسق کے مطابق خلافت قائم تھی۔ پس اس دور کو نظامِ اسلامی سے خالی تصور کرنا انصاف کے سراسر خلاف ہے اور بے جا تعصب پر مبنی ہے۔

(۴) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان (المستوفی ۲۵۶ھ)

مشہور محدث امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف تاریخ صغیر میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان کا فرمان اور حکم بارہ سال چلتا رہا۔ ان کی خلافت و امارت میں لوگوں نے کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ حتیٰ کہ فاسق (بے دین) لوگ آگئے اور اہل مدینہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں نرمی سے کام لیا (یعنی انہوں نے شدت اختیار نہ کی) پس وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

... قال سمعت الحسن يقول عمل امير المومنين عثمان بن عفان ثنتي عشرة سنة لا ينكرون من امارته شياء حتى جاء فسقه فداهن والله في امره اهل المدينة۔
(۱) تاریخ صغیر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۲، تحت ذکر من مات فی خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طبع ہند۔

(۲) تاریخ الاسلام للذہبی ص ۹۳۵ ج ۲، تذکرہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، طبع مصر۔

(۵) ابن العربی المالکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول (المستوفی ۵۴۳ھ)

مشہور عالم۔۔۔ ابن العربی المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

دور خلافت پر بحث کرتے ہوئے اس دور کی کیفیت ذکر کی ہے کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوئی بُرائی نہیں تھی، نہ اقل دور میں نہ آخر میں اور نہ ہی اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کوئی منکر چیز اور بُرائی صادر ہوئی۔ پھر مخاطب کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ تم کو جو اس موقع کی بُری خبریں سنائی جاتی ہیں وہ باطل ہیں، ان کی طرف التفات ہرگز نہ کریں۔

... فلم یات عثمان منکر الا فی الاول الامر ولا فی اخره
ولا جاء الصحابه بمنکر وکل ما سمعت من خبر باطل
ایاکہ ان تلتفت الیہ۔

(العواصم من القواصم ص ۶۰ طبع لاہور، سہیل اکیڈمی)

(۶) شیخ المشائخ سیدنا عبد القادر جیلانی (المتوفی ۵۶۱ھ) کا بیان

حضرت شیخ موصوف اپنی مشہور تصنیف ”غنیۃ الطالبین“ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دور کی صفائی پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام برحق تھے، یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے اور ان کے عہد میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جس کی وجہ سے ان کو مطعون کیا جاسکے یا ان کی طرف فسق کی نسبت کی جاسکے یا ان کے قتل کا سبب قرار دیا جاسکے۔
اور روافض کی ہلاکت ہو کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بہت کچھ کہا ہے۔

..... فکان (عثمان رضی اللہ عنہ) اماما حقا الی ان مات ولم
یوجد فیہ امر یوجب الطعن فیہ ولا فسقہ ولا قتله خلاف
ما قالت الروافض تبألہم۔

(غنیۃ الطالبین مترجم ص ۱۳۷، فصل ۱۰ - متقدون اہل السنہ ... طبع لاہور)

حاصل یہ ہے کہ

مذکورہ بالا ہر سہ اکابر حضرات کے بیانات بھی خلافت عثمانی کے متعلق آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں۔ ان حضرات نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی صفائی مکمل طور پر پیش کر دی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں دین اسلام کے مطابق نظم قائم تھا اور اس میں شرعاً کوئی بُرائی نہیں پائی جاتی تھی۔

نوٹ ضروری

ناظرین کرام کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ ”فجوة“ کے اعتراض کے جواب میں جو ہم نے اکابرین کے بیانات پیش کیے ہیں، ان میں بیشتر وہ حوالہ جات ہیں جو قبل ازیں ہماری تالیف ”اقربا نوازی“ کے آخر میں بیان مراحل کے عنوان کے تحت مذکور ہو چکے ہیں، یہاں ایک دوسرے مقصد کے لیے ان کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔

”بحث ہذا میں آخری کلمات“

ما قبل میں ”فجوة“ کے اعتراض کے جواب میں ہم نے چند چیزیں تحریر کی ہیں۔ معترضین کی طرف سے ”خلافت راشدہ“ کے نظام کو ناکام ظاہر کیا گیا۔ اس طعن کی سنگینی کو اہل علم اور اہل دین حضرات ہی خوب سمجھتے ہیں۔ ایک عام شخص شاید اس طعن کی مضرت اور قباحت کا پوری طرح ادراک نہ کر سکے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت کی صداقت و حقانیت اور ان کی صفائی میں چند کلمات پیش کیے ہیں اور اس سلسلہ میں آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ، اس دور کے تاریخی حقائق اور اکابرین امت کے بیانات کو باحوالہ ذکر کیا ہے۔

جن لوگوں نے یہ اعتراض پیدا کیا ہے۔ انہوں نے مذکورہ بالا تمام امور کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے خالص ”قبائلی تعصب“ کا اظہار کیا ہے۔

اب ہم ناظرین کرام کو دعوت انصاف دے کر عرض کرتے ہیں کہ پیش کردہ معروضات پر نظر غائر فرمائیں۔ کیا ان امور کی روشنی میں اس اعتراض کے تجویز کرنے کی کوئی گنجائش ہے؟؟ یا اس طعن میں حبیہ بھر صداقت کا کوئی پہلو نظر آتا ہے؟؟

”خاندانی عناد اور قبائلی تعصب“ سے دُور رہ کر آپ اپنی خداداد فہم و فراست سے خود فیصلہ فرما سکتے ہیں... واللہ یهدی من یشاء الی الصراط المستقیم۔

وفات سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین روافض وغیرہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے جنازہ اور دفن وغیرہ کے متعلق ایسی روایات ذکر کی ہیں جن پر نظر کرنے سے ایک عام آدمی سخت پریشان ہوتا ہے۔ ان روایات میں ان لوگوں نے یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کے بعد بغیر حفاظت کے چھوڑ دیا گیا۔ ان کو کسی نے غسل اور کفن نہیں دیا اور انہیں تین دن تک دفن نہیں کیا، ایسے ہی ویرانہ میں پڑے رہے۔ بعد میں بعض لوگوں نے انہیں خون آلود کپڑوں سمیت حش کو کب میں نہو زمین کر دیا۔

الجواب

جواب میں پہلے یہ چیز ذکر کر دینا بہت ضروری ہے کہ دور اول کی تاریخ مرتب کرنے میں بعض مورخین نے بڑا غلط کردار ادا کیا ہے اور اہل اسلام کے اکابر حضرات کے اہم واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کیا ہے اور ان کو ایسی صورت میں ذکر کیا ہے کہ ان سے کئی قسم کے مطاعن اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) محمد ابن جریر الطبری (صاحب تاریخ طبری)
 (۲) ابن قتیبہ (صاحب کتاب الامتہ والسیاستہ)
 (۳) احمد بن اعثم کوفی (صاحب تاریخ اعثم کوفی)
 (۴) میر خواند صاحب کتاب ”روضة الصفاء“ وغیرہ وغیرہ مورخین نے اپنی تالیفات میں بغیر تحقیق کے ہر قسم کا مواد بھردیا ہے۔
 ان میں سے تاریخ طبری تو رطب و یابس اور صحیح و سقیم ہر قسم کی روایات کا کھول ہے جبکہ باقی مذکورہ مورخین خالص شیعہ ہیں اور انہوں نے اپنے مسلک رفض و تشیع کی تائید میں ایک جانب ارانہ کردار ادا کیا ہے۔
 ان لوگوں نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس مقام و مرتبہ کا کچھ لحاظ نہیں کیا جو انہیں کتب و سنت کے ذریعہ حاصل ہے اور تاریخ کی روایات میں ایسا مواد بھی موجود ہے جو ان اعتراضات اور مطاعن کے جواب کے لیے کافی ہے لیکن طاعنین اس کو نظر انداز کر کے صرف قابل اعتراض روایات کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اس موقعہ کے کوائف کو یہ لوگ اپنے نظریات کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی ایک قابل افسوس سعی ہے۔

اس گزارش کے بعد اب ہم اس کے مقابل میں تاریخ و حدیث سے وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اس موقعہ کے صحیح حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ حضرت عثمان کے سوانح مرتب کرنے والوں نے ذکر کیا ہے کہ: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد آپ کے گھر والوں میں سے چند لوگ اور مزید چند افراد مثلاً حضرت زبیر بن العوام، حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، ابو جہم بن حذیفہ، مروان بن الحکم وغیرہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی میت کو اسی روز مغرب اور عشاء کے درمیان گھر سے جنازہ کے لیے باہر لائے اور مقام حش کو کب

(جو مقام شقیع کے قریب ایک باغ تھا) کے پاس لائے اور بقول بعض جبیر بن مطعم یا حکیم بن حزام یا مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور ایک قول کے مطابق حضرت زبیر بن العوام نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (اور آپ وہیں دفن کر دیئے گئے)

(۱) کتاب التعمید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ، ص ۱۴۲ طبع بیروت۔

(۲) خلیفہ بن خیاط نے بھی جنازہ عثمانی کا ذکر کیا ہے (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۵۵-۱۵۶ جلد

اول، طبع اول، عراق۔

(۳) اور امام احمدؒ نے اس مسئلہ کو اپنے مسند میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ

... ثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن قتادہ قال صلی الزبیر

علی عثمان رضی اللہ عنہ ودفنہ وکان اوصی الیہ۔

(مسند امام احمدؒ بھامشہ منتخب کنز العمال ص ۷۴، جلد اول، تحت من اخبار عثمان رضی اللہ عنہ)

یعنی قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو دفن کیا۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کو اس کی وصیت فرمائی تھی۔ یہ روایت محدثین نے بہتر سند کے ساتھ اپنی حدیث کی کتابوں میں ذکر کی ہے۔ نیز حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام میں درج ذیل روایت ذکر کی ہے کہ

یعنی اسی رات (جمعہ و ہفتہ کی درمیانی شب) باغیوں سے بچاؤ کر کے مغرب اور عشاء کے درمیان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو دفن کیا گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ باغیوں کے بعض رؤساء سے اذن طلب کر کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میت کو لوگ باہر لائے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثلاً حکیم بن حزام، حویطب بن

... قیل بل دفن من لیلته ثم کان دفنہ ما بین المغرب والعشاء خفیہ من الخوارج وقیل بل استودن فی ذالک بعض رؤسائہم۔ فخرجوا بہ فی نفر قليل من الصحابہ فیہم حکیم بن حزام و حویطب بن عبدالعزی

وابوجہم بن حذیفہ و نیار بن مکرم الاسلمی وجبیر بن مطعم وزید بن ثابت وکعب بن مالک وطلحہ والزبیر وعلی بن ابی طالب وجماعہ من اصحابہ ونسائہ منہن امراتہ نائلہ بنت الفرافصہ وام البنین بنت عبداللہ بن حصین وصبیان... وجماعہ من خدمہ حملوہ علی باب بعد ما غسلوہ وکفنوہ وزعم بعضهم انه لم یغسل ولم یکفن والصحیح الاول۔

عبدالعزیٰ، ابوجہم بن حذیفہ، نیار بن مکرم الاسلمی، جبیر بن مطعم، زید بن ثابت، کعب بن مالک، طلحہ، زبیر اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس موقعہ پر شامل و حاضر تھے اور ان کے ساتھیوں کی ایک جماعت اور ان کی عورتوں میں سے حضرت نائلہ اور ام البنین اور فرزند بھی شامل تھے... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خدام کی ایک جماعت آنمو صوف رضی اللہ عنہ کو غسل و کفن کے بعد اٹھا کر دروازہ پر لائی اور بعض کا خیال ہے کہ ان کو غسل و کفن نہیں دیا گیا لیکن (یہ بات صحیح نہیں) بلکہ اقول بات صحیح ہے (کہ آنمو صوف رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا)

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۹۹ ج ۷، نیز تاریخ المدینہ المنورہ لابن شبہ ص ۱۲۳۰-۱۲۳۱)

جلد رابع میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح درج ہے)

اور تاریخ طبری جو رطب و یابس اور صحیح و سقیم روایات کا مجموعہ ہے اس میں

بھی درج ذیل روایت مذکور ہے کہ

حاصل یہ ہے کہ مروان، زید بن ثابت، طلحہ، علی بن ابی طالب، حسن بن علی، کعب بن مالک اور بھی جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

...خرج مروان حتی اتی دار عثمان رضی اللہ عنہ فاتاہ زید بن ثابت وطلحہ بن عبید اللہ وعلی والحسن وکعب بن مالک وعامہ من ثم من اصحابہ فتوا

مکان پر پہنچے اور کچھ لڑکے اور عورتیں بھی (جنازہ کے لیے) آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھر سے باہر لائے۔ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد یہ تمام احباب جنازہ کو اس مقام میں لائے جو شقیع کے قریب تھا اور وہاں دفن کر دیا (یعنی اس مقام کو حش کوکب کے نام سے ذکر کرتے ہیں)

فی الی موضع الجنائز صبیان ونساء فاخرجوا عثمان رضی اللہ عنہ فصہلی علیہ مروان ثم خرجوا به حتی انتھوا الی البقیع فدفنوه فیہ مما یلی حش کوکب۔ (۱) تاریخ طبری ص ۱۴۴ ج ۵، تحت ذکر الخبر عن الموضع الذی دفن فیہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ (۲) الفتنہ ووقعہ الجمل تألیف سیف بن عمرو النضی الاسدی ص ۸۴، تحت دفن عثمان، طبع بیروت

تاریخ شہادت

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی تاریخ اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ --- موافق ۶۵۵ء ہے۔

رفع اشتباہ

یہاں یہ بات بظاہر محل اشتباہ ہے کہ تاریخ طبری کی اس مقام کی عام روایات جن سے معترضین اعتراض پیدا کرتے ہیں ان کو نظر انداز کر کے مذکور بالا روایات کو لیا گیا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلسلہ میں اس قاعدہ کی رعایت مقصود ہے جو علماء نے لکھا ہے کہ

یعنی جب ایک مسئلہ میں کسی امام کے کلام میں اختلاف پایا جائے تو جو ظاہر دلائل کے موافق کلام ہو، اس کو اخذ کیا جائے گا

... واذا اختلف کلام امام فیوخذ ما یوافق الادلہ الظاہرہ ویعرض عما

خالفہا۔ اور جو اس کے خلاف کلام ہو اس سے اعراض کیا جائے گا۔

اس قاعدہ کی روشنی میں طبری کی جو روایات قواعد شرعی سے مطابقت رکھتی ہیں اور دیگر اکابر علماء اور مورخین کے بیانات کے موافق ہیں، ان پر اعتماد کیا جائے گا اور جن روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراض پیدا ہوا ہو ان کو ترک کر دیا جائے گا۔

(۱) الزواجر لابن حجر المکی ص ۲۸، تحت الکبیرہ الاولیٰ الشریک بحث ایمان و کفر فرعون، طبع مصر۔

(۲) رد المحتار للشامی ص ۳۱۷، جلد ثالث، تحت توبہ الباس مقبولہ۔۔۔ الخ باب المرتد

حاصل بحث یہ ہے کہ

اگرچہ اس مسئلہ میں مورخین نے کئی قسم کی بے سروپا روایات نقل کی ہیں، تاہم بعض احادیث کی روایات اور اہل تاریخ کے عمدہ بیانات مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے موجود ہیں (جیسا کہ سابقہ سطور میں ان کو مختصراً نقل کیا ہے)

ان میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی روز دفن کیا گیا یعنی جمعہ کے روز عصر کے وقت باغیوں نے آنجناب رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کیا تھا اور اپنے ظلم و ستم کے زور کی وجہ سے دفن کرنے سے بھی مانع ہوئے تھے لیکن حالات کی برہمی اور شدید رکاوٹوں کے باوجود بعض اکابر حضرات (مذکورہ بالا) نے اسی روز رات کو (شب ہفتہ) کو دفن کا انتظام کیا۔ غسل و کفن دفن حسب دستور کیا گیا اور صلوٰۃ جنازہ بھی ادا کی گئی اور نماز جنازہ میں شامل ہونے والے حضرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، وغیرہم کا ذکر روایات میں موجود ہے اور حوالہ جات مندرجہ بالا اس بات پر شاہد ہیں۔ اعتراض پیدا کرنے والے لوگوں نے خیانت سے کام لیا ہے کہ اپنے مطلب کے موافق روایات کو لے لیا اور جن روایات سے دفاع ہو سکتا تھا اور مطاعن کے جواب پر مشتمل تھیں، ان کو ترک کر دیا۔

تنبیہ

مسئلہ ہذا کو ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف (رحماء بینہم حقہ سوم عثمانی) ص ۱۹۰ سے ص ۱۹۴ تک مفصل اور باحوالہ درج کر دیا ہے۔ تفصیلات وہاں ملاحظہ فرما کر اطمینان حاصل کر سکتے ہیں اور یہاں ہم نے بقدر ضرورت اسے ذکر کیا ہے۔

اختتامی گزارش!!

..... حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر معترضین نے متعدد طعن قائم کیے ہوئے ہیں، ان کی ایک طویل فہرست تیار کرتے ہیں۔

(۱) بعض مطاعن تو یہ ہیں کہ حضرت عثمان نے اپنے اقارب (ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح، مروان بن الحکم وغیرہ) کو والی و حاکم بنایا، یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں تھے، نالائق اور غلط کار تھے۔

(۲) اور اسلامی بیت المال سے اموال کثیرہ ناجائز طریقہ سے اپنے اقارب میں تقسیم کر دیئے۔

(۳) اور طرید رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حکم بن العاص) کو واپس مدینہ بلا لیا۔

..... ان کے جوابات ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف (مسئلہ اقربا نوازی) میں تفصیلاً درج کر دیئے ہیں۔

..... مذکورہ مطاعن کے علاوہ ہم نے بارہ (۱۲) عدد اہم اعتراضات کے جوابات گزشتہ صفحات پر پیش کیے ہیں، ان پر انصاف کی نظر اگر ڈالی گئی تو انشاء اللہ موجب ازالہ شبہات ہوں گے۔ (واللہ المستعان)



فصل چہارم مختلف مطاعن کے جوابات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”معیارِ حق اور مدارِ دین“ ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق اور مدارِ دین ہونے کے متعلق بعض لوگوں نے جو اپنی فکر خام اور ناقص رائے کی بنا پر تردد کیا ہے، اس کے متعلق چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ ان لوگوں کے خیال میں ”معیارِ حق“ صرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے اور مدارِ دین بھی صرف ایک ہی شخصیت ہے لیکن پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق نہیں اور نہ ہی تنقید سے بالاتر ہیں۔

اہل علم حضرات کو معلوم ہے کہ اہل السنہ والجماعہ کا اصول اس مقام میں یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عادل اور ثقہ ہیں۔ مجروح اور غیر عادل نہیں ہیں لہذا ان پر جرح و تنقید نہیں کی جاتی جیسا کہ ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب

سیرت امیر معلویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلد اول کے صفحہ ۴۲-۴۳ پر عنوان عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کے تحت جمہور علمائے امت کا مسلک ذکر کر دیا ہے، چنانچہ مسئلہ ہذا پر متعدد آیات قرآنیہ دال ہیں۔ ان میں سے درج ذیل آیات پر غور فرمائیں۔

... واعلموا ان فيكم رسول الله لو يطيعكم في كثير من الامر لعنتم ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم وكره اليكم الكفر والفسوق العصيان۔ اولئك هم الراشدون۔ (سورة الحجرات، رکوع اول)

حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب اور مزین بنا دیا ہے اور کفر فسق اور نافرمانی (عصیان) سے نفرت ڈال دی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ”صیغہ حصر“ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راشد اور ہدایت یافتہ ہونے کی بلا استثناء گواہی دے دی ہے۔ (اولئك هم الراشدون) پس آیت ہذا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمال ایمان کی توثیق اور ان کے عادل ہونے کی واضح طور پر تصدیق کی ہے۔

فلذا یہ حضرات ”معیار حق“ اور تنقید سے بالاتر ہیں۔ دوسرے مقام میں رب کریم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو ممثل لہ قرار دیا ہے اور ان کے ایمان کے ساتھ تشبیہ دے کر لوگوں کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے، ارشاد فرمایا:

... فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا۔ یعنی اے (صحابہ) تمہارے ایمان لانے کی طرح اگر دوسرے لوگ ایمان لائیں تو

(سورة بقرہ، پ اول، رکوع آخر) وہ ہدایت یافتہ اور راہ پانے والے ہوں گے۔۔۔ الخ۔

مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان و تصدیق کو لوگوں کے ایمان لانے کے لیے معیار حق قرار دیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان حضرات کا ایمان معیاری تھا تب ہی تو اس کو لائق تشبیہ بنایا گیا۔

یہاں سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کا ایمان حق و صداقت کے لیے معیاری ہے اور یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید کے لائق نہیں۔

اسی طرح اس مسئلہ پر بہت سی احادیث و روایات دال ہیں، ان میں سے چند ایک درج کی جاتی ہیں۔ یہاں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ”معیار حق“ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

...عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم --- وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلہم فی النار الا ملۃ واحدہ قالوا امن ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی --- الخ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰، تحت باب الاعتصام بالسنۃ، الفصل الثانی، طبع نور محمد دہلی)
مطلب یہ ہے کہ میری امت تہتر ملتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، سوائے ایک طبقہ اور ایک فرقہ کے باقی تمام دوزخ میں جائیں گے۔

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے؟ تو فرمان ہوا کہ جو لوگ میرے اور میرے اصحاب کے پیروکار ہوں گے، وہ دوزخ سے بچ سکیں گے۔

اس فرمان نبوت میں حق و باطل کا معیار صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ بھی معیار حق بتلایا گیا ہے اور پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے طریق کو بعینہ اپنے طریق کے مطابق بیان کیا ہے اور ان کی پیروی کو نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ یہاں سے صاف طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی معیار حق ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

(۲) دوسرے مقام میں حدیث میں آیا ہے کہ

عراض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں بہت سے نصائح اور وصایا ارشاد فرمائے۔ ان میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ

...وانہ یعیش منکم بعدی
فیسری اختلافا کثیرا
فعلیکم بسنتی وسنتہ
الخلفاء الراشدین
المہدیین عضوا علیہا
بالنواجذ۔۔۔ الخ
حاصل یہ ہے کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس اس وقت میری سنت کو لازم پکڑنا اور ہدایت یافتہ خلفاء الراشدین کی سنت کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑے رکھنا۔

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۲۹-۳۰، الفصل الثانی، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ، طبع دہلی۔

(۲) المستدرک للحاکم ص ۹۵-۹۶، جلد ۹ تحت قیلة مذاکرۃ الحدیث، طبع دکن۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۱۳، ج ۹۰ تحت باب ما یتقنی بہ القاضی... الخ، طبع دکن۔

(۳) اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ

...قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ الخ۔
یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء اور اتباع کرنا۔۔۔ الخ۔

(مسند الامام الاعظم ص ۹۸۰ تحت کتاب الفضائل، بحوالہ مولانا حسن سنبھلی، طبع نور محمد کراچی)

مندرجہ بالا فرامین نبوت سے درج ذیل چیزیں بین طور پر ثابت ہو رہی ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کی سنت کو مضبوط طریقہ سے پکڑنے کا حکم ہے اور اس کے ساتھ ہی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء

الراشدین کے طریقہ پر عمل کرنے کا امت کو تاکید فرما دیا گیا ہے۔
اور پھر خصوصی طور پر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لے کر (مثلاً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) ان کی اتباع اور ان کی اقتداء کی بطور وصیت کے ترغیب دلائی گئی۔

یہاں سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”معیار حق“ ہیں۔ اسی بنا پر ان کی اتباع اور اقتداء کو امت پر لازم رکھا گیا۔

اگر بالفرض یہ حضرات معیار حق نہیں بلکہ قابل تنقید ہیں تو پھر یہ نصوص قرآنی اپنے مفہوم کے اعتبار سے بیکار ہوئے اور ان فرمان ہائے نبوی ﷺ پر کوئی عمل نہ کیا گیا بلکہ ان فرمودات کے برعکس خود ساختہ نظریہ قائم کر لیا گیا۔ یہ چیز کتاب و سنت کے تقاضوں کے برخلاف ہے۔

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”مدار دین“ ہیں اور یہ حقیقت واقعہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امت مسلمہ کے درمیان رابطہ اور واسطہ ہیں۔ ان ہی کے وسیلہ سے امت کو کتاب اللہ پہنچی ہے اور انہی کے واسطہ سے سنت نبوی حاصل ہوئی اور شرعی احکام موصول ہوئے۔

اسی بناء پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”مدار دین“ اور ”حصول اسلام“ کا ذریعہ ہیں، اگر یہ لوگ معتمد اور باعتبار شخصیتیں ہیں تو کتاب و سنت کی حقانیت پر بھی اعتماد اور یقین ہوگا۔

اور اگر بالفرض دین کے یہ عینی شاہد غیر معتمد، غیر معتبر ہیں اور قابل جرح و تنقیص ہیں اور تنقید سے بالاتر نہیں، تو دین کی تمام عمارت ناپائیدار ہوگی اور مذہب کی حقانیت مخدوش ہو جائے گی اور اسلام کی صداقت باطل ٹھہرے گی۔ (العیاذ باللہ)

اسی وجہ سے کبار علمائے امت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کو ناجائز قرار دیا ہے اور ان پر جرح و تنقید کرنے والوں کو زندیق اور بے دین کہا ہے۔

چنانچہ ابو زرعتہ الرازیؓ، جو امام مسلم کے اجل شیوخ میں سے ہیں، نے اس مسئلہ کو بطور قاعدہ کے ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

... انا رايت الرجل ينقص
احدا من اصحاب رسول الله
ﷺ فاعلم انه زنديق وذالك
ان الرسول ﷺ عندنا حق
والقرآن حق وانما ادى الينا
هذا القرآن والسنن اصحاب
رسول الله ﷺ وانما يريدون ان
يجرحوا شهودنا ليبطلوا
الكتاب والسنه والجرح بهم
اولى وهم زنادقه۔

یعنی اپنے مخالف کو نصیحت کرتے
ہوئے ابو زرعتہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ
جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ نبی کریم علیہ
الصلوة والتسلیم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ
عنہم میں سے کسی صاحب کی تنقیص شان
کرتا ہے تو یقین کرو یہ شخص بے دین اور
زندیق ہے۔

(کتاب الکفایہ للبغدادی ص ۴۹، طبع دکن، الاصابہ لابن حجر، ص ۱۸ (خطبہ الکتاب) معہ
الاستیعاب، فتح المغیث شرح الفیتہ الحدیث ص ۳۰۰-۳۰۱، ج ۳، طبع مدینہ طیبہ)

وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہمارے
نزدیک برحق ہے اور قرآن کریم بھی حق ہے اور قرآن مجید اور سنن نبوی دونوں
چیزوں کو ہماری طرف پہنچانے والے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اب یہ لوگ
ہمارے دین کے عینی گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب و سنت کو باطل
ٹھہرائیں۔



حدیث حوض کے متعلق طعن

مخالفین صحابہ کی طرف سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام صحابہ پر اور خصوصاً شیخین حضرات (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر (حدیث حوض) کے پیش نظر یہ طعن قائم کیا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال مبارک کے بعد صحابہ نے دین میں نئی چیزیں پیدا کر لیں۔ دین سے برگشتہ ہو گئے۔ ضروریات دین کو ترک کر دیا اور شریعت کے احکام کو متغیر کر ڈالا۔

مذکورہ بالا طعن مخالفین صحابہ نے حدیث حوض کی متعلقہ روایات سے تجویز کیا ہے۔ حدیث حوض میں یہ مضمون مذکور ہے کہ

... قیامت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گے۔ اس موقع پر بعض لوگوں کو حوض کوثر سے دور کیا جائے گا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائیں گے کہ یہ میرے اصحاب ہیں تو قدرت کی طرف سے فرمان ہو گا کہ

... انک لا تدری ما احدثوا بعلک فاقول سحقا سحقا

لمن غیر بعدی۔۔۔ الخ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ کو معلوم نہیں انہوں نے جناب کے بعد دین میں احداث اور تغیر کر دیا تھا تو اس وقت میں کہوں گا کہ جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر کر دیا انہیں یہاں سے دور کر دو اور ہٹا دو۔

”حوض“ کی روایات مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں اور مرویات کے الفاظ کے تفاوت کے باوجود قریباً مضمون ایک ہی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت مشکوٰۃ شریف، باب الحوض والشفاء، الفصل الاول سے ذکر کی گئی ہے۔

الجواب

ذیل میں ”حدیث حوض“ سے متعلق چند ایک چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے اس حدیث کے مفہوم کی وضاحت ہوگی اور مذکورہ بالا طعن کا جواب پورا ہوگا۔
(بعونہ تعالیٰ)

یہ بات درست ہے کہ ”حدیث حوض“ کی متعلقہ روایات ”صحاح ستہ“ میں موجود ہیں اور اپنے مقام پر صحیح ہیں۔

لیکن مخالفین صحابہ نے ان روایات کے اصل محمل اور صحیح مفہوم کو ترک کر دیا ہے اور خود ساختہ محمل اختیار کرتے ہوئے طعن تجویز کر لیا ہے۔ اس موقع پر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ

کلمہ حق ارید به یعنی بات تو یہ حق ہے لیکن اس سے

مراد باطل اور غلطی گئی ہے۔

الباطل۔۔۔

”حدیث حوض“ کا مفہوم اور محمل علماء کرام نے درج ذیل ذکر کیا ہے۔۔۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ

... ”مراد از اشخاص مذکورین مرتدین اند کہ موت آنها بہ کفر شد۔ و ہج

کس از اہل سنت آنجماعت را صحابی نمی گوید۔ و معتقد خوبی و بزرگی آنها نمی

شود۔ اکثر بنی حنیفہ و بنی تمیم کو بطریق وفادت بزیارت آنحضرت (صلی اللہ

علیہ وسلم) مشرف شدہ بودند۔ بایں بلا مبتلا گشتند و خائب و خاسر شدند۔“

(تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۳۳۸-۳۳۹، تحت طعن سوم،

باب مطاعن صحابہ کرام عموماً بے تخصیص، طبع لاہور)

مذکورہ بالا عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد وہ مرتدین ہیں جن کی موت کفر پر ہوئی اور اہل سنت والجماعہ میں سے کوئی شخص بھی اس جماعت کو صحابی نہیں کہتا اور ان کی خوبی و بزرگی کا معتقد نہیں ہے۔

یہ لوگ اکثر قبیلہ بنی حنیفہ اور بنی تمیم میں سے تھے۔ جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری ایام میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے وفد کی صورت میں حاضر ہوئے تھے، مگر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد ارتداد کی مصیبت میں مبتلا ہو کر دین اسلام سے منحرف ہو گئے اور خائب و خاسر ہوئے۔

چونکہ یہ لوگ بظاہر اسلام لائے تھے اور زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف بھی ہوئے تھے اس وجہ سے ان کو روایات میں صحابی یا اصحابی کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ لوگ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد دین اسلام سے برگشتہ اور منحرف ہو گئے۔ اس وجہ سے ان کو حوض کوثر سے ہٹا دینے کا حکم ارشاد فرمایا جائے گا۔

بہر کیف حوض کوثر سے دور کر دینے کی روایات جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں وارد نہیں ہے بلکہ مرتدین اور دین سے برگشتہ ہو جانے والوں کے لیے ہیں اور اس چیز پر قرآن موجود ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ صحابہ کرام اس روایت کا محمل نہیں۔

○ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو روایات میں تصریح موجود ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ حوض سے ہٹائے جانے والے لوگوں کا ذکر فرما رہے تھے تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! کیا میں بھی ان لوگوں میں ہوں گا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں۔ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو بلکہ وہ (حوض سے دُور کی جانے والی) ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد آئے گی اور (دین اسلام سے

منحرف ہو کر پچھلے قدموں پر لوٹ جائے گی۔

الحاکم نیشاپوری نے المستدرک میں ذکر کیا ہے کہ

... فقال ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعلیٰ منہم یا نبی

اللہ! لعلیٰ منہم یا نبی اللہ! قال، لا ولكنہم قوم

یخرجون بعدکم ویمشون القہقری۔

(المستدرک للحاکم ص ۷۷-۷۸، جلد اول، کتاب الایمان، باب من خرج

من الجماعہ قید شبرا)

روایت ہذا سے واضح ہو گیا کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جناب

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کو حوض کوثر سے دُور کیا جائے گا۔

○ اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں حق تعالیٰ نے اپنے

کلام میں بیشتر فضائل ذکر کیے ہیں اور ان کے ”درجات عظیمہ“ بیان فرمائے ہیں اور

صحابہ کو ”کامل مومن“ ہونے کی بشارت دی ہے۔ نیز ان کے حق میں رضامندی اور

جنت میں دخول کا مژدہ اور دوائی نعمتوں کے حصول اور اجر عظیم یافتہ ہونے کے

وعدے ذکر فرمائے ہیں۔

اس مضمون پر آیات کثیرہ موجود ہیں، ذیل میں چند ایک آیات ذکر کی جاتی

ہیں:

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی

اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ

جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی۔ یہ جماعت

برحق مومن ہے۔ ان کے لیے آمرزش اور

مغفرت ہے اور نیک روزی ہے۔

(۱) ... والذین آمنوا وهاجروا

وجاہدوا فی سبیل اللہ۔

والذین اووا ونصروا اولئک ہم

المؤمنون حقاً لهم مغفرہ

ورزق کریم۔ (آخر سورۃ انفال، پ ۱۰)

(۲) ...والذین آمنوا وهاجروا
وجاهدوا فی سبیل اللہ
باموالہم وانفسہم اعظم
درجہ عند اللہ واولائک ہم
الفائزون یبشرہم ربہم
برحمہ منہ ورضوان و جنت
لہم فیہا نعیم مقیم۔
خالدین فیہا ابداء۔ ان اللہ
عندہ اجر عظیم۔

(سورۃ توبہ، رکوع ۹، پ ۱۰)

(۳) ...یوم لا ینحزی اللہ
النبی والذین آمنوا۔ معہ
نورہم یسعی بین ایدیہم
وبایمانہم۔ (سورۃ تحریم، پ ۲۸)

یہاں علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ

...فامنہم اللہ من خزیہ
ولا یامن من خزیہ فی ذالک
الیوم الا الذین ماتوا واللہ
سبحانہ ورسولہ عنہم راض۔
فامنہم من الخزی صریح فی
موتہم علی کمال الایمان
وحقائق الاحسان وفی ان اللہ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے
ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے
اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔
اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑے درجہ والے
ہیں اور یہ لوگ مقصود یافتہ ہیں اور ان کا
پروردگار ان کو خوشخبری دیتا ہے اپنی طرف
سے رحمت کے ساتھ اور خوشنودی کے
ساتھ اور باغات کے ساتھ۔ ان کے لیے
ان باغات میں دائمی نعمت ہوگی اور یہ اس
میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تحقیق یہ چیز اللہ
کے ہاں اجر عظیم ہے۔

جس دن کہ خدا تعالیٰ پیغمبر اور ان
لوگوں کو جو پیغمبر کے ہمراہ ایمان لائے رُسوا
نہیں کرے گا۔ ان کا ثور ان کے سامنے اور
ان کے دائیں جانب دوڑتا ہوگا۔

مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ
کرام کو وہاں کی رُسوائی سے مامون کر دیا
اور اس دن کی رُسوائی سے صرف وہی
لوگ مامون ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ اور
اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی
ہو۔۔۔ پس ان کا رُسوائی سے مامون ہونا
اس بات کی تصریح ہے کہ ان کی موت کامل

لم یزل راضیا عنہم وکذالک رسولہ ﷺ۔ (الصواعق المحرقة حجر المکی ص ۲۰۹، تحت الخاتمہ) راضی رہا۔

اسی طرح شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ہذا کے تحت تحریر کیا ہے کہ: قوله تعالیٰ یوم لا یخزی اللہ... الخ دلالت مے کند کہ ایشانرا در آخرت ہیج عذاب نخواہد شد۔ و بعد از فوت پیغمبر نور ایشان جبط و زائل نخواہد شد۔ والا نور جبط شدہ و زوال پذیر رفتہ روز قیامت چہ قسم بکار ایشان می آید؟؟

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ یوم لا یخزی اللہ --- الخ دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں (صحابہ کرام) کو آخرت میں کچھ عذاب نہیں ہوگا اور پیغمبر کے انتقال کے بعد ان کا نور (ایمان) جبط اور زائل نہیں ہوگا، ورنہ زائل شدہ نور قیامت کے دن ان کے کس کام آسکتا ہے اور کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟؟

(۳) لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجہ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا۔ وکلا وعد اللہ الحسنی۔ واللہ بما تعملون خبیر۔ برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ جنہوں نے خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے اور لڑائی کی۔ ان لوگوں کا درجہ اعظم ہے ان لوگوں سے جو خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

(سورۃ الحديد، رکوع اقل پ ۲۷)

اور ساتھ ہی ارشاد خداوندی ہے کہ:

(۵) ان الذین سبقت لہم منا الحسنی اولئک عنہا مبعدون۔ (آخر سورۃ انبیاء، پ ۱۷) یعنی جن کے لیے ہماری طرف سے ”الحسنی“ (جنت) کا وعدہ ہو چکا ہے انہیں دوزخ سے دُور رکھا جائے گا۔

مندرجہ بالا آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مہاجرین و انصار) کے حق میں

عمدہ فضائل، ان کے کمال ایمان کی تصدیق، مغفرت اور جنت کے وعدے اور رضامندی کی بشارات، اجر عظیم اور دائمی نعمت کے مژدے اور قیامت میں رسوائی و ذلت سے نجات اور نور ایمان کا حاصل ہونا وغیرہ ثابت ہے اور صحابہ کرام کے حق میں ان امور کو بالوضاحت بیان کر دیا گیا ہے۔

نیز۔۔۔ اسی طرح ان حضرات کے حق میں احادیث و روایات میں بھی بہت سے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور بشارات اور اہل جنت میں سے ہونے کا مژدہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً عشرہ مبشرہ کا جنتی ہونا، اہل بدر واحد کے لیے بشارتیں اور بیعت رضوان والوں کے لیے رضامندی کی خوشخبری وغیرہ۔۔۔ یہ تمام فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ثابت ہیں اور۔۔۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کی تبلیغ، احیاء اور فروغ دین کے لیے مساعی کیں۔ اسلام کی خاطر ہجرت کی اور اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا۔ قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کو جہاد کے ذریعے اسلام کے زیر نگیں کیا، ہزاروں لاکھوں لوگوں کو مسلمان کیا اور قرآن مجید اور نماز کی تعلیم دی اور شریعت کی راہ پر ڈالا اور بے مثل دینی و ملی خدمات سرانجام دیں۔

ان تمام چیزوں کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ عند اللہ و عند الرسول بہت واضح طور پر ثابت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ان قرائن و شواہد کے موجود ہونے اور پائے جانے کے باوجود مخالفین کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت کو ”حدیث حوض“ کا محمل قرار دینا کسی صورت میں صحیح نہیں، بلکہ ان سے وہی لوگ مراد ہیں جو دین اسلام سے منحرف اور برگشتہ ہو کر خائب و خاسر ہوئے۔ (جیسا کہ محدثین کرام نے اس معنی کو تحریر کیا ہے)

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا شواہد و قرائن روایات حوض سے صحابہ مراد لینے سے شدید مانع اور معارض ہیں کیونکہ جب جماعت کے حق میں اتنے قدر فضائل و

کمالات اور حصول جنت کے مژدے قرآن و سنت کے ذریعہ بالیقین ثابت ہو چکے ہوں، ایسی جماعت کا حوض کوثر سے دُور کیا جانا قطعاً صحیح نہیں۔
 فلذا ”حدیث حوض“ کے متعلق شیعہ کے مزعومات باطل اور غلط ہیں اور کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتے۔

شیعہ کا عجیب استدلال

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں بے شمار آیات اور احادیث کثیرہ، احیائے دین و اشاعت اسلام کے لاتعداد کارنامے اور فروغ دین کے لیے ان حضرات کی ملی خدمات جب شیعہ بزرگوں کے سامنے رکھی جاتی ہیں کہ یہ سب امور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور حقانیت ثابت کرتے ہیں اور ان کے کامل الایمان والا سلام کے شواہد بنتے ہیں تو جواب میں یہ بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ یہ سب نصوص اور تمام فضائل نبی علیہ السلام کے ”اخص الخواص“ اور ”مخلص“ تابعداروں کے لیے ہیں یعنی عام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے نہیں اور پھر ان کے زعم میں اخص الخواص اور مخلص تابعداروں کی وضاحت طلب کی جائے تو فرمایا کرتے ہیں کہ وہ ہیں ”عترۃ النبی ﷺ“ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

(مضمون ہذا فلک النجاة از مولوی علی محمد و حکیم امیر دین، جھنگوی شیعہ ص ۱۲۳ جلد اول،

طبع دوم، لاہور میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

گویا ان بزرگوں کے نزدیک صدہا قرآنی آیات اور بے شمار احادیث نبویہ کورہ بالا پانچ چھ افراد کے حق میں وارد ہوئیں اور دین اسلام کا احیاء ان کی بدولت ہوا اور اشاعت اسلام ان ہی کی مرہون منت ہے اور معاذ اللہ باقی تمام صحابہ کرام دین سے منحرف ہو گئے اور آخرت میں نبی علیہ السلام ان سب کو حوض کوثر سے دُور کر دیں

باسمہ تعالیٰ

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على سيد الوری
امام الرسل وخاتم الانبیاء۔۔۔ وعلى آله الشرفاء
واصحابه النجباء وعلى اتباعه الصالحاء صلواہ دائمہ
بدوام السماء والدنیا۔

بندۂ ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کرتا ہے کہ
لمعتقد باللہ عباسی خلیفہ الشیعی نے اپنے دور حکومت میں اموی صحابہ (حضرت
ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہما) کے خلاف موجبات لعن و طعن
میں ”ایک رسالہ“ مرتب کرایا تھا۔

رسالہ ہذا میں اپنی سیاسی و مذہبی عداوت پورا کرنے کا اس نے کردار ادا کیا۔
ہم نے دفاع عن الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خاطر اس مقالہ میں اس کا
جواب پیش کیا ہے تاکہ اہل اسلام ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں
کسی بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں اور سوء ظنی کا شکار نہ ہوں۔

(دعا گو ناچیز : محمد نافع عفا اللہ عنہ)



تاریخ طبری میں منقول معتضد باللہ کے رسالہ کا جواب

رسالہ کا تعارف

مورخین نے لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ المامون نے ۲۱۱ھ میں شیعہ نظریات اختیار کر لیے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے عہد کے آخری دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت میں دیگر امور کے علاوہ ایک ”رسالہ“ مرتب کرایا اور اس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، اور ان کے فرزند حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضرات کے خلاف سب و شتم اور لعن طعن کرنے کے جواز میں مواد فراہم کیا اور اس میں موجبات لعن و طعن درج کیے۔

اس مرتب شدہ ”رسالہ“ کی المامون کے عہد میں کسی وجہ سے نشر و اشاعت نہ ہو سکی لیکن وہ مرتب شدہ مواد حکومت کے دیوان اور دفاتر میں محفوظ چلا آیا پھر معتضد باللہ عباسی خلیفہ کا دور آیا اور وہ بھی شیعہ نظریات کا حامل تھا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں خلیفہ المامون والے مدون شدہ ”رسالہ“ کو ۲۸۴ھ میں برآمد کرنے کا حکم دیا اور اس کو مزید اضافہ جات اور حوالہ جات کے ساتھ مدلل کر کے اپنا عناد پورا کیا اور اس نے حکم دیا کہ اس رسالہ کو جمعہ کے عام اجتماعات میں لوگوں کے سامنے پڑھنے اور سنانے کا اہتمام اور انتظام کیا جائے۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی تو اعیان دولت بہت متفکر ہوئے۔

معتضد باللہ کا وزیر ابوالقاسم عبید اللہ بن سلیمان تھا۔ اس نے قاضی وقت یوسف بن یعقوب کے ساتھ اس امر میں گفتگو کی اور اس کام کو روکنے اور تعویق میں ڈالنے کی تدبیر اور تجویز کی۔

چنانچہ قاضی صاحب مذکور (یوسف بن یعقوب) نے معتضد باللہ کی خدمت میں اس معاملہ کے لیے ایک طریقہ سے بات چلائی۔

اور کہا کہ اے امیر المومنین! رسالہ ہذا کے مضامین سننے سے عوام میں ایک شدید اضطراب پیدا ہوگا۔ اور مخالفانہ جذبات کی ایک تحریک چلے گی۔ اس طرح ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو جانے سے جناب کی سلطنت کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ ہے۔

خلیفہ کہنے لگا کہ اگر ایسا ہو تو میں عوام کو تلوار سے درست کر دوں گا۔

○ قاضی موصوف نے خلیفہ کو بایں طور فہمائش کی کہ ملک کے مختلف علاقہ جات میں آل ابی طالب کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ رسالہ ہذا میں بنو امیہ کے اکابر سے تنفر دلانے کے ساتھ ساتھ آل ابی طالب کے مدائح و فضائل بھی سامنے لائے گئے ہیں۔ عوام جب یہ مضامین سماعت کریں گے تو ان کی طرف مائل ہو جائیں گے اور جناب کی طرف سے روگردانی اختیار کر لیں گے۔ اس بات میں آل ابی طالب کا باہمہ وجوہ فائدہ ہے اور خلیفہ کے لیے سراسر خسارہ ہے۔

قاضی صاحب کی یہ گفتگو سننے کے بعد خلیفہ معتضد باللہ خاموش ہو گیا اور رسالہ کی تشیر سے باز آ گیا۔

○ مختصر یہ ہے کہ رسالہ مذکور کے مرتب کیے جانے اور نشر کرنے کے یہ دواعی تھے جو محمد بن جریر الطبری نے اپنی مشہور تاریخ میں ۲۸۴ھ کے تحت اس مقام میں ذکر کیے اور ان کا ما حاصل ہم نے پیش کر دیا ہے۔

○ اور یہ واضح چیز ہے کہ عباسی خلفاء نے اپنے سیاسی تعصب اور مذہبی عداوت کی بنا پر ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، وغیرہم کے خلاف اس رسالہ میں مواد فراہم کر دیا تھا جس میں جعلی اور وضعی روایات مدون کرائیں۔

گویا اس طریقہ سے انہوں نے اپنے دیرینہ مخالفین کے خلاف تنفر پھیلانے کا فریضہ سرانجام دیا اور معاندانہ کردار ادا کیا۔

الطبری کی حکمت عملی

غور طلب یہ بات ہے کہ صاحب التاریخ محمد ابن جریر الطبری کے لیے عباسیوں کے اس فراہم کردہ غلیظ مواد کو من و عن نقل کر کے اپنی تصنیف میں شامل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟؟ اور اس نے کون سی مجبوری کی بنا پر یہ کار خیر پورا کیا؟؟ گویا الطبری نے اس مواد کو اپنی تاریخ میں درج کر کے آنے والے لوگوں کو اس پر آگاہ کیا اور سب و شتم اور لعن طعن کے جو دلائل عباسیوں نے مرتب کروائے تھے، ان پر آئندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا۔

چنانچہ شیعہ اور روافض رسالہ مذکورہ میں مندرجہ مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کتب میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، پر مطاعن قائم کرتے ہیں اور شدید اعتراضات پیدا کرتے ہیں۔ درحقیقت الطبری نے اہل اسلام میں انتشار پھیلانے اور افتراق ڈالنے کے لیے بڑی عجیب تدبیر اور حکمت عملی اختیار کی۔ جس سے مخالفین صحابہ کو ایک گونہ رہنمائی حاصل ہوئی اور ان کو عداوت پوری کرنے کے لیے ایک تیار شدہ مواد دستیاب ہو گیا۔

کئی لوگ اس دلائل پر نظر کرنے سے متذبذب ہوں گے۔ کئی ناظرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متنفر ہوں گے اور بعض قارئین دل برداشتہ ہو کر اموی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منحرف ہو جائیں گے۔

○ الطبری کو اس باطل مواد کا اس تفصیل کے ساتھ ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ صرف ایک واقعہ تاریخی کی حیثیت سے اجمالاً ذکر کر دینا کافی تھا جیسا کہ باقی مورخین نے واقعہ ہذا کو اجمالاً درج کیا ہے اور دلائل کی تفصیل کی طرف نہیں گئے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ذکر کیا تھا تو پھر اس مواد کے بطلان پر کچھ کلام کرنا

لازم تھا تاکہ لوگ اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، لیکن الطبری نے ایسا نہیں کیا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب التاریخ الطبری کی نیت بخیر نہ تھی بلکہ فاسد تھی اور ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں ”الطبری“ خود سوء ظنی کا مریض تھا۔

(لکل امر مانوی - جزاء اللہ تعالیٰ علی حسب مرامہ)
اب ہم آئندہ سطور میں مرتب شدہ رسالہ ہذا کی قابل جواب چیزوں کا جواب عرض کرنا چاہتے ہیں۔

الجواب

○ عام قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا جواب پیش کرنا منظور ہو اس کا خلاصہ یا حاصل ناظرین کی خدمت میں پہلے رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا رد اور جواب ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر یہ صورت اختیار نہ کی جائے تو قاری کے لیے بات سمجھنے میں وقت کا سامنا اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔

○ چونکہ ہر ایک قاری کے سامنے ”تاریخ الطبری“ موجود نہیں ہوگی۔ اس بنا پر الطبری کے رسالہ مذکورہ کی قابل تردید چیزوں کو بالا اختصار اولاً ذکر کرنا مناسب ہے۔

○ اس سلسلہ میں پہلے وہ ”آیات“ ذکر کی جاتی ہیں جو اس رسالہ میں اموی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن کے لیے درج کی گئی ہیں اور اس کے بعد ان ”روایات“ کو پیش نظر رکھا جائے گا جنہیں مخالفین نے اپنے دلائل کے طور پر تجویز کر کے ”رسالہ مذکور“ میں مدون کیا ہے۔

آیات..... پہلی آیت

...فمما لعنہم اللہ بہ علی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ
یعنی ان چیزوں میں سے جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وسلم وانزل به کتابا قوله
(والشجره الملعونه فی القرآن
و نخوفهم فما یزیدهم الا
طغیانا کبیرا) (سورة الاسرار،
پ ۱۵) ولا اختلاف بین احد انه
اراد بها بنی امیه۔
کی زبان پر بنی امیہ پر لعنت کی اور کتاب
اللہ کو نازل فرمایا۔ یہ چیز ہے کہ الشجرة
الملعونه قرآن مجید میں مذکور ہے اور اس
سے مراد بلا اختلاف بنی امیہ ہیں۔ فلماذا
قرآن کے فرمان کے اعتبار سے ملعون
ہوئے۔

رسالہ میں مولف نے پہلے مندرجہ بالا آیت کا آخری نصف حصہ تحریر کیا ہے
اور بعدہ اسی آیت کا اول نصف (وما جعلنا الرویا التی...) آئندہ درج کر کے
مطالعن کا سلسلہ چلایا ہے۔

چنانچہ ہم اسی جملہ (الشجره الملعونه فی القرآن) کا مفہوم اور محمل جو
مفسرین نے ذکر کیا ہے، پہلے وہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ”مولف رسالہ“ نے
اپنے مقصد کے لیے جو مفہوم اخذ کیا ہے، اس کا جواب ذکر کریں گے کہ

...عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والشجره
الملعونه فی القرآن قال شجره الزقوم۔

(تفسیر الطبری ص ۷۸، ج ۱۵، تحت الآیہ، پ ۱۵)

مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شجرة الملعونه سے مراد یہاں
زقوم کا درخت ہے۔ ناظرین کرام پر واضح رہے کہ الطبری نے اپنی تفسیر الطبری میں
اس مقام میں متعدد تابعین حضرات مثلاً مسروق، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، الفحاک
وغیرہم کے اقوال تائید اذکر کیے ہیں یعنی یہ تمام حضرات فرماتے ہیں کہ شجرة الملعونه
سے مراد یہاں شجرة الزقوم ہے جو دوزخیوں کی خوراک ہے، کوئی دوسرا معنی مراد
نہیں۔

اور علامہ نسفی نے تفسیر مدارک میں ذکر کیا ہے کہ

... فانهم حين سمعوا بقوله ان شجره الزقوم طعام

الاثیم جعلوها سخریۃ۔ وقالوا ان محمدا یزعم ان
الجحیم تحرق الحجاره۔ ثم یقول تنبت فیها
الشجره... الخ۔

(تفسیر مدارک للامام عبداللہ بن احمد مسعود النسخی ص ۹۵، ج ۲، تحت الآیہ پ ۱۵)

مذکورہ بالا عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جب کفار نے قرآن مجید کا یہ جملہ سنا کہ
شجرۃ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے جو دوزخ میں اگے گا اور دوزخیوں کی خوراک
ہوگا تو بطور تمسخر کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں کہ دوزخ میں یہ
درخت اگے گا اور دوزخ کی آگ تو پتھر کو بھی جلا ڈالتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے؟؟
○ اور صاحب جلالین نے اس جملہ کے تحت تحریر کیا ہے کہ

...وهی الزقوم التي تنبت فی اهل الجحیم جعلناها
فتنه لهم اذ قالوا النار تحرق الشجره فكيف تنبة۔

(تفسیر جلالین ص ۳۵، تحت الآیہ، پ ۱۵)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زقوم وہ درخت ہے جو دوزخ کی تہ میں اگے
گا۔ اس چیز کو ہم نے کفار کے لیے آزمائش اور امتحان قرار دیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں
کہ آگ درختوں کو جلا دیتی ہے تو پھر وہ درخت میں کیسے اگ سکتا ہے؟؟
مقصد یہ ہے کہ کفار نے شجرۃ زقوم کی تکذیب اس بنا پر کی کہ زقوم کے
درخت کی پیدائش دوزخ کی آگ میں بتلائی جاتی ہے جبکہ دوزخ کی آگ پتھر کو بھی
جلا دیتی ہے۔ فلذا یہ درخت آگ میں کیسے اگ سکتا ہے؟؟ اگر دوزخ میں یہ
درخت ہو بھی تو جل جائے گا۔

○ نیز مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ

یعنی شجرہ زقوم کو شجرۃ الملعونہ اس لیے
کہا گیا ہے کہ دوزخ میں اسی شجرہ کو کھانے
والے کفار ملعون ہوں گے۔

...ای المراد بلعنہا لعن

طاعمیہا من الکفرہ۔ (روح

المعانی ص ۱۰۵، ج ۱۵، تحت لایہ، پ ۱۵)

مختصر یہ ہے کہ آیت مندرجہ کے اس کلمہ (شجرۃ الملعونہ) کا معنی اور مفہوم جو مفسرین کے نزدیک ہے، وہ واضح طور پر معلوم ہو گیا اور قرآنی آیت کے مقصود میں کوئی خفاء باقی نہیں رہا۔

اب رسالہ مذکورہ کے قول کو ملاحظہ فرمائیں۔۔۔ صاحب رسالہ کہتے ہیں کہ...

...ولا اختلاف بین احدانہ اراد بھابنی امیہ۔

یعنی اس بات میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ آیت ہذا میں شجرہ ملعونہ سے مراد بنو امیہ کے افراد ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے ان پر لعنت کی ہے۔

جواباً تحریر ہے کہ

○ آیت میں کلمہ ”الشجرۃ الملعونہ“ کے معنی کے متعلق عدم اختلاف کا دعویٰ درست نہیں بلکہ بالکل غلط ہے۔ جیسا کہ خود الطبری نے اپنی تفسیر میں اس معنی کی تشریح میں جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اور گزشتہ سطور میں ہم نے اسے پیش کر دیا ہے: کہ اس سے مراد شجرۃ الزقوم ہے (کوئی دوسرا معنی مقصود نہیں)

○ اسی طرح الطبری نے بہت سے کبار علماء تابعین وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ یہ تمام حضرات الشجرۃ الملعونہ سے مراد شجرۃ الزقوم لیتے ہیں (اور کوئی دیگر معنی مراد نہیں لیتے)

○ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر القرآن میں اسی کلمہ (الشجرۃ الملعونہ) کے معنی کی وضاحت میں بعض لوگوں کا قول نقل کیا ہے۔

... قيل المراد بالشجره الملعونه بنو امیہ وهو غریب ضعیف۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۹، ج ۳، تحت الآیۃ)

یعنی بعض لوگوں نے اس سے مراد قبیلہ بنو امیہ لیا ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ اس کی تائید دیگر اقوال سے نہیں پائی گئی اور ضعیف ہے۔ (پختہ قول نہیں اور

قابلِ اعتماد نہیں)

○ اس کے بعد ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے الطبری کے حوالہ سے اس مقام میں دوسری یہ چیز نقل کی ہے کہ

... المراد بذالك...
الشجره الملعونه هي شجره
الزقوم... لا جماع الحجه من
اهل التاويل على ذالك (ای
فی الرويا والشجره - (تفسیر ابن
کثیر ص ۴۹، ج ۳، تحت الآیہ، پ ۱۵)

یہاں سے واضح ہو گیا کہ الشجرۃ الملعونہ سے کوئی دوسرا معنی مراد لینا یہاں صحیح نہیں۔ یہی چیز علماء کے نزدیک صحیح ہے اور متفق علیہ امر ہے۔

○ نیز مشہور مفسر علامہ القرطبی نے اپنی تفسیر میں اسی مسئلہ کو عبارت ذیل میں ذکر کیا ہے اور مسئلہ خوب حل کر دیا ہے:

○ هذا قول ضعيف
محدث والسوره مكيه فيبعد
هذا التاويل - الا ان تكون هذه
الايه مدنيه ولم يثبت ذالك -
یعنی ہذہ الشجرۃ سے قبیلہ ”بنو امیہ“ کا
مراد لینا قول ضعیف اور کمزور ہے اور
محدث ہے (یعنی اپنی طرف سے ایجاد کردہ
قول ہے، سلف میں یہ قول منقول و مقبول
نہیں ہے)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت جس سورہ میں واقع ہے۔ وہ سورہ مکی دور کی
ہے تو اس صورت میں الشجرۃ الملعونہ کا یہ معنی (یعنی قبیلہ بنو امیہ) مراد لینا صواب
سے بعید ہے اور صحت سے دُور تر ہے۔ ہاں اگر یہ چیز ثابت ہو جائے کہ آیت ہذا
مدنی دور کی ہے تب معنی ٹھیک ہو سکے گا، لیکن یہ بات کہ آیت مدنی دور کی ہو بالکل
ثابت نہیں۔

○ خلاصہ یہ ہے کہ

آیت میں ”الشجرة الملعونة“ سے قبیلہ بنو امیہ مراد لینا فن تفسیر کے قواعد کے خلاف ہے اور اس فن کے ضوابط اس کی تائید نہیں کرتے اور مشاہیر علمائے فن کے فرمودات اس کے موید نہیں۔

نیز یہ چیز اس دور کے واقعات و حالات کے ساتھ بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ آخر بحث اس کی مزید وضاحت ہوگی۔ انشاء اللہ۔

مولف رسالہ نے اس کلمہ کے معنی بنو امیہ مراد لینے میں لوگوں کے اتفاق اور عدم اختلاف کا جو دعویٰ کیا ہے وہ متعدد وجوہ کی بنا پر بالکل غلط اور بے جا ثابت ہوا جیسا کہ گزشتہ سطور میں اسے بیان کر دیا ہے۔

دوسری آیت

صاحب رسالہ نے اپنے استدلال کے لیے دوسری آیت مندرجہ ذیل درج کی ہے اور اس آیت کے پہلے حصہ کے شان نزول کے متعلق رسالہ کے مولف نے ایک روایت درج کر کے اس کو آیت کا محمل و معنی قرار دیا ہے:

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب میں دیکھا کہ جناب کے منبر پر بنی امیہ کے افراد چڑھ رہے ہیں تو آنجناب غمناک اور پریشان ہوئے۔ اس کے بعد جناب کو خندہ فرماتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

... منه الرويا التي راها
النبي صلى الله عليه وسلم
فوجم لها- فماری ضاحكا
بعدها- فانزل الله وما جعلنا
الرويا التي اريناك الا فتنة
للناس- الخ- فذكر وانه راى
نفرا من بنى امية ينزون على
منبره-

تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ رویا جو ہم نے آپ کو دکھایا ہے، وہ لوگوں کے لیے آزمائش و ابتلاء کے درجے میں ہے۔۔۔ الخ۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کے ساتھ مذکورہ روایت کو ملا کر مولف رسالہ بنو امیہ کی مذمت اور اس کا مبغوض ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

یہ خواب والی روایت کئی طریقوں سے کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت میں جس الرویا کا ذکر آیا ہے اس سے کون سا الرویا مراد ہے؟
تو اس کے متعلق پہلے خود الطبری کے بیانات جو آیت ہذا کی وضاحت میں نقل کیے گئے ہیں، ان کو پیش نظر رکھا جانا زیادہ مفید ہے، اس کے بعد دیگر علماء کے بیانات درج ہوں گے۔

الطبری کے بیانات

آیت میں جس الرویا کا ذکر موجود ہے اس کے متعلق کئی اقوال مفسرین میں پائے جاتے ہیں، لیکن خود الطبری نے اس مقام میں یہ تحریر کیا ہے کہ

... واولی الاقوال فی ذالک بالصواب قول من قال عنی به رویا رسول اللہ ﷺ ما رای من الایات والعبر فی طریقہ الی بیت المقدس، وبیت المقدس لیلہ اسری بہ وقد ذکرنا بعض ذالک فی اول هذه السورہ۔ (تفسیر الطبری ص ۷۷-۷۸، ج ۱۵، تحت الآیہ وما جئنا الرویا الی، الخ)

یعنی آیت ہذا میں رویا وہی چیزیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی آیات و نشانات بیت المقدس و دیگر مقامات میں ملاحظہ فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس رویا سے کوئی دوسرا خواب مراد لینا غیر صواب ہے بلکہ بیت المقدس کی طرف اسرا اور سیر جو ہوئی تھی وہی مراد لینا صواب ہے اور یہی ابن جریر الطبری کا اپنا فیصلہ ہے۔

پھر اسی بحث کے تحت الطبری اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کو مزید مدلل کر کے لکھتے ہیں کہ

... انما قلنا ذالک اولی بالصواب لاجماع الحججہ من اهل التاویل علی ان هذه الایہ انما انزلت فی ذالک وایاہ عنی اللہ عزوجل بہا فاناکان ذالک کذالک۔ فتاویل الکلام وما جعلنا رویاک التی اریناک لیلہ اسریناک من مکہ الی بیت المقدس الا فتنه للناس بقول لا بلاء للناس الذین ارتدوا عن الاسلام لما اخبروا بالرویا التی راها علیہ الصلوہ والسلام۔

یعنی ہم نے اس قول کو اولی بالصواب اس لیے قرار دیا ہے کہ اہل تاویل کی طرف سے اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت (وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنه للناس... الخ) سفر معراج کے حق میں نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آیت میں یہی مراد لیا ہے۔ پس یہ کلام کہ جس میں آپ کو مکہ سے لے کر بیت المقدس تک سیر کرانے کا ذکر ہے، وہ ان لوگوں کے لیے ابتلاء اور آزمائش ٹھہری۔ وہ اس طرح کہ کئی لوگ اس کو سن کر اسلام سے پھر گئے۔ (اور اس امر کو بعید از قیاس سمجھ کر دین متین سے منحرف ہو گئے)

(تفسیر الطبری ص ۷۸، ج ۹۵ تحت الآیہ وما جعلنا الرویا التی... الخ)

حاصل مفہوم یہ ہے کہ اس آیت (وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنه للناس... الخ) کا صحیح محل و مقصود خود الطبری نے اپنی تفسیر میں برملا واضح کر دیا ہے کہ اس سے مراد سفر معراج شریف میں جو آیات و نشانات قدرت کی جانب سے دکھائے گئے تھے ان کو روایا کے الفاظ سے اس آیت میں تعبیر کیا گیا ہے۔ فلہذا اس آیت کا مفہوم جو ”رسالہ“ میں لیا گیا ہے وہ کسی طرح صحیح نہیں اور نہ ہی اس روایا سے مراد افراد بنو امیہ ہیں۔

اصل مسئلہ کے اعتبار سے خود الطبری کے پیش کردہ بیانات بطور جواب کافی

ہیں۔ دیگر کسی جواب کی حاجت ہی نہیں۔ تاہم بعض دیگر لوگوں نے اس آیت کے تحت رویا کی روایات بنو امیہ کے متعلق ذکر کی ہیں۔ ان کے جوابات کے لیے کچھ قدر کلام چلانا مفید ہے۔ وہ ایک ترتیب سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اس آیت کی متعلقہ روایات کا درجہ جو مفسرین کے نزدیک ہے، وہ ناظرین کے سامنے واضح ہو جائے۔

روایات کا درجہ

روایا مذکور کے متعلق کئی روایات پائی جاتی ہیں، بعض مقام میں سہل بن سعد سے مرسلہ ہے۔ اس کی سند میں محمد بن الحسن بن زبالہ راوی ہے اور اس کے حق میں علماء رجال نے لکھا ہے: ثقہ نہیں ہے، کذاب ہے، سارق الحدیث ہے، واضح الحدیث ہے، اس کی روایت نہ لی جائے، وغیرہ وغیرہ۔

(۱) کتاب الضعفاء للعقلمی ص ۵۸، ج ۳، تحت محمد بن حسن بن زبالہ۔

(۲) تہذیب التہذیب للابن حجر ص ۱۱۶، ج ۹، تحت محمد بن حسن بن زبالہ۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ج ۳، تحت الآیہ۔

نیز یہ روایت (ینزون علی منبرہ نزوہ القردہ... الخ) کئی دیگر طریقوں سے بھی مروی ہے۔ مثلاً ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابن مردویہ، بیہقی وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے، پھر اس کے حق میں علماء نے ایک اجمالی تجزیہ پیش کر دیا ہے جس سے ان روایات کا بے وزن ہونا اور غیر مقبول ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں تحت آیت ہذا تحریر فرماتے ہیں کہ
... واسانید هذه الاحادیث
یعنی ان روایات کے اسانید ضعیف

ضعیفہ۔ ہیں۔ (لا لائق استناد نہیں ہیں)

(تفسیر مظہری ص ۳۵۲، ج ۵، تحت الآیہ)

اسی طرح مفسر القرطبی نے (بنی امیہ ینزون علی منبرہ... الخ) والی روایت کے تحت تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

... قال ابن عطيه وفي هذا
التاويل نظر--- ولا يدخل في
هذا الرويا عثمان رضى الله
عنه ولا عمرو بن عبدالعزيز
رضى الله عنه ولا معاويه رضى
الله عنه - (تفسير القرطبي ص ۲۸۳،
ج ۱۰، تحت الآيه)
مطلب یہ ہے کہ الرويا میں مذکورہ
روایت کی وجہ سے بنو امیہ مراد لے کر ان
کی مذمت ثابت کرنا تحقیق کے قابل اور
لائق تامل ہے۔ (بغیر تحقیق کے قبول نہیں
کی جا سکتی) اور دوسری بات یہ ہے کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و عمرو بن عبدالعزيز
رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کو
اس رویا میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

فلذا یہ تاویل قابل اعتماد نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ

○ مولف رسالہ آیت مذکورہ کی تشریح میں (ینزون علی منبرہ... الخ) والی
روایت ملا کر مذمت بنی امیہ اور ان کی تنقیص ثابت کرنا چاہتے تھے، وہ ہرگز ثابت
نہیں ہوتی۔

○ آیت مذکورہ کے متعلق خود الطبری کے بیانات مقصد تالیف ”رسالہ“ کے
خلاف پائے جاتے ہیں اور الطبری نے یہاں جن اقوال کو ترجیح دی ہے، وہ مضمون
”رسالہ“ کے متضاد متخالف ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں واضح کر دیا ہے۔

○ آیت کے مفہوم اور محمل بیان کرنے میں علماء کا جو اتفاق و اجماع ہے، وہ
مذمت والے معانی کے برعکس پایا گیا ہے اور اس کا ناقل خود الطبری ہے۔

○ نیز علمائے مفسرین نے (منبر پر کودنے والی روایات) کو مجروح و ضعیف قرار
دے کر رد کر دیا ہے۔ فلذا وہ روایات، آیت ہذا کی تفسیر و تشریح میں قبول نہیں کی
جاسکتیں۔

○ اور بالفرض ان مرویات کو کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے تاہم اکابر علماء
القرطبی وغیرہ نے برملا فیصلہ کر دیا ہے کہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ و عمرو بن عبدالعزيز
رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت اس تنقیص و مذمت میں داخل

نہیں بلکہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

پس واضح ہو گیا کہ ان ہر سہ حضرات کے ادوار خلافت تنقیص و مذمت کے ہرگز مستحق نہیں بلکہ اپنی بہترین اسلامی خدمات کی وجہ سے صد تحسین کے لائق ہیں۔

تیسری آیت

”رسالہ“ مذکور کے مولف نے اپنے مقصد کے اتمام کے لیے یہاں تیسری آیت درج ذیل ذکر کی ہے۔

...ومنه ما انزل الله على نبيه في سورة القدر ليله القدر

خير من الف شهر من ملكك بنى اميه۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولف رسالہ نے اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں اتنا قدر ہی ذکر کیا ہے کہ موجبات لعن میں سے یہ چیز کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام پر سورۃ القدر نازل فرمائی اس میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور مولف رسالہ نے کہا کہ وہ ہزار مہینے ملک بنی امیہ ہے۔

پھر ملک بنی امیہ کی مذمت و تنقیص ثابت کرنے کے لیے طعن کرنے والوں نے آیت ہذا میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منبر پر بنو امیہ کو خطبہ دیتے ہوئے اور بعض روایات کی رو سے چڑھتے اترتے ہوئے دیکھا... الخ، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا معلوم ہوا۔ چنانچہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی خاطر کے لیے سورۃ الکوثر اور سورۃ القدر نازل فرمائی۔

پھر راویوں نے یہاں مزید بات بڑھائی ہے کہ ہم نے حساب لگایا تو (الف شہر) ہزار مہینہ مملکت بنو امیہ کی مدت کے برابر ثابت ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ آیت الف شہر میں بنی امیہ کا دور حکومت مراد ہے اور وہ

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہے۔

الجواب

یہاں جواب کے لیے چند چیزیں ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں جو قابل غور ہیں، ان پر توجہ فرمائیں۔

○ آیت خیر من الف شہر کی تشریح میں طعن کنندگان نے جو مذکورہ

روایت ذکر کی ہے، اس کے حق میں علمائے فن نے کئی طرح سے کلام کیا ہے مثلاً:

○ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم اس روایت کو (القاسم بن الفضل

الحدانی) والے طریقہ سے ہی پہچانتے ہیں (دوسرے کسی طریقہ سے معلوم نہیں

ہو سکی) فلذا اس روایت میں غرابت ہے۔ نیز ابن کثیرؒ نے واضح کیا ہے کہ القاسم بن

الفضل خود بھی اور اس کا شیخ یوسف بن مازن بھی جو اس روایت کے راوی ہیں،

روایت میں مذکور واقعہ میں خود موجود نہیں تھے لہذا روایت مرسل ہوئی اور غرابت

تو پہلے ہی اس میں پائی گئی ہے۔

○ روایت ہذا کے راوی (القاسم بن الفضل الحدانی) نے یہ قول کیا ہے کہ ہم

نے دولت بنو امیہ کا حساب لگایا تو... فوجدھا الف شہر لا تزيد يوما ولا

تنقص۔ الخ یعنی دولت بنی امیہ ہزار مہینہ مدت میں تمام ہوئی، ایک یوم بھی زائد

یا کم نہ ہوا۔ القاسم کے اس قول کے متعلق علماء نے فرمایا ہے کہ

...فہو غریب جدا وفيہ نظر.....

(البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۴۴۳، ج ۶، تحت بحث ہذا)

یعنی القاسم بن الفضل کے ساتھ کوئی دوسرا شخص اس کا ہم نوا نہیں پایا گیا۔ اس وجہ

سے یہ قول نہایت غریب ہے اور وجہ نظریہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اموی کی خلافت

بنو امیہ کی دولت و حکومت ہے جو قریباً بارہ برس پر محیط ہے، اس مدت کو ہزار مہینہ میں نہ

من حیث الصورت اور نہ ہی من حیث المعنی داخل کیا جاسکتا ہے۔

وہ اس طرح کہ عثمانی خلافت کا دور اور ان کی حکومت ممدوح اور قابل تحسین ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ایک مسلم شخصیت ہیں اور آئمہ ہدیٰ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک منصف و عادل خلیفہ المسلمین تھے اور روایت مذکورہ کے الفاظ ...

...انما سيق لدم دولتهم... یعنی بنو امیہ کی حکومت کی مذمت اور

الخ۔ بُرائی کے لیے جاری کیے گئے ہیں۔ (بالکل

متضاد ہیں)

فلذا عثمانی خلافت کا عہد اس میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۶ تحت بحث ہذا)

○ نیز مذکورہ روایت کا بنو امیہ کی حکومت کی مذمت اور بُرائی پر دلالت کرنا بھی

غور طلب ہے۔

کیونکہ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اگر وہ ہزار مہینے بنو امیہ کی حکومت کا عہد ہے تو اس سے عہد حکومت اموی پر اس رات کی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ لیلۃ القدر بڑی عظیم البرکت چیز ہے۔

لیکن اس تفصیل اور فضیلت سے بنو امیہ کے عہد حکومت کا مذموم اور مقدوح ہونا لازم نہیں آتا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ روایت کی صحت ہی قابل تامل ہے اس لیے کہ روایت تو ان کے عہد حکومت کی مذمت و تنقیص کے لیے چلائی گئی لیکن وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر سکی اور ثابت کرنے سے قاصر رہی۔

... فما يلزم من تفضيلها على دولتهم زم دولتهم

فليتامل هذا فانه دقيق يدل على ان الحديث في صحته

نظر لانه انما سيق لدم ايامهم - والله تعالى اعلم -

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۶ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ، الخ)

اور علماء نے اس روایت کا تجزیہ ایک دوسرے طریقہ سے بھی کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ

... اگر دولت بنی امیہ کے دور کی ابتدا (حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت) ۴۰-۱۴ھ سے اور اختتام ۱۳۲ھ (یعنی عہد حکومت اموی کی انتہا اور خلافت بنو عباس کی ابتداء) شمار کر کے اس پورے عہد حکومت بنو امیہ کا حساب لگایا جائے تو یہ کل میعاد قریباً (بانوے) ۹۲ سال بنتی ہے جو راوی کی روایت کے بالکل متعارض اور مخالف ہے۔

کیونکہ روایت کے مقتضی کے مطابق ایک ہزار مہینہ کے ۸۳ سال اور چار ماہ بنتے ہیں جو بنو امیہ کے عہد حکومت کی مدت قریباً ۹۲ سال کے بالکل خلاف ہے اور مطابقت نہیں رکھتی۔

فلذا اس مدت کے شمار کے اعتبار سے بھی یہ روایت قابل اعتماد نہیں، اس لیے کہ واقعات فی نفس الامر کے خلاف ہیں۔

پس یہ روایت بدیں وجہ منکر ہوئی اور منکر روایت کو قبول کا درجہ حاصل نہیں۔

..... وکل هذا مما يدل على نكارة هذا الحديث۔

والله اعلم۔

(البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۴ ج ۹ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ، الخ)

(۴) کبار علماء نے اس روایت کے ضعف اور منکر ہونے (یعنی معروف روایات کے خلاف ہونے) پر کئی وجوہ سے کلام چلایا ہے۔

ان وجوہ میں یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ روایات ہذا کا مقتضی یہ ہے کہ آیت

الف شہر سے مراد ایام بنی امیہ ہوں۔

حالانکہ یہ سورہ (القدر) مکی ہے اور سورہ کے مکی ہونے کی صورت میں اس کو

دولت بنی امیہ کی طرف کیسے تحویل کیا جاسکتا ہے؟؟

وجہ یہ ہے کہ نہ آیت کے الفاظ اس چیز پر دلالت کرتے ہیں اور نہ ہی آیت کے معانی اس کی تائید کرتے ہیں۔

دیگر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مدینہ طیبہ میں منبر نبوی (علی صاحبہ السلام) ہجرت سے ایک مدت کے بعد تیار کیا گیا تھا۔ فلذا روایت کے لحاظ سے یہ روایا قبل از ہجرت مکی دور کا ہے۔

مذکورہ بالا اشیاء ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

..... فهذا كله مما يدل على ضعف الحديث

ونكارتہ، واللہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۳۰، ج ۳، تحت سورة القدر)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بنو امیہ کے خطبہ دینے والی مذکورہ روایات جو دولت بنی امیہ کی مذمت و تنقیص کے لیے پیش کی جاتی ہیں وہ عند المحدثین صحیح نہیں ہیں بلکہ یہ روایات ضعیف اور منکر ہیں اور قابل قبول نہیں۔ ان کے ذریعے اعتراضات قائم کرنا ہرگز درست نہیں اور ان روایات کو آیات قرآنی کا محمل قرار دینا بے جا اور بے محل ہے اور درست نہیں۔

فلذا استدلال میں پیش کردہ آیات سے مولف رسالہ کا مقصد پورا نہیں ہو سکا۔

روایات

مولف رسالہ نے اموی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں آیات سے مذمت و تنقیص ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ روایات کا سلسلہ بھی چلایا ہے۔

مولف رسالہ کی طرف سے پیش کردہ آیات کے جوابات تو بقدر ضرورت ذکر کر دیئے ہیں اور واضح کر دیا ہے کہ مخالفین حضرات جو معانی آیات سے مراد لینا

چاہتے ہیں۔ وہ آیات سے ہرگز ثابت نہیں ہوتے۔
اب رسالہ مذکورہ میں درج کردہ روایات کے جواب حسب توفیق پیش کیے جاتے ہیں۔

مؤلف نے پہلے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف روایات کے ذریعے طعن قائم کیے ہیں، پھر اس کے بعد ان کے فرزند حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے مذمت کی روایات چلائی ہیں۔

مؤلف رسالہ کا مقصود یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف ایسے واقعات اور ایسی روایات پائی جاتی ہیں، وہ اسلام کا دشمن ہے، اعدائے اسلام میں اس کا شمار ہے اور وہ قاتل صد نفرین و لعنت ہے۔

اس تسلسل کے پیش نظر ہم بھی پہلے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متعلقہ روایات پر تبصرہ و تجزیہ ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں اور اس کے بعد حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی متعلقہ اشیاء کا جواب ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دور جاہلیت میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اسلام دشمنی

مؤلف رسالہ کہتے ہیں کہ

ابوسفیان پہلا شخص ہے جو (دور جاہلیت میں) اسلام کے خلاف علم بردار تھا۔ رئیس المحاربین تھا۔ بدر، احد، خندق وغیرہ غزوات میں اہل اسلام کے دشمنوں کا قائد تھا اور جنگی مراحل میں ان کا سردار تھا۔ اللہ کی کتاب میں بھی ملعون ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر بھی متعدد مواضع و مقامات میں اس پر لعنت کی گئی ہے۔ بعد میں اسلام کا غلبہ ہوا تو اوپر سے اسلام لایا مگردل میں کفر رکھا وغیرہ وغیرہ۔

مؤلف رسالہ نے پہلی شق میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق

میں جن امور کو موجب لعن و طعن شمار کیا ہے۔ تمام کے تمام ہی قبل از اسلام یعنی دور جاہلیت کے متعلقہ واقعات ہیں۔

دور جاہلیت کے معاندانہ حالات مسلمات میں سے ہیں اور قبول اسلام سے قبل تمام قریش ہی اسلام کے بر ملا دشمن تھے۔ ایک ابوسفیان رضی اللہ عنہ، کیا خود بنی ہاشم حضرات مثلاً حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب وغیرہ اسلام لانے سے قبل اسلام کے شدید ترین دشمن تھے اور ہر موقع پر عداوت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

قبل الاسلام کے مخالفانہ واقعات کو موجبات لعن و طعن میں جن جن کر شمار کرنا کسی صورت میں درست نہیں۔ مولف رسالہ نے ان چیزوں کو مدہون کر کے اپنے قبائلی تعصب کا اظہار کیا ہے اور قلبی عداوت کو واضح کیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

یہ بات عیاں ہے کہ ابوسفیان صخر بن حرب قبول اسلام سے پہلے اسلام کے بر ملا دشمن تھے اور معارضہ کے مقلات پر اپنی دشمنی کا خوب اظہار کرتے تھے۔ لیکن جب آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو دین کے تابع فرمان ہو گئے اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام اور خادم بن گئے۔ (جیسا کہ آخر بحث میں اس چیز پر شواہد ہم عنقریب ذکر کر رہے ہیں) اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ:

...ان الاسلام یہدم ما کان قبلہ اور بروایت دیگر (ان الاسلام یحب ما کان قبلہ، الخ۔) یعنی جب انسان مسلمان ہو جاتا ہے تو قبل از اسلام کی سب غلطیاں اور تمام خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی خطائیں بھی اسی ضابطہ کے تحت معاف ہو گئیں اور ان کا اسلام منظور و مقبول ہوا۔

فلذا دور جاہلیت کی خطاؤں اور لغزشوں کو دور اسلام میں پھر گنونا اور بار بار

شمار کرنا اسلام کے آئین و ضوابط کے بالکل خلاف اور برعکس ہے اور طریق استدلال کے خلاف ہے۔ پس ان چیزوں کو موجب لعن و طعن قرار نہیں دیا جاسکتا۔

سوار اور سواری ہانکنے و چلانے والے پر لعنت

مرتب رسالہ نے اپنے ایک دیگر استدلال میں روایت ذیل میں ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ابوسفیان کو دیکھا کہ ایک گدھے پر سوار ہو کر آ رہا ہے۔ ان کا فرزند معاویہ سواری کو آگے سے کھینچے جا رہا ہے اور ابوسفیان کا دوسرا بیٹا یزید بن ابی سفیان سواری کو پیچھے سے ہانک رہا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ لعنت کرے اللہ کھینچنے والے پر سوار پر اور سواری کو پیچھے سے ہانکنے والے پر۔
فلما ذایہ تینوں باپ بیٹے لعنت کے مستحق ہیں۔

اس روایت کے متعلق مندرجہ ذیل امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان پر توجہ فرمائیں۔ بطلان استدلال واضح ہو جائے گا۔

○ استدلال کرنے والے نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس روایت کو منسوب کیا ہے۔ یہاں معلوم کرنا ضروری ہے کہ محدثین نے احادیث نبوی ﷺ کے جو ذخائر مرتب کیے ہیں، ان میں سے کون سے ذخیرہ حدیث میں یہ روایت باسند موجود ہے؟؟

اگر کسی محدث نے اسے نقل کیا ہے تو اس کی صحیح سند مطلوب ہے؟؟ اور اگر یہ روایت کسی دروغ گو، جعل ساز، ناقابل اعتماد اور عناد رکھنے والے راوی سے منقول ہے تو اس کا قطعاً اعتبار نہیں ہوگا۔

نیز صحت واقعہ کے لیے صحیح سند کا پایا جانا ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کسی روایت میں واقعہ مذکورہ بلا پایا جاتا ہے، لیکن اس روایت کی سند مجروح و

مقدوح ہے تو وہ تسلیم نہیں ہوگی۔

○ اگر واقعہ ہذا پر قلیل سا غور و فکر کر لیا جائے تو بھی مسئلہ صاف ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس موقع پر ان باپ بیٹوں سے کون سی معصیت اور خطا سرزد ہوئی تھی جس کی بنا پر مستوجب لعنت قرار دیئے گئے؟؟ اور بغیر کسی گناہ و خطا کے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کیسے فرمائی؟؟ یہ چیز اپنی جگہ پر قابل غور و فکر ہے۔

○ اور بالفرض والتقدیر اس واقعہ کو کسی درجہ میں مان بھی لیا جائے تو بھی یہ واقعہ اس دور کے مسلم واقعات کے متعارض و مخالف پایا جاتا ہے اور مشاہدات کے برعکس ہے۔ (عنقریب ان حضرات کے مسلم واقعات ہم ذکر کر رہے ہیں) اور کسی روایت کا نفس الامر واقعات کے خلاف پایا جانا اور غیر مطابق ہونا اس کے عدم صحت کی دلیل ہوتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ امور کی روشنی میں یہ واقعہ بالا ہرگز درست نہیں اور قابل استدلال نہیں۔

ابوسفیان کا آخرت سے انکار

تیسری چیز ”رسالہ“ کے مولف نے یہ ذکر کی ہے کہ

روایات کے راوی ابوسفیان بن حرب سے یہ بات روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابوسفیان نے تمام قبیلہ بنو عبد مناف کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ اس (جماعت اہل اسلام) کو ایک حملہ ہی میں جلدی گرفت میں لے لو۔ (یعنی ان کو بڑھنے کی مہلت نہ دو) پس وہاں (یعنی آخرت میں) کوئی جنت و دوزخ نہیں۔

مولف رسالہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان کا یہ قول خالص کفریہ ہے۔ اس پر خدا کی لعنت لاحق ہو۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے کفار پر خدا کی لعنت حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لاحق ہوئی تھی۔ اس وجہ سے کہ وہ لوگ

نافرمان ہو گئے اور دین کی حدود سے بڑھ گئے تھے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ابوسفیان کا یہ قول کس محدث نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے؟؟ کون سی حدیث کی کتاب میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے؟؟
 ○ پھر اس کے بعد یہ دیکھنا ہو گا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اگر یہ قول ذکر کیا ہے تو کس دور میں کہا ہے؟؟ جاہلیت کے دور کا یہ کلام ہے؟ یا اسلام کے بعد کا یہ واقعہ ہے؟؟

اس تصریح و توضیح کے بغیر اس کو پیش کرنا غلط امر ہے؛ پہلے اس کی وضاحت درکار ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اگر یہ کلام قبل از قبول اسلام کا ہے تو جواب کی حاجت ہی نہیں اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد کا واقعہ ہے تو ابوسفیان کی طرف یہ انتساب بالکل غلط ہے اور ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ کوئی مسلمان اسلام لانے کے بعد ایسا قول نہیں کر سکتا پھر جنت و دوزخ کی نفی کر دینا نص قرآنی کا انکار ہے اور نص قرآن مجید کا انکار کر کے کوئی شخص مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟؟

○ دیگر یہ بات نہایت ہی قابل غور ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلام لانے کے بعد تمام زندگی اور اسلام کے دور کے واقعات اور اسلامی خدمات کے ساتھ واقعہ ہذا کی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ ان کے درمیان بون بچید ہے (جیسا کہ ہم آخر بحث میں ان کو پیش کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ)
 فلذا یہ روایت یقیناً جعلی اور وضعی ہے، اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

ابوسفیان کے گستاخانہ کلمات

مولف رسالہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کے حق میں ایک یہ روایت بھی موجبات میں ذکر کی ہے کہ
 (ابوسفیان نابینا ہو چکے تھے) تو ایک بار جبل احد کی گھاٹی پر کھڑے ہوئے اور

اپنے قائد ساتھی سے کہنے لگے کہ ”یہ وہ مقام ہے جہاں سے ہم نے محمد و اصحاب محمد کو ہٹایا اور دفع کیا تھا۔“

○ اس کے متعلق تحریر کیا جاتا ہے کہ

کون سی صحیح روایت میں مروی ہے؟ پہلے اس کی صحت سند کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ کوئی بے سرو پا تاریخی روایت ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ کوئی صحیح روایت طعن کے لیے پیش کرنی چاہیے جس کا جواب دیا جائے۔

دیگر امر یہ ہے کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ آخر عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ اس دور میں اگر یہ واقعہ پیش آیا ہو اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے قبل کا بطور گزشتہ واقعہ کے ذکر کیا ہو کہ ہم نے اہل اسلام کو اس مقام میں شکست دی تھی، مگر معبر نے اس کی تعبیر اس طرح کر دی ہو جس سے حقارت و تحقیر معلوم ہوتی ہے، یہ صرف ایک احتمال کے درجہ میں توجیہ کی جاسکتی ہے۔

لیکن یہ بات کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بعد از اسلام بنی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے خلاف کوئی کلمہ تحقیر یا خفت آمیز کلام کہا ہو، یہ ہرگز ثابت نہیں ہے۔ اگر کسی روایت میں ایسا کلام مروی ہے تو وہ روایت بالکل غلط ہے۔ قلبی عناد رکھنے والے راویوں اور رفض و تشیع کے مریض ناقلین کی چلائی ہوئی وہ روایت ہوگی۔

آخر بحث

گزشتہ سطور میں ہم نے متعدد بار یہ ذکر کیا ہے کہ یہ روایات جو آیات قرآنی کے تحت درج کی ہیں، یا انہیں لعن و طعن ثابت کرنے کے لیے مولف رسالہ نے مستقلاً پیش کیا ہے، یہ تمام مرویات (عمد نبوی) کے واقعات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں اور اس دور مقدس میں جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے حالات بعد از اسلام پائے گئے، ان سے ان روایات کی موافقت قطعاً نہیں پائی جاتی۔

وجہ یہ ہے کہ جب سے جناب ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے ہیں، اس کے بعد انہوں نے دینی خدمات سرانجام دیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادات کے موافق اعلیٰ کارنامے سرانجام دیئے اور اہل اسلام کے ساتھ دین کے اہم امور میں شریک و شامل رہے۔ بعض اہم ملی و قومی واقعات میں ان کی ذات پر (کامل) اعتماد کیا گیا۔

چنانچہ ہم ذیل میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد کے چند اہم واقعات کو ایک ترتیب سے سطور ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد ایک منصف مزاج آدمی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے متعلق خود فیصلہ کر سکے گا کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کس کردار کے مالک اور کن خصائل کے حامل تھے؟ اور راویوں کی مندرجہ بالا روایات ان کو کس شکل میں پیش کرتی ہیں؟؟ اس طریقہ سے ایک انصاف پسند اور باشعور انسان کے لیے اس معاملہ میں غلط اور صحیح چیز کے درمیان امتیاز کر لینا مشکل نہیں رہے گا۔ درج ذیل واقعات پر بنظر غور توجہ فرمائیں۔

عہدِ نبوی (ﷺ) میں

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق چند اہم واقعات

(۱) خاندانِ نبوت کے ساتھ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قرابت داری یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دختر رملہ بنت ابی سفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ تھیں۔ یہ ام المومنین ام حبیبہ کے نام سے مشہور ہیں اور ازواجِ مطہرات میں ان کا اہم مقام ہے۔

(الاصابہ لابن حجر عسقلانی (معہ الاستیعاب) ص ۲۹۹، ج ۳، تحت رملہ بنت ابی سفیان)

(۲) حضرت ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ ان کا اسلام لانا منظور ہوا

اور ان کی دار (حویلی) کو دارالامن قرار دیا گیا۔

..... من دخل دارابی سفیان فہو آمن۔

(مسلم شریف ص ۹۰۳ ج ۲ باب فتح مکہ، طبع دہلی)

(۳) فتح مکہ کے بعد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں غزوہ حنین میں اپنے دونوں فرزندوں یزید بن ابی سفیان اور معاویہ بن ابی سفیان سمیت شریک و شامل ہوئے۔

(اسد الغلبہ لابن اثیر الجزری ص ۱۲-۱۳ جلد ثالث مغربین حرب)

نیز غزوہ حنین میں کفار کے قیدیوں کو کچھ مدت کے لیے زیر حراست رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو اس اہم ذمہ داری کے لیے جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نگران مقرر فرمایا اور حضرت ابوسفیان نے اس اہم فریضہ کو بطریق احسن سرانجام دیا۔

(المصنف لعبد الرزاق ص ۳۳۱ ج ۵، تحت واقعہ حنین)

(۴) اسی سال ۸ھ میں غزوہ طائف پیش آیا اس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلامی افواج کے ساتھ شریک جہاد ہوئے اور اس موقع پر ان کی ایک چشم تیر لگنے کی وجہ سے ضائع ہو گئی اور اس طرح آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خاطر اپنی ایک چشم کی قربانی پیش کی اور ثواب حاصل کیا۔

(الاصابہ لابن حجر ص ۹۷۲-۹۷۳ جلد ثانی، تحت مغربین حرب)

(۵) علاقہ نجران الیمین جب فتح ہو گیا تو اس کے صدقات پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو عامل اور امیر بنایا گیا۔

(۱) السنن للدارقطنی ص ۹۶ جلد رابع، تحت کتاب الطلاق روایت نمبر ۴۶، طبع مصر۔

(۲) کتاب نسب قریش لمصعب الزہیری ص ۹۲۲ تحت ولد حرب بن امیہ۔

(۶) قبیلہ بنی ثقیف اسلام لائے تو ان کے ہاں ایک بت (لات) نصب تھا۔ اس بت شکنی کے لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دونوں کو ارسال فرمایا اور انہوں نے جا کر اس بھت کو پاش پاش کر دیا۔

(۱) سیرت ابن ہشام ص ۵۳۰-۵۳۱، جلد ثانی، تحت حالات وفد ثقیف۔

(۲) البدایہ للین کثیر ص ۳۰-۳۳، جلد خامس، تحت قدوم وفد ثقیف۔

(۷) قبیلہ بنی ثقیف میں دو شخص مسی "عروہ" اور "الاسود" مقروض تھے۔ بنی ثقیف کے پاس (الطائف) کے نام سے قوم میں بہت سے اموال موجود تھے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان اموال کو فراہم کیا اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ دونوں اشخاص کے قرض کو ان اموال سے ادا کیا۔ (سیرت ابن ہشام ص ۵۳۲، تحت امر وفد ثقیف و اسلامہا)

(۸) اہل اسلام و اہل نجران (اہل کتاب) کے درمیان ایک عہد نامہ تحریر کیا گیا تھا۔ یہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے تحت لکھا گیا اور اس عہد نامہ پر بطور شاہد کے مسلمانوں کی طرف سے جن پانچ حضرات کے دستخط کیے گئے تھے، ان میں سے ایک جناب ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔

(۱) البدایہ للین کثیر ص ۵۵، ج ۵، تحت واقعہ ہذا عہد نامہ اہل نجران۔

(۲) کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص ۷۳، تحت قصہ نجران۔

(۹) آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں کچھ اموال ارسال فرمائے اور ابوسفیان کی تحویل رضی اللہ عنہ میں دے کر انہیں قریش مکہ میں تقسیم کرنے کا اہم فریضہ تفویض کیا۔ عمرو بن العواء نے یہ اموال پہنچانے کی خدمت سرانجام دی تھی۔

(۱) السنن الکبریٰ ص ۹۹، جلد عاشر، کتاب آداب العاقبہ۔

(۲) تہذیب التہذیب للین حجر ص ۳۴۰، جلد خامس، تحت عبد اللہ بن عمرو بن قنواء۔

(۱۰) ایک مرتبہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف سے عجوہ کے خرابہ دہن ارسال فرمائے اور فرمان دیا کہ آپ اس کے

عوض میں عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ چڑے کی کھل بھیجیں تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس ہدیہ کو قبول کیا اور کھل ہدیہ ارسال کی اور فرمان نبوی ﷺ کو بجا لائے۔

(۱) الاصلہ للین حجر ص ۱۷۲-۹۷۳ جلد ثانی، تحت مخر بن حرب۔

(۲) کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام ص ۹۵۷ روایت نمبر ۷۳ طبع مصر۔

تنبیہ

مندرجہ بالا اہم واقعات کی تفصیل اور مزید حوالہ جات مطلوب ہوں تو ہمارے کتابچہ (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ) کی طرف رجوع کریں وہاں بقدر ضرورت زیادہ مواد درج کیا گیا ہے۔ کتابوں کے حوالے بھی ساتھ نقل کر دیئے ہیں۔

خلاصہ کلام

مختصر یہ ہے کہ

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان پیش آمدہ واقعات پر نظر انصاف کرنے اور غور کرنے سے واضح ہو رہا ہے کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے بعد اسلام کے صحیح خدام اور قبیح فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور اخلاص کے ساتھ اہل اسلام کی معیت میں ملی خدمات سرانجام دیتے اور فرمان نبوی ﷺ کو بجالاتے تھے۔

مولف رسالہ نے جن روایات کو موجبات لعن بنا کر پیش کیا ہے، وہ سراسر غلط اور بے سروپا ہیں، تاریخی ملغوبات سے زیادہ ان کا مقام نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ کم و بیش دس عداہم واقعات جو ہم نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ذکر کیے ہیں۔ ان کے ساتھ مولف رسالہ کی ذکر کردہ روایات کوئی مطابقت اور موافقت نہیں رکھتیں۔

اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جو روایات نفس الامر و واقعات کے خلاف پائی جائیں، وہ قابل تسلیم نہیں ہوتیں، وہ سراسر جعلی اور وضعی ہوتی ہیں۔ بنا بریں ہم اس چیز کے بیان کرنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باعزت صاحب کردار اور مخلص صحابی ہیں۔ ان کی شان میں نفاق کا قول کرنا یا حقارت و تحقیر کے کلمات کہنا اسلام میں منع ہیں اور ان کی عزت و تکریم کو ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ جیسا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احترام کو ملحوظ رکھنا اہل اسلام پر لازم ہے۔

الحکم بن ابی العاص کے متعلق طعن کا ازالہ

ایک اعتراض مولفین ”رسالہ“ نے یہ تجویز کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چچا حکم بن ابی العاص کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض شدید خطاؤں کی بنا پر مدینہ شریف سے جلاوطن کر دیا تھا (لہذا اس شخص کو لوگ طرید النبی کہتے ہیں) اس کو واپس بلا کر فرمان نبوی ﷺ کے خلاف کر ڈالا۔ اس اعتراض کے ازالہ کے لیے ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں مفصل کلام کر دیا ہے، تاہم یہاں بھی مختصراً جواب پیش خدمت ہے۔ اس اعتراض کو ”جلاوطنی“ کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔

اولاً یہ واقعہ احادیث صحیحہ کی مشہور کتب میں مفقود ہے اور اس کی صرف تاریخی حیثیت ہے اور تاریخ میں رطب و یابس صحیح و سقیم ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں، ان کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ثانیاً، اگر بالفرض اس واقعہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کے متعلق مورخین نے تصریح کر دی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے اگر حکم کو جلاوطن کر دیا گیا تھا تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں اسے معاف فرما دیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

عہد خلافت میں اسے واپس بلوایا گیا تھا۔

تفصیلات و حوالہ جات کے لیے ہماری تالیف ”مسئلہ اقربا نوازی“ تحت ازالہ شبہات ص ۲۷۲ تا ۲۷۹ کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق موجبات لعن و طعن

طعن کنندگان نے اس مقام میں قریباً کم و بیش آٹھ عدد واقعات اور روایات فراہم کی ہیں جن کو انہوں نے موجبات لعن و طعن شمار کر کے پیش کیا ہے۔

لا اشبع اللہ کاطعن

(۱) ”رسالہ“ کے مرتبین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے ذیل روایت اپنے الفاظ میں اس طرح درج کی ہے کہ

مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کو اپنے سامنے ایک تحریر لکھوانے کی ضرورت پیش آئی تو آنجناب ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ پس اس نے پیغمبر ﷺ کے حکم کو ٹالا اور اپنے طعام کھانے کا عذر پیش کیا۔ اس پر جناب پیغمبر علیہ السلام نے بددعا کے کلمات فرمائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بطن کو سیر نہ کرے۔ پھر معاویہ اس کے بعد طعام سے سیر نہ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ میں سیر ہو جانے سے طعام کو نہیں چھوڑتا بلکہ میں تھک جاتا ہوں۔

... ومنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا بمعاویہ لیکتب بامرہ بین یدہ، فدافع بامرہ واعتل بطعامہ، فقال النبی ”لا اشبع اللہ بطنہ فبقی لا یشبع ویقول واللہ ما اترک الطعام شبعاً ولکن اعیاه۔“

معرض کا مقصد یہ ہے کہ جناب رسول خدا کی بددعا کی وجہ سے وہ طعام سے سیر نہ ہو سکتے تھے۔

درجہ جواب میں ذکر کیا جاتا ہے کہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریر خدمت کا بہترین یہ واقعہ ہے جسے روایت کے راویوں کے تصرفات نے لائق طعن اور قابل اعتراض امر بنا دیا۔

روایت ہذا مسندات عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دیگر مسندات کے لیے جب دوسری حدیث کی بابت کتابوں سے رجوع کیا گیا تو معاملہ صاف ہو گیا۔

وہ اس طرح کہ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جلد اول طبع مصر قدیم ص ۲۹۱ اور ۳۳۵ تحت مسندات ابن عباس مذکورہ بالا واقعہ درج ہے لیکن ان مقامات میں نہ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بار بار حضرت امیر معاویہ کو بلانے کے لیے ارسال کرنا درج ہے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو طعام کھانے کے بہانہ سے ٹالنے کا ذکر ہے۔

اسی طرح ان مقامات میں نہ ہی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "لا اشبع اللہ بطنہ" کا کلمہ فرمانا مذکور ہے اور نہ ہی یہ چیز منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کھاتے کھاتے تھک جاتے تھے اور سیر نہیں ہوتے تھے اور یہ بددعا نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ تھا۔

بلکہ وہاں صرف اصل واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ، معاویہ رضی اللہ عنہ کو میرے لیے بلا لاؤ۔ امیر معاویہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشی اور کاتب تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دوڑ کر گیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو جا کر کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی ضرورت ہے اور بلاتے ہیں، آپ حاضر ہوں، چنانچہ

امیر معاویہ حسب فرمان آنجناب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدمت سرانجام دی۔

البتہ مورخ البلاذری نے اپنی تصنیف انساب الاشراف جلد رابع کے ص ۱۰۶ پر ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت واقعہ ہذا تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

... قال ابو حمزہ فکان
یعنی راوی ابو حمزہ نے اپنی جانب سے یہ
معاویہ بعد ذالک لا یشبع۔ بات کہی ہے کہ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر نہیں ہوتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ اصل واقعہ میں طعن و تشنیع کی چیزیں بالکل مفقود ہیں اور
نہیں پائی جاتیں۔ راویوں کے تصرفات سے یہ اعتراضات قائم کیے گئے ہیں اور بدوعا
کے کلمات بھی راوی کی اپنی طرف سے واقعہ میں ایزاد کردہ ہیں اور اس پر نتیجہ کا
رتب بھی اسی کی جانب سے ہے۔

اس چیز پر قرینہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف تاریخ کبیر
جلد رابع قسم ثانی کے ص ۱۸ تحت باب وحشی تحریر کیا ہے کہ

... کان معاویہ ردف النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا
معاویہ! ما یلینی منک؟ قال
بطنی، قال اللہم املاہ علما
وحکما۔
اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دفعہ امیر
معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے پیچھے
ایک سواری پر سوار تھے۔ جناب نبی اقدس
ﷺ نے دریافت فرمایا: اے معاویہ! آپ
کے جسم کا کون سا حصہ میرے زیادہ قریب
ہے؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرا شکم۔
تو اس پر جناب نبی کریم ﷺ نے دعا دیتے
ہوئے فرمایا کہ اللہ! اسے علم اور حلم
(بڑباری) سے پُر فرما دے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ طعن والی روایت میں بدوعا کے کلمات راویوں کے

تصرفات میں سے ہیں۔ ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہتر دعائیں حاصل ہیں۔

مزید اس روایت پر تفصیل سے بحث ہم نے اپنی کتاب سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد ثانی (جواب المطاعن) کے ص ۹۵ تا ۱۰۱ درج کر دی ہے، رجوع فرمائیں۔

غیر ملت پر محشور ہونے کا طعن

(۲) مولف رسالہ نے دیگر روایت برائے موجبات لعن و طعن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ نقل کی ہے کہ:

...ومنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يطلع من هذا الفج رجل من امتي يحشر على غير ملتي فطلع معاوية۔

مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص اس راستہ سے رُو نما ہوگا، اس کا حشر اور انجام میری ملت و دین پر نہیں ہوگا۔ پس ناگہاں معاویہ اس راستہ سے ظاہر ہوئے۔

مولف رسالہ نے اس روایت کی تخریج کسی معروف مصنف کی طرف بالکل نہیں کی اور نہ ہی لکھا ہے کہ فلاں محدث مفسر یا کسی مشہور عالم نے اسے اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے۔

کسی روایت کو اس طرح بے سند و بے تخریج پیش کر دینے سے اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے تخریج معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ اس کی صحت و سقیم کا تجزیہ کیا جاسکے۔

دیگر یہ چیز قابل ذکر ہے کہ شیعہ کی تصانیف میں اس نوع کی شیعہ روایات ان کے ہاں پائی جاتی ہیں جو ہم پر حجت نہیں ہو سکتیں۔ شیعوں نے صحابہ کرام رضی

اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف بہت کچھ روایات مدون کر دی ہیں جو جمہور اہل اسلام کے نزدیک سب غلط و ضعیفی اور جعلی مرویات ہیں۔

○ بصورت دیگر روایت مندرجہ بالا کو درایت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی بے اصل اور بے سرو پا ہے، اس لیے کہ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایسے شخص کو جس کا انجام بے دینی اور کفر پر ہوگا، اس کو تمام زندگی میں مصاحب و ہم نشین کیسے بنائے رکھا؟ اور اسے وحی خداوندی اور غیروحی کی کتابت پر کیسے مامور رکھا؟ اور یہ اہم منصب اس کے سپرد کیسے کر دیا؟ حاضر باش انشاء نویس کا مرتبہ تو بہت ہی قابل اعتماد ہوتا ہے، اس کو آزمانے اور جانچنے کے بغیر کیسے قبول کر لیا گیا؟؟

پھر اس کے ساتھ ساتھ دیگر اہم واقعات عہد نبوی ﷺ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کس طرح صحیح ہوئے؟ (جن کی تفصیل ہم عنقریب پیش کر رہے ہیں)

ان واقعات و حالات کے ساتھ مذکورہ روایت کی مطابقت و موافقت قطعاً نہیں پائی جاتی۔

ان تمام اشیاء پر نظر کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ بالا فرضی افسانہ کے درجہ میں ہے اور اس کا کچھ اصل نہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور رسوائی نشر کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا فرمان

(۳) رسالہ کے مدون نے ایک دیگر روایت اس طرح ذکر کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

... منه ان رسول اللہ ﷺ
 قال: انا رايتم معاویہ علی
 یعنی جب تم میرے منبر پر معاویہ کو
 دیکھو تو اسے قتل کر ڈالو۔
 منبری فاقتلوہ۔

روایت ہذا کے بے اصل ہونے کے متعلق مشاہیر علماء کرام نے سخت تنقید اور جرح کر دی ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ”تاریخ صغیر“ میں اس روایت کے متعلق درج ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں۔

... هذا مدخول ولم يثبت...
یعنی روایت بالا میں یہ الفاظ بزور داخل
وہذا واہ۔ (تاریخ الصغیر للبخاری) کیے گئے ہیں اور درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔
ص ۶۸-۶۹، تحت عصر من بین السنین الی نیز فرمایا کہ یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔
السبعین، طبع اول، قدیم الہ آباد) (ثابت نہیں)

اور علماء نے لکھا ہے کہ حسن بصریؒ کی طرف عمرو بن عبید المعتزلی نے یہ منسوب کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو میرے منبر پر دیکھو تو قتل کر دو۔

اس روایت کا حسن بصریؒ سے انتساب بالکل جھوٹ اور کذب ہے۔
خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں عمرو بن عبید المعتزلی مذکور کے ترجمہ کے تحت اس روایت پر خوب جرح اور نقد کر دیا ہے اور عمرو بن عبید المعتزلی کو جعل سازی کو واضح کر دیا ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب ص ۱۸۰-۱۸۱، جلد ۱۲، تحت ترجمہ عمرو بن عبید المعتزلی)

تنبیہ: یہ روایت معتزلہ نے چلائی ہے۔ معتزلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت خلاف ہیں۔

کتاب ”وقعہ الصغیر“ میں ”نصر بن مزاحم المنتقري“ نے بھی یہ روایت ذکر کی ہیں۔ نصر بن مزاحم المنتقري بد زبان رافضی ہے اس کی روایات جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف پائی جاتی ہیں وہ بلا شک و روع محض ہیں اور ہم پر حجت نہیں۔
نصر بن مزاحم المنتقري کے ترجمہ کی طرف رجوع فرماویں، تسلی ہو جائے گی۔

درایت کے اعتبار سے

یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بفرمان فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علاقہ شام کے امیر بنائے گئے اور قریباً دس برس امیر شام رہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی ایک صاحب بھی ان کو منبر پر قتل کرنے کے لیے نہیں اٹھا جو ان کا منبر پر خاتمہ کر دیتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔

...ولا یخافون لومہ لائم۔۔۔ الخ (قرآن مجید، پارہ ششم)

اس بحث کی مزید تفصیل کے لیے ہماری کتب سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد ثانی (جواب المطاعن) ص ۳۴۰ تا ۳۴۶ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت معاویہ کے لیے دوزخ میں تابوت

(۴) ”رسالہ“ تدوین کرنے والوں نے موجبات لعن و طعن شمار کرنے میں

مندرجہ ذیل روایت بھی درج کی ہے کہ

مطلب یہ ہے کہ حدیث مرفوع اور مشہور اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ معاویہ آگ کے ایک تابوت میں ہوگا جو دوزخ کے نچلے درجہ میں ہے اور آواز دے گا کہ اے حنان! اے منان! اور اعتراف کرتے ہوئے کہے گا: اس سے قبل میں نافرمان تھا اور مفسدین میں سے تھا۔

...ومنه الحدیث المرفوع

المشہور انه قال ان معاویہ فی

تابوت من نار فی اسفل درک

منہا ینادی یا حنان یا منان

الان وقد عصیت قبل وکنت

من المفسدین۔

باعتبار روایت کے ”رسالہ“ مرتبہ کرنے والوں کی طرف سے اس روایت پر

مرفوع اور مشہور کا حکم لگانا بہتان صریح سے کم نہیں۔ اس لیے کہ احادیث کے

مشہور ذخائر صحاح ستہ و غیر صحاح ستہ میں یہ دستیاب نہیں اور اگر یہ روایت کسی ایسے ذخیرہ روایت میں پائی جائے، جس کا علمائے فن حدیث کے نزدیک کچھ وزن نہیں تو وہ روایت پایہ اعتبار سے ساقط ہوگی۔ پھر ایسی ساقط الاعتبار روایات کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن و تشنیع کرنا دشمنانِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فعل اور روافض کا ہی طریق کار ہو سکتا ہے، کسی کتاب و سنت کے پابند مسلمان کا یہ رویہ نہیں ہو سکتا۔

باعتبار روایت کے

○ اگر معاویہ بن ابی سفیان ناری جہنی اور اسفل السافلین میں سے تھا تو ایسے شخص کا اسلام کیسے قبول فرمایا گیا؟

○ غزوات اسلامی میں اس کی شرکت کیسے درست رکھی گئی؟ اور غنائم و اموال اس کو کیسے عطا فرمادیئے؟

○ کتابت وحی و غیروحی جیسی اہم ذمہ داری اس کو کیسے تفویض کی گئی؟

○ حاضر باش خادم کی حیثیت سے اس سے مدۃ العمر خدمت کیوں لی گئی؟

○ ناری اور دوزخی کو ایسی بابرکت مجالس سے دور کیوں نہیں کر دیا گیا؟ تاکہ

اس کا محروم القسمت ہونا واضح ہو جاتا اور اس کی شقاوت آشکارا ہو جاتی۔

مذکورہ واقعات تو عہدِ نبوی ﷺ میں پیش آئے۔ یہ چیز نہایت قابل غور ہے،

اس بنا پر یہ بات ذکر کرنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس روایت میں ناری جہنی

ثابت کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے، وہ بالکل غلط اور دروغ محض ہے اور کتاب و

سنت اور واقعات نفس الامر کے اعتبار سے کسی طرح صحیح نہیں۔

مولفین رسالہ نے روایت ہذا کے ذریعے اپنی قلبی عداوت کا اظہار کیا ہے اور

باطنی عناد کو پورا کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نزاع

(۵) رسالہ تدوین کرنے والوں نے موجبات لعن و طعن کے لیے پانچویں چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محاربت (قتال) تجویز کی ہے جو فریقین کے درمیان مقام صفین میں ۷۳ھ میں پیش آئی تھی۔

اس باہمی محاربت اور قتال کو بیان کرنے کے لیے مولفین رسالہ نے عجیب خدیعت اور دھوکہ دہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانے میں سابق ہونا اور ان کا شمار ”سابقین اولین“ میں ہونا۔ ملی خدمات میں ان کا فائق ہونا اور دین کا بہت سے کمالات و فضائل کا حامل ہونا وغیرہ وغیرہ۔ آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے بے شمار محاسن و فضائل ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بہت سے معائب و مفاسد گنوائے ہیں۔

اور لکھا ہے کہ ایسے صاحب فضائل و کمالات کے ساتھ جنگ و قتال کیا۔ ان قتال کرنے والوں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی) نے اسلام کی رسی کو اپنی گردنوں سے نکال ڈالا، حرام خون ریزی کو حلال بنا دیا، فتنہ و فساد کھڑا کر دیا، محارم کو مباح قرار دیا اور اہل حق کے حقوق کو منع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت حال یہ ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات اور اعلیٰ اوصاف اپنی جگہ پر مسلم ہیں اور اسلام میں جو ان کا عالی مقام و مرتبہ ہے، وہ بھی تسلیم شدہ ہے لیکن بات یہ ہے کہ ”جنگ صفین“ اسلام و کفر کی جنگ نہیں تھی۔ حلال و حرام کی تمیز رفع کر دینے کی وجہ سے یہ واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ جو مفاسد مولفین رسالہ نے اس مقام میں گنوائے ہیں، یہ موجبات قتال نہیں تھے اور ان کی وجہ سے قتال نہیں ہوا تھا بلکہ قتال کے وقوع کے لیے اسباب و علل دوسرے تھے جیسا کہ ہم عنقریب ان کو ذکر کریں گے۔

ان تمام وجوہ کو یکسر نظر انداز کر کے مولفین رسالہ نے واقعہ ہذا کے پیش آنے کا رنگ ہی بدل دیا ہے اور فضائل مرتضوی رضی اللہ عنہ کی بحث درمیان میں لا کر

واقعہ کا نقشہ ہی دو سرا بنا دیا ہے۔

امرواقع کے طور پر جن حالات میں قتال صفین پیش آیا تھا، ان کا بالاختصار ماحصل اس طرح ہے کہ

○ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ صفین میں فریق مقابل ہمارے نزدیک اہل البغی میں سے ہیں کہ انہوں نے ہماری بیعت نہیں کی حالانکہ بیعت کرنا ان پر لازم تھا۔ فلہذا جب تک یہ لوگ حق کی طرف رجوع نہ کریں، ان کے ساتھ قتال لازم ہے۔

(۱) فتح الباری ص ۲۳۵، ج ۲، تحت باب ما یذکر من ذی الراۃ... الخ۔

(۲) کتاب التمیمہ لابی الشکور السامی ص ۳۶۶-۳۶۷، تحت القول السالغ فی خروج معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طبع لاہور۔

○ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ظلماً شہید کیے گئے ہیں، ان کے قاتلین جیش علوی میں موجود ہیں، ان سے قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ لینا ضروری ہے۔

○ ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے، خلافت کے بارے میں ہمارا نزاع ہرگز نہیں ہے۔ جب تک مسئلہ قصاص تمام نہیں ہوگا، ہم بیعت خلافت نہیں کریں گے۔

مختصر یہ کہ ان دونوں حضرات کے مابین اس وقت خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہیں تھا۔ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتال صفین سے قبل کوئی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی اپنے رفقاء سے بیعت خلافت لی تھی) بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ اندریں حالات دونوں فریق شدت کے ساتھ اپنے اپنے نظریات اور موقف پر قائم رہے اور مصالحت کیلئے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مساعی کے باوجود کوئی صورت نتیجہ خیز سامنے نہ آسکی اور انجام کار مقام صفین میں قتال تک نوبت پہنچی۔

(کتاب الیواقیت والحواہر للشعرانی ص ۷۷، ج ۲، فی بیان وجوب الکف)

نوٹ: اس مسئلہ کی وضاحت معلوم کرنا مقصود ہو تو ہماری کتب سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، جلد اول، ص ۲۱۱ تا ۲۱۸ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ مولفین ”رسالہ“ نے باہم محاربت کے اسباب جن چیزوں کو شمار کیا ہے اور جن مقاصد کے پیش نظر اس قتال کے وقوع کو جائز کیا ہے، یہ سراسر خدلیت اور دھوکہ ہے، ان چیزوں کو اصل واقعات کے ساتھ کچھ رابطہ نہیں ہے۔

قتال صفین کے اسباب و علل دو سرے تھے جن کا ذکر سابقہ سطور میں کبار علماء کے بیانات کی روشنی میں اجمالاً پیش کر دیا ہے۔

○ اس مقام میں دیگر گزارش یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں جو موجبات لعن و طعن شمار کیے جا رہے ہیں، ان میں مولفین نے یہ امر پانچویں درجہ میں ذکر کیا ہے۔ (منہ انبراوہ بالمحاربه لا فضل المسلمین فی الاسلام مکانا۔۔۔ الخ)

ناظرین کرام کی خدمت میں ہم یہاں بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صفین والے اہم واقعہ کے بعد ۴۰ھ میں صلح و مصالحت ہو گئی تھی جیسا کہ کبار مورخین نے بالتصریح ذکر کیا ہے۔

تفصیلات کے لیے ہماری تالیف ”سیرت حضرت معاویہ“ جلد اول، تحت عنوان ”حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

یہاں قابل توجہ امر یہ ہے کہ اگر معاویہ ابی سفیان رضی اللہ عنہ بقول مولفین رسالہ ایسے بُرے خصال اور بد افعال کے حامی تھے اور ایسے ظالمانہ اور فاسقانہ اوصاف رکھتے تھے تو ان کے ساتھ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں صلح و مصالحت کیسے گوارا فرمائی اور مصالحت پر باہم کیسے رضامند ہو گئے؟

اور فرموداتِ خداوندی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ۔۔۔
 الخ۔۔۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتولوا قوما غضب اللہ علیہم۔۔۔
 الخ۔۔۔ ولا تروا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔۔۔ الخ وغیرہ وغیرہ کو
 کیسے فراموش کر دیا؟؟؟

اور ان کے ساتھ صلح اور آشتی کیسے اختیار فرمائی؟
 اگر فریق بالمقابل ایسا ہی تھا جیسا کہ مولفین رسالہ نے تحریر کیا ہے تو حضرت
 علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیوں روا رکھا؟؟؟
 اور اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمودات پر کیوں عمل درآمد نہیں فرمایا؟؟ اور
 ایسے ظالموں، فاسقوں، محارم کو طلال قرار دینے والوں اور مفسدوں کے ساتھ کس
 طرح صلح فرمائی؟؟
 غور کا مقام ہے!!!

معاہدہ جنگ بندی

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ قتال صفین کے بعد ۴۰ھ میں
 دونوں فریقین کے مابین جنگ و جدال کے معاملہ میں باہم صلح ہو گئی تھی اور آپس میں
 معاہدہ جنگ بندی ہو گیا تھا اور یہ صلح نامہ مندرجہ ذیل تفصیلات پر مبنی تھا:
 (۱) ملک عراق اور اس کے ملحقہ علاقہ جات، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم
 کے تحت ہوں گے۔

(۲) ملک شام اور اس کے ملحقہ علاقہ جات حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
 کے تحت ہوں گے۔

(۳) ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال و جدال سے گریز کریں گے اور
 کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔ تصدیق کے لیے
 ملاحظہ ہو:

- (۱) تاریخ ابن جریر الطبری ص ۸۱، ج ۶، تحت ۴۲۰، طبع قدیم۔
 (۲) الکامل لابن اثیر الجزری ص ۱۹۳، ج ۳، تحت ۴۲۰، طبع مصر۔
 (۳) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۳۲۲، ج ۷، تحت ۴۲۱، طبع مصر۔
 (۴) کتاب التعمید لابن الفکور السامی، طبع لاہور، ص ۱۲۹، تحت القول الثامن فی قتل الحسین رضی اللہ عنہ۔

مزید تفصیل مطلوب ہو تو ہماری کتاب سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۲۹۸-۲۹۹، جلد اول کی طرف رجوع کریں۔

اور مولفین رسالہ نے اس پانچویں امر میں جو طریقہ اختیار کیا ہے، یہ طریق کار سو فی صد باطل ہے اور سراسر جعل سازی کے علاوہ قبائلی عناد پر مبنی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب جو نفس الامر صحیح اور درست ہیں، ان سے ہرگز انکار نہیں اور آنجناب رضی اللہ عنہ اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہیں، لیکن جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بعض مسائل میں ان کا اختلاف رائے ہوا اور امور سیاست میں ان کا نزاع پیش آیا، ان کا مقام و مرتبہ بھی اسلام میں (فرق مراتب کے باوجود) اپنی جگہ پر واجب التسليم اور لائق احترام ہے۔ ان کی وہ حیثیت نہیں ہے جس طرح کہ مولفین رسالہ ان کو گھٹا اور گرا کر ذکر کر کے اپنی قلبی عداوت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محارب ہوئے اور قتال کیا، فلہذا یہ لعن و طعن کے مستحق ہیں۔

”رسالہ“ والوں کی یہ تمام کارروائی اصولاً بھی غلط ہے اور واقعات کے اعتبار سے بھی بالکل بے جا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قتل کا الزام

- (۶) مولفین ”رسالہ“ نے اس مقام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات وارد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

...ثم مما اوجب الله له به
 اللعنه قتله من قتل خيرا من
 خيار الصحابه والتابعين
 واهل الفضل والديانه مثل
 عمرو بن الحمق وحجر بن
 عدى فيمن قتل (من)
 امثالهم... الخ... والله
 عزوجل يقول (ومن يقتل
 مومنا متعمدا فجزاؤه جهنم
 خالدا فيها وغضب الله عليه
 ولعنه واعد له عذابا عظيما-)

مفہوم یہ ہے کہ جن امور کی بنا پر اللہ
 نے ان (معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر
 لعنت فرمائی ہے، ان میں ایک چیز یہ ہے کہ
 انہوں (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
 نے بعض خیار صحابہ تابعین اور اہل فضل و
 دیانت اشخاص کو قتل کیا مثلاً عمر بن الحمق اور
 حجر بن عدی... الخ... اور اللہ عزوجل کا
 فرمان ہے کہ جس نے کسی مومن کو بالارادہ
 قتل کیا تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ
 ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا
 غضب اور لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو
 عذاب عظیم دے گا۔

الجواب

طعن مذکورہ بالا کے جواب کے سلسلہ میں حجر بن عدی الکندی عمرو بن الحمق
 الحزاعی سے متعلق چند اہم حالات جو کبار علماء اور مورخین نے اپنی اپنی تالیفات میں
 ذکر کیے ہیں، پیش خدمت ہیں، ان کو ملاحظہ کریں۔

الف۔ حجر بن عدی الکندی متوفی ۱۵ھ

عام علماء و مورخین نے انہیں صحابی لکھا ہے اور عابد و زاہد کہا ہے، لیکن دیگر
 کبار علماء مثلاً بخاری، ابن ابی حاتم الرازی، خلیفہ ابن خیاط اور ابن حبان وغیرہم نے
 حجر بن عدی کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ (واللہ اعلم)
 اور ابو بکر احمد العسکری کے قول کے مطابق اکثر محدثین حجر بن عدی کے صحابی

ہونے کو صحیح قرار نہیں دیتے۔

حجر بن عدی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جمل و صفین میں شامل تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے خاص حامیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

حجر بن عدی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریاتی طور پر سخت خلاف تھے اور حکومت وقت کے خلاف فتنہ انگیز پارٹی سے بہت متاثر تھے، بلکہ ان کے اثرات سے مغلوب تھے۔

حجر بن عدی مخالفانہ سازشوں میں شریک رہتے تھے اور مخالفین گروپ کے رئیس تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے امیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حجر بن عدی ان کے خلاف تشدد کرتے اور ہتک آمیز کلام سے پیش آتے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ درگزر فرماتے لیکن یہ حاکم وقت کے خلاف تشدد اور مخالفت سے باز نہیں آتے تھے۔

بیت المال کے اموال پر حجر بن عدی بعض اوقات تنقید کرتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وفات کے بعد امیر کوفہ زیاد بن ابیہ کے ساتھ معارضہ اور تنقید و مخالفت جاری رکھتے تھے اور بعض دفعہ ان پر کنکر بھی پھینکتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو شام میں منگوا لیا تو زیاد بن ابیہ نے ان کی سازشوں کے خلاف شہادت مرتب کر کے گواہوں کے ہمراہ خلیفہ وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیں اور لکھا کہ (الف) حجر بن عدی خلیفہ وقت پر سب و شتم کرتا ہے۔

(ب) امیر وقت کے ساتھ محاربت قائم کیے ہوئے ہے اور اس نے مخالفت کے لیے اپنی جماعت قائم کر لی ہے۔

(ج) حجر بن عدی کا قول ہے کہ آل ابی طالب کے بغیر خلافت و امارت کسی کے لیے درست نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یاد رہے کہ زیاد بن ابیہ نے جب حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کیا تو عمرو بن الحمق الخزاعی چھپ کر فرار ہو گئے اور موصل کے علاقہ میں روپوش ہو گئے۔ بقول بعض وہاں کسی غار میں داخل ہوئے اور وہیں سانپ کے ڈس لینے سے فوت ہو گئے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو ان کے امیر وقت کے خلاف سازشوں کے ثابت ہونے کے بعد اور گواہوں کی شہادت کے بعد ان پر فرد جرم قتل کا عائد کیا اور مقام عذراء میں قتل کرا دیا اور باقی کو چھوڑ دیا تھا۔

ب۔ عمرو بن الحمق الخزاعی متوفی ۵۰ / ۵۱ھ

عمرو بن الحمق عند البعض صحابی ہیں، معاہدہ حدیبیہ کے بعد یا حجتہ الوداع کے بعد اسلام لائے۔

عند المورخین مخالفین عثمان رضی اللہ عنہ میں سے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دستبرداری خلافت چاہتے تھے۔

حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے، مخالفانہ اقدامات میں برابر کے شریک تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شریک تھے اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں اعانت کی، لیکن قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں ان کا شمار نہیں۔

حجر بن عدی و عمرو بن الحمق کے تفصیلی حالات مع حوالہ جات مطلوب ہوں تو ہماری کتاب سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلد دوم، ص ۱۶۳ اور ۱۸۳ ج ۲ وغیرہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں اس کا اجمال و اختصار ذکر کیا ہے اور وہاں قتل ہذا کے اسباب و علل کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کو صحیح انداز میں تحریر کیا ہے۔

سطور بالا میں ہر دو حضرات حجر بن عدی الکندی اور عمرو بن الحمق الخزاعی کے مندرجہ کوائف پر نظر کرنے سے واضح ہے کہ ان کے نظریات خود حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اور حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے فرمودات کے خلاف و معارض تھے اور یہ لوگ اسلام کی متفقہ قوت کو پارہ پارہ کرنے کے درپے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل اسلام کی اجتماعی قوت کو برقرار رکھنے اور افتراق و انتشار کے شر و فساد کو ختم کرنے کے لیے یہ اقدامات کیے تھے اور یہ فساد فی الارض سے بچنے کی اسلامی احکامات کی روشنی میں درست اور بہتر صورت تھی۔

مخالفین اس چیز کو ظلم و قہر کا رنگ دے کر موجبات لعن و طعن شمار کرتے ہیں جو سراسر واقعات کے خلاف ہے اور آیت مندرجہ کا مصداق و محمل ہرگز نہیں۔

آیت مندرجہ کا صحیح محمل و مصداق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قصداً مسلمان معلوم کرنے کے بعد اس کے قتل کو حلال سمجھے تو ان کے لیے قرآنی وعید ہے۔ یہاں صورت دیگر تھی بلکہ قتل کے اسباب و علل موجود تھے جن کی بنا پر یہ واقعہ پیش آیا۔

استلحاق زیاد کا طعن

(۷) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن و طعن کی دیگر چیزوں کے علاوہ مولفین رسالہ نے ایک چیز یہ بھی یہاں ذکر کی ہے کہ

...ومما يستحق به اللعنه
من الله ورسوله ادعاء زياد بن
سميه جراه على الله والله
يقول ادعوهم لاباء هم هو
اقسط عند الله ورسول الله
منهم يقول وملعون من ادعى
الى غير ابيه او انتمى الى غير
مواليه ويقول الولد للفراش
مفہوم یہ ہے کہ وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت کا اس لیے مستحق ہے کہ اس نے اللہ کے حکم اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی واضح مخالفت کرتے ہوئے زیاد بن سمیہ کے حق میں استلحاق کیا اور اسے اپنا بھائی قرار دیا۔

وللعاهر الحجر مخالف
حکم اللہ عزوجل و سنتہ
نبیہ ﷺ جہارا۔

الجواب

معلوم ہونا چاہیے کہ استلحاق زیاد بن سمیہ کا مسئلہ خالص تاریخی واقعہ ہے۔ اس کو مورخین نے اپنی اپنی معلومات کے پیش نظر بیان کیا ہے اور اس واقعہ میں افراط و تفریط کے پہلو بھی پائے جاتے ہیں۔

بندہ نے اس بحث کو ”سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ“ جلد دوم میں ص ۲۱۸ تا ۲۲۷ صحیح اور معتدل انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، لہذا واقعہ ہذا کے سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہو تو مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

بقول اہل تاریخ یہ واقعہ ۴۴ھ میں پیش آیا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دور جاہلیت کے شواہد و بیانات کی بناء پر زیاد بن سمیہ سے نسبی استلحاق کا معاملہ کیا تھا، مگر وہ اس معاملہ میں بطور ایک مجتہد کے رائے رکھتے تھے۔

لیکن بعد میں اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی رائے کے خطا ہونے پر تنبہ ہوا تو پھر آپ نے سابق موقف کو ترک کر دیا اور اپنی مومنانہ شان کے ساتھ مسئلہ ہذا میں رجوع کرتے ہوئے فرمایا:

... قضاء رسول اللہ صلی
یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
اللہ علیہ وسلم خیر من فیصلہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے فیصلہ
قضاء معاویہ۔ سے بہتر اور اولیٰ ہے۔

(۱) مسند ابی یعلیٰ ص ۴۴۷، جلد سادس، تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

(۲) مجمع الزوائد للیثی ص ۹۳، جلد خامس، تحت باب الولد للفراش... الخ۔

(۳) فتح الباری شرح البخاری ص ۳۲، جلد ۱۲، تحت باب الولد للفراش حرہ کانت اوامہ۔

کسی مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کر لینا نہ اخلاقاً قبیح ہے نہ شرعاً غلط ہے اور نہ باعتبار واقعہ کے بڑا ہے۔

کبار صحابہ حضرات میں سے کئی بزرگوں سے مسئلہ شرعی میں اپنے سابق موقف سے رجوع کرنا ثابت ہے مثلاً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے متعہ کے مسئلہ میں ایک مدت تک جواز کے قائل ہونے کے بعد آخر میں متعہ کے دائماً حرام ہونے کا قول اختیار کیا اور سابق موقف سے رجوع کر لیا۔

(۱) المبسوط للرخسی ص ۹۵۲ جلد خامس، باب نکاح المتعہ۔

(۲) المعینی شرح الہدایہ ص ۷۰، جلد ثانی، تحت نکاح المتعہ۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی مسئلہ میں اپنی سابق مجتہدانہ رائے سے رجوع کر لیا اور قاعدہ شرعی ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“ کو صحیح تسلیم کیا۔ یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت داری اور اتقاء پر دال ہے نہ کہ یہ فعل لعن و طعن کا مستحق ہے۔

اندریں حالات مولفین رسالہ کا مندرجہ نصوص کا ذکر کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کا استحقاق پیدا کرنا قطعاً غلط ہے اور کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

استخلاف یزید کا اعتراض

(۸) مولفین ”رسالہ“ نے اس مقام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن و طعن کی دیگر چیزیں تحریر کرتے ہوئے آخر میں درج ذیل الفاظ میں ایک اعتراض یہ وارد کیا ہے:

حاصل اعتراض یہ ہے کہ یزید بن معاویہ بد خصال اور فطرتاً بد صفات اور متکبر تھا۔ مرنے، چیتے اور بندر اس نے پال

... ومنہ ایشارہ بدین اللہ
ودعاہ عباد اللہ الی ابنہ یزید
المتکبر الخمیر صاحب

الديوك والفهود والقروء-
واخذہ البيعه له على خيار
المسلمين بالقهر والسطوه
والتوعيد والاخافه والتهدد
والرهبه- وهو يعلم سفهه
ويطلع خبثه ورهقه وليعاین
سکراته وفجوره وكفرا---
الخ-

رکھے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے
شخص کو اللہ کے دین کے لیے (خلافت کے
لیے) ترجیح دے دی اور لوگوں کو ایسے
انسان کی طرف دعوت دی۔ معاویہ نے
لوگوں سے قہر، رعب و دبدبہ اور ظلم و
زیادتی وغیرہ سے اور ڈرا دھمکا کر یزید کے
لیے بیعت حاصل کی حالانکہ وہ اپنے بیٹے
کے خبیث، فسق و فجور اور کفر سے واقف
تھا۔

الجواب

اس طعن میں مولفین ”رسالہ“ نے جو کچھ ذکر کیا ہے، اس میں حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق قابل اعتراض صرف دو چیزیں ہیں: اولاً یہ کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل فضل اور خیار لوگوں کو چھوڑ کر ایک غیر اہل کو
خلیفہ نامزد کیا۔

اور ثانیاً یہ کہ اس استخلاف میں انہوں نے اپنے منصب اور اقتدار کو استعمال
کرتے ہوئے قہر و جبر اور ظلم و تعدی سے لوگوں سے بیعت حاصل کی۔

ان ہر دو چیزوں کا مختصراً جواب آئندہ سطور میں پیش خدمت ہے، مگر اس
اعتراض کے تحت باقی تمام مواد میں یزید کے معائب و قبائح بیان کیے گئے ہیں اور اس
میں بھی حسب معمول بیشتر مواد بے اصل اور بے سروپا ہے جس کا واقعات نفس
الامر سے کچھ تعلق نہیں۔ یزید کے حق میں داستان طعن کو بڑھانے کے لیے یہ مواد
شامل کیا گیا ہے۔

اس معاملہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی نہیں

ہے، اس لیے اس سے متعلق مطاعن کے جوابات کے ہم ذمہ دار نہیں اور نہ ہی ہم اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اپنے غلط اقوال اور ناجائز افعال کا یزید خود ذمہ دار ہے، اس کا وہ جواب وہ ہوگا۔

یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق مذکورہ بالا اعتراض کے جواب کے لیے یہ چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ استخلاف یزید کے طعن کو بندہ نے قبل ازیں اپنی تالیف سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حصہ دوم میں بعنوان ”مسئلہ استخلاف یزید“ مفصلاً بیان کر دیا ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو مذکورہ مقام کی طرف رجوع فرمائیں، تاہم اس مقام میں مختصراً جواب پیش خدمت ہے۔

اولاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور کے حالات کے پیش نظر اپنے فرزند کو خلیفہ بنایا باوجود اس کے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں یزید سے افضل لوگ موجود تھے۔ اس چیز کو کبار مورخین نے اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ

... وكذا لك عهد معاوية الى يزيد خوفا من افتراق الكلمة بما كانت بنو اميه لم يرضوا تسليم الامر من سواهم فلو قد عهد الى غيره اختلفوا عليه مع ان ظنهم كان به صالحا ولا يرتاب احد في ذلك ولا يظن بمعاوية غيره فلم يكن ليعهد اليه - وهو يعتقد ما كان عليه من الفسق حاشا لله لمعاوية من ذلك -

(مقدمہ لابن خلدون ص ۳۶۵، جلد اول، تحت انقلاب الخلافہ الی الملک، طبع بیروت)

اور دیگر مقام پر تحریر کیا ہے کہ

... والذي دعا معاوية لايثار ابنه يزيد بالعهد دون من سواه انما هو مراعاة المصلحت

مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند یزید کو جو منصب خلافت کا سپرد کیا تھا

فی اجتماع الناس واتفاق
 اهوائهم باتفاق اهل الحل
 والعقد علیہ حینذ من بنی
 امیہ اذ بنو امیہ یومئذ لا
 یرضون سواهم وهم عصابہ
 قریش واهل المملہ اجمع واهل
 الغلب منهم اثرہ بذالک دون
 غیرہ ممن یظن انہ اولی بہا۔

وہ کلمہ اہل اسلام میں افتراق و انتشار سے
 بچانے کی بناء پر تھا۔ اس سبب سے کہ قبیلہ
 بنو امیہ امر خلافت کو اپنے سوا کسی دوسرے
 کی طرف سپرد کر دینے پر آمادہ نہیں تھے۔
 اگر یہ معاملہ ان کے غیر کی طرف سپرد کیا
 جاتا تو یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کے ساتھ اختلاف کر دیتے اور
 ایک عظیم انتشار کھڑا ہو جاتا۔

(مقدمہ لابن خلدون الفصل الثلاثون فی دلایہ العهد ص ۲۱۱، طبع مصر، ص ۲۷۲-۲۷۳، طبع بیروت)
 نیز یہ بات بھی ہے کہ یزید کے متعلق ان کو بہتر گمان تھا اور اس میں کوئی شک
 نہیں کہ بظاہر کوئی چیز خلاف شرع نہ پائے جانے کی وجہ سے ان کا یہ ظن درست
 تھا۔ یزید میں فسق و فجور ظاہری طور پر بر ملا پایا جائے اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ
 ذمہ داری اس کے سپرد کریں حاشا وکلا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ کی دیانت داری سے
 بعید ہے۔

اور جس دور میں یزید کا انتخاب اور نامزدگی کی گئی اس دور میں یزید کے مفسد
 اور قبائح علانیہ طور پر موجود نہیں تھے۔

بیعت بالاکراہ کا اعتراض

معترضین کی طرف سے دوسرا اعتراض کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ نے جبر و
 اکراہ، ظلم و تعدی وغیرہ سے اپنے بیٹے کے لیے بیعت خلافت حاصل کی تو اس سلسلہ
 میں اتنی گزارش ہے کہ در حقیقت بیعت یزید کا مسئلہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ کے درجہ
 میں تھا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ کی طرف سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور
 اس میں معمول کے مطابق اختلاف رائے بھی ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ اس

دور کے حالات اور سیاسی و ملی مصالح کے پیش نظر اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے۔ پھر اس سلسلہ میں لوگوں پر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ شیعہ مورخین جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف و معاند ہیں، انہوں نے بھی برملا طور پر اپنی تواریخ میں تحریر کیا ہے کہ

... وحج معاویہ تلک السنہ فتالف القوم ولم یکرہہم علی البیعت۔
مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سال حج کیا اور قوم کے ساتھ الفت سے پیش آئے اور بیعت (یزید) پر ہرگز کسی کو مجبور نہیں کیا۔

(تاریخ یعقوبی ل احمد بن یعقوب الکاتب المعروف یعقوبی الشیعی ص ۲۲۹ ج ۲ تحت واقعات وفات امام حسن رضی اللہ عنہ، ۴۳۹ھ) طبع بیروت

فلذا مورخین ”رسالہ“ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراضات جو قائم کیے گئے ہیں، ان میں کچھ صداقت نہیں۔ بالکل بے اصل اور بے سروپا ہیں اور واقعات نفس الامر کے خلاف ہیں اور اس مسئلہ پر ہم نے کبار مورخین سنی و شیعہ کے حوالہ جات پیش کر دیئے ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں

اہم واقعات اور ان کی ملی خدمات

سطور ذیل میں ہم عہد نبوت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند ایک اہم واقعات اور ان کی ملی خدمات بالاختصار پیش کرتے ہیں۔

ان امور پر غور کرنے سے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام میں ان کا صحیح مقام و مرتبہ واضح ہو سکے گا اور معترضین جو ان پر اعتراضات وارد کرتے ہیں، ان کا بالواسطہ جواب بھی ان میں موجود ہوگا۔

(۱) حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر نسبتی ہیں، کیونکہ جناب ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنمو صوف کی ہمشیرہ ہیں۔

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرۃ القضاء کے موقعہ ۷ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کا اسلام لانا جناب نبوت میں مقبول ہوا اور فتح مکہ ۸ھ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے قبیلہ کے ہمراہ حاضر ہوئے۔

بروایت دیگر امیر معاویہ کہتے ہیں کہ جب فتح مکہ ہوئی تو میں نے اسلام کو ظاہر کر دیا اور آنجناب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ازراہ کرم نوازی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مرحبا فرمایا۔

(۳) اس کے بعد اسلام میں غزوہ ”حنین“ اور غزوہ ”طائف“ پیش آیا تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مجاہدین اسلام کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، مذکورہ غزوات میں شریک ہوئے۔ ان غزوات میں ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ، اور بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو اموال غنائم سے وافر حصہ عطا فرمایا۔

(۴) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کو دیگر کاتبین وحی کے ساتھ کتابت وحی و غیروجی کا منصب عطا ہوا اور مزید مراسلات نبوی اور فرمان نویسی کی ذمہ داری بھی ان کو نصیب ہوئی۔

(۵) اسلام میں بعض اوقات اراضی کی تقسیم و تسلیم کا معاملہ پیش آیا تو بفرمان نبوت یہ منصب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کو تفویض کیا گیا۔

(۶) بعض مواقع میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قصر شعر (بال تراشنے) کی ضرورت پیش آتی تو یہ سعادت بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کو حاصل ہوئی۔

(۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کسی امتی کے حق میں دعائے خیر کے کلمات صادر ہونا بہت بڑی فضیلت اور خیر و برکت کی چیز ہے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد کلمات دعائیہ ثابت ہیں۔

اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں ہی کے فیوض و برکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلام میں دینی و ملی خدمات بجالانے کا موقع ملا۔

(۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبرکات نبوی ﷺ بھی حاصل تھے جو ایک مومن کے لیے غنیمت بارہ ہیں۔ مثلاً چادر مبارک، موئے مبارک، ناخن مبارک کے تراشے ان کو حاصل تھے، چنانچہ حسب وصیت آخری مراحل میں ان تبرکات کے ساتھ ان کا سفر آخرت شروع ہوا۔

(نوٹ): مندرجہ بالا امور کی تفصیلات اور حوالہ جات کے لیے ہماری تالیف سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلد اول، دور اول اور دور چہارم کی فصل ۱۱ کی طرف رجوع فرمائیں۔

تنبیہ

ناظرین کرام کی خدمت میں یہاں ضروری گزارش ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مندرجہ بالا ایک ایک چیز پر نظر غائر فرمائیں اور پھر اس کے بعد ”رسالہ“ مذکورہ مرتب کرنے والے کے مطاعن پر نظر کر کے باہم موازنہ کریں۔

ایسے مقتدر صحابی رضی اللہ عنہ جن کے حق میں یہ امور فضیلت موجود ہیں، ان پر لعن و طعن قائم کرنے کا کیا جواز ہے؟ اور جو روایات اور واقعات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں موجبات لعن و طعن کے معاندین نے پیش کیے ہیں، وہ نفس الامر میں کس طرح صحیح قرار دیئے جاسکتے ہیں؟

ایک طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں مذکورہ امور فضیلت موجود ہوں اور دوسری طرف وہ روایات جو مولفین ”رسالہ“ نے ذکر کی ہیں، پیش کی جائیں تو اس کی باہم مطابقت اور موافقت کی کوئی صورت ممکن نہیں ہو سکتی اور کوئی دانشمند اور انصاف پسند آدمی لعن و طعن کی ان روایات کو صحیح قرار نہیں دے سکتا، ان میں بون بعید ہے۔

فلذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو امور فضیلت حاصل ہیں، ان تاریخی ملغوبات اور وضعی و جعلی روایات کے ذریعے ان کی تعلیط نہیں کی جاسکتی اور اسلام میں آنمو صوف رضی اللہ عنہ جس مقام و مرتبہ فضیلت پر فائز ہیں، اس سے انہیں گرایا نہیں جاسکتا۔

مندرجات ”رسالہ“ کا تجزیہ

ناظرین باتمکین کی خدمت میں ”رسالہ“ مذکورہ میں مندرجہ روایات کے متعلق ہم ایک تجزیہ پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس رسالہ کے مندرجات کا کتاب اللہ سے متضاد ہونا اور ارشادات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعارض ہونا اور اس مواد کافن روایت کے قواعد و ضوابط اور فرمودات علمائے امت کے برعکس ہونا بر ملا طور پر ثابت ہو جائے اور ناواقف کار و کم علم قاری، رسالہ مذکور کے مندرجات پر نظر کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف کسی غلط فہمی اور بدگمانی کا شکار ہو کر ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف سوء ظنی میں مبتلا نہ ہو سکے۔

(وما توفیقی الا باللہ)

پہلے ان مندرجہ روایات کا کتاب اللہ سے متضاد ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) ارشادات خداوندی سے متعارض ہونا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والے اور فتح مکہ

کے بعد اسلام لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں فریق کے حق میں جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

..... وکلا وعد اللہ الحسنی - (الحمد، پ ۲۷)

اور دوسرے مقام پر فرمانِ خداوندی ہے کہ

... ان الذین سبقت لہم منا الحسنی اولئک عنہا مبعدون - (الانبیاء پ ۱۷)
یعنی بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے حسنی (جنت) کا وعدہ ہماری جانب سے پہلے ہو چکا ہے، وہ (دوزخ سے) دور رکھے جائیں گے۔

قرآن مجید کی ان ہر دو آیات میں اللہ کریم نے تمام صحابہ کے حق میں اہل جنت ہونے کا وعدہ فرمایا ہے کہ قبیلہ یا افراد کو مستثنیٰ نہیں فرمایا اور ان میں سے کوئی بھی صحابی دوزخ میں ہرگز داخل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان آیات کریمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خاص خطاب ہے اور ان کے حق میں ہی یہ فرمودات خداوندی وارد ہیں۔

(۱) الاصابہ للابن حجر ص ۹۹، جلد اول، خطبہ الکتاب، الفصل الثالث فی بیان حال الصحابہ من العداۃ۔

(۲) عقیدۃ السفارینی للشیخ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی ص ۳۷۲، جلد ثانی، طبع اول، مصر

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ

... یوم لا ینحزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ نورہم ینسعی بین یدیہم وبایمانہم... الخ۔
یعنی جس دن کہ اللہ تعالیٰ ذلیل نہیں کرے گا، اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور نہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، ان کے ساتھ ان کا نور ایمان ان کے سامنے

(التحریم پ ۲۸) اور دائیں جانب دوڑتا ہوگا۔۔۔ الخ۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لانے والے

اموی صحابہ کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا تو ظاہر ہے کہ ان کا مصداق تمام صحابہ ہیں۔ ایک مومن مسلمان شخص آیات خداوندی کی تکذیب ہرگز نہیں کر سکتا تو واضح بات ہے مولف ”رسالہ“ کا جمع کردہ مواد قابل رد اور باطل ہی ہوگا اور بلا استثناء تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف سب و شتم اور لعن طعن کرنا اور ان کو بدگوئی سے یاد کرنا ممنوع ہوگا۔

(۲) فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارض ہونا

ارشادات باری تعالیٰ کی روشنی میں ایک مختصر تجزیہ پیش کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو فرمودات ہیں، ان میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ پھر مندرجات ”رسالہ“ کے ساتھ ان کا متعارض ہونا اور مخالف ہونا درج کریں گے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں بے شمار فضائل و مکارم بیان فرمائے ہیں اور ان کی بلندی مقام اور رفعت منزلت کو واضح فرمایا ہے اور ان کے اکرام و احترام ملحوظ رکھنے کو بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کے حق میں سب و شتم و لعن و طعن کرنے سے امت کو بر ملا منع فرمایا ہے۔ ان تمام مقامات میں کسی قبیلہ یا افراد کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا۔ تمام صحابہ کے حق میں یہ فرمودات ایک جیسے ہیں۔

چنانچہ ذیل میں چند ایک ارشادات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم تحریر کرتے ہیں، ان پر غور فرمائیں:

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی مثال معاون (کانوں) کی طرح ہے جیسا کہ سونا اور چاندی کی کانیں

... قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الناس معادن كمعادن الذهب والفضة

ہوں۔ جاہلیت کے دور (قبل اسلام) میں جو لوگ بہترین و پسندیدہ تھے، اسلام میں بھی وہ لوگ پسندیدہ ہیں۔ جبکہ دینی مسائل میں سمجھ پیدا کر کے اسلام پر عمل پیرا ہوں۔

خيارهم في الجاهلية
خيارهم في الاسلام اذا فقهوا۔
(رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف، ص ۳۲، بحوالہ مسلم، کتاب العلم، الفصل الاول، طبع دہلی)

تنبیہ

اس فرمانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مردم شناسی کی طرف اشارہ ہے جو قبائل اخلاص کے ساتھ ایمان لائے، ان کی اسلام میں قدر شناسی کی گئی اور اسلامی معاشرہ میں ان کی توقیر کا لحاظ رکھا گیا اور خیار فی الاسلام کے القاب کے ساتھ ان کی عزت افزائی کی گئی۔

یہ امور تمام صحابہ کے حق میں منقول ہیں، کسی قبیلہ یا فرد کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا: (۲) ایک بار حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں انتظامی ضروریات کے تحت جابیہ کے مقام میں تشریف لے گئے۔ کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضرین مجلس تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم خطبہ کی صورت میں حاضرین مجلس کو خطاب فرمایا۔ اس میں فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے:

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح میں تمہارے درمیان کھڑا ہوں اور خطبہ دے رہا ہوں، اسی طرح ایک دفعہ جناب رسول خدا ﷺ نے ہمارے درمیان خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے اصحاب کا اکرام اور عزت کرو یہ لوگ تم میں سے بہترین اور اختیار افراد

... فقال ان رسول الله صلى
الله عليه وسلم قام فينا
مقامي فيكم فقال اكرموا
اصحابي فانهم خياركم ثم
الذين يلونهم ثم الذين
يلونهم... فمن سره بحبوحه
الجنة فعليه بالجماعه فان

ہیں۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ بہتر ہیں جو ان کے ساتھ ملنے والے ہیں اور پھر وہ لوگ جو ان ملنے والوں کے ساتھ ملنے والے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس شخص کو وسط جنت مطلوب ہو، وہ جماعت کے ساتھ رہے اور جماعت کو لازم پکڑے کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والے شخص کے ساتھ شیطان لگ جاتا ہے۔

الشیطن مع الفذ... الخ۔

تنبیہ

ان ارشادات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی بلا استثناء تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے اکرام و توقیر کا حکم فرمایا گیا ہے اور جماعت اسلام کے ساتھ لازم رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۳) اور ایک دیگر روایت میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماں نبوت نقل کرتے

ہیں:

یعنی ارشاد فرمایا کہ میرے اصحاب کو برا مت کہو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر احد کے پہاڑ کے برابر زر کثیر صدقہ کرے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک مد (سیر) کے برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

... قال النبی ﷺ لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ۔ (متفق علیہ)

(۱) مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۳، الفصل الاول، باب مناقب الصحابہ۔

(۲) الاعتقاد علی مذہب السلف للیسقطی، ص ۳۲۰، باب القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، بیروت۔

یہاں بھی تمام اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حکم دیا گیا کہ کسی بھی صحابی کو بڑے کلمات سے یاد مت کرو۔ یہاں کسی فرد، قبیلہ یا جماعت کو مستثنیٰ نہیں فرمایا گیا بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے یکساں حکم ہے۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ

... قال رسول اللہ ﷺ لا تسبوا اصحابی لعن اللہ من سب اصحابی - (رواہ الطبرانی فی الاوسط و رجالہ رجال الصحیح غیر علی بن محل و موثقہ - مجمع الزوائد لنور الدین الیثمینی ص ۲۱، جلد ۱۰، تحت باب مناقب و فضائل)

یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اصحاب کو سب و شتم مت کرو۔ جو میرے صحابہ کو سب و شتم کرے، اس پر اللہ تعالیٰ لعنت برسائے۔

(۵) ابن بطہ صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

... انه قال لا تسبوا اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فلمقام احدہم ساعہ یعنی مع النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خیر من عمل احدکم اربعین سنہ و فی روایہ و کیع خیر من عبادہ احدکم عمرہ ہذا۔

یعنی اپنے مخاطبین کو ہدایت کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو برا بھلا مت کہو، اور سب و شتم نہ کرو کیونکہ ان کا مرتبہ یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک گھڑی کا قیام اور حاضر رہنا تمہارے چالیس برس کے عمل سے بہتر ہے بروایت و کیع تمام عمر کی عبادت سے افضل ہے۔

(۱) الاعتقاد علی مذہب السلف للیثقی، ص ۳۲۳، باب القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم، طبع بیروت۔

(۲) شرح المحلویہ فی عقیدۃ السلفیہ لصدر الدین علی بن ابی العزیز الحنفی ص ۳۱۷، تحت قولہ ونحب اصحاب رسول اللہ۔

(۳) شرح فقہ اکبر ملا علی القاری ص ۸۳، طبع مجتبائی دہلی، تحت تسمیہ اہل السنہ فی تسمیہ

تنبیہ

مندرجات بالا سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بلا استثناء تمام جماعت فضائل و محامد کی حامل ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی لعن و طعن اور سب و شتم کرنے سے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ تو بنو امیہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی زمرہ میں آ گئے اور یہ ہدایات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سب صحابہ کے لیے عام ہیں۔ ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی اموی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مستثنیٰ نہیں فرمایا گیا۔ فلذا یہ ارشادات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام صحابہ کے حق میں یکساں اور برابر ہیں۔

یہاں قابل توجہ یہ بات ہے کہ طبری والے (رسالہ) مذکورہ کے مندرجات ان فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل متعارض اور خلاف ہیں۔ بنا بریں ارشادات نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رو سے ”رسالہ“ مذکور کی وہ روایات جن میں سب و شتم کیا گیا ہے اور لعن و طعن کا موجب قرار دی گئی ہیں، وہ بالکل باطل ہیں اور مردود ہیں۔

(۳) فن روایت کے ضوابط کے منافی ہونا

اس کے بعد ہم یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ ”رسالہ“ مذکورہ کے مندرجات فن روایت کے قواعد و ضوابط کے بھی خلاف ہیں اور جو کچھ علماء امت نے قبول روایت

کے لیے قواعد و ضوابط بیان فرمائے ہیں، اُن سے متعارض و متضاد ہیں۔
چنانچہ اس فن کے علماء نے ایک حدیث مرفوع بطور قاعدہ کے بیان فرمائی ہے
اور اس سے قبول روایت کے ضابطے مستنبط کئے ہیں۔ پہلے وہ مرفوع حدیث درج کی
جاتی ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تصنیف ”کتاب الکفایہ“ میں وہ روایت ذکر کی
ہے:

... عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم انه قال سیاتی
عنی احادیث مختلفہ فما
جاء کم موافقا لکتاب اللہ
تعالی و سنتی فہو منی وما
جاء کم مخالف لکتاب اللہ
تعالی و سنتی فلیس منی۔
(کتاب الکفایہ للخطیب
یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا کہ میری طرف منسوب شدہ
مختلف قسم کی روایات عنقریب تمہارے
پاس پہنچیں گی۔۔۔ جو روایات کتاب اللہ
اور میری سنت کے مطابق ہوں، وہ درست
ہوں گی اور جو کتاب اللہ اور میری سنت
کے معارض اور متضاد ہوں وہ میری طرف
سے نہیں ہوں گی۔)

(بغدادی، ص ۴۳۰، طبع حیدر آباد دکن)

پس یہاں سے روایت کے رد و قبول کا ضابطہ متعین ہو گیا۔ بنا بریں کبار علماء
امت نے اس کی روشنی میں مندرجہ ذیل ہدایات ذکر کی ہیں:

... اذا کان الحدیث مخالف لکتاب اللہ تعالی فانہ لا

یکون مقبولا ولا حجه للعمل بہ... الخ۔

(اصول السرخی ص ۳۶۴، ج اول، تحت بحث روایت، منقطع، طبع اول، دکن)

نیز اسی طرح ابوبکر السرخی تھوڑا سا آگے چل کر پھر لکھتا ہے کہ

... ان کل حدیث ہو
مخالف لکتاب اللہ تعالی
فہو مردود۔ (اصول السرخی
یعنی علامہ السرخی فرماتے ہیں کہ جب
روایت کتاب اللہ کے مضمون کے مخالف
پائی جائے، وہ ہرگز مقبول نہیں اور نہ ہی وہ

ص ۳۶۵، جلد اول، تحت بحث روایت، عمل کرنے کے لیے حجت ہے اور ایسی روایت مقبول نہیں بلکہ مردود ہے۔

اسی طرح یہ مضمون مقام ذیل میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

... توضیح وتلویح بحث سنت فصل فی الانقطاع۔

(۲) اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی اسی قاعدہ کو عبارت ذیل میں ذکر کیا ہے:

... ولا یقبل خبر الواحد فی منافاه حکم العقل وحکم القرآن الثابت المحکم والسنہ المعلومہ والفعل جاری مجری السنہ وکل دلیل مقطوع بہ۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ جو روایت حکم عقل کے برخلاف قرآن محکم کے حکم کے برخلاف اور سنت مشورہ معلومہ کے برخلاف اور اس فعل کے برخلاف جو قائم مقام سنت کے ہے اور ہر یقینی دلیل کے برخلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں (بلکہ وہ قابل رد ہے)

(۱) کتاب الکفایہ للخطیب البغدادی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۴۳۲، تحت باب ذکر ما یقبل فیہ خبر الواحد وما لا یقبل فیہ، طبع اول دکن۔

(۲) تزییمہ الشریعہ المرفوعہ لابن عراق الکنانی ص ۹، تحت فصل فی حقیقۃ الموضوع۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طبری والے ”رسالہ“ میں مندرجہ روایات مذکورہ بالا ان قواعد و ضوابط کے قطعاً خلاف پائی گئی ہیں۔

کیونکہ رسالہ مذکورہ میں مندرجہ روایات میں بنو امیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر نام لے کر سب و شتم کیا گیا ہے اور ان روایات کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو موجب لعن و طعن ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے، حالانکہ ارشادات خداوندی و فرمودات نبوی ﷺ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں بہتر ثناء و توصیف بیان کی گئی اور فضائل و محامد ان کے بے شمار مقامات میں ذکر کیے گئے ہیں۔

فلذا وہ روایات کتاب و سنت کے مضمون اور قواعد و ضوابط کے برخلاف ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی جاسکتیں اور نہ ہی ایسی روایات قابل حجت قرار دی جاسکتی ہیں۔

علمائے امت کے بیانات

بحث ہذا میں بعض علماء نے خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ذکر کر کے تصریح کر دی ہے کہ ان کی مذمت میں جو روایات چلائی اور پھیلائی گئی ہیں، وہ جعلی اور وضعی ہیں۔

چنانچہ ابن قیم اور ملا علی القاری نے بحث ہذا کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ

...ومن ذلک الاحادیث فی
ذم معاویہ... کل حدیث فی
ذمہ فہو کذب۔ (۱) المنار المین
لابن قیم ص ۱۱۷، تحت فصل ۳، طبع
حلب۔ (۲) الاسرار المرفوعہ فی اخبار
الموضوعہ لعلی القاری ص ۳۷۷، تحت
فضل الفضائل والمثالب، طبع جدید۔

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
کی مذمت میں جو روایات پائی جاتی ہیں، وہ
ضعی اور جعلی ہیں اور دوسرے مقامات
میں تحریر کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی مذمت میں جو روایت پائی
جائے وہ دروغ ہے۔

فلذا طبری والے ”رسالہ“ میں جو حضرت امیر معاویہ کی مذمت و تنقیص میں
مرویات نقل کی گئی ہیں، وہ علماء کی تصریحات کی روشنی میں بالکل بے سروپا اور جعلی
ہیں۔

اختتامی تجزیہ

گزشتہ صفحات میں رسالہ مذکور کے مندرجات کا کتاب و سنت، قواعد و ضوابط
اور علمائے امت کے فرمودات کے ساتھ متعارض اور متخالف ہونا پیش کیا گیا ہے۔

اب ہم اس بحث کے آخر میں ناظرین کرام کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہم منفرد نہیں ہیں بلکہ اس فن کے کبار علماء نے صدیوں پہلے ”رسالہ“ مذکور کے مندرجات کا رد کر دیا ہے اور اس کی روایات کا بطلان خوب واضح کر دیا ہے۔
ذیل میں ان کبار علماء کی عبارات برائے ملاحظہ پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کو اطمینان ہو جائے۔

----- (۱) -----

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری نے معتقد باللہ کے اسی ”رسالہ“ کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ میں نقد و تنقید کی ہے:

... انه قد استدل فیہ
باحادیث کثیرہ علی وجوب
لعنتہ عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم لا تصح۔
یعنی صاحب رسالہ نے بہت سی
احادیث کے ساتھ وجوب لعن معاویہ رضی اللہ
پر استدلال کیا ہے، لیکن وہ روایات صحیح
نہیں ہیں۔ (اور بے اصل ہیں)

(تاریخ الکامل للابن اثیر الجزری ص ۸۵، جلد سادس، تحت سنہ ۲۸۴ھ)

----- (۲) -----

اور علامہ شمس الدین الذہبیؒ نے اپنی مشہور تصنیف ”تاریخ الاسلام“ میں ”رسالہ“ بڑا کئے متعلق اپنی محققانہ رائے درج ذیل الفاظ میں تحریر کی ہے:

... ثم ذکر احادیث و امیہ
موضوعہ فی ذم ابی سفیان
و بنی امیہ... الخ۔
یعنی (صاحب ”رسالہ“ نے) ابوسفیان
اور بنو امیہ کی مذمت کی کئی بے اصل اور
جعلی روایات ذکر کی ہیں۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ص ۱۸-۱۹، تحت ۲۸۴ھ، طبع بیروت ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء)

----- (۳) -----

اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تصنیف ”البدایہ والنہایہ“ میں المعتضد باللہ کے اس ”رسالہ“ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ابوسفیان رضی اللہ عنہ، وغیرہم پر لعن طعن کی متعدد روایات جمع کی گئی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان روایات پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

... واورد فیہا الاحادیث
یعنی (صاحب رسالہ نے) حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں بہت سی باطل
احادیث درج کی ہیں۔ (جو بالکل دروغ بے
فروغ ہیں)

آخر کلام

یہ چند سطور ”رسالہ“ مندرجہ کے جواب میں مرتب کی ہیں، مقصد یہ ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے دفاع کیا جائے اور ان کے مقام و مرتبہ کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔

جن لوگوں نے اس نوع کا رسالہ مرتب کرایا تھا ان کے پیش نظر سیاسی و مذہبی تعصبات تھے۔ فلذا ہمیں ان چیزوں سے ہرگز متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوہ والسلام
علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔



فصل پنجم

(شیعہ) افلح اکیڈمی کراچی کے
اشتہار کا جواب

ہامدا و مصلیا و مسلما

شیعہ کی طرف سے سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بیشتر مطاعن نشر کیے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے اہل اسلام کے قلوب پریشان اور مجروح ہوتے ہیں۔ یہی چیز باہمی انتشار کا باعث بنتی ہے اور وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ یہ ان لوگوں کا دیرینہ شیوہ چلا آ رہا ہے۔ اب حال ہی میں شیعوں نے ”افلح اکیڈمی پاکستان یونٹ کراچی“ کی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا ہے۔

اس میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر شدید طعن وارد کر کے مسلمانوں کے دلوں کو دکھایا ہے اور ان کے حق میں بدظنی پھیلائی ہے۔ اس کے جواب کے لیے یہ چند کلمات تحریر کیے گئے ہیں تاکہ اس مفسدہ کا ازالہ ہو اور مسلمانوں سے پریشانی برطرف ہو سکے۔

(دُعاگو: محمد نافع عفا اللہ عنہ)

اعتراض

(۱)

”حضرت ابو بکر میں شرک چیونٹی کی چال چلتا تھا“

الجواب

معارض نے حدیث شریف کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے (کتاب ”ادب المفرد“ کتاب الادعاء ص ۲۳۴) اس روایت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو شرک خفی سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اور اس مقام میں شرک سے مراد ”شرک خفی“ ہے۔ شرک جلی تو اپنی جگہ مذموم و متروک ہے لیکن یہاں شرک خفی سے بھی اجتناب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

یہ چیز یہاں قابل ذکر ہے کہ کلام ذکر کرتے وقت بعض اوقات حاضرین کو خطاب کرنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہاں آنے والے لوگ مخاطبہ ہوتے ہیں اور ان کے حق میں خطاب ہوتا ہے اور ان کے لیے کلام چلایا جاتا ہے۔
جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

...قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون في آخر الزمان دجالون كذابون ياتونكم من الاحاديث ما لم تسمعوا انتم ولا آباءكم فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم۔

پس اس روایت میں مخاطب موجود لوگ نہیں بلکہ آنے والے امت کے لوگ مراد ہیں۔ اسی طرح الشُرک فیکم والی روایت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خصوصی خطاب مقصود نہیں ہے کہ ان کو شرک میں مبتلا تسلیم کیا جائے بلکہ عام امت کو سمجھانا مطلوب ہے۔

(مسلم شریف ص ۹-۹۰ ج اول، باب النبی عن الروایہ عن الغففاء... الخ)

اس چیز کا قرینہ یہ ہے کہ اس روایت میں ”فیکم“ کے کلمات ہیں جو جمع مذکر مخاطب کے لیے ہوتے ہیں، فلذا یہ عمومی خطاب ہے۔ خصوصی ایک فرد کے لیے خطاب نہیں۔

دیگر قرینہ یہ ہے کہ روایت ہذا کے دیگر طرق میں یا ایہا الناس اور فی امتی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

ان قرائن کی بناء پر واضح ہو گیا کہ یہ خطاب خصوصی طور پر حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے لیے نہیں، بلکہ امت کے عام مسلمانوں کے حق میں ہے۔

الشُرک فیکم... الخ والی روایت میں جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے کہ یہاں شرک خفی سے اجتناب کی تلقین افراد امت کو فرمائی گئی ہے۔

شرک خفی کے متعلق صوفیائے کرام اور علمائے کبار نے اپنی جگہ پر تصریحات ذکر کی ہیں۔ بقدر ضرورت جس صاحب کو تشریح مطلوب ہو تو وہ شیخ عبدالرؤف المناوی کی تصنیف فسطح القدر، جلد رابع، ص ۱۷۳، ج ۴، تحت روایت الشُرک فیکم... الخ، ملاحظہ فرمادیں۔

شیخ المناوی رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دے کر ذکر کرتے ہیں کہ ”شرک خفی کے مفاسد و مصائب کے وقوف سے بڑے بڑے ماہرین فضلاء

عاجز آچکے ہیں، چہ جائیکہ عام لوگ اس پر مطلع ہوں۔“

شرک خفی نفس کے آخری مہالک اور انتہائی باطنی مکاید میں سے ہے۔ (اس سے بچنا کوئی سہل کام نہیں)

یاد رہے کہ ریاکاری، سمعت، عجب، تکبر، حرص وغیرہ وغیرہ اشیاء شرک خفی کے زمرہ میں شمار کی جاتی ہیں۔

حتیٰ کہ احادیث میں وارد ہے کہ

... وادناہ (شرک خفی) ان تحب علی شی من الجور۔ او

تبغض علی شی من العدل... الخ۔

(حلیۃ الاولیاء ص ۳۶۸ ج ۸، تحت معروف کرنی رحمۃ اللہ علیہ)

مزید تفصیلات کے لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روایت بالا میں زبان نبوت سے شرک خفی سے اجتناب کرنے کے لیے امت کو ہدایت فرمائی جا رہی ہیں اندریں حالات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شرک سے ملوث قرار دینا بالکل واقعات کے برخلاف ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اول سے آخر تک تمام زندگی اخلاص فی العمل کی ہے اور ایمان و یقین سے منور ہے۔

آپ جناب نبی اقدس ﷺ کی متبرک مجالس کی حاضر باش جلیس ہیں اور خصوصی مشاورتوں میں شرکت کے اعزاز یافتہ ہیں۔ ان کی طرف شرک کا انتساب کرنا گویا حقائق کا انکار ہے اور قرآنی نصوص کی تکذیب ہے۔

معتزمین اس روایت (الشُرک فیکم... الخ) میں ”کلمہ حق ارید بہا الباطل“ والا معاملہ کر کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افتراء عظیم

باندھ رہے ہیں۔

اعتراض

(۲)

”حضرت عمر کا اقرار کہ خدا کی قسم میں منافقین میں سے ہوں“

(بحوالہ فتح الباری ص ۳۴، جلد ۱۲، عبارت اشتہار از اذائع اکیڈمی، کراچی)

الجواب

معتزمین کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقرار نفاق کا اعتراض کیا جاتا ہے اور اب اس کو بصورت اشتہار بھی نشر کیا گیا ہے۔

جس عبارت سے طعن اخذ کیا جاتا ہے، وہ یعقوب بن سفیان البسوی (البسوی کو الفسوی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے) کی تصنیف ”کتاب المعروف والتاریخ“ میں پائی جاتی ہے۔

بعدہ بعض دیگر مؤلفین نے مذکورہ بالا کتاب سے یہ عبارت اپنی اپنی تالیفات میں نقل کی ہے اور بعض جگہ ساتھ ہی روایت پر نقد و جرح بھی موجود ہے۔

اولاً: روایت ہذا کا راوی (زید بن وہب الجہنی) ہے جس کے متعلق خود مولف کتاب المعروفہ والتاریخ کے علاوہ دیگر علماء رجال نے توثیق ذکر کرنے کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ اس کی حدیث میں ضعف پایا جاتا ہے۔
اور نیز لکھا ہے کہ... حدیث زید فیہ خلل کثیرا۔

(کتاب المعروفہ والتاریخ البسوی ص ۷۶۸-۷۶۹، جلد ثانی)
اسی طرح حافظ ابن حجر نے زید بن وہب الجہنی کی توثیق ذکر کرنے کے بعد درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

...انہ کبر وتغیر ضبطہ
ومات سنہ ست وتسعين -
(الاصابہ لابن حجر العسقلانی ص ۵۶۷، ج
اقل، تحت روایت نمبر ۳۰۰)
مطلب یہ ہے کہ جہنی ہذا کی روایت
میں خلل کثیر پایا جاتا ہے اور یہ شخص معمر
ہو گیا اور اس کا ضبط متغیر ہو گیا۔ اس کی
وفات ۹۶ھ میں ہوئی۔

ثانیاً یہ چیز ہے کہ اگر اس روایت کے ضعف اور مجروح ہونے سے صرف نظر بھی کر لی جائے تو بھی اصل واقعہ کے متعلق محدثین اور علمائے کبار نے جو حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ان کلمات کا مفہوم و محمل ذکر کیا ہے، اس کے معلوم کر لینے کے بعد اعتراض ہذا بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔

(۱) چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے یہی مسئلہ ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ
ایک شخص منافقین میں سے فوت ہو گیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس پر نماز
جنازہ نہیں پڑھی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

...امن القوم هو؟ قال نعم!
فقال له عمر رضي الله تعالى
عنه بالله عنهم انا؟ قال لا ولا
اخبر به احدا بعدك۔ (المصنف
لابن ابی شیبہ ص ۱۰۷، ج ۱۵، کتاب الفتن،
مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ
کیا یہ شخص منافقین میں سے تھا۔ حضرت
حذیفہ نے فرمایا: ہاں! تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ کیا میں منافقوں میں سے

طبع کراچی) ہوں؟؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بالکل نہیں (آپ ان میں سے ہرگز نہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ اس بات کی خبر آپ کے بعد کسی کو نہیں دوں گا۔

روایت ہذا کے ذریعے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے تصدیق پائی گئی کہ حضرت عمر فاروق نفاق سے بری ہیں اور منافقین کے زمرہ سے خارج ہیں۔

(۲) اور حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ... حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنمو صوفہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کہیں میں منافقین میں سے تو نہیں ہوں؟ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کے بعد میں اس بات کی کسی کو خبر نہیں دوں گی۔

... قال فاتاها عمر رضی اللہ عنہ وقال تشدتك بالله انا منهم؟

قال قالت لا - ولن ابری احدا بعدك ابدا۔

(۱) مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ص ۸۱ تحت حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

(۲) مسند امام احمد ص ۲۹۸ ج ۶، تحت مسند ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

(۳) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۹۹ ج ۵، تحت حالات تبوک۔

روایت مذکورہ بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نفاق کی نفی کر کے ان کی نفاق سے برات ذکر فرمائی۔ فلذا نفاق کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا ہرگز درست نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ بالفرض روایت طعن کو تسلیم کر لیا جائے تو واقعات کے اعتبار سے مسئلہ حل ہو گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نفاق کی نفی کر

دی ہے اور صحت ایمان کی تصدیق فرمادی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جو اضطراب اور پریشانی لاحق ہوئی تھی، یہ کمال خشیت الہی کے غلبہ کی وجہ سے تھی نہ کہ ضعف ایمان کی علامت تھی۔ مقولہ مشہور ہے کہ

مقربان را بیش بود حیرانی

یہ وہ کیفیات قلبی ہیں جو خاصان خدا پر وارد ہوتی ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک مشہور واقعہ حضرت حنظلہ کے متعلق حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت حنظلہ بن ربیع کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ آپ نے دریافت کیا: اے حنظلہ! کیا حال ہے؟ تو میں نے کہا: نافع حنظلہ (حنظلہ منافق ہو گیا) تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ! آپ کیا کہہ رہے ہیں!

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور وہاں بھی کہا نافع حنظلہ اس پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مطلب یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس ذات کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس کی قسم! اگر تم اسی حالت پر رہو جو تمہاری حالت میرے پاس ہوتی ہے اس پر دواماً قائم رہو اور ذکر میں لگے رہو تو تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں پر ملائکہ تمہارے ساتھ مصافحہ کریں گے لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت وثناً فوت ہوتی ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات تین مرتبہ فرمائے۔

... والذی نفسی بیدہ لو
تدومون علی ما تکنونون
عندی وفی الذکر
لصافحتکم الملائکہ علی
فروشکم وفی طرقکم ولکن
یا حنظلہ ساعہ وساعہ
ثلث مرات۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ
ص ۱۹۷-۱۹۸، باب ذکر اللہ والتقرب
الیہ، آخر فصل اول، طبع نور محمدی، دہلی)

مقصد یہ ہے کہ جس طرح حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پر خشیت کی کیفیت طاری ہوئی پھر اس وقت ان سے یہ کلمات صادر ہوئے۔۔۔ ٹھیک اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی خشیت الہی کے غلبہ کی وجہ سے یہی کیفیت طاری ہوئی اور غلبہ حال وارد ہوا تو اس بناء پر ان سے ان کلمات کا صدور ہوا۔

مسئلہ ہذا کی تائید منجانب شیعہ

ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ کے موافق شیعہ کے اکابر علماء نے بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت اصول کافی میں ذکر کی ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق یہی خشیت الہی اور غلبہ حال کا پایا جانا مذکور ہے۔

چنانچہ سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے اوپر نفاق کا خوف کرتے ہیں۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نفاق کا خوف کیوں کھاتے ہو؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: جب ہم جناب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ ہمیں دین کی نصیحت فرماتے ہیں اور رغبت دلاتے ہیں تو ہم عذاب آخرت سے خوف کھاتے ہیں اور دنیا کو بھلا دیتے ہیں حتیٰ کہ ہم آخرت کا معائنہ کرتے ہیں اور جنت و دوزخ کو دیکھتے ہیں، لیکن جب ہم جناب کی خدمت سے چلے جاتے ہیں اور اپنے گھروں میں داخل ہوتے ہیں، اپنی اولاد سے پیار کرتے ہیں، اپنے اہل و عیال کو دیکھتے ہیں تو وہ حالت جو آپ کی خدمت میں حاصل تھی، وہ تبدیل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ہم ایسی حالت میں ہو جاتے ہیں، گویا پہلے والی حالت ہم پر نہیں رہی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ ہم پر نفاق کا خوف کرتے ہیں؟ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ یہ شیطان کی چالیں ہیں، وہ تمہیں دنیا کی

طرف رغبت دلاتا ہے۔

آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم اس حالت پر ہمیشہ قائم رہو، جو تم نے اپنے متعلق بیان کی ہے تو ملائکہ تمہارے ساتھ مصافحہ کریں اور تم پانی پر چلنے لگو... الخ...

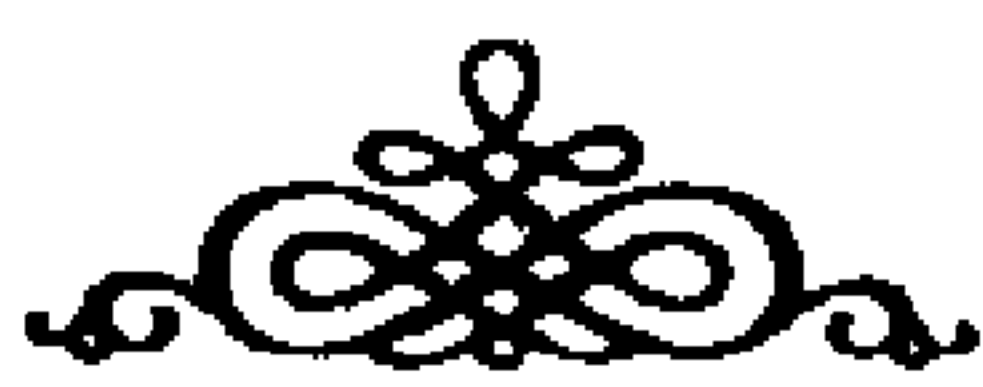
فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وآله كلا ان هذه خطوات الشيطان فيرغبكم في الدنيا - والله لو تدومون على الحال التي وصفتم انفسكم بما لصافحتكم الملائكة ومشيتم على الماء... الخ -

(اصول کافی لمحمد بن يعقوب الكليني ص ۵۷۳-۵۷۴، کتاب الایمان والکفر باب تنقل احوال القلوب، طبع نو کشور لکھنؤ)

شیعہ کی معتبر کتاب ”اصول کافی“ کی مندرجہ بالا روایت سے یہ مسئلہ خوب واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مختلف کیفیات کا ورود ہوتا تھا اور اس کی وجہ سے وہ اپنے اوپر نفاق کا خوف کھاتے تھے۔

لیکن یہ سب ان پر خشیت الہی کی وجہ سے کیفیات طاری ہوتی تھیں اور یہ ان کے ایمان و یقین کی ایک خاص حالت ہے۔ اس کو نفاق نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت بالا کی روشنی میں نفاق کی نفی فرمائی ہے۔ فلماذا یہ ان کے کمال ایمان کی علامت ہے۔

بنا بریں روایت میں جو کلمات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، وہ اقرار نفاق پر محمول نہیں بلکہ خاص کیفیات کے حامل ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ طعن وارد کرنا ہرگز درست نہیں۔



اعتراض

(۳)

”حضرت عائشہؓ نے فتویٰ دیا کہ
عثمان کافر ہو گیا ہے، اس کو قتل کرو“

(بحوالہ کتاب سیرۃ علیہ ص ۳۵۶، باب معجزات النبی ﷺ، عبارت اشتہار افع اکیڈمی کراچی)

الجواب

اعتراض ہذا کے متعلق ذیل میں چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں، ان کو بنظر
غائر ملاحظہ کرنے سے اعتراض رفع ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں۔ خلفائے راشدین میں ”خليفة ثالث“
اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوہرے داماد ہیں۔ قرآن مجید میں
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جتنی صفات خیر اللہ کریم نے بیان فرمائیں، ان کے بہترین
مصدق ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ متمردين اور اشرار اور خارجی لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو علما شہید کر ڈالا۔ (جیسا کہ یہ مسئلہ اپنے مقام پر مفصل مذکور ہے)

خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقوع شہادت پر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت متاسف اور سخت پریشان ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت مکہ میں تھیں۔

شہادت عثمانی رضی اللہ عنہ سے مطلع ہونے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اظہارِ افسوس اور ”کامل برأت“ کے مفصل بیانات کتابوں میں پائے جاتے ہیں، جن میں سے چند ایک چیزیں ذیل میں برائے ملاحظہ پیش خدمت ہیں۔ ان سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس مسئلہ کے متعلق صحیح نظریہ واضح ہو جائے گا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کرنے کا طعن بھی قطعاً زائل ہو جائے گا۔

----- (۱) -----

اولاً یہ چیز ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شہادت کی پیش گوئی بیان فرماتی ہیں کہ

سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش گوئی کے طور پر فرمایا: اے عثمان رضی اللہ عنہ! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہیں ایک قمیص (قمیص خلافت) پہنائیں گے۔ اگر لوگ اس قمیص کو تجھ سے اتارنا چاہیں تو ان کے کہنے پر یہ قمیص نہ اتارنا۔

... عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یا

عثمان! انہ لعل اللہ بقمصک قمیصا فان ارادوک

علی خلعه فلا تخلعه لہم ثلاثا۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲، باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، الفصل الثانی، طبع نور محمدی، دہلی)

روایت ہذا سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی واضح ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت برحق تھی اور قیص خلافت کو قائم رکھنے کے لیے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خاص ہدایت فرمائی گئی تھی۔

فلذا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلہ میں حق پر تھے اور قاتلین کا موقف باطل تھا۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں شہادت کی پیش گوئی درج ذیل الفاظ میں بھی موجود ہے کہ

...عن نعمان بن بشیر عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت: ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عثمان بن عفان فاقبل علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما راینا اقبال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عثمان اقبلت احدانا علی الاخری فکان من آخر کلمہ ان ضرب منکبہ وقال: یا عثمان! ان اللہ عسی ان یتلبسک قمیصاً۔ فان ارادک المنافقون علی خلعه فلا تخلعه حتی تلقانی ثلاثاً۔

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرماتے دیکھا تو ہم ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے عثمان! یقیناً اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کو عنقریب قیص پہنائیں گے۔ اگر منافق لوگ اس قیص کو

(البدایہ لابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۰۷، جلد سابع، تحت حالات عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
 اتارنے کا ارادہ کریں تو تم یہ قمیص ہرگز نہ
 اتارنا حتیٰ کہ تم (آخرت میں) میرے ساتھ
 ملاقات کرو۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے یہ کلمات تین بار فرمائے۔

اور یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ

(۱) تابعی مسروق ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ علما قتل کیے گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اظہار افسوس کرتے ہوئے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اعتراضات سے بری پایا جیسا کہ میل کچیل سے صاف شدہ کپڑا ہوتا ہے، پھر بھی تم لوگوں نے آنمو صوف رضی اللہ عنہ کو مینڈھے کی طرح ذبح کر ڈالا۔ اس کے بعد مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا:

”لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ کے کہنے پر ہوا ہے اور آپ نے لوگوں کی طرف لکھا اور حکم دیا کہ عثمان کے خلاف خروج کریں۔“

تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

...فقلت لا! والذی آمن بہ
 المومنون وکفربہا الکفرون
 ما کتبت الیہم بسوراء فی
 بیضاء حتی جلس
 مجلسی ہذا۔
 یعنی یہ بات ہرگز نہیں بلکہ اس ذات
 کی قسم! جس پر مومن ایمان لائے اور کفار
 نے اس ذات کے ساتھ کفر کیا۔ میں نے
 اس مجلس میں بیٹھنے تک اس قسم کا کوئی
 مکتوب ہرگز نہیں لکھا۔

(طبقات ابن سعد ص ۸۷، جلد ثالث، تحت ما قال رسول اللہ ﷺ، الخ)

(۲) اعمش کا قول ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان پر یہ خطوط لکھے گئے تھے۔

اس بہتان کی تردید جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمائی ہے اسی طرح کبار علماء نے فرمایا ہے کہ اس نوع کے خطوط اور اشرار نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے خود تحریر کر کے آفاق و اطراف کی طرف ارسال کیے تھے اور انہیں قتال عثمان رضی اللہ عنہ پر برا لکھتے کیا۔ (یہ سب خطوط جعلی تھے) ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

...وفی هذا وامثاله دلاله ظاہره علی ان هولاء الخوارج قبحہم اللہ زوروا کتبا علی لسان الصحابہ الی الافاق بحر ضونہم علی قتال عثمان۔

(البدایہ لابن کثیر ص ۱۹۵، جلد سابع تحت حالات عثمان رضی اللہ عنہ، طبع اول)

یاد رہے کہ ان خوارج اور مفسدین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتال پر برا لکھتے کرنے کے لیے آفاق و اطراف کی طرف جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے جھوٹے اور جعلی خطوط لکھے تھے، ان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بھی جعلی خطوط لکھے گئے تھے، یہ ان مفسدین کی طرف سے خاص سازش تھی۔

اسی چیز کی تردید حوالہ جات بالا میں پیش کی گئی ہے۔

(۳) اسی طرح طبقات ابن سعد میں تذکرہ عثمانی کے تحت حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کا اس مسئلہ میں ایک بیان اس طرح مذکور ہے کہ

آنمو صوفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اولاً اپنے مطالبات تسلیم کرائے اور خوب دھویا اور صاف کیا جیسے کہ برتن کو صاف کیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد تم نے انہیں قتل کر ڈالا۔

...قالت عائشہ حين قتل عثمان: مصتم الرجل موص

الاناء ثم قتلتموه۔

(طبقات ابن سعد ص ۵۷، جلد ثالث، تحت تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ، طبع لیدن)

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ آنمو صوفہ رضی اللہ عنہا ان ظالموں، قاتکوں کو بطور نفرین کے ان کے ظلم پر تنبیہ فرما رہی ہیں کہ تم نے مطالبات بھی منوالیے اور قتل بھی کر ڈالا۔

(۴) ابراہیم شکاری البصری ذکر کرتے ہیں کہ ہماری جدہ ام کلثوم بنت ثمامہ نے ہمیں بیان کیا کہ ایک بار وہ حج ادا کرنے گئیں۔ طواف کے بعد وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے ام المومنین! آپ کے بیٹے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں اور لوگوں نے دریافت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کیا فرماتی ہیں؟ (آپ رضی اللہ عنہا کی کیا رائے ہے) تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر لعنت کرے اور برا کہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات تین بار فرمائے۔

اور مزید فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لگائے ہوئے تھے اور میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبین مبارک سے پسینہ صاف کر رہی تھی اور وحی نازل ہو رہی تھی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دے دی تھیں۔ میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے عثمان! لکھو۔ (وحی کی کتابت کرو)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کریم اور باعزت شخص کے بغیر کسی کو ایسا مقام و مرتبہ عطا نہیں کرتا۔ (یعنی یہ اعزازات عثمان بن عفان کو حاصل ہیں اور وہ مکرم و معزز ہیں)

... قالت قلت یا ام المومنین ان بعض بنیک بعث

يفرئك السلام وان الناس قد اكثروا في عثمان - فما
تقولين فيه؟ قالت لعن الله من لعنه لا احسبها الا قالت
ثالث مرار - لقد رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم
وهو مسند فخذوه الى عثمان واني لا مسح العرق عن
جبين رسول الله صلى الله عليه وسلم وان الوحي ينزل
عليه ولقد زوجه بنتيه احدهما على اثر الاخرى وانه
يقول: اكتب عثمان - قالت ما كان الله لينزل عبدا - من
نبيه بتلك المنزله الا عبدا عليه كريما -

(۱) مسند امام احمد ص ۲۶۱، جلد سادس تحت مسند عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا،
مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۰، تحت مسندات عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(۲) مجمع الزوائد للیثی ص ۸۶، جلد تاسع، تحت کتابت الوحي بحث فضائل عثمان۔

(۳) الادب المفرد للبخاری ص ۱۲۲، باب من دعی صاحبہ... الخ، طبع مصر۔

(۴) البدایہ للابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۰۸، جلد سابع، تحت فضائل عثمانی
رضی اللہ عنہ بحوالہ احمد رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) تاریخ مدینہ المنورہ للابی زید عمرو بن شیبہ ص ۱۲۲ تا ۱۲۴ جلد

(۵) نیز ایک دیگر روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محدثین نے
نقل کی ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ

ایک شخص (طلق بن خثاف) نے ذکر کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی شہادت کے بعد ہم مدینہ طیبہ میں آئے اور آل حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور آل سیدنا
حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ اس کے بعد امہات المومنین کے ہاں بھی
حاضر ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں
حاضری دی۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے سلام عرض کیا۔ آنمو صوفہ رضی اللہ عنہا نے سلام

کا جواب دیا اور دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: اہل بصرہ سے، بکر بن وائل سے، بنی قیس بن ثعلبہ سے۔ پھر میں نے سوال کیا یا ام المومنین! عثمان بن عفان کس بات پر اور کس بناء پر قتل کیے گئے؟؟ تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ مظلوماً قتل کیے گئے، جن لوگوں نے ان کو قتل کیا، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر آپ نے چند قبائل اور شخصیات کے نام لے کر بددعائیں کیں۔ راوی کہتا ہے کہ... یعنی اللہ کی قسم! ان سب کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بددعا پہنچی اور وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

... فقلت لها يا ام المومنين! فيما قتل عثمان
امير المومنين - قالت قتل والله مظلوما لعن الله من
قتله... فوالله ما من القوم رجل الا صابه دعوتها-

(۱) رواہ الطبرانی رجالہ رجال الصحیح غیر طلق وحوثہ۔

(۲) مجمع الزوائد للیثی ص ۷۹، جلد تاسع، تحت بحث وفات عثمان۔

حاصل یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قتل عثمانی کے حق میں نظریہ واضح ہو گیا کہ اشرار اور خوارج نے آپ رضی اللہ عنہا کو ظلماً شہید کر دیا تھا۔
(۲) نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قاتلین عثمان پر نفرین اور لعنت فرمائی اور ان کے اس فعل سے پوری طرح اپنی برأت بیان کی۔

(۳) وہ خطوط جو لوگوں کو قتل عثمانی پر براہِ نیغہ کرنے کے لیے اطراف و اکناف کی طرف لکھے گئے۔ وہ بالکل جھوٹے اور جعلی تھے۔ ان سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی برأت ذکر کی ہے کہ ان میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قطعاً کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ یہ سب مفسدین کی سازش اور شرارت تھی۔

کبار علماء کی طرف سے مسئلہ ہذا کی تائید

اس سلسلہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے متعلق کبار علماء کے بہت سے بیانات کتابوں میں مذکور ہیں لیکن ہم یہاں علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر ”روح المعانی“ کا ایک حوالہ ذیل میں نقل کرتے ہیں:

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ آیت: وقرن فی بیوتک... پ ۲۲ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ

(۴) شیعہ لوگوں نے جو یہ گمان کر رکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قتل عثمان پر لوگوں کو برا بھلا کہتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اس نسل کو قتل کر دو۔ یہ فاجر ہو گیا ہے اور حضرت عثمان کو نسل یہودی سے تشبیہ دے کر یہ قول کرتی تھیں... یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے، اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔

یہ ابن قتیبہ، ابن اعثم الکوفی اور سمساطی وغیرہ جو جھوٹ بولنے اور افتراء باندھنے میں مشہور ہیں، ان کے اکاذیب اور بہتانات ہیں۔

... وما زعمته الشيعة من انها رضى الله عنها كانت
هي التي تحرض الناس على قتل عثمان وتقول اقتلوا
نعثلا فقد فجر تشبهه بيهودي --- يدعي نعثلا... كذب
لا اصل له وهو من مفتریات ابن قتیبہ وابن اعثم الکوفی
والسمساطی - وکانوا مشہورین بالكذب والافتراء -

(روح المعانی نید محمود آلوسی ص ۱۱ ج ۲۲، تحت الآیہ وقرن فی بیوتک، پ ۲۳)

درایۂ بحث

روایات کے اعتبار سے مسئلہ ہذا کا جواب پیش کر دیا گیا ہے۔ اب درایت کے اعتبار سے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قصاص دم عثمان کے مطالبہ کرنے والے

فریق میں شامل تھیں، یعنی جو حضرات اس بات کا مطالبہ کر رہے تھے کہ قاتلین عثمان کو جلد گرفتار کیا جائے اور ان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص جلد دلویا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کوشش میں برابر کی شریک تھیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مکہ مکرمہ میں اجتماع ہوا جس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات شامل تھے۔ ان حضرات کو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پورا پورا تعاون حاصل تھا اور اس مقصد کے لیے آپ رضی اللہ عنہا نے بصرہ کا سفر اختیار کیا اور نتیجتاً جنگ جمل واقع ہوئی۔

یہ تمام واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہرگز کوئی عمل دخل نہ تھا ورنہ آپ رضی اللہ عنہا قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے والوں کی ہمنوا اور شریک کار نہ ہوتیں۔ عقلمند آدمی پر یہ بات بالکل آشکارا ہے۔

”اختتام بحث“

مندرجات بالا کے ذریعے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے زبان نبوت سے بہت سے فضائل عثمانی نقل فرمائے ہیں اور ایسے فضائل و مناقب کی حامل شخصیت کو قتل کرنا ہرگز روا نہیں ہو سکتا۔

نیز یہ معلوم ہوا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قتل عثمانی میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو قتل پر ہرگز برا نگیختہ نہیں کیا بلکہ اس ظلم عظیم کرنے والوں پر انہوں نے نفرین اور لعنت کی اور اپنی برأت کا اظہار فرمایا:

ان واقعات کے پیش نظر قتل عثمانی کا فتویٰ انہوں نے کس طرح دے دیا؟؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ محض افتراء اور بہتان ہے جیسا کہ علامہ سید محمود آلوسی کے بیان سے اس کو ثابت کر دیا گیا ہے۔

پھر آخر یہ واقعہ سیرت کی بعض کتابوں میں مذکور ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس کے مقدمہ میں مصنف نے صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ

یعنی اہل سیرت ہر قسم کی صحیح سقیم
ضعیف بلاغیات مرسل منقطع معطل وغیرہ
روایات جمع کر دیتے ہیں، اس میں درست
روایات بھی ہوتی ہیں اور منکر بھی۔

(مقدمہ سیرۃ الحلبي ص ۲، ج ۱، طبع

ثالث، مصر)

... ولا يخفى ان السير
تجمع الصحيح والسقيم
الضعيف والبلاغ والمرسل
المنقطع والمعضل دون
الموضوع ومن ثم قال الزين
العراقي رحمه الله - وليعلم
الطالب ان السير تجمع ما
قد صح وما قد انكراء-

مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ ہر قسم کا مواد بغیر جرح و قدح کے جمع کر دیتے ہیں،
لیکن پھر صحیح اور درست چیزوں کو اخذ کیا جاتا ہے اور کمزور اور ضعیف اور بے اصل
اشیاء کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

مصنف کتاب کی اس تصریح کے بعد ظاہر ہے کہ درست اور صحیح چیز قابل
قبول ہوگی اور باقی بے سروپا اور بے اصل مواد کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کردہ بالا روایات بھی اسی زمرہ میں سے ہیں۔
معترض نے آنکھیں بند کر کے خواہ مخواہ اعتراض قائم کر دیا ہے ورنہ اس کا
جواب خود کتاب ہذا کے ابتداء میں موجود ہے۔ سچ ہے کہ السائل کالاعلیٰ ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ان کو چشم بصیرت عطا فرمائے۔



اعتراض

(۴)

طلحہ اور زبیر، عثمان کے قاتل ہیں اور
اس کا خون بہایا ہے

(بحوالہ کتاب الاستیعاب ص ۲۱۳، قرۃ العینین ص ۲۸۵، عبارت اشتہار از فلع اکیڈمی، پاکستان یونٹ کراچی)

الجواب

معارض لوگوں نے اپنے اشتہار میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل ہونے اور ان کے خون بہانے کا طعن ابن عبدالبر کی تصنیف الاستیعاب اور قرۃ العینین سے ایک روایت کے حوالے سے قائم کیا ہے۔

معارضین کی طرف سے جو روایت پیش کی گئی ہے، پہلے اس کا تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے اور بعدہ واقعات نفس الامری کے اعتبار سے درایتاً اس پر بحث ہوگی۔

نفع اللہ تعالیٰ

جائزہ

کتاب الاستیعاب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تذکرہ میں ایک مفصل کتاب ہے، اس میں بہترین فوائد جمع کیے ہیں، لیکن مصنف نے اسی کتاب کے مقدمہ میں اس کے مآخذ بیان کیے ہیں، وہاں کئی ایک ایسے مآخذ بھی ذکر کیے ہیں (مثلاً طبری، واقدی، مدائنی، ابن اسحاق کی مرویات وغیرہ وغیرہ) جن میں رطب و یابس، صحیح و سقیم، ضعیف و قوی مواد پایا جاتا ہے۔ ان روایات کی صحت کا کوئی التزام نہیں ہوتا۔ تاریخی روایات سے بہت سا مواد مصنف نے الاستیعاب میں درج کر دیا ہے اور تاریخوں میں ہر قسم کا مواد ہوتا ہے۔

اسی بناء پر اس فن کے کبار علماء نے اس کتاب کی توثیق و توصیف کے باوجود مندرجہ ذیل نقد کر دیا ہے۔

مثلاً علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب علوم الحدیث میں امام النوای رحمۃ اللہ علیہ تقریب النوای میں اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف تقریب کی شرح تدریب الراوی میں فرماتے ہیں کہ

...لولا ما شانہ بذكر ما شجر
بین الصحابة وحکایتہ عن
الاخبار بین والغالب علی
الاخبار بین الاکثار والتخلیط
فیما یردونه۔ (۱) کتاب علوم الحدیث
لابن صلاح ص ۲۶۲-۲۶۳، طبع جدید مدینہ
منورہ تحت النوع التاسع والثلاثون۔
(۲) تدریب الراوی فی شرح تقریب
النوای ص ۳۹۵، تحت النوع التاسع
والثلاثین مکتبہ العلمیہ، المدینہ المنورہ۔

یعنی الاستیعاب بہتر کتاب تھی اگر ابن
عبدالبر اس کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کے مشاجرات ذکر کر دینے اور
اخباری لوگوں کی روایات وحکایات نقل کر
دینے سے اسے عیب دار نہ بنا دیتے۔
اخباری لوگوں پر یہ بات غالب ہوتی ہے کہ
وہ اپنی روایات میں کثرت سے اور تخلیط
سے کام لیتے ہیں۔ (صحت واقعہ کا کچھ خیال
نہیں کرتے)

بنابریں الاستیعاب میں بے اصل اور تاریخی مواد بھی پایا جاتا ہے اور اسی مواد میں سے یہ پیش کردہ روایت بھی ہے۔
 اور صاحب قرۃ العینین نے یہ روایت الاستیعاب سے نقل کی ہے اور اس کا حوالہ دے کر خود بری الذمہ ہو گئے ہیں۔
 فلذا قرۃ العینین کے جواب کے لیے الگ کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔

درایۂ بحث

اس بحث کے آغاز میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقام و مرتبہ کا اجمالی تذکرہ پیش کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔
 یہ دونوں حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

- (۱) عشرہ مبشرہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں۔
- (۲) ان کا شمار بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوتا ہے۔
- (۳) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے متعلق جو بے شمار اعلیٰ فضائل و عمدہ مناقب بیان فرمائے ہیں، یہ دونوں حضرات بھی ان کے صحیح مصداق و محمل ہیں۔
- (۴) احادیث صحیحہ میں ان حضرات کے بیشتر فضائل و کمالات مذکور ہیں جو ہر اہل علم پر واضح ہیں، یہاں ان کے اعادہ کی چنداں حاجت نہیں۔

فلذا ایسی مقتدر شخصیات کو جو مندرجہ بالا قدر و منزلت کی حامل ہوں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل قرار دینا گویا ان فضائل و مناقب کی نفی کرنے اور تغلیط کے مترادف ہے۔

علاوہ ازیں ذیل میں چند ایک واقعات پیش کیے جاتے ہیں جو اس بات کے قرائن میں سے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں کوئی عمل دخل نہیں تھا اور وہ ان کے قتل میں ہرگز شامل نہیں تھے بلکہ وہ حضرات، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاونین اور حامیوں میں سے تھے۔

(۱) چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دار کا باغیوں اور مفسدین نے محاصرہ کر رکھا تھا، اس وقت جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں حسنین شریفین رضی اللہ عنہم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی خاطر بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ باب دار عثمان رضی اللہ عنہ پر جا کر پہرہ داری کریں، بالکل اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی خاطر روانہ کیا تھا تاکہ اشرار اور باغیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر داخل ہونے سے منع ہوں۔

... وبعث الزبیر ابنہ عبداللہ وبعث طلحہ ابنہ...

وبعث عدہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابناء

ہم لیمنعوا الناس الدخول علی عثمان۔

(کتاب الانساب الاشراف للبلاذری ص ۶۸-۶۹ جلد خامس تحت باب میر

اہل الامصار الی عثمان رضی اللہ عنہ، طبع جدید)

(۲) ان حفاظتی تدابیر کے باوجود باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علما شہید کر دیا۔

جب یہ وحشت ناک خبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ وغیرہم کو پہنچی تو یہ سب حضرات حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اپنے گھروں سے نکلے۔ ان کے ہوش اڑ چکے تھے، حتیٰ کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے اور ان کو مقتول پا کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

نیز بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب اس واقعہ فاجعہ پر پہنچے تو انہوں نے پریشانی کے عالم میں اپنے دونوں صاحبزادوں اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو زجر و توبیخ کی اور سخت ست کہا۔

... وبلغ الخبر علیا وطلحہ والزبیر وسعدا ومن کان

بالمدينه فخرجوا وقد ذهب عقولهم للخبر الذي اتاهم
التي دخلوا على عثمان فوجدوه مقتولا فاسترجعوا
وقال على لابنيه كيف قتل امير المؤمنين وانتما على
الباب؟ ورفع يده فلطم الحسن وضرب صدر الحسين
وشتهم محمد بن طلحه وعبد الله بن الزبير... الخ-

(۱) انساب الاشراف للبلاذري ص ۶۹-۷۰، جلد خامس-

(۲) تاريخ الاسلام للذهي ص ۱۳۹، ج ۲، تحت محاصرة عثمانی ۳۵ھ-

(۳) ان پریشان کن حالات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جنازہ کا موقع آیا تو
متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے، جنازہ
عثمانی رضی اللہ عنہ میں شامل ہوئے، مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جبیر بن مطعم،
زید بن ثابت، کعب بن مالک، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام وغیرہم رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (البدایہ لابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۹۱، ج ۷، تحت واقعات ہذا)
نیز دیگر روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آخری اوقات میں حضرت
زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے جنازہ کی وصیت فرمائی تھی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حسب
وصیت ان پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا۔

... قال صلی الزبیر علی عثمان رضی اللہ عنہ ودفنه

وکان اوصی الیہ-

(۱) مسند امام احمد ص ۷۴، ج اول، تحت من اخبار عثمان رضی اللہ عنہ-

(۲) کتاب التعمید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ، ص ۱۴۲، طبع بیروت-

(۳) عقیدۃ السفارینی ص ۳۱۷، جلد ثانی، تحت سیرۃ وفضائل عثمانی رضی اللہ عنہ-

نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیلات ”رحماء بینہم“ حصہ عثمانی کے صفحات ۱۹۱

تا ۱۹۳ پر درج ہیں-

(تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۱۵، تحت سنہ ۳۵ھ فصل فی خلافت، طبع دہلی)

حاصل کلام یہ ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اشرار مفسدین اور خوارج نے کیا تھا۔ اس میں ان دونوں حضرات رضی اللہ عنہما کی طرف سے ان کی کوئی حمایت نہیں پائی گئی اور نہ ہی ان حضرات رضی اللہ عنہما نے مفسدین کا تعاون کیا۔ نیز اس واقعہ ہالہ کے بعد جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہما کی طرف سے ساتھ ہی ساتھ اقل نمبر پر یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص ان ظالموں سے بلا تاخیر لیا جائے اور ان مجرموں کو شریعت کے قواعد کے مطابق سزا دے کر کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

چنانچہ اس مسئلہ میں تاخیر کی وجہ سے بیشتر مشکلات رونما ہوئیں اور اہل اسلام میں متعدد اختلافات پیدا ہو گئے، آخر کار جنگ وجدال کی نوبت پہنچی۔ (جیسا کہ اپنے مقام پر ان واقعات کی تفصیلات درج ہیں)

یہ تمام حالات اس چیز پر گواہ ہیں کہ ان حضرات کا قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی یہ دونوں حضرات رضی اللہ عنہما قاتلین کے ہم نوا تھے۔

اگر معترض کا اعتراض صحیح تسلیم کر لیا جائے تو محاصرہ دار عثمان سے لے کر جنگ جمل تک کے تمام واقعات کا آخر کیا جواز ہے؟؟

یہ حضرات قاتل بھی خود ہوں، دار عثمان رضی اللہ عنہ کے حفاظتی انتظامات بھی خود کرائیں، بعد از شہادت جنازہ میں خود شامل ہوں، کفن و دفن میں شرکت کریں اور قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ بھی خود اٹھائیں۔

یہ چیز عقل و درایت کے برخلاف ہے اور اس موقعہ کے پیش آمدہ واقعات کے بھی برعکس ہے۔



اعتراض

(۵)

”عبداللہ بن مسعود قرآن کی بعض سورتوں کا منکر تھا“

(بحوالہ کتاب تفسیر اتقان ص ۹۶، عبارت اشتہار از افع اکیدمی، کراچی یونٹ)

الجواب

معارض نے جس کتاب (تفسیر اتقان) سے یہ اعتراض نقل کیا ہے، اسی کتاب میں اسی بحث میں اس روایت کے متعدد جوابات بھی مذکور ہیں۔
یہ معارض کی خیانت ہے کہ قابل اعتراض چیز کو تو نقل کر دیا اور اس کے جواب، جو اسی بحث میں موجود ہیں، اسے ترک کر دیا۔

چنانچہ وہاں امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تحریر ہے کہ
... ان نقل هذا المذهب عن
یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے (سورۃ الفاتحہ
ابن مسعود رضی اللہ عنہ نقل باطل۔ اور معوذتین کے قرآن سے ہونے کا

(تفسیر اتقان ص ۷۹، جلد اول،
طبع ثانی، مصر) انکار کا قول جس نے نقل کیا ہے وہ نقل
باطل ہے۔

(۲) نیز اسی مقام میں مذکور ہے کہ امام النوای رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف
”شرح المذہب“ میں فرمایا ہے کہ:

... اجمع المسلمون علی
ان المعوذتین والفتاحہ من
القرآن۔ ان من جحد منها شیا
کفر وما نقل عن ابن مسعود
باطل لیس بصحیح۔
(تفسیر اتقان ص ۷۹، ج اول، تحت
بحث ہذا، طبع ثانی، مصر)

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات
پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ
قرآن میں سے ہیں اور جس شخص نے اس
میں سے کسی چیز کا انکار کیا، اس نے کفر کیا
اور جو چیز ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے نقل کی گئی ہے، وہ نقل باطل ہے اور
جھوٹ ہے۔

(۳) ابن حزم نے اپنی کتاب ”القدح المعلیٰ تقسیم المحلی“ میں ذکر کیا ہے کہ
یعنی یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر
جھوٹ لگایا ہے۔ یہ نقل موضوع اور جعلی
ہے اور عاصم نے زر سے اور زر نے ابن
مسعود رضی اللہ عنہ سے جو قراۃ نقل کی
ہے، وہ صحیح ہے اور اس میں معوذتان اور
الفتاحہ دونوں شامل ہیں۔

... هذا کذب علی ابن
مسعود رضی اللہ عنہ وموضوع انما
سمع عنہ قراتہ عاصم عن زر
عنہ وفيها المعوذتان
والفتاحہ۔ (تفسیر اتقان ص ۷۹، ج
اول تحت بحث ہذا، طبع ثانی، مصر)

اور اگر بالفرض ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول منقول ہوا ہے تو علماء کرام نے
اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول
سے رجوع کر لیا تھا اور اس مسئلہ میں باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متفق
ہو گئے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

...ثم قد رجع عن قوله ذالك الى قول الجماعه... الخ۔

(تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۷۷، ج ۳، تحت سورۃ معوذتین، پ ۳۰)

فلذا معترض لوگوں کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض سورتوں کے قرآن مجید میں سے انکار کرنے کا قول بالکل غلط ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بدگمانی نشر کرنے کی سازش ہے۔ اہل اسلام اس سے باخبر رہیں اور اس فریب میں نہ آئیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ
واصحابہ وسلم۔



مختصر سوانح مؤلف

اسم: (مولانا) محمد نافع عفا اللہ عنہ ولد حضرت مولانا عبدالغفور صاحب
 وجہ تسمیہ: حضرت مولانا محمد نافع کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب
 ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۴ء حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔

ان ایام میں حاجیوں کی سواری کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کے
 لئے اونٹ استعمال ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کے لئے
 اونٹوں کی سواری اختیار کی اور مدینہ طیبہ کے ”نافع“ نامی ایک شخص سے ایک اونٹ کرایہ پر
 لیا۔ آپ کو اپنے اس شتر بان کا نام بہت پسند آیا۔

مولانا عبدالغفور صاحب جب حج سے واپس تشریف لائے تو قریباً ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۵ء
 میں آپ کے ہاں فرزند متولد ہوا۔ چنانچہ آپ نے اس کا نام ”نافع“ تجویز کیا اور اسم ”محمد“
 تبرکاً شامل کر کے ”محمد نافع“ رکھا۔

پیدائش

ایک اندازہ کے مطابق ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۵ء قریہ محمدی شریف ضلع جھنگ (پنجاب)
 (یہ تاریخ اندازاً ذکر کی گئی ہے ورنہ صحیح تاریخ پیدائش کہیں تحریراً نہیں پائی گئی)

تعلیم و تربیت

آں موصوف نے اپنے والد گرامی سے ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳۳ء میں قرآن مجید حفظ
 کیا۔ اس کے بعد ابتدائی دینی کتب کی تعلیم استاذ مولانا اللہ جوایا شاہ صاحب (المتوفی
 ۱۳۶۲ھ) اور اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر سے حاصل کی۔

اور پھر اس کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد کچہری بازار لائل پور (فیصل آباد)

میں داخل ہوئے جہاں مولانا محمد مسلم صاحب عثمانی اور مولانا حکیم عبدالجید صاحب سے فصول اکبری علم الصیغہ اور نحو میر صغریٰ و کبریٰ وغیرہ کتب پڑھیں۔

اسی دوران قریہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر نے دارالعلوم جامع محمدی شریف کی بنیاد رکھی۔

سب سے پہلے حضرت مولانا احمد شاہ صاحب بخاری فاضل دیوبند بطور صدر مدرس تشریف لائے۔

چنانچہ مولانا محمد نافع صاحب واپس گھر تشریف لائے اور مقامی دارالعلوم ”جامعہ محمدی شریف“ میں اپنی تعلیم جاری رکھی اور

علم نحو میں ہدایۃ النخو۔ کافیۃ الفیہ اور شرح جامی

علم فقہ میں قدوری۔ ہدایہ (اولین) وغیرہ

معقولات میں ایسا غوجی۔ مرقاۃ۔ شرح تہذیب۔ اور قطبی کا کچھ حصہ پڑھا۔

اس دوران جب جامعہ ہذا میں حضرت مولانا قطب الدین صاحب اچھالوی مدظلہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے قطبی کا باقی حصہ اور میبذی پڑھیں۔ اور علم فقہ میں شرح وقایہ (آخرین) اور علم بلاغت میں مختصر معانی وغیرہ کتب پڑھیں۔

مولانا شیر محمد صاحب سے نورالانوار اور شرح وقایہ (اولین) وغیرہ کتب پڑھیں۔

بعد ازاں ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں جامعہ محمدی شریف میں مولانا غلام احمد صاحب لاہوری کے مشہور شاگرد مولانا احمد بخش صاحب از موضع گدائی (ذریہ غازی خان) تشریف لائے تو ان سے آپ نے جلالین۔ شرح نخبۃ الفکر۔ ہدایہ (آخرین) اور دیوان متنبی وغیرہ کتب کی تعلیم حاصل کی۔

مزید حصول علم کے لئے آپ واپس پھر ان (ضلع میانوالی) تشریف لے گئے اور قریباً سات ماہ میں حضرت مولانا غلام یسین صاحب سے مشکوٰۃ شریف حمد اللہ عبدالغفور (حاشیہ شرح جامی) وغیرہ کتب پڑھیں۔

اس کے بعد ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں آپ نے موضع انی ضلع گجرات میں مشہور استاذ مولانا ولی اللہ صاحب گجراتی (المتوفی شوال ۱۳۹۳ھ/نومبر ۱۹۷۳ء) کا شرف تلمذ حاصل کیا

اور مختلف فنون اصول فقہ میں توضیح تلویح، مسلم الثبوت میرزا ہد ملا جلال، میرزا ہد رسالہ قطبیہ میرزا ہد امور عامہ اور قاضی مبارک اور شرح عقاید نسفی و مطول وغیرہ کتب کی تعلیم حاصل کی۔ اور آخر ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند (بھارت) میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث شریف معروف طریقہ سے مکمل کیا۔ یہ وہ دور تھا جب اس مشہور دارالعلوم میں شیخ الادب و الفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امر وہی، حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مفتی ریاض الدین صاحب اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سینکڑوں طلباء کو علوم دینیہ کا درس دیتے تھے اور مولانا حسین احمد مدنی صاحب ”جیل فرنگ میں قید تھے۔

مولانا محمد نافع نے مذکورہ بالا حضرات سے دورۂ حدیث پڑھا۔

چنانچہ جب آپ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند (بھارت) سے فارغ التحصیل ہوئے تو آپ کو سند فراغ ۱۳۰۵ھ سے نوازا گیا۔ یہ سند ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء میں حاصل ہوئی۔

آپ جب واپس وطن ہوئے تو اسی سال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں اپنے مقامی دارالعلوم جامعہ محمدی میں سلسلہ تدریس شروع کیا۔

قیام پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد تنظیم اہل سنت والجماعت سے تعلق قائم رہا اور رد رافضیت کے خلاف کام کیا۔ پھر اس کے ساتھ تحقیقی اور تصنیفی کام کی طرف متوجہ ہوئے اور تنظیم اہل سنت کے ہفت روزہ جریدہ ”الدعوة“ میں تحقیقات نافعہ کے عنوان سے مختلف موضوعات پر مضامین تحریر کئے۔

اسی دوران آپ نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا احمد شاہ صاحب بخاری کے ماہنامہ ”الفاروق“ کے لئے بھی کئی مضامین مختلف موضوعات پر تحریر کئے۔

جب ۱۹۵۳ء/۱۳۷۳ھ میں تحریک ختم نبوت مرزائیت کے خلاف شروع ہوئی تو اس میں بھرپور عملی حصہ لیا اور گرفتاری پیش کی اور تین ماہ پہلے جھنگ میں پھر بورشل جیل لاہور میں گزارے۔ وہاں سے رہائی کے بعد اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا احمد شاہ صاحب بخاری کے مشورہ اور ہدایات کے موافق کتاب ”رحماء بینہم“ کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے کے لئے مواد فراہم کرنا شروع کیا۔

تالیفات

۱۔ مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین

۱۹۳۵ء/۱۳۷۱ھ میں قادیانیوں کے ایک مشہور مجلہ ”الفضل“ لاہور نے ایک مستقل نمبر ”اجرائے نبوت“ پر شائع کیا تو اس کے جواب میں آپ نے ”مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین“ کے نام سے کتابچہ شائع کیا جس میں مرزائیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا۔

۲۔ حدیث ثقلین

مشہور حدیث شریف..... ترکت فیکم الثقلین..... الخ پر بحث کی ہے اور ”کتاب اللہ و سنتی“ کے الفاظ والی روایت کی اسانید کو جمع کیا ہے اور دونوں روایات پر عمدہ مواد جمع کر کے تحقیق ذکر کی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۳ء/۱۳۸۳ھ میں تالیف کی گئی۔

۳۔ رجاء پٹنہم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً خلفاء اربعہؓ کے باہم ربط و اتفاق کے سلسلہ میں ”رجاء پٹنہم“ کے نام سے پہلی کتاب حصہ صدیقی ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ میں تالیف کی گئی۔ دوسری کتاب حصہ فاروقی ۱۹۷۶ء/۱۳۹۶ھ اور تیسری کتاب حصہ عثمانی ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ میں تالیف کی گئی۔

اور ان ہر سہ جلد میں خلفاء اربعہؓ کے باہمی تعلقات نسبی کے علاوہ محبت و اخوت کے باہمی روابط کو واضح کیا گیا ہے۔ کتاب ”رجاء پٹنہم“ ایک مشہور علمی تحقیقی تالیف ہے۔ اس کتاب سے مؤلف کے کئی ہم عصر جید علماء نے استفادہ کیا۔ مثلاً مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب ”تکملہ فتح الملہم فی شرح المسلم جلد سوم میں اس کتاب کے اقتباسات نقل کئے ہیں اور حوالہ جات دیئے ہیں جس سے اس تالیف کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ مسئلہ اقربا پروری

یہ کتاب ۱۹۸۰ء/۱۴۰۰ھ میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر معاندین کے اقربا نوازی کے طعن کے جواب میں تالیف کی گئی۔
یہ کتاب رجاء پنجم حصہ عثمانی کا ایک تکرار ہے۔

۵۔ حضرت ابوسفیانؓ اور ان کی اہلیہ

یہ کتابچہ ۱۹۸۳ء/۱۴۰۳ھ میں تالیف کیا گیا اور اس میں حضرت ابوسفیانؓ بن حرب اور ان کی اہلیہ کے مختصر کوائف کے علاوہ ان کی اسلام میں خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔
بعد ازاں دوسرے ایڈیشن میں یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کے تذکرہ کا اضافہ کیا گیا۔

۶۔ بنات اربعہؓ

اس تالیف میں کتاب و سنت اور جمہور علماء اہلسنت و شیعہ کی مستند کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے چار صاحبزادیاں تھیں۔
یہ تالیف ۱۹۸۴ء/۱۴۰۴ھ میں مکمل ہوئی۔ کتاب میں چاروں صاحبزادیوں کے متعلق حالات و سوانح کو جمع کر دیا گیا ہے۔

۷۔ سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ

اس تالیف میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حسب و نسب کے علاوہ آں جنابؑ کی غلو عقیدت اور تقصیر شان سے بالاتر ہو کر صحیح سوانح حیات لکھنے کی سعی کی گئی ہے اور مختلف شبہات کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے۔

یہ تالیف ۱۹۸۸ء/۱۴۰۹ھ میں مکمل ہوئی۔

۸۔ سیرت سیدنا امیر معاویہؓ

صفر ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء میں یہ کتاب دو جلدوں میں تالیف کی گئی ہے۔
ایک جلد میں سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کی سوانح حیات اور اسلام میں ملی خدمات

کا ذکر ہے۔

جبکہ دوسری جلد میں معاندین کی طرف سے آپ پر وارد کردہ تقریباً اکتالیس مطاعن کا مسکت جواب تحریر کیا گیا ہے۔

۹۔ فوائد نافعہ

رجب ۱۴۲۰ھ / اکتوبر ۱۹۹۹ء میں یہ کتاب دو جلدوں میں تالیف کی گئی۔ پہلی جلد میں عام طور پر ”دفاع عن الصحابہؓ“ کا مضمون مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری جلد میں حضرات حسنین شریفینؓ کی سوانح حیات کو مرتب کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان حضرات کی شہادتوں کو صحیح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

رائے گرامی حضرت مولانا عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم عالیہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمَنًا بَعْدَ

اس پُر آشوب دور میں جہاں شعارِ اسلام کا استخفاف و استحقار اور امورِ دین سے اعراض و انکار روزمرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دینِ متین داخلی و خارجی فتنوں سے ہمکنار ہو، آئے دن فتنوں کا ایک سیلاب اُمنڈتا چلا آ رہا ہو اور اہل باطل کی ریشہ دوانیاں اور کارستانیوں ”مِنْ كُلِّ حَذَبٍ يَنْسِلُونَ“ کی صورت نمودار ہو رہی ہوں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تحریف و انکار کے نشے میں دنیا میں روز افزوں ہوں اور حب اہل بیت کے نام پر صحابہؓ سے نفرت و بیزاری کا بیج بویا جا رہا ہو، حتیٰ کہ اسلام کے نام پر پورا کفر مسط کیا جا رہا ہو۔ ایسی سنگین صورتحال میں معاندین کی یہ روش کتنی دسوز ہے کہ تربیت یافتگان رسول کو بدفطرن و تشنیع بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے اور خلفائے ثلاثہ حضرات صدیق و فاروق و غنی رضی اللہ عنہم کی تکفیر و سب و شتم میں طبع آزمائی کر کے دل کی آگ بجھائی جائے۔ گویا نام نہاد مجبان، شجر اسلام کی جڑ کاٹنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

ع چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمان

اس کرہناک داستان کا آغاز اس تحریک و تخریب سے ہوا جس کے پرچار کنندگان شیعہ اثنا عشری اور روافض کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر شیعہ نظریات کے اولین موجد عبد اللہ بن سبأ یہودی اور اس کے رفقاء تھے۔ جنہوں نے یہودیت کی شہ پر اسلامی فتوحات و ترقی کو روکنے اور امت مسلمہ کی وحدانیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے خطرناک چالیں چلیں۔ ابن سبأ نے سب سے پہلے نظریہ امامت ایجاد کر کے اس کا خوب پرچار کیا اور پھر ساتھ ہی اصحاب ثلاثہ کی تکفیر اور ان پر واشگاف الفاظ میں سب و تہمرا کرنے کا آغاز کیا جس کا اقرار شیعہ مجتہدین مثلاً ابو عمر و کشی، امام قاضی اور باقر مجلسی جیسے لوگ بھی اپنی کتب معتبرہ میں کر چکے ہیں۔ بلکہ شیعہ

مجتہدین نے لکھا کہ ”فَمِنْ هَهُنَا قَالَ مَنْ خَالَفَ الشَّيْعَةَ أَصْلَ التَّشْيِيعِ وَالرِّفْضَ مَا خُوِذَ مِنْ الْيَهُودِيَّةِ (فرق الشیعه، ص ۳۰، رجال کش ص ۱۰۸، تنقیح المقال ص ۸۷، بحار الانوار ص ۲۸۷ ج ۲۵، تفسیر مرآة الانوار ص ۶۲) یعنی یہیں سے وہ لوگ جو شیعه کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ شیعیت و رافضیت، یہودیت سے ماخوذ ہے“۔ نیز مرزا غلام احمد قادیانی و جال بھی اپنی کتاب میں ایک موقع پر لکھتا ہے کہ

”میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے اُن کا مقولہ تھا کہ وہا کا علاج فقط تولا اور تبرا ہے یعنی آئمہ اہل بیتؑ کی محبت کو پرستش کی حد تک پہنچا دینا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے رہنا، اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔“ (دافع البلاء ص ۷) اس سے واضح ہوا کہ قادیانیت، شیعیت کی پیداوار ہے۔ جبکہ شیعیت، یہودیت کا چہ بہ ہے..... ع

کند ہم جنس با ہم جنس پرداز

بہر حال شیعہ مجتہدین کی صراحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبأ نے عقیدہ امامت کے ذریعے حب آل رسولؐ کا لبادہ اوڑھ کر نفاق اور تقیہ کے سیاہ و دبیز پردے میں شیعیت کی بنیاد رکھی۔ اس اسلام دشمن تحریک میں ظاہراً صحابہؓ کو مورد طعن بنایا گیا۔ مگر اہل علم سے مخفی نہیں کہ شیعہ امامیہ کو اصالۃً جو کچھ عداوت تھی وہ اسلام، قرآن اور صاحب قرآنؐ سے تھی۔ صحابہؓ کو مورد طعن محض اس لئے بنایا گیا کہ قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے چشم دید گواہ صحابہؓ ہی ہیں، جب عینی گواہ مجروح ہو جائیں گے تو سارے دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اسی لئے امام ابو زرہؒ نے فرمایا: ”إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَعْلَمْ أَنَّهُ زَنْدِيقٌ“ (ابو زرہؒ الرزائی ص ۱۹۹، ص ۲۳۱) جب تم ایسے شخص کو دیکھو کہ جو صحابہؓ کی تنقیص و تردید کرتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ پس اسی سبب سے ہم سمجھتے ہیں کہ فتنہٴ رفض کئی وجوہ کی بناء پر عام کھلے کفر و زندقہ سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ لیکن عوام الناس حب اہل بیتؑ کے خوشنما نعرے سے دھوکہ کھا گئے اور اہل تشیع کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ تصور کرنے لگے۔ یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ شیعوں کی کتب اصلیہ نایاب تھیں اور ان کے عقائد و نظریات کا کَمَا یَنْبَغِ کسی کو علم نہ ہو۔ کا اور ساتھ ہی شیعیت پر کتمان و تقیہ کی سیاہ چادر تنی رہی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ مذہب نہ صرف بے شمار

ضروریات دین کا منکر و مکذب ہے بلکہ اس کا کلمہ سے لے کر قرآن تک مسلمانوں سے جدا ہے۔ انہیں مسلمان کہنا خود اسلام کی نفی ہے۔ علماء امت ہمیشہ مسلمانوں کو ان کی شقاوت و ضلالت اور کفر و نفاق سے آگاہ کرتے رہے۔ مثلاً علامہ محمد بن ابی بکر العربی، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیرہم۔ آج سے تقریباً پون صدی قبل استاذی المکرم امام اہلسنت حضرت علامہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی نے اثنا عشریہ کے کفریہ عقائد مثل تحریف قرآن، عقیدہ بداء، عقیدہ امامت، تکفیر صحابہؓ اور قذف عائشہؓ کی بنیاد پر ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا۔ جس پر مشائخ دیوبند شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا و مرشدنا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جیسے اساطین علم کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں۔..... دیکھئے۔

(ماہنامہ بینات ص ۹۳، ص ۹۴، ص ۱۷۰ تا ص ۱۷۵ کراچی۔ خیمہ اور اثنا عشرہ کے

بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ)

احقر بھی شیعہ عقائد کی تفصیل اپنی عربی تالیف ”کشف الواعض فی عقیدۃ الروافض“ میں تحریر کر چکا ہے۔ اہل ذوق مراجعت فرمائیں۔ مگر اس کے علاوہ شیعہ سنی کے مابین نزاعی مسائل پر میں خود ایک جامع کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کر رہا تھا مگر تبلیغی مصروفیت کے ساتھ فرق باطلہ سے مناظروں کی مشغولیت، تدریسی امور اور دیگر وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا کہ اس حوالے سے کوئی ضخیم کتاب مرتب کر سکوں مگر اس سلسلے میں عالم شہیر، محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب ادام اللہ تعالیٰ بقاء بالخیر، نے ہر عنوان سے الگ الگ ایک جامع کتاب تالیف فرمائی ہے۔ بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً رحما پنجم (مکمل)، حدیث ثقلین، بنات اربعہ، سیرۃ حضرت علی المرتضیٰ، سیرۃ امیر معاویہ وغیرہ دیکھیں اور ابھی ان کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ موصوف نے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بحمد اللہ میری دیرینہ آرزو پوری ہو گئی ہے۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ عدیم الفرست ہونے کی وجہ سے میں خود ایسی جامع کتب نہ دیکھ سکتا۔ مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور

مطابق ہیں۔ ان کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔ فاضل محقق نے مقام صحابہؓ اور مقام اہل بیتؑ کی وضاحت کر کے نہ صرف مسلک حقہ کو واضح کیا ہے بلکہ ردافض کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا خواب استیصال کیا ہے۔ مولانا کی تالیفات ردافض خود ساختہ نظریات پر ضرب کاری ہیں۔ ردو مطاعن میں اُن کا اندازہ تحریر عالمانہ، محققانہ مگر مصلحانہ ہے۔ یہ کتب عقل سلیم و فہم مستقیم رکھنے والے حضرات کے لئے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں..... لیہلک من ہلک عن بینة و یحیی من حی عن بینة.....

احقر اپنے حلقہ کے علماء کرام و طلباء کو مشورہ دیتا ہے کہ مذکورہ کتب سے ضرور استفادہ کریں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ عظیم کاوش قبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کے لئے مشر و نافع بنائے۔

آمین یا رب العالمین

محمد عبدالستار تونسوی عفا اللہ عنہ
رئیس تنظیم اہل السنۃ پاکستان
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ



(مراجعہ برائے کتاب "فوائد نافعہ")

.....(حصہ اول).....

نمبر شد	نام کتاب	نویسنده
۱	مسند عمر بن عبدالعزیز	التوفی ۱۰۱ هـ
۲	الموطاء لامام مالک	۱۷۹ هـ
۳	المدونة الکبریٰ لامام مالک	۱۷۹ هـ
۴	کتاب الخراج لامام ابی یوسف الانصاری	۱۸۲ هـ
۵	کتاب الآثار لامام ابی یوسف الانصاری	۱۸۲ هـ
۶	کتاب الآثار لامام محمد (ابو عبد الله محمد بن الحسن الشیبانی)	۱۸۹ هـ
۷	الموطا لامام محمد (ابو عبد الله محمد بن الحسن الشیبانی)	۱۸۹ هـ
۸	کتاب اختلاف الحديث لابن عبد الله بن عمار	۲۰۲ هـ
۹	المصنف لعبد الرزاق (ابو عبد الله رزق بن هارون خمری)	۲۱۱ هـ
۱۰	سیرت لابن هشام (ابو محمد عبد الملك بن هشام)	۲۱۸/۲۱۳ هـ
۱۱	المسند للحمیدی (امام ابو بکر عبد الله بن ابرهیم الحمیدی)	۲۱۹ هـ
۱۲	کتاب المأول لابن عبید القاسم بن سلام الحروری	۲۲۲ هـ
۱۳	غریب الحديث لابن عبید القاسم بن سلام الحروری	۲۲۲ هـ
۱۴	السنن السعید بن منصور (مجلس علمی)	۲۲۷ هـ
۱۵	الطبقات الکبیر لمحمد بن سعد (لیدن)	۲۳۵/۲۳۰ هـ
۱۶	التاریخ یحییٰ بن معین	۲۳۳ هـ
۱۷	المصنف لابن بی شیبہ (ابو عبد الله محمد بن یونس الشیبانی)	۲۳۵ هـ
۱۸	نسب قریش لمصعب الزبیری	۲۳۶ هـ
۱۹	مسند اسحاق بن راهویه (اسحق بن راهبه بن خالد الطلیحی (عرفی))	۲۳۸ هـ
۲۰	تاریخ خلیفه ابن خیاط (ابو عمرو)	۲۴۰ هـ
۲۱	المسند لامام احمد بن حنبل الشیبانی	۲۴۱ هـ
۲۲	کتب الحرم لابن جعفر بغدادی (محمد بن حمید بغدادی)	۲۴۵ هـ
۲۳	المختب مسند عب بن حمید	۲۴۹ هـ
۲۴	المسند للدری (ابو عبد الله محمد بن عثمان بن عفان التمیمی)	۲۴۲ هـ
۲۵	اصح البخاری (لامام محمد بن اسماعیل البخاری)	۲۵۶ هـ
۲۶	الادب المفرد للبخاری (لامام محمد بن اسماعیل البخاری)	۲۵۶ هـ
۲۷	التاریخ الکبیر للبخاری (لامام محمد بن اسماعیل البخاری)	۲۵۶ هـ
۲۸	التاریخ الصغیر للبخاری (لامام محمد بن اسماعیل البخاری)	۲۵۶ هـ
۲۹	جزء الحسن بن عرفة العبدی	۲۵۷ هـ
۳۰	اصح المسلم (امام مسلم بن حجاج القشیری)	۲۶۰ هـ
۳۱	تاریخ المدینه المنوره لابن زعمر بن شهاب المزنی	۲۶۲ هـ
۳۲	السنن لابن ماجه (ابو عبد الله محمد بن یزید ماجه)	۲۷۴/۲۷۳ هـ
۳۳	السنن لابن داود سلیمان بن اشعث البجستانی	۲۷۵ هـ
۳۴	ترمذی شریف (ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی)	۲۷۹/۲۷۵ هـ
۳۵	شمائل ترمذی - لابن عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی) ایضاً	۲۷۹ هـ
۳۶	انساب الاشراف للبلاذری (احمد بن یحییٰ البلاذری)	۲۷۹/۲۷۷ هـ
۳۷	کتب المعرفه والتکنیک لابن یوسف یعقوب بن ندیم هروی	۲۷۷ هـ
۳۸	کتاب السنه لابن عبد الله محمد بن نصر المروزی	۲۹۲ هـ
۳۹	قیام اللیل و قیام رمضان للمروزی	۲۹۳ هـ
۴۰	السنن الکبریٰ (ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائی)	۳۰۳ هـ
۴۱	المسند لابن یعلیٰ الموصلی (احمد بن علی الموصلی)	۳۰۷ هـ
۴۲	التاریخ لمحمد بن جریر ابی جعفر الطبری	۳۱۰ هـ
۴۳	التفسیر لابن جعفر الطبری	۳۱۰ هـ
۴۴	اصح لابی خزیمه (لابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمه)	۳۱۱ هـ
۴۵	کتب الصحف لابن کثیر دمشقی (ابو عبد الله محمد بن کثیر دمشقی)	۳۱۵ هـ
۴۶	الاجمال لابن بکر محمد بن ابی اوسه بن امیه رانی شاہچی	۳۱۸ هـ
۴۷	شرح صفی الاموال لابن جعفر الحلی (احمد بن محمد بن ملا صدوق قمی)	۳۲۷ هـ
۴۸	کتب الفقهاء للعینی (جعفر بن عون بن جلال الدینی)	۳۲۲ هـ

[illegible]

۱۰۳	میزان الاعتدال لاذهبی	۵۷۲۸	۱۳۰	تفسیر اتقان للسیوطی	۵۹۱۱
۱۰۴	المستغنی للذهبی	۵۷۲۸	۱۳۱	تفسیر جلالین للسیوطی	۵۹۱۱
۱۰۵	تاریخ الاسلام للذهبی	۵۷۲۸	۱۳۲	تاریخ الخلفاء للذهبی (شیخ حسین بن محمد بن یحیی)	۵۹۶۰
۱۰۶	المنار المصنف لابن قیم	۵۷۵۱	۱۳۳	تنزیة الشریعة المرفوعة لابن عراق الکفانی	۵۹۶۳
۱۰۷	زاد المعاد لابن قیم	۵۷۵۶/۷۵۱	۱۳۴	البحر المرائق لابن نجیم (شیخ زین الدین بن عبدالمجید بن نجیم)	۵۹۷۰
۱۰۸	نصب الرایة للعلامة (عبدالمجید بن عبدالمجید بن عبدالمجید)		۱۳۵	المصواعق المحرقة مع تصحیح البجانب لابن حجر المکی	۵۹۷۵/۷۵۶/۷۵۷
۱۰۹	البدایة والنهایة لابن کثیر (عماد الدین الدمشقی)	۵۷۷۵/۷۷۶/۷۷۷	۱۳۶	کنز العمال لعلی متقی البهنیدی	۵۹۷۵
۱۱۰	تفسیر القرآن لابن کثیر	ایضاً	۱۳۷	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لعلی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ
۱۱۱	التمیذ لابن خلدون (مبارک بن محمد بن خلدون بن محمد بن خلدون)	۵۷۷۹	۱۳۸	شرح فقہا کبریٰ القاری	۱۰۱۳ھ
۱۱۲	الکرمانی شرح بخاری شریف لعلی بن محمد بن علی	۵۷۸۶	۱۳۹	جمع الوسائل شرح شمائل لعلی القاری	۱۰۱۳ھ
۱۱۳	توضیح وکون کعبه الدین مسعود بن عمر بن عبدالمجید بن عبدالمجید	۵۷۹۱	۱۴۰	الاسرار المرفوعة فی اخبار الموضوع لعلی القاری	۱۰۱۳ھ
۱۱۴	شرح الحلیة فی حیات السلف لعلی بن محمد بن علی بن محمد بن علی	۵۷۹۲	۱۴۱	عقیده السفارینی (محمد بن احمد السفارینی)	۱۱۷۳ھ
۱۱۵	تفسیر البرهان فی علوم القرآن لابن کثیر (عبدالمجید بن عبدالمجید بن عبدالمجید)	۵۷۹۳	۱۴۲	ازالة الخفاء للشیخ محمد بن عبدالمجید بن عبدالمجید بن عبدالمجید	
۱۱۶	مجمع الروايات الشیخی (نوال الدین الشیخی)	۵۸۰۷	۱۴۳	قرۃ العینین لکتاب ولی الله محمد بن دہلوی	۱۱۷۶ھ
۱۱۷	موارد المظمان الشیخی	۵۸۰۷	۱۴۴	تفسیر مظہری لقاضی شفاء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۱۱۸	الاصابہ لابن حجر العسقلانی	۵۸۵۲	۱۴۵	تحفة العشریة لکتاب عبدالحزیز بن محمد بن عبدالمجید بن دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۱۹	فتح الباری فی شرح البخاری لابن حجر العسقلانی	۵۸۵۲	۱۴۶	فتاویٰ لکتاب عبدالحزیز بن دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۰	تخصیص الحسیر لابن حجر العسقلانی	۵۸۵۲	۱۴۷	عجالة نافع لکتاب عبدالحزیز بن دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۱	لندیة تخریج احادیث احمد لیل لابن حجر العسقلانی	۵۸۵۲	۱۴۸	تفسیر روح المعانی للسید محمود آلوسی بغدادی	۱۲۷۰ھ
۱۲۲	عمدة القاری فی شرح بخاری شریف لابن کثیر	۵۸۵۵	۱۴۹	فیض الباری حاشیة علی صحیح البخاری حضرت مولانا سید نور الدین شمس الدین	۱۳۵۲ھ
۱۲۳	البنایة فی شرح احمد لعلی	۵۸۵۵	۱۵۰	آثار السنن للشیخ النعمانی (محمد بن نعیم)	
۱۲۴	فتح القدر لابن حمام شرح ہدایہ مع العنایہ	۵۸۶۱	۱۵۱	کشف الاسرار لکتاب عبدالمجید بن عبدالمجید بن عبدالمجید	۷۷۱۰ھ
۱۲۵	سیرۃ الخلیفہ لعلی بن محمد بن علی بن محمد بن علی	۵۹۰۰	۱۵۲	فیض المقدر شرح جامع الصغیر لکتاب عبدالمجید بن دہلوی	۷۷۱۰ھ
۱۲۶	فتح المغیث شرح تفسیر لکتاب الشیخی (محمد بن علی)	۵۹۰۲	۱۵۳	دیوان حسان بن ثابت	۹۲۳ھ
۱۲۷	الحاوی للفتاویٰ لجلال الدین السیوطی	۵۹۱۱	۱۵۴	الترغیب فی شرح سماع لکتاب عبدالمجید بن عبدالمجید بن عبدالمجید	
۱۲۸	تدریب الرای فی شرح تقریب النوی للسیوطی	۵۹۱۱	۱۵۵	مجمع البحار للطاهر الفتنی از الشیخ محمد طاهر	
۱۲۹	تاریخ الخلفاء للسیوطی	۵۹۱۱	۱۵۶	رسائل لکتاب لکتاب عبدالمجید بن عبدالمجید بن عبدالمجید	۱۲۲۵ھ

